DISTRICT GAZETTEERS

ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز

لاہور ڈویژن 1947ء

(ضلع لاہور مع قصور، گوجرانوالہ مع شیخوپورہ، سیالکوٹ، امرتسر)

MashalBooks.com

تالیف وترجمہ: شفقت تنویر مرزا

مشعل

ڈسٹرکٹ گزیٹئرز

لاہور ڈویژن

(1947)

- ☆ لاہور
- ☆ گوجرانوالہ، شیخوپورہ
- ☆ سیالکوٹ
- ☆ امرتسر
- ☆ گورداسپور

MashalBooks.com

MashalBooks.com

ہم سے پہلے......

حسن عابدی صحافی بھی تھے اور شاعر بھی۔ دونوں حیثیتوں میں غریب عوام سے دوستی کرتے رہے۔ جو نظریہ عوام دوست ہوا اسی کو عمر بھر اپنائے رکھا اور اسی نقطۂ نظر سے حالات، معمولات، واقعات اور نتائج کو دیکھتے اور پرکھتے رہے۔ جہاں کہیں گئے وہاں یہ جاننے کی کوشش کی کہ یہاں کا طبقاتی اور ثقافتی نقشہ کیا ہے۔ ماضی میں کیسا تھا اور مستقبل میں کیا شکل اختیار کر سکتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں آ گئے تو ترقی پسندانہ سوچ کے باعث جیل جانا پڑ گیا اور وہاں کا ایک شعری تاثر:

اک عجب بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے
ہائے کیا لوگ تھے زنداں میں بھی ہم سے پہلے

یہ غالباً اس جیل کی دیواروں اور ان کے اندر قید رہنے والوں کے لیے خراج تحسین بھی اور اک حیرت بے خبری بھی۔ لیکن نہیں حیرت بے خبری نہیں بلکہ اس خبر کا یقین کہ ان دیواروں کے اندر وہ لوگ، وہ عظیم لوگ محبوس رہے تھے جنہوں نے ملک و ملت کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں ہی برداشت نہیں کی تھیں بلکہ سولیوں پر بھی جھول گئے تھے اور وہ بھی اس لیے کہ انہیں اپنے عہد و پیمان جان سے بھی عزیز تر تھے۔ وارث شاہ کی ہیر بھی کچھ اسی انداز میں اپنے عہد کے جج، قاضی اور مذہبی عالم کے سامنے اعتراف حق کرتی ہے۔

سولی چڑھنا تے ذرا نہ فکر کرنا، مڈھوں عشق دی رمز آئین قاضی
وارث قول زبان توں ہار جانا، نہیں عاشقاں دا مذہب دین قاضی

تو ہمارے عہد میں اور ہم سے پہلے کون تھے جو سقراط سے لے کر یسوع مسیح اور منصور

تک سولیوں کو وقار بخش گئے۔ یہ تاریخ ہے اور اور اگر یہ تاریخ...... پوری کی پوری...... خصوصاً ہمارے اپنے علاقوں اور لوگوں کی' ہمارے اندر سانس لیتی ہو' جیتی جاگتی ہو' تو پھر ہمارے قول سے ہار جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گو ہماری تاریخ' بادشاہوں' حکمرانوں' خاندانوں' برادریوں اور قبیلوں کی ہے۔ جو لوگوں کی تاریخ ہے......تو ہمیں تو پوری طرح یاد نہیں' جو یاد کرائی گئی' وہ رہوار زمانہ کے سموں تلے کچلی اور بدشکل کی گئی تاریخ ہے' مثلاً اردو کا محاورہ: پورس کے ہاتھی۔

گویا اس ضرب المثل کے ذریعے پورس کی اس جدوجہد اور دلیرانہ جنگ کی حیثیت اور اہمیت کم کی گئی جو دریائے جہلم کے کنارے اس نے ایک فاتح عالم کے ساتھ کی اور مغرب کے اس پہلے سامراجی کو ہراتے ہراتے شومئی قسمت سے خود ہار گیا۔ یونانیوں کو سکندر کی عظمت اور جہاں گیری کا اس قدر احترام ہے کہ انہوں نے اکیسویں صدی میں یعنی کوئی 23 سو سال بعد جہلم کے مغربی کنارے پر اس جگہ اس کی یادگار قائم کر دی جس کے عین سامنے دریا کے پار اسے اپنے سب سے بڑے حریف کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جو ہار گیا تھا مگر سکندر کی فوج کو اس قدر لاچار اور بے بس کر چکا تھا کہ فوج نے دریائے راوی یا بیاس سے آگے جانے سے انکار کر دیا اور واپسی پر خود بھی تلمبہ (یا ملتان) کے قلعے والوں کے مہلک تیروں کے باعث واپس اپنے دیس نہ پہنچ سکا۔ فوج جہلم کنارے فتح پانے کے باوجود بددل ہوئی اور خود صاحب لشکر جنوبی پنجاب کی کمین گاہ سے تیر کھا کر لوٹ گیا۔ تاہم تاریخ کا پہلا ذائقہ یونانی مورخوں کے حوالے سے ہم نے چکھا۔

یہ تاریخ ہے مگر اس کا پورا ریکارڈ ہمارے پاس نہیں کیونکہ یہاں پر موجود قوم یا اقوام نے ان تاریخی لمحات کو اس لیے فراموش کرنا ضروری سمجھا کہ اس طرح اس عہد کے راجہ امبھی (دریائے سندھ کے آر پار کا حاکم) جیسے حاکم بے نقاب ہو جائیں گے' اور ہمارے عہد میں یعنی گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں ان تمام پورسوں کو بالا رادہ بھلا دیا گیا۔ ان کی یادگاریں اور نام و نشان ضائع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی جنہوں نے برصغیر میں سکندر کی یورپی نسل کی یلغار کو روکنے اور اپنی دھرتی کو آزاد اور سر بلند رکھنے کے لیے رہ یار کو قدم قدم یادگار بنا دیا تھا۔

جن اسیران زنداں کا ذکر حسن عابدی نے کیا ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے شاہی قلعے

MashalBooks.com

اور جیل روڈ کی پرانی جیل کو اپنی قربانیوں سے یادگار بنا دیا تھا۔ ہم نے یہ کیا کہ اس جگہ مولوی غلام رسول (قلعہ میہاں سنگھ) گوجرانوالہ سے لے کر بھگت سنگھ تک آزادی کے ہراول دستے کے شاہسواروں کی یادگار قائم کرنے کے بجائے کھاتے پیتے' بدعنوان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں اور افسروں کی رہائشی کالونی بنا دی' اس دھج کو سلامت رکھنے کی بجائے اس کی دھجیاں بکھیر دیں جس دھج سے وہ سب مقتل کو گئے۔

یہ بھی تاریخ ہے

ہڑپہ' موہنجودڑو' جلیل پور' گنویری والا' تخت بائی اور ٹیکسلا بھی تاریخ ہے مگر ہم نے ان کو مردہ ڈھیر جیسی تاریخ بنا دیا تھا' تاریخ جو ہمارے اندر' ہماری ثقافت ہمارے طرز فکر میں سانس نہیں لیتی' مردہ حالت میں پڑی ہے۔

قبل مسیح سکندر کے زمانے کی تاریخ اس کی باقیات کہاں؟

وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ہڑپہ' گنویری والا اور موہنجوڈرو آباد کیے اور وہ کون تھے جنہوں نے ان کو آ کر برباد کر دیا۔ ان سب کی تاریخ کیوں محفوظ نہ رہ سکی؟

پھر آریا آئے...... ان کی تاریخ؟ وہ کیوں ستلج پار کر گئے؟ انہوں نے دیوی دیوتاؤں کے علاوہ معلومات' تاریخ کو کہاں تک محفوظ کیا' وہ کون سے مقامات چھوڑ گئے' جن کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

بکھری ہوئی ہے راکھ ادھر' ٹوٹی ہوئی طناب ادھر

اور وہ کیسی حیرت میں ڈوب گیا تھا:

کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں؟

اقبال کے عہد تک اقبال کے شہر سیالکوٹ پر تاریخ کا سفر کیا رہا' معلوم صرف اتنا کہ راجہ سالباہن نے آباد کیا' اس سے پہلے ایک بادشاہ ملندا گزرا جو دانش مندوں اور فلسفیوں کی تلاش میں رہا۔ پھر ادھر کہیں مہاتما بدھ بھی آیا۔ پھر ہندو مت اور ہندو راجے پھر ان پر مغرب سے مسلمان افغانوں کی یلغار' پھر پٹھانوں اور مغلوں کی حکومت' پھر سکھ راج اور اس کے بعد انگریزوں کی حکمرانی۔

اقبال کو بھرتری ہری' مہاتما بدھ اور بابا نانک سبھی اچھے لگے مگر اس کی ساری عمر کی آرزو ایک ہی تھی:

میری تمام آرزو کھوئے ہوؤں کی جستجو

کون لوگ اس دھرتی کو چھوڑ گئے اور ان کے ٹھکانے کس نے سنبھالے؟ ہماری تاریخ میں کئی بڑی بڑی نقل مکانیاں ہوئیں' دریاؤں کے سیلاب کتنے شہر صفحہ ہستی سے نابود کر گئے۔ کتنے ہاکڑہ جیسے دریا خشک ہوئے اور کتنے تھل اور چولستان چھوڑ گئے۔ ہمیں نہیں خبر مگر جو نقل مکانی ہمارے زمانے میں ہوئی (1947) اور جس بڑے پیمانے پر ہوئی اسی سے

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

بلاشبہ کروڑوں انسان مجبور کر دیئے گئے کہ سب کچھ چھوڑ کر حتیٰ کہ اپنے بزرگوں اور پرکھوں کی قبریں اور سمادھیاں' مسجدیں' مندر' گوردوارے' پاٹھ شالائیں' بزرگوں کے مزار' جنم استھان سب کچھ چھوڑ کر ادھر نکل جائیں جہاں ان کی جان کو امان مل سکتی ہے۔

اگر ہم بے شمار صدیوں پر پھیلی ان نقل مکانیوں سے محض اس لیے بے خبر رہ گئے یا رکھے گئے کہ متاثرین میں سے کوئی بھی ان وارداتوں کی تاریخ اور تفصیل کو یاد نہیں رکھنا چاہتا تھا تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمیں بلا ارادہ اپنے تاریخی ورثے' اچھے یا برے یا اچھے برے دونوں سے محروم رکھ کر معاشرے کے صحت مند ارتقا اور سفر میں رخنے ڈالے گئے۔ ہمیں زمان و مکان کی اس پہچان سے محروم کیا گیا جس سے ہم اپنے عہد کے لیے وہی سبق حاصل کر سکتے جو سبق اللہ کی ذات قرآن میں قصص کے حوالے سے ......عامۃ الناس کو دینا چاہتی ہے۔

تاریخ کی اہمیت کے بارے میں فی زمانہ کچھ زیادہ دلائل دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود سائنسی علوم میں بھی اشیاء و جاندار اور غیر جاندار کی تاریخ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اس کے بغیر سائنسی تحقیق ممکن ہی نہیں۔ پتھر کا کوئلہ کیسے بنا اور کوئلے سے ہیرا کیسے وجود میں آیا۔ یہ سب کچھ جاننے کے لیے متعلقہ مادہ پر گزری ساری واردات کا جاننا ضروری ہے اور یہ واردات ہی دراصل تاریخ ہے۔ علاقے' افراد' قبائل اور ہر ذی روح کی۔

MashalBooks.com

برصغیر پاک و ہند کے اس حصے (مغربی پاکستان) کی واردات کیا رہی ہے؟ مجہول ذہن رکھنے والے اوہام اور صنمیات میں مقید لوگوں نے اس واردات کے بارے میں بیان و عمل کی شکل میں کوئی خاص اثاثہ نہیں چھوڑا۔ موہنجوڈرو اور ہڑپہ سے حاصل ہونے والی تحریریں ابھی تک پڑھی نہیں جاسکیں اس لیے اس عہد کا باب بند ہے۔ بعد کے زمانے میں اگر کچھ بکھرا مواد ملا بھی ہے تو ویدوں اور مہابھارت والی نظم میں اور کچھ بدھ مت کی پالی زبان کی کتابوں سے۔ اسی پالی زبان میں اس علاقے (کابل سے جمنا تک) کے ایک حاکم شاہ ملندا (یا مریندرا) کے وہ مکالمات ہیں جو جوگیوں' سنیاسیوں اور دانش وروں سے ہوئے۔ ملندا کا جنم کالا باغ کے قریب دریائے سندھ کے ایک جزیرہ میں ہوا تھا اور اس کی رگوں میں یونانی اور مقامی خون رواں تھا۔ پایہ تخت اس کا سیالکوٹ تھا اس کی سلطنت میں کشمیر بھی شامل تھا اور وہیں سے اسے فلسفی ناگ سین جیسا جوہر قابل ہاتھ آیا۔

تاریخ کی واردات نہ پوری طرح کاغذوں' پتھر کی سلوں اور کپڑے وغیرہ پر محفوظ ہوئی نہ مٹی میں دبے شہروں کی کھدائی سے پوری تصویر سامنے آئی۔ ہم نے نہ تاریخ سے محبت کی نہ آثار قدیمہ سے۔ یہ ''ہم'' دراصل یہاں کے وہ باشندے تھے جو مسلمان حملہ آوروں کے وارد ہونے سے پہلے یہاں راج کیا کرتے۔ ''ہم'' نے نئی صورتحال کو دیکھا تو اپنی پرانی تاریخ میں نئی مصلحتوں کے مطابق ...... قطع و برید شروع کردی۔ ایک طرف اپنے آپ کو برتر بالا ثابت کرنے کے لیے اور دوسری سمت نئی مطابقت پیدا کرنے کی کوشش۔ دونوں صورتوں میں بچی کھچی تاریخ کی ایسی تعبیریں ہوئیں کہ خواب ہی پریشان ہوگیا۔

جب مسلمان آئے وہ اپنے ساتھ وقائع نگار بھی لائے اور انہوں نے وہی واقعات و حالات لکھے جو ان کو ساتھ لانے والوں نے چاہے۔ البیرونی خال خال تھے اور فردوسی بھی بہت کم' تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس علاقے میں مسلمان حکومت کرنے اور رہنے کے لیے آئے تھے اپنے ساتھ تاریخ بھی لائے تھے۔ انہوں نے چھوڑے علاقوں سے ایک تعلق کو بھی قائم رکھا اور بخاری' گردیزی' کرمانی' خراسانی' خوارزمی' گیلانی' فاروقی' صدیقی' علوی' حسینی' حسنی' فاطمی بھی کہلائے۔

MashalBooks.com

سو مسلمان حاکموں کو بھی اپنی تاریخ کی ضرورت تھی جو عموماً درباری مورخوں سے لکھوائی گئی اور کسی مقامی زبان میں نہیں۔ صرف درباری سرکاری زبان میں دوسرے متذکرہ وابستگیوں کا تاریخی پس منظر اپنے ہونے کے جواز کے لیے ضروری تھا۔ مثلاً بخارہ سے آنے والے سیدوں کو اپنی جھوٹی سچی تاریخ رکھنے کی ضرورت تھی سو اس طرح کی ایک تاریخ کی فکر ہوئی۔ آنے والوں کے حوالے سے مقامیوں نے بھی اپنے اپنے ''لہو'' کی پوتر تا اور جڑوں کی مضبوطی ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جسے بہر طور تاریخ نہ مانتے ہوئے بھی تاریخ ہی کہنا پڑے گا۔ مختصراً یہ کہ مسلمانوں کے عہد کی زیادہ تر تاریخیں ہر چند جانبدار ہیں مگر اس برصغیر میں تاریخ کو ریکارڈ کرنے کا سفر مسلسل انہیں سے شروع ہوا۔ مسلمان یہاں رہنے کے لیے آئے تھے اور جو یہاں کے لوگ مسلمان ہوئے ان کی ضرورت تھی جس نے صوفیا بابا فرید اور امیر خسرو پیدا کیے اور حکمرانوں کی ضرورت تھی تو انہوں نے جنوبی بھارت کے بہمنی حکمراں اور اکبر اور دارا شکوہ جیسے لوگ پیدا کیے۔ فکر و عمل کی ٹکراتی موجوں نے ایک طرف دارا شکوہ اور دوسری طرف اورنگزیب پیدا کیے اور ان کے ساتھ جو جو یہاں پہلے سے موجود تھے انہوں نے بھی اپنے ماضی حال اور مستقبل کے حوالے سے تاریخ کو اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے اہمیت دینا شروع کی۔

بہر طور تین صورتیں رہیں۔ ماقبل تاریخ اور اس کے بعد مہابھارت وید اور ضمنیات، پھر مختصر سا عرصہ جس میں یونانی مورخوں نے یہاں کا حال لکھا اور وہ سفرنامے جو بدھ زائرین کے حوالے سے سامنے آئے اور پھر مسلمانوں کا عہد اور اس زمانے میں لکھی گئی تاریخیں روزنامچے اور وقائع نگاری، یہ سب کچھ اپنے اپنے تعصبات کے ساتھ زندہ رہا۔

انگریزوں کے آنے سے پہلے ان کے قصے یہاں تک پہنچ چکے تھے وہ آئے تو سیاحت و سفر اور حکمت سے آغاز کیا پھر تجارت اور مارکیٹنگ کے حوالے سے وہ آگے بڑھتے رہے اور تجارتی مفاد کے لیے فوج قائم کی اور پھر فوج کے حوالے سے حکومت پر قبضہ۔ نہ قبل مسیح زمانے میں یونانی یہاں رہنے آئے تھے نہ سترہویں صدی میں یورپی خصوصاً انگریز ہی یہاں رہنے آئے تھے مگر تجارت کا تقاضا تھا کہ حکومت پر کنٹرول ہو اور اگر کنٹرول نہیں تو پھر براہ

راست قبضہ ہو۔ تجارت اور حکومت دونوں کے لیے علاقے کا جغرافیہ' قدرتی عوامل' ذخائر پیداوار' آبادی' برادری' قبیلے' فرقے' مذہبی طبقے اور پھر ان کے اندر تقسیم در تقسیم سبھی سے مکمل واقفیت لازم تھی۔ انہوں نے اپنے سے پہلے والوں کی اجتماعی' فرقہ وارانہ' علاقہ دار' قبائلی تقسیم اور مذہبی امتیازات کے حوالے سے بڑی معلومات اکٹھی کیں جو حکومتی اور تجارتی مقاصد کے لیے لازمی سے بھی زیادہ لازمی تھیں۔

انگریزوں نے ہمارے ماضی کو سامنے رکھ کر مختلف سرچشموں سے جو کچھ مل سکتا تھا اور سرزمین سے جو زبانی کلامی روایات حاصل ہو سکتی تھیں ان کی بناء پر اپنے تاجروں اور حکومتی اہل کاروں یا افسروں کے لیے ڈائریکٹریاں تیار کیں جن میں تاریخ بھی ہے اور تجارتی امکانات کی ممکنہ گنجائش کی تفصیل بھی۔ یہ کام انہوں نے برصغیر کے لوگوں کے لیے نہیں اپنے ''خواص'' کے لیے اپنی زبان میں کیا اور ہر چند ان کے مقامی زبانوں میں ترجمے پر کوئی پابندی نہ تھی مگر غالباً وہ ان معلومات کو عوامی یادداشت کا حصہ نہیں بنانا چاہتے تھے اس لیے ان کی ان ڈائریکٹریوں یا گزٹیئرز کا مقامی زبانوں میں کم ہی ترجمہ ہوا۔

ان کتابوں کا مصرف اگرچہ مخصوص تھا مگر فائدہ یہ ہوا کہ اس طرح ایک تیسرے فریق کے حوالے سے اس کے اپنے مفادات کی روشنی میں پہلے دو یا تین فریقوں کی تاریخ کی جو تلخیص ہمارے سامنے آئی اسے غیر پائیدار جانبدارانہ تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ رہا انتظام اور حکومت تو اس کے لیے انہوں نے ہر انتظامی یونٹ کی ایک ڈائریکٹری یا گزٹ تیار کیا جس میں جغرافیائی کوائف تاریخ' بااثر خاندان خصوصاً وہ جو ان کے طرفدار تھے' قابل ذکر مقامات قصبے اور شہر اور اس یونٹ کے اندر معیشت تجارت' صنعت' زراعت کی مختلف صورتوں کا حال شامل کر لیا۔

پنجاب میں یہ گزٹ انگریزوں کے یہاں آنے کے کوئی پینتالیس چالیس برس بعد چھپنے شروع ہوئے اگرچہ کوائف 1846ء سے بھی پہلے اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ پنجاب کو ضلعوں میں تقسیم کیا گیا۔ مردم شماری کے ساتھ ساتھ زراعت اور خانہ شماری بھی غرضیکہ وسیع سروے کے بعد یہ گزٹیئر تیار کیے گئے اور پھر ہر مردم شماری کے بعد عموماً ان پر نظر ثانی ہوتی

رہی۔ پہلی جنگ عظیم تک یہ کام پوری توجہ سے جاری رہا۔ یہ گزیٹئر سیاسی، معاشی، جغرافیائی، معدنی، مذہبی تقسیم کے حوالے سے تمام تر خرابیوں کے باوجود معلومات کا بہت بڑا خزانہ ثابت ہوئے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فوجی، علمی اور معاشی برتری اپنی جگہ مگر ایک پورے ضلع پر پندرہ بیس سفید فام کیسے کامیابی سے حکومت کرتے رہے ان کے پاس اپنے علم، مشن، فرض شناسی کے علاوہ گزٹیئر کی صورت میں کلید کامیابی بھی موجود تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں کو بہت کم فرصت ملی کہ ان گزٹیئرز کی وقت کے ساتھ ساتھ نظر ثانی کرتے تاہم بعض اضلاع کی نئی تشکیل کے باعث پچھلی صدی کی تیسری یا چوتھی دہائی تک بھی وہ ان کو دوبارہ چھاپتے رہے۔ 1947ء کے بعد ہم نے ان کتابوں سے فیض حاصل کیا نہ ان پر بدلے ہوئے حالات کے تحت نظر ثانی کرائی نہ انہیں اس ملک کے باشندوں کے لیے ان کی زبانوں میں ترجمہ کرا کے چھپوایا۔ ہاں انگریزوں کے جانشین کالے افسروں نے ان سے استفادہ کیا اور اگر کسی صاحب فکر کو موقع مل گیا تو اس نے ان کو یا ان کے کچھ حصوں کو محفوظ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آزادی کے کوئی تیس سال بعد ایک تاریخ دان اور استاد ڈاکٹر جہانگیر خان کو پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے حوالے سے ایک موقع ملا تو انہوں نے ڈھونڈ کر ان ضلعی گزٹوں کی کتابیں نکالیں، کچھ مکمل اور کچھ نامکمل۔ لیکن فیصلہ کیا کہ پنجاب کے سارے اضلاع جن میں بعد میں بنائے گئے اضلاع مثلاً شیخوپورہ شامل نہ تھے میں سے انتخاب کیا جائے اور کم از کم ہر ضلع کا جغرافیہ اور ارضیاتی حصہ جس میں شجر، حجر اور جانداروں کا ذکر شامل ہے کی تاریخ، انگریزوں کی نظر میں بڑے خاندانوں اور ان کے ممتاز افراد (جو عموماً سرکار کے خیرخواہان میں شمار ہوتے تھے) 1857ء میں ضلع کی کیفیت، ضلع کے بڑے بڑے شہروں، قصبوں، آثار قدیمہ وغیرہ سے متعلق حصے منتخب کر کے دوبارہ چھاپے جائیں کیونکہ آئندہ کے مورخ اور عام شہری کے لیے یہ معلومات ضروری ہیں۔ سوسائٹی نے دو جلدوں میں ان اضلاع اور ریاستوں کے گزٹوں کے متعلقہ حصے چھاپ دیئے جو 47ء کے بعد پاکستانی پنجاب کا حصہ بنے تاہم مورخ کی حیثیت سے ڈاکٹر جہانگیر کو ان کتابوں میں پورا پنجاب نظر نہیں آیا اسی لیے انہوں نے پورے پنجاب کا تاریخی نقشہ ایک حد تک محفوظ کرنے

MashalBooks.com

کے لیے دو جلدوں میں مشرقی پنجاب (جس میں ہماچل پردیش اور ہریانہ بھی شامل ہیں) کے اضلاع اور ریاستوں کے گزٹ (منتخب حصے) بھی چھاپ دیئے۔ کیونکہ پنجاب کی تاریخ کا پورا نقشہ اسی صورت میں سامنے رہ سکتا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ امیر تیمور کا حملہ' کالا باغ اور تلمبہ کے راستے پاک پتن سے آگے گم ہو جاتا اور پھر اس کی واپسی کہیں لاہور یا سیالکوٹ کے آس پاس سے ہوتی یعنی ایک مدت غائب رہنے کے بعد وہ پھر پنجاب میں نمودار ہوتا۔ یہ پنجاب کی تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوتی اور ڈاکٹر جہانگیر خان نے یہ ناانصافی نہیں ہونے دی۔

دوسری طرف انگریز حکمرانوں کی جانشینی جن مسلمان حاکموں کو ملی ان میں سے اکثر کے چہروں سے ان گزٹوں کے حوالے سے نقاب اٹھتا تھا اس لیے ان کی خیر سگالی اسی بے خبری کی صورت میں قائم رہ سکتی تھی کہ نہ صرف ان تاریخی کتابوں کو ہوا نہ لگنے دی جائے بلکہ نئے ایڈمنسٹریٹروں کو انگریزوں کی طرح باخبر رکھنے کے بجائے خود لذتی بے خبری میں موج اڑانے دی جائے نتیجہ یہ کہ نہ صرف وہ گزٹ لا پتہ ہونے لگے بلکہ جس پریس میں معلومات کا یہ خزانہ چھپا تھا اور جہاں پر اب بھی کچھ باقیات موجود تھیں اس کو ہی بتدریج صاف کر دیا جائے۔

ون یونٹ (وحدت مغربی پاکستان) کے آخری دنوں میں کسی صاحب ہوش نے کوشش کی کہ اگر ان کتابوں کو دوبارہ انگریزی میں چھپوانا درست نہیں تو ان کی بنیاد پر اردو میں ہر ضلع کے نئے گزٹ چھاپ دیئے جائیں' اس ضمن میں کچھ پیش رفت بھی ہوئی اور اندرون خانہ یہ کوشش کی گئی کہ اردو گزٹوں میں سے ان امراء اور رؤسا کے خاندانوں کا انگریز دوستی والا حصہ حزف کر دیا جائے تا کہ ان کو 1846ء سے لے کر 1947ء تک اپنے بزرگوں سے جو روسیاہی ورثے میں ملی تھی وہ اس سے پاک صاف نظر آئیں' مگر وہ جو ڈاکٹر تاثیر نے کہا ہے:

چھپاؤ بھی تو یہ پہلو نکل ہی آتے ہیں

چنانچہ یہ تاریخی منصوبہ بھی سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔

بہت دیر بعد لاہور کے ایک پبلشر کو کتابوں کے نکاس کے امکانات بڑے روشن نظر

آئے تو اس نے ایک ایک کر کے انگریزی کے پرانے گزٹ بمشکل اکٹھے کیے اور پورا پورا متن ٹریسنگ پیپر پر نکال کر چھاپنا شروع کر دیا۔ یقیناً یہ بہت ہی قابل قدر کوشش ہے مگر اب بھی بہت سے اضلاع (خصوصاً جو نئے ضلع بنائے گئے) کے گزٹ چھپنے باقی ہیں۔

عملاً ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سرکار اپنے پیش روں کی طرح 1947ء کے بعد ہونے والی ہر مردم شماری اور خانہ شماری وغیرہ کے بعد ان گزٹوں پر نظر ثانی کرواتی اور انہیں نہ صرف انگریزی میں بلکہ اردو اور مقامی زبانوں میں بھی چھپواتی رہتی کہ عوام کو ان سے تاریخی، سماجی، معاشی شعور حاصل ہو مگر ہماری حکومتیں عوام کو شعور سے کسی صورت آراستہ کرنے کے حق میں نہیں ورنہ یہ کام کوئی اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

ہمیں ایک قصہ سنایا گیا کہ مضافات کے ایک کالج کے نو وارد اساتذہ اور ان کے حلقہ اثر کے طلباء کو خیال آیا کہ طلباء کے میگزین کو عام میگزین کے بجائے اپنے ضلع کے گزیٹئر کی من وعن دوبارہ اشاعت کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ ابتداً اتفاق رائے ہو گیا کہ ایسا میگزین چھاپا جائے اور ضلع کی لائبریریوں اور پڑھے لکھے لوگوں سے بھی رابطہ کیا جائے تاکہ کوئی مالی پریشانی درپیش نہ ہو یہ بھی فرض کر لیا گیا کہ ضلع کے سربرآوردہ سیاسی لیڈروں، زمینداروں کی طرف سے مخالفت نہیں ہو گی مگر جیسے ہی یہ خبر ان تک پہنچی انہوں نے اپنا پورا سیاسی دباؤ ڈالا اور اوپر سے آنے والے حکم نے اکیڈیمک فریڈم (تعلیمی آزادی) سلب کر لی اور یہ انتہائی موثر اور نتیجہ خیز تجویز قتل ہو گئی ورنہ ہوتا یہ کہ ہر ضلع کا ایک ایک کالج اپنے اپنے ضلع کا گزٹیئر چھاپ دیتا تو اس طرح پورے پاکستان کی وہ تاریخ محفوظ ہو جاتی جو انگریزوں کے نقطہ نظر اور ضرورتوں کے مطابق مرتب ہوئی تھی۔ بہر طور ایسا نہیں ہوا کیونکہ 1857ء اور 1947ء کے بعد بننے والے رؤسا کو یہ منظور نہیں اس لیے کہ وہ (جاگیردار ہوں یا تاجر اور صنعت کار) اداروں کو نہیں من مانی کو جمہوریت یا حکومت سمجھتے ہیں۔ صرف اتنا تکلف کیا جاتا ہے کہ عوام کے ووٹوں کی فہرستیں بنوا کر ان سے ووٹ لے لیا جاتا ہے جو عموماً 15-20 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتا (1946ء اور 1970ء کے انتخابات چھوڑ کر)۔

بہر حال مستقبل میں تاریخ لکھنے والوں کے لیے یہ گزٹیئر بہت مدد فراہم کرتے ہیں

MashalBooks.com

مستقبل میں صحیح راہ سفر کے انتخاب میں بھی لوگوں کے لیے یہ معلومات بہت کارآمد ہیں اور ان کے لیے بھی جو آثار قدیمہ ڈھونڈتے ہیں کہ کیا کیا باقی بچ گیا اور کیا کیا ہماری غفلتوں کے باعث ضائع ہوگیا۔ ان کے لیے بھی جو پانی کی قلت کے باعث بڑے بڑے بند بنانے کی بات کرتے ہیں کہ اگر چھوٹے چھوٹے ان ندی نالوں کا پانی اکٹھا کرلیا جائے جن کا تفصیلی ذکر ان کتابوں میں موجود ہے تو مستقبل کے کتنے باہمی تنازعات سے دامن بچ سکتا ہے۔

اس تاریخی سرچشمہ کو جاری رکھنے کے لیے ڈاکٹر جہانگیر خان کے منصوبے کے مطابق پورے پنجاب کے گزٹیئرز کے تاریخی سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور سماجی حصے سلسلہ وار اردو میں چھپوانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ 1947ء میں جو کمشنریاں تھیں ان میں شامل اضلاع پر مشتمل ایک ایک جلد چھاپی جائے اور پھر ان پانچ جلدوں لاہور، راولپنڈی، ملتان، جالندھر، انبالہ کے بعد اس وقت کی ریاستوں کے گزیٹئر بھی ایک ہی جلد میں چھاپ دیئے جائیں یعنی 1947ء میں کمشنریوں ضلعوں پر مشتمل جو پنجاب تھا بعینہ وہ پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ تاریخ کے سفر کے مقام آغاز کا بخوبی علم ہو۔

گزیٹئر میں ممتاز خاندان یا ممتاز شخصیتوں کے بارے میں جو کچھ مواد شامل ہے وہ زیادہ تر سر لیپل ایچ گرفن کی کتاب PUNJAB CHIEFS سے لیا گیا= گرفن کی کتاب 1876ء میں چھپی تھی اور اس میں صرف دو ڈویژنوں لاہور اور راولپنڈی کی شخصیات کا تذکرہ ہے یوں یہ نامکمل کتاب تھی۔ کرنل میسی نے باقی پنجاب کے خاندانوں اور شخصیات کے بارے میں کام کیا جو کتاب کے 1890ء کے ایڈیشن میں شامل کیا گیا۔ اس میں مزید اضافہ 1907ء میں میجر ڈبلیو ایل کانن نے اور 1910ء میں ایچ ڈی کریک نے اس کا اردو میں ترجمہ چھپوایا۔

1930ء میں خاندانوں کے شجرے تیار کرکے انگریزی کتاب میں شامل کیے گئے اور 1936ء میں انگریزی متن میں کچھ تنسیخ و اضافہ ہوا اور مترجم سید نوازش علی (گورنمنٹ پنشنر) کو اس کا ترجمہ اور خود متعلقہ شخصیات سے معلومات منگوا کر شامل کرنے کی اجازت دی گئی۔ سید نوازش علی نے اپنے دیباچے میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ بہت سے خاندانوں

MashalBooks.com

نے اپنی تصویریں بھجوانا تو دور کی بات ہے خط اور عرض داشت کا جواب تک نہیں دیا۔ یہ معاملہ تیسری دہائی کے آخری سالوں کا ہے جب کئی شخصیات سیاسی صورتحال میں تبدیلی کے باعث اب اپنے خاندان یا شخصیات کو اپنی ماضی کی وفاداریوں سے الگ رکھنا چاہتی تھیں اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تصویریں نہ دے کر اپنے اپنے خاندان کے ماضی کے کردار سے الگ رہنے کی کوشش کی گئی۔

لاہور کمشنری ہر اعتبار سے بہت ہی اہم ہے خصوصاً سکھوں اور انگریزوں کے زمانے سے 1947ء تک اس کا اور اس کے تین اضلاع لاہور' امرتسر اور گوجرانوالہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ ہم نے گزٹ کے شخصیات والے حصے کو نظرانداز کر کے سید نوازش علی کی کتاب روسائے پنجاب میں سے ان اضلاع کی شخصیات کے بارے میں مواد لیا ہے۔ تھوڑی بہت کمی کے ساتھ۔ دراصل جس مقصد کے لیے (یعنی بطور آئینہ) باقی گزٹیئرز کے ترجمے کا منصوبہ بنا۔ وہ یہی ہے کہ پنجاب کی گزشتہ دو سو سالہ تاریخ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری دی جائے تاکہ سکھوں اور انگریزوں کے عہد میں پنجاب سے بظاہر جو کردار منسوب کیا گیا ہے کیا واقعی ایسا ہے اور اگر ایسا ہے تو تین مذہبی فریقوں میں سے کس کس کا کیا کیا حصہ ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کن بنیادوں پر اور کن مقاصد کے لیے یہ کردار وضع کیا گیا؟

آج کے مؤرخ کی یہ ضرورتیں ہیں مگر ابھی تک تاریخ کے معروضی (خصوصاً معاشیات کی روشنی میں) مطالعہ کے بارے میں ہمارا قومی رویہ تبدیل نہیں ہوا۔ انفرادی طور پر کچھ مؤرخ اور محقق بزعم خود معروضی مطالعے پیش کر رہے ہیں مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ دوسری انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور ماضی کے سارے عمل کو منفی رویہ سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں جسے کسی بھی صورت صحت مند رویہ نہیں کہا جا سکتا۔

ہر چند کہ باقی صوبوں کے مقابلوں میں جہاں کشاکش دو مذہبی فریقوں میں تھی' پنجاب میں صورتحال تکونی تھی' یہاں تین فریق تھے اس لیے پچھلی صدی کی سیاسی تاریخ کی چھان پھٹک کرنے والے اکثر پنجاب کی اس تکون کو بھول جاتے ہیں اور اس کی سیاسی پیمائش دوسرے دو فریقی صوبوں کے معیاری گز کے ساتھ کرتے ہیں۔ لازمی امر یہ ہے کہ

MashalBooks.com

اس حاصل مطالعہ میں بہت سے نتائج غلط بنیادوں پر وضع کیے گئے ہوں گے۔اس حوالے سے خاندانوں اور شخصیات کے بارے میں گزٹیئر میں مواد کم تھا تو پھر مرحوم سید نوازش علی کی ترجمہ کردہ کتاب ''رؤسائے پنجاب'' میں سے اضافی مواد لیا جائے گا۔ یہ کتاب 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کے شروع میں چھپی تھی اس لیے اس میں بعض وہ معلومات بھی ہیں جو انگریزی پنجاب چیفس میں نہیں۔ان گزیٹروں کی اشاعت کا ایک مقصود عہد حاضر کے لکھنے والوں کو نئے زاویوں سے تاریخ کو دیکھنے اور اس تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دعوت مبارزت بھی ہے۔

شفقت تنویر مرزا

لاہور

MashalBooks.com

MashalBooks.com

ضلع لاہور (مع قصور)

1915-16ء

MashalBooks.com

- ☆ تاریخ
- ☆ خاندان
- ☆ تعلیمی ادارے

MashalBooks.com

تاریخ

ضلع لاہور کی تاریخ دراصل اس کے دو بڑے شہروں لاہور اور قصور کی تاریخ ہے اور یہی تاریخ سارے پنجاب کی ہے۔

آج کے ضلع لاہور کے بارے میں مسلمانوں کے عہد سے قبل کے واقعات سے متعلق معلومات بہت ہی کم ہیں تاہم لاہور شہر کے شہزادوں حاکموں اور عام لوگوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان طویل جنگ آزمائی میں اہم کردار ادا کیا اور پھر یہی کشمکش یہاں سے ہندوستان کی طرف رخ کر گئی۔ داستان یہ کہتی ہے کہ لاہور'لوہاوار کی بنیاد رام کے بیٹے لو(لوہ) نے رکھی تھی لیکن لگتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے پیشتر نہیں رکھی گئی کیونکہ نہ تو لاہور کا ذکر سکندر کے حوالے سے کہیں آتا ہے اور نہ ہی سٹر یبو یا پلینی نے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پٹولمے نے جس لہوکلا کا ذکر کیا ہے کہ اماکئی کا مقام اس کے قریب ہے وہی لاہور ہو اور کننگھم کے خیال میں اماکئی دراصل لاہور سے پچیس میل کے فاصلے پر اس جگہ آباد تھا جہاں اب امیا کاپی کے کھنڈر (تحصیل ننکانہ صاحب) ہیں۔ لاہور کا پہلا تاریخی ریکارڈ یا تذکرہ چینی سیاح ہیون سانگ کے سفرنامہ میں ملتا ہے۔ وہ جالندھر جاتے ہوئے 630ء میں اس شہر کا ذکر کرتا ہے اور اسے براہمنوں کا شہر کہتا ہے۔ ممکن ہے اس زمانے میں سلطنت لاہور کا صدر مقام سیالکوٹ منتقل ہو گیا ہو کیونکہ البیرونی صوبہ لاہور کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا پایہ تخت منڈوکڑ میں ہے یہ بات بھی اہم ہے کہ المسعودی نے لاہور کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

دسویں صدی کے آخر میں سلطنت لاہور پر براہمن بادشاہوں کی حکومت تھی اور 988ء میں لاہور کے حاکم جے پال کو سبکتگین نے فیصلہ کن شکست دی تھی۔ محمود نے اگرچہ جے پال کو

MashalBooks.com

1001ء میں اور آنند پال کو1008ء میں شکست دی تھی مگر وہ لاہور پر پہلے حملے کے بیس سال بعد تک لاہور نہیں آیا۔اس زمانے میں لاہور شہر کوئی اہم نہیں تھا۔1034ء میں ملتان کے باغی گورنر نے لاہور پر قبضہ کرلیا تھا تاہم اسے لاہور سے بھگا دیا گیا۔1042ء میں ہندو ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے تو محمود نے اسے مکمل طور پر دبا دیا اور ملک ایاز کو لاہور کا انتظام سونپ دیا۔مسلم روایات کے مطابق ملک ایاز نے ہی لاہور کی بنیاد رکھی تھی۔آٹھ غزنوی شہزادوں کے عہد حکومت میں لاہور پر وائسرائے کے ذریعے حکومت کی جاتی تھی اور لاہور اس صوبے کا صدر مقام تھا مگر مسعود ثالث(1099-1114) کے زمانے میں اسے غزنوی سلطنت کا پایہ تخت بنا دیا گیا۔مسعود کی موت کے بعد لاہور کے گورنر محمد ابراہیم نے1119ء میں بہرام شاہ کے خلاف بغاوت کردی مگر شکست کھائی پھر1153ء میں خسرو شاہ نے لاہور کو دوبارہ پایہ تخت بنالیا اور 1193ء تک لاہور ہی غزنوی سلطنت کا دارالحکومت رہا۔محمد غور نے 1181ء میں لاہور پر یلغار کی اور1186ء میں اس پر قبضہ کرلیا۔اس زمانے سے لے کر بعد کے زمانے تک لاہور ہمیشہ دہلی کے حاکموں کے مخالفوں کا مرکز بنا رہا اور اس عرصہ میں 1205ء میں سرکش کھوکھروں نے شہر اور علاقے کو بہت تاراج کیا۔

1206ء میں محمد غور کی وفات پر قطب الدین ایبک کی لاہور میں تاج پوشی ہوئی تاہم 1206ء میں تاج الدین یلدوز نے ایبک کے نائب قباچہ کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔ قطب الدین ایبک نے اسی سال اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا1211ء میں آرام شاہ کی موت کے بعد دہلی کے التمش،ملتان کے ناصرالدین قباچہ اور غزنی کے تاج الدین یلدوز کے درمیان لاہور متنازعہ رہا۔یلدوز نے1215ء میں ناصرالدین سے لاہور چھین لیا تھا مگر اگلے ہی سال التمش نے یلدوز کو شکست دی اور 1217ء میں اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔التمش کا انتقال1236ء میں ہوا۔لاہور کے ملک علاؤالدین جانی نے دہلی کے خلاف بغاوت کردی اس کی شکست اور مارے جانے کے بعد لاہور کے نبی خان ایاز نے1238ء میں بغاوت کی مگر بعد میں ہتھیار ڈال دیئے۔

اس کے بعد ایک صدی تک لاہور منگولوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا۔1241ء میں اس پر منگولوں کا قبضہ ہوگیا مگر وہ1285ء میں واپس چلے گئے۔دریائے راوی کے کنارے پر بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد کو قتل کردیا گیا اور شاعر امیر خسرو کو قید کرلیا گیا۔پھر محمد کی جگہ اس کے بیٹے کیخسرو کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔جو1287ء میں قتل ہوگیا۔اسی زمانے میں نواحی بستی مغل

پورہ کو منگولوں نے آباد کیا۔ چغتائی نے 1301ء میں پھر لاہور پر حملہ کیا علاؤالدین خلجی کے زمانے میں مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پہلے غازی ملک اور پھر تغلق شاہ کو دیپالپور اور لاہور کی حکومت سونپی گئی۔ تغلق شاہ کا خیال تھا کہ اس نے مغلوں کو روکنے کی کارروائی بڑی کامیابی سے کی تھی تاہم 1342ء میں کھوکھروں نے لاہور پر قبضہ کرلیا۔ پھر سارنگ خان نے قبضہ چھڑایا تو 1394ء میں پھر کھوکھروں نے قبضہ کرلیا۔ 1392ء میں تیمور کی فوج کے ایک حصے نے لاہور پر قبضہ کرلیا۔ لگتا ہے کہ ان دنوں لاہور بالکل ویران ہوگیا تھا اور اسے 1422 میں مبارک شاہ نے دوبارہ تعمیر اور آباد کرایا۔ اسی سال جسرتھ کھوکھر نے ایک بار پھر لاہور پر حملہ کیا پھر 1431ء اور 1432ء میں بھی ناکام حملے کیے۔ 1433ء میں شیخ علی نے شہر پر قبضہ تو کرلیا مگر اسے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ 1491ء میں بہلول خان لودھی کو لاہور اور دیپالپور کی حکومت دی گئی تو اس نے اپنے آقا محمد شاہ کی مخالفت شروع کردی۔ پٹھانوں کے عہد حکومت میں لاہور کو کچھ سکھ کا سانس لینے کا موقع ملا مگر ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں لاہور کے گورنر دولت خان لودھی نے ابراہیم کے خلاف بغاوت کردی اور بابر کو مدد کے لیے بلالیا۔ 1524ء میں بابر کے لشکریوں نے لاہور کو لوٹا تاہم اگلے سال اس نے حملہ کیا تو سیالکوٹ کے راستے آگے بڑھا۔ مغلوں کا عہد لاہور کی تاریخ کا سنہری دور ہے یہاں شاہی خاندان نے رہائش اختیار کی اور ابوالفضل کے بقول لاہور تمام اقوام کا عظیم الشان مرکز بن گیا۔ آج بھی اس عظیم کی دور کی شاندار یادگاریں لاہور میں موجود ہیں۔ ہمایوں تخت نشین ہوا تو اس کے چھوٹے بھائی کامران نے لاہور پر قبضہ کرلیا اور پھر پنجاب کے ساتھ کابل اور قندھار کی گورنری بھی لی۔ ہمایوں اور شیر شاہ کے درمیان جھگڑے کے زمانے میں لاہور مغلوں کا فوجی ہیڈکوارٹر تھا انہیں عارضی شکست ہوئی تو لاہور تباہی سے بمشکل بچ سکا۔ 1551ء میں ہمایوں پھر فاتحانہ انداز میں لاہور میں داخل ہوا۔ اس کا بڑے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ جب اکبر تخت نشین ہوا تو اس کے چھوٹے بھائی حکیم نے 1563ء میں اس پر قبضہ کرلیا اگرچہ حکیم کو شہر سے نکال دیا گیا تھا مگر اس نے 1581ء میں پھر اس پر حملہ کیا تو اب کے اکبر نے بذات خود حکیم کو بھگا دیا۔ اکبر نے 1584ء سے 1598ء تک لاہور ہی کو پایہ تخت بنائے رکھا۔ یہاں پر ہی پرتگیزی پادری (مشنریوں) اور فچ نیوبری لیڈز اور سٹورے نامی انگریزوں نے اکبر سے ملاقات کی۔ جہانگیر کی 1605ء میں تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد شہزادہ

خسرو آگرہ سے بھاگ نکلا۔ لاہور کے نواح پر قابض ہوا اور قلعہ لاہور کا محاصرہ کرلیا مگر اسے جلد ہی شکست دے دی گئی اور اس کے ساتھیوں کو بڑے ظالمانہ انداز میں مار دیا گیا۔

خسرو کی بغاوت میں گوروارجن کو بھی ملوث کیا گیا گوروارجن بھی مغلوں کی قید میں مرے۔ سکھی روایات کے مطابق گوروارجن معجزاتی طور پر راوی کے پانی کے اندر ہی اندر بچ کر غائب ہوگئے ان کی سمادھی آج بھی مغلوں کے محل اور رنجیت سنگھ کی سمادھی کے درمیان موجود ہے۔ جہانگیر نے 1622ء میں لاہور میں دربار قائم کیا اور جب 1627ء میں کشمیر میں راجوری کے قریب اس کا انتقال ہوا تو پھر وصیت کے مطابق اسے نور جہاں کے باغ میں لاہور میں دفن کیا گیا اور ملکہ نور جہاں نے اس کی قبر پر مقبرہ بنوایا۔ اکبر' جہانگیر' شاہجہان سبھی کی وفات اور تخت نشینی کے بعد لاہور تخت کے دعویداروں کی کشمکش اور لڑائی کا مرکز رہا۔ تاہم 1628ء اور 1657ء کے درمیان علی مردان خان اور حکیم علی الدین کی گورنری میں لاہور میں بڑا امن چین اور خوشحالی رہی۔ حکیم علی الدین مشہور وزیر خان کے نام سے ہوا۔

اورنگزیب کے عہد میں لاہور سے کوئی اہم سیاسی واقعات وابستہ نہیں کیونکہ شہنشاہ زیادہ تر دکن میں مرہٹوں اور راجپوتانہ کے قبائل کی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہا۔ اورنگزیب کی وفات (1707) اور رنجیت سنگھ کی حکمرانی تک لاہور پر بدقسمتی کا دور دورہ رہا۔ یہ سلطنت کے مرکز سے دور افتادہ صوبہ کا صدر مقام تھا اور اسی باعث مغل سلطنت کے زوال کے عہد میں حکمرانوں کی کمزوریوں کے باعث اسے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ حکومت گورنروں کے سپرد تھی اور ان گورنروں کو مرکز سے پورا تعاون اور مدد حاصل نہیں ہوتی تھی چنانچہ یہ سکھوں کی بغاوت کا مرکز بن گیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد لاہور درانی سلطنت کی سرحدی چوکی بن گیا۔ تاہم لاہور پر کابل کے حکمرانوں کا قبضہ کبھی مستحکم نہیں رہا۔ چنانچہ اس زمانے کی تاریخ میں اہم واقعہ سکھوں کا عروج تھا۔

سکھ مت کے کھاتے میں لکھا تھا کہ اس نے ایک بار پھر لاہور میں ہندو بالادستی قائم کردی سکھ مت کے حوالے سے سکھوں کی شہادتوں کا سلسلہ جہانگیر بادشاہ کی تخت نشینی (1606) کے بعد چوتھے گوروارجن سنگھ سے شروع ہوا جنہوں نے آدی گرنتھ بھی مرتب کیا تھا۔ جہانگیر کے عہد کی کشمکش کے باعث یہ امن و سلامتی کا مذہب عسکری مذہب بن گیا۔ اورنگزیب کے عہد میں سکھوں کو خاصا دبا کر رکھا گیا تھا مگر اس کی وفات کے بعد بندہ بیراگی کی قیادت میں سکھ اٹھ

MashalBooks.com

کھڑے ہوئے اور لاہور کے لیے خطرہ بن گئے۔اورنگزیب کے جانشین بہادر شاہ نے سکھوں کی سرکوبی کے لیے دہلی سے لاہور کی طرف سفر شروع کیا مگر کوئی فیصلہ کن کامیابی حاصل کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ لاہور شہر کی فصیلوں کے باہر بہادر شاہ کے بیٹوں جہاندار اور عظیم الشان کے درمیان تخت نشینی کی جنگ شروع ہوگئی۔ عظیم الشان کو شکست ہوئی اور وہ راوی میں ڈوب کر مر گیا جب فرخ سیئر بادشاہ تھا تو لاہور کے گورنر کو سکھوں کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی اس کے بعد گورنر عبدالصمد خان نے باغیوں کو شکست دی۔ بندہ بیراگی کو قید کیا۔ پھر اس کے اور اس کے بیٹے زکریا خان کی گورنری کے زمانے میں اکیس برس(1738-1717) تک لاہور سکھ چین سے رہا تاہم بعد میں اس نے مناسب سمجھا کہ نادر شاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو غارت گری سے بچانے کے لیے خراج دینا منظور کر لیا۔ احمد شاہ درانی نے 1748ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔ دوسری بار احمد شاہ نے حملہ کیا تو اس وقت کے گورنر میر منو(معین الملک) نے تھوڑی سی مزاحمت کی۔ میر منو کی جانشین اس کی بیوہ بنی۔ جب وزیر کے ہاتھوں بیوی (مغلانی بیگم) کے اغوا کا بہانہ بنا کر احمد شاہ نے چوتھی بار حملہ کیا(1755) اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ 1758ء میں انہوں نے سکھوں کو شہر سے نکال دیا اور انہوں نے آدینہ بیگ کو لاہور کا گورنر بنا دیا۔ وہ چند ماہ بعد ہی مر گیا۔ 1761ء میں پانی پت میں احمد شاہ کی فتح نے مرہٹوں کی طاقت توڑ کر رکھ دی ادھر سکھوں نے دوبارہ لاہور کا محاصرہ کیا۔ اگلے سال مار کھا گئے اور برنالا میں ان کا بھی کشت وخون ہوا اب کابلی مل لاہور کا گورنر ہو گیا۔ سکھ گھوڑ سواروں نے لاہور کے اردگرد تباہی مچا دی۔ احمد شاہ کے حملے کے بعد کابلی مل کو بھی لاہور سے بھگا کر سکھ لاہور کے والی وارث بن گئے۔ احمد شاہ ابدالی لاہور سے آخری بار (1767) میں گیا اس کے تیس برس بعد تک لاہور پر سکھوں کا بلاشرکت غیرے قبضہ رہا۔ 1797ء میں شاہ زمان لاہور پر حملہ آور ہوا اور سخت کشت وخون ہوا۔ اگلے سال وہ پھر آیا اب کے برس جب وہ واپس جا رہا تھا تو اس نے رنجیت سنگھ کو لاہور کی حکومت کا پروانہ دے دیا۔ رنجیت سنگھ کو عروج حاصل ہوا تو نئی بادشاہت کے صدر مقام کے طور پر لاہور میں خوشحالی کا دور شروع ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اس کے جانشینوں کے عہد کی تاریخ امپیریل ہسٹری کا حصہ ہے اس لیے امپیریل گزیٹر ملاحظہ کیجئے۔ دسمبر 1846ء میں کونسل آف ریجنسی قائم کر دی گئی اور سارے اختیارات برطانوی ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں آ گئے۔ 29 مارچ 1849ء کو دوسری سکھ جنگ کے خاتمے پر نوعمر مہاراجہ دلیپ سنگھ نے استعفیٰ دے دیا۔

MashalBooks.com

قصور

روایت بتائی جاتی ہے کہ قصور کو رام کے بیٹے کسو نے آباد کیا تھا جو لاہور کے بانی لاوایا لوہ کا بھائی تھا۔ قصور واقعی ایک قدیم شہر ہے۔ جنرل کننگھم کا کہنا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں ہیون سانگ نے یہاں جس شہر کا ذکر کیا تھا وہ قصور ہی تھا۔ لگتا ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملوں سے ذرا پہلے قصور والی جگہ پر راجپوتوں کا ایک شہر آباد تھا مگر مسلمانوں کے آنے سے پہلے تاریخ میں قصور کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بہت دیر بعد اس کا ذکر آتا ہے اور وہ بھی جب دریائے سندھ کے مغرب سے آنے والے پٹھانوں نے یہاں ڈیرے ڈالے۔ یہ مہاجر یا تو بابر کے عہد میں اس شہر میں آئے یا پھر اس کے پوتے اکبر کے زمانے میں اور پھر دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر اپنی جاگیر یا حکومت قائم کر لی جب سکھوں نے سر اٹھانا شروع کیا تو ان کی زبردست مخالفت قصور کے پٹھانوں نے کی۔ بھنگی سردار 1763ء اور پھر 1770ء میں شہر پر غالب آگئے اور انہوں نے پٹھانوں کے مقبوضات پر خود قبضہ کر لیا مگر پٹھان لیڈروں نے 1794ء میں پھر آزادی حاصل کر لی اور سکھوں کے متعدد حملوں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن 1807ء میں ان کا آخری حاکم قطب الدین خان مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ہار گیا اور ستلج کے مشرقی کنارے ممدوٹ کو نقل مکانی کر گیا۔ قصور شہر کو سلطنت لاہور کا حصہ بنا لیا گیا۔ قصور شہر کچھ بلندی پر واقع ہے جہاں سے ستلج اور بیاس کی زرخیز وادی بہت قریب ہے شہر مختلف محلوں یا ٹکڑوں کا مجموعہ ہے۔ اب یہاں کے پٹھان انحطاط پذیر ہیں۔

1857ء کی بغاوت کے بارے میں لاہور اور قصور کے واقعات پنجاب میوٹنی رپورٹ سے لیے گئے ہیں جو گزیٹر کے 94-1893ء کے ایڈیشن سے دیئے جا رہے ہیں۔

13 مئی کو یہاں میرین سپاہیوں سے ہتھیار لینے کے باعث باغیوں کا ایک بڑا منصوبہ

MashalBooks.com

ناکام ہوگیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ بیک وقت لاہور کے قلعہ، خزانہ، اسلحہ خانہ پر قبضہ کرکے لاہور چھاؤنی میں علی الاعلان بغاوت کریں گے اس طرح فیروز پور میں اسلحہ لوٹنے اور چھاؤنی میں بغاوت کا منصوبہ بھی ناکام ہوا۔ ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق اگر یہ کارروائی ہوتی تو شمال مغربی صوبہ اور پنجاب دونوں بالکل ہاتھ سے نکل جاتے۔ ان علاقوں میں سارے یورپینوں کی زندگیاں قربان ہو جاتیں۔ دہلی پر دوبارہ قبضہ نہیں ہوسکتا تھا اور ہندوستان کو بھی دوبارہ فتح کرنا پڑتا۔ بغاوت کے سارے زمانے میں لاہور میں حالات خراب ہی رہے۔ جولائی میں 26ویں انفنٹری رجمنٹ نے یہاں پر بغاوت کردی اپنے چند افسروں کو قتل کرنے کے بعد گردباد کے طوفان میں بھاگنے میں کامیاب ہوگئے تاہم دریائے راوی کے کناروں پر گھیر لیے گئے اور امرتسر کے ڈپٹی کمشنر مسٹر کوپر کی سربراہی میں ان سب کو تلف کردیا گیا۔ شہر کے اندر اور آس پاس سخت حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں اور اس وقت تک جب تک دہلی پر دوبارہ قبضہ نہیں ہوا (برطانوی طاقت کے بارے میں) تمام خدشات دور نہیں ہوئے۔

1857ء کے بعد کے زمانہ کی تاریخ سیاسی کی بجائے معاشرتی قسم کی ہے اس وقت سے لے کر اب تک ضلع میں بتدریج معاشی اور معاشرتی ترقی ہوتی رہی ہے۔

ضلع کو شروع سے ایسے وضع کیا گیا ہے کہ یہ سارا ضلع باری دوآب میں آتا ہے کچھ جائیدادیں یا شاہدرہ جیسے علاقے دوسرے دوآب میں ضرور ہیں۔ تاہم کوئی تین سو کے قریب علاقے ضلع گوجرانوالہ کے پرگنہ شیخوپورہ سے لاہور کو منتقل کیے گئے۔ راوی کے اس پار کے علاقوں کو بھی تقسیم کیا گیا۔ بعض علاقے چونیاں اور لاہور تحصیل میں ڈال دیئے گئے مگر بہت سے علاقوں کو ملا کر ایک الگ تحصیل بنادی گئی جس کا صدر مقام شرق پور میں تھا اسی سال کچھ علاقے گوگیرہ میں ڈال دیئے گئے اس کے بعد دریائے راوی کی گزرگاہ کی تبدیلی کے باعث کچھ اورادل بدل کرنی پڑی مگر مجموعی طور پر فیروزپور اور منٹگمری (ساہیوال اوکاڑہ) سے کم ہی علاقے ادھر ادھر ہوئے۔ ضلع لاہور کی حدیں 1910ء تک تقریباً وہی رہیں۔ 1910ء میں شرق پور تحصیل کو ضلع گوجرانوالہ میں ڈال دیا گیا۔

عہد قدیم کے بڑے بڑے آثار اور اشیاء زیادہ تر لاہور شہر میں ہی ہیں۔ لاہو شہر ماضی میں آج کے مقابلے میں زیادہ وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ شہر کی دیواروں سے لے کر شالامار باغ، میاں میر اور اچھرہ، تین چار میل کے نصف قطر کے دائرے میں قدم قدم پر گرتی خستہ

MashalBooks.com

حال مسجدیں مقبرے مزار بیرونی بڑے دروازے اور بڑے بڑے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ لاہور کی وسعت کا کچھ اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے زمانے میں یہ چھتیس گذر یا محلوں میں تقسیم تھا مگر آج کا شہر صرف نو گذر پر مشتمل ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اپنے بہت ہی اچھے زمانوں میں مثلاً شاہ جہان کے زمانے میں اس شہر کا سرکٹ کوئی سولہ سترہ میل کا تھا۔ دیواروں سے باہر بہت سے گنجان آباد محلے تھے جن کا بازاروں کے ذریعے شہر کے دروازوں سے تعلق قائم کیا گیا تھا ان محلوں اور شہر کے درمیان کے علاقے میں مقبرے، باغ اور مسجدیں تھیں اور ان کے آثار کے باعث لاہور کے نواح کا رنگ روپ بڑا نمایاں ہے۔

ہندو زمانہ

ہندوؤں کے زمانے کے لاہور کے تعمیراتی آثار دیکھنے میں نہیں آتے۔ بعض شواہد سے یہ بھی لگتا ہے کہ پرانا شہر اس جگہ پر نہیں تھا جس جگہ پر آج ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ پرانا شہر موجودہ شہر سے تین میل دور اچھرہ گاؤں میں تھا۔

پٹھانی اور مغل عہد

یہی نہیں کہ ہندو تعمیرات کے نام ونشان باقی نہیں رہے لاہور میں تو دو تین مقامات مثلاً نیم والی مسجد اور شیرانوالہ مسجد اور دو تین مزاروں کے شکستہ آثار کے علاوہ ہمایوں سے پہلے کے زمانے کے آثار بھی نہیں ملتے۔ ان حقائق کے علاوہ لاہور کے بارے میں پرانے لکھنے والوں کی خاموشی سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ پٹھانوں کے عہد میں یہ شہر خاصا اہم تھا لیکن اس کی عمارتوں وغیرہ میں کوئی خوبصورتی نہیں تھی۔ تعمیراتی نقطۂ نظر سے لاہور شہر مغلوں کا شہر ہے اور چند ایک کو چھوڑ کر مسلمانوں کے جو آثار موجود ہیں وہ سب مغلیہ طرز کے ہیں۔ استثنائی مثالیں ریلوے سٹیشن کے قریب شاہ موسیٰ کا مزار ہے جو پٹھان طرز کا ہے۔ مریم مکانی یا مریم زمانی کی مسجد میں پٹھان اور مغل دونوں اسلوب پائے جاتے ہیں۔ لاہور کے تین آثار روایتاً غزنوی دور سے متعلق سمجھے جاتے ہیں۔ ملک ایاز کا مقبرہ ملک ایاز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے معجزانہ طور پر لاہور کا قلعہ اور دیواریں صرف ایک رات میں کھڑی کردی تھیں۔ مسجد وزیر خان کے اندر سید اسحاق کا مقبرہ اور تیسرا داتا گنج بخش کا مزار، داتا صاحب بغداد کے ایک روحانی بزرگ تھے جو محمود غزنوی کی فاتح افواج کے ہمراہ روحانی مشیر کے طور پر آئے اور

طویل عمر پا کر لاہور میں ہی انتقال کیا۔

مغل عہد کے آثار

اکبر کے زمانے میں قلعہ کے دروازوں کی ایسی مثالیں موجود ہیں جو بعد کے پر شکوہ اور دلچسپ طرز تعمیر سے سراسر مختلف ہیں۔ پہلے انداز تعمیر میں کشادہ اور ٹھوس شکلیں پائی جاتی ہیں ہندو مسلم مشترکہ طرز تعمیر میں عمارتوں پر بڑی چوب کاری کی گئی ہے ان میں سرخ پتھر کے ستونوں پر جھکا چھجا بنایا گیا ہے اور قلعہ میں جہانگیر کی خواب گاہ سے ملحق احاطے میں اس طرز تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔ یہ خصوصیات اکبر کے عہد کے فن تعمیر میں پائی جاتی ہیں۔ جہانگیر کی خواب گاہ سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے کھلے احاطے کی تین اطراف میں سرخ پتھر سے ستون بندی کی گئی ہے ان ستونوں پر بڑی نازک نقش کاری ہے اور دیوار گیریاں بنائی گئی ہیں۔ نقوش میں موروں' ہاتھیوں اور سی مرغ کی شبیہیں بنی ہوئی ہیں۔ چوتھی جانب خود دریائے راوی کی طرف کھلتی ہے عین درمیان میں شہ نشین ہے۔ یہ مغل طرز تعمیر کے مطابق ہے ستونوں کے مقام اتصال کے دونوں طرف بیرونی دیوار کے ساتھ دو کمرے بنائے گئے ہیں ان کے برآمدوں میں منقش ستون ہیں جن پر ہندو طرز کا جھکا ہوا چھجا ہے۔ احاطے میں باغ تھا جس میں ایک چبوترہ سنگ مرمر کا جس پر پچی کاری کی گئی ہے۔ سائبان یا شاہ نشین اور ستون بندی کے نیچے زیر زمین کمرے جو گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے تھے۔ انڈو مغل طرز کی مثالیں شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرے' شہر کے جنوب میں واقع مسجد وزیر خان قلعہ میں موتی مسجد' تخت گاہ اور سنگ مرمر کے شہ نشینوں' آصف خان کا مقبرہ' شالیمار باغ' گلابی باغ' زیب النساء کے باغ کے دروازے' اورنگ زیب کی شاہی مسجد کی صورت میں ہیں جن میں مخصوص تعمیری انداز نمایاں ہیں۔ مدور گنبد ان کے نیچے بڑے قبے' دندانے دار محراب سنگ مرمر کی جالی دار کھڑکیاں' اور روشن روغن شدہ دیواریں' مغل عمارتوں کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ ان میں رنگ دار ٹائلوں اور روغنی کاشی کاری بہت کی گئی ہے اور یہ سب کچھ بڑی ہی عمدگی سے کیا گیا ہے۔

ہمایوں بادشاہ کا بھائی کامران جب پنجاب کا گورنر تھا تو اس نے لاہور کو تعمیراتی حسن دینے کا آغاز نولکھا کے نواح میں محل اور راوی کے پاس باغ کی تعمیر سے کیا۔ کہا جاتا ہے کہ

کامران نے ایک بارہ دری بنوائی اور یہی عمارت لاہور میں مغل فن تعمیر کا اولین نمونہ ہے۔ بارہ دری کو راوی پر کشتیوں کے پرانے پل پر ٹال ٹیکس وصول کرنے کے لیے استعمال کیا گیا مگر اب محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں محفوظ عمارت کے طور پر ہے۔ محل کی باقیات صرف ایک دروازہ یا ڈیوڑھی رہ گئی ہے جو لہنا سنگھ کی چھاؤنی کے نواح میں ہے اور اب ایک نجی گھر کے طور پر زیر استعمال ہے۔

اکبر نے کوئی چودہ برس تک لاہور کو پایہ تخت بنائے رکھا۔ اس عرصے میں اس نے شہر کی مرمت و تعمیر کرائی اسے توسیع دی اس کے گرداگرد دیوار (شہر پناہ) بنائی۔ اس دیوار کے بعض حصے اب بھی موجود ہیں۔ اس صدی کے شروع میں رنجیت سنگھ نے اسے از سر نو بنوایا تھا۔

1893-94ء کے گزیٹئر کے مولف کے کہنے کے مطابق چند سال پہلے تک قلعے میں اکبر کے طرز تعمیر کے مخصوص نمونے موجود تھے جو اب تقریباً سبھی ضائع کر دیئے گئے ہیں۔ اکبری محل بھی گرا دیا گیا ہے اور تخت نشین یا تخت والے چھوٹے کمرے میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کر دی گئی ہے کہ اب اس عہد رفتہ کی عمارت کی شکل ہی بدل گئی ہے۔ اس عہد کے فن تعمیر کے مندرجہ ذیل نمونے رہ گئے ہیں۔ شاہ چراغ کا مزار' قاسم خان کا مزار جہاں کبھی پہلوانوں کا اکھاڑہ ہوا کرتا تھا اور اب پنجاب کے ریذیڈنٹ گورنر کی رہائش گاہ بنا ہوا ہے۔ شاہ موسیٰ کا مزار اور لاہور سے میاں میر جانے والی سڑک کی دائیں جانب مسجد جسے کالا خان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہانگیر نے تعمیراتی کام کم ہی کرائے تاہم اس کی باقیات میں بڑی خواب گاہ' انارکلی کا مقبرہ اور غالباً موتی مسجد ہیں جہاں کبھی شاہی حرم ہوتا تھا تاہم موتی مسجد کی تعمیر کے بارے میں جہانگیر کی تختی پر مقامی علماء اتفاق نہیں کرتے۔

شاہجہان کے عہد میں آصف خان کی نگرانی میں محل کو وسیع کر کے اس کی آرائش کی گئی۔ اس کے ماتھے کا ڈیزائن جگمگاتی رنگین ٹائلوں سے سنوارا گیا۔ پھر شاہدرہ میں جہانگیر کا خوبصورت مقبرہ' وزیر خان کی مسجد' شالامار باغ' گلابی باغ کا دروازہ' عیدگاہ' میاں میر کا مقبرہ' وزیر خان کی بارہ دری' زیب النساء کے باغ کا دروازہ' اور انارکلی سے لے کر شالامار تک مقبرے شاہجہان کے عہد کی یادگاریں ہیں جہانگیر کی بنائی خواب گاہ کے مغرب میں ایک چھوٹی خواب گاہ بھی بنائی گئی۔

خواب گاہ کے بائیں جانب متعدد عمارتیں جن میں ہشت پہلو برج شامل ہیں سب

سے بڑے کو مثمن برج کہا جاتا ہے۔ یہ لامثال تعمیر ہے۔ برج کے علاوہ سنگ مرمر کی بہت ہی خوبصورت شاہ نشین ہے۔ انتہائی قیمتی پتھروں میں بیل بوٹوں اور پھولوں کے نقش بنائے گئے ہیں۔ اسے نولکھا کہا جاتا ہے پھر معروف شیش محل ہے۔ رنجیت سنگھ اسے استقبالہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ شاہ جہان کے استعمال کے لیے ایک نیا دروازہ ہاتھی پول بنایا گیا اس کے ساتھ ہی ایک باغ تھا جہاں اب بارودخانہ قائم ہے اس باغ سے دھیان بابل کے معلق باغوں کی طرف جاتا ہے۔ جہانگیر کی خواب گاہ کی شاہ نشین کے بالمقابل ایک حمام بنایا گیا تھا جو نہ صرف نہانے دھونے کے کام آتا تھا بلکہ اسے وزارتی جلسہ گاہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا۔ پھر قلعہ کے عین درمیان ایک شاہی عمارت بھی بنائی گئی تھی جو شاہجہان کے دربار کے نام سے معروف تھی۔ اورنگزیب کے عہد حکومت کے چوتھے سال دریائے راوی میں سیلاب کے باعث شہر پر عذاب آیا تو اورنگزیب نے اوپر کی جانب تین میل تک پختہ گھاٹ یا بند بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں سیسہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔ گھاٹ کی مرحلہ وار سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جو پانی کی سطح سے شروع ہوتیں پھر کنارے پر کنوئیں بنائے گئے تھے جو راوی کا پانی لے کر کنارے پر لگائے گئے باغوں کو سیراب کرتے تھے۔ اس بند کے آثار اب بھی قلعے کے شمال مشرق سے لے کر موضع بھوگیوال تک پائے جاتے ہیں۔ تاہم عالمگیری عہد کا عظیم کارنامہ شاہی مسجد ہے جو لاہور کی بہت ہی عظیم الشان عمارت ہے۔ جس پر سفید سنگ مرمر کے بنے گنبد اور بے حد بلند مینار میلوں دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اورنگزیب اپنے بھائی داراشکوہ کے قتل پر بہت متاسف تھا اسی احساس گناہ کے کفارے کے طور پر اس نے یہ مسجد بنائی تھی اور دوسری وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ مسجد وزیر خان کے حسن کو مغلوب کرنا چاہتا تھا۔ اس مسجد کی تکمیل دراصل لاہور کے فن تعمیر کا حرف آخر ہے۔ بعد کی عمارتیں مثلاً خان کی سنہری مسجد اور بیگم پورہ میں خان بہادر کا محل اور مقبرہ صرف یہ ثابت کرتی ہیں کہ حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ ذوق تعمیر میں کس قدر زوال آ گیا تھا۔ یہ اسلوب آدھا مسلم آدھا ہندو فن کا دونسلا یا دوغلا انداز تھا۔

رنجیت سنگھ ان پڑھ بھی تھا اور سلجھا ہوا بھی کم لیکن اسے بھی تعمیر کا ذوق تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمان مقبروں سے سنگ مرمر اکھڑوایا اور امرتسر میں دربار صاحب کی تعمیر و تزئین کے لیے بھیج دیا۔ شالامار باغ احمد شاہ ابدالی کے زمانہ کی غارت گری میں برباد ہو گیا تھا۔ رنجیت

MashalBooks.com

سنگھ نے اسے بحال کیا لیکن ستم یہ کیا کہ بہت سا سنگ مرمر اتروا لیا اور اس کی جگہ اینٹیں اور پلاسٹر لگا دیا۔

جامع مسجد اور قلعے اور محل کے درمیان جو سرائے تھی اس میں نجی باغ لگوا دیا اور یہاں پر سنگ مرمر کی عمارت (بارہ دری) کھڑی کر دی جو آج بھی ہے اور ہندو تعمیراتی اسلوب کا انتہائی بے ہنگم منصوبہ ہے۔ رنجیت سنگھ نے باقی جو تعمیراتی کام لاہور میں کروایا اس میں بعض بے صورت شو کے مندر، محبوب بیویوں یا ناچنے والیوں کے گھر اور قلعے میں کی گئی بے ذوق اکھاڑ پچھاڑ ہے سکھ عہد میں ہونے والی آخری تعمیرات میں خود رنجیت سنگھ اس کے بیٹے اور پوتے کی سمادھ شامل ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ ہندو طرز تعمیر کے مطابق ہے مگر اوپر اوپر کام مسلمانوں کے طرز تعمیر کا سا ہے۔ قریب سے یہ عمارت اچھی نہیں لگتی تاہم فاصلے سے دیکھیں تو بری بھی نہیں۔

سکھ رئیسوں کے محل بھی ہندو اور مسلم طرز تعمیر کا ملغوبہ ہیں۔ مگر گرمیوں اور برسات میں ہواداری کے لیے انتہائی بلندی پر جو کوٹھڑیاں سی تعمیر کی گئی ہیں اس سے یہ اور بدوضع ہو گئے ہیں۔ ان کی دیواروں پر بڑے شوخ رنگوں میں مذہبی، جنگجو مردوں یا شکار کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ مذہبی تصویروں کا تعلق کرشن یا بابا نانک کی زندگی سے ہے۔ لڑائی اور جنگوں کی تصویریں افغانوں کے ساتھ معرکوں سے متعلق ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی دیواری تصویر فنی شاہپارہ نہیں۔

گزشتہ چند سالوں سے محکمہ آثار قدیمہ نے قدیم یادگاروں کو محفوظ کرنے کا کام شروع کر رکھا ہے اس نے جو اقدامات کیے ان میں سے چند اہم یہ ہیں: قلعہ لاہور شاہ جہان کے دیوان عام سے فوجی بیرکیں ہٹا دی گئی ہیں۔ انگریز حکومت نے بہت دیر انہیں استعمال کیا۔ جدید دیواریں اور دوسرے ناگوار مظاہر ختم کر دیئے گئے ہیں۔ سطح زمین تک ہموار کر دی گئی ہے اور ان کے ساتھ تخت اور دوسرے کمروں کے آگے سے رکاوٹیں ہٹا دی گئی ہیں۔ یہاں ہال کے سامنے گھاس کے تختے بنائے جانا ہیں اور ہال میں جو شکست و ریخت ہوئی ہے اسے بھی ممکن حد تک درست کیا جانا باقی ہے۔ جہانگیر کے احاطہ کے ارد گرد کی عمارتوں میں جو اضافے کیے گئے تھے انہیں بڑی صفائی سے ختم کیا گیا ہے اور جہانگیر کی بڑی خواب گاہ کی مرمت کی گئی تا کہ چھوٹا اسلحہ خانہ جو شیش محل کے سامنے ہے یہاں منتقل کیا جائے۔ شاہ جہاں کی چھوٹی خواب گاہ کو

MashalBooks.com

انگریزوں نے چرچ بنالیا تھا تاہم اب اس کا جدید گاتھک طرز کا چھت اور دوسرے اضافے ختم کردیئے گئے ہیں۔ سنگ مرمر کی کنگنیاں اور چھت دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر اسے اپنی اصل حالت میں بحال کردیا گیا ہے۔ موتی مسجد سے خزانہ نکال لیا گیا ہے اور اس میں جو دیواریں کھڑی کی گئی تھیں گرادی گئی ہیں۔ شیش محل کی چھت میں بڑی دراڑ پڑ گئی تھی جس کی بناء پر سارا وزنی چھت ہٹایا جانا ضروری تھا تاکہ نئے شہتیر وغیرہ ڈالے جاسکیں۔ شہتیر وغیرہ بدلنے کے بعد ان پر نیا چھت ڈال دیا گیا ہے اور یہ کام بڑی ہنر مندی اور احتیاط سے کیا گیا ہے۔ حضوری باغ کی مکمل کھدائی کر کے پانی کی نالیاں اور فواروں کی مرمت کردی گئی ہے اور باغ کو ہر ممکن طریق سے پرانے انداز میں بحال کیا گیا ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں مسجد وزیر خان کی دیواروں پر روغنی ٹائلوں کو محفوظ کرنے اور انتہائی ناگفتہ بہ صورت کے باعث دیواروں کو پختہ کرنے کا کام کیا گیا۔ ریلوے والی مسجد سے ریلوے کے دفاتر نکال لیے گئے اور جو اضافہ وغیرہ وہاں کیا گیا تھا ختم کر کے مسجد کو تعمیراتی طور پر بحال کردیا گیا۔ شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرے کے میناروں کی دھرم سالہ والے زلزلے کے بعد مرمت کی گئی یا جزوی طور پر از سرنو تعمیر کی گئی۔ چھت اور پلیٹ فارموں پر نئی سنگ بندی کی گئی اور جالیوں کے جنگلے مقبرے کی ایک جانب پھر سے لگائے گئے۔ مقبرے کے اندر بھی مرمت کا بہت سا کام کیا گیا۔ مقبرے کے باغ اور ملحقہ سرائے سے جنگل صاف کیا گیا لان اور کیاریاں بنائی گئیں اور پرانی نالیاں اور راستے بھی بنائے گئے۔ نور جہاں کے مقبرے کو بھی مجموعی طور پر محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ مقبرہ تقریباً کھنڈر بن چکا تھا۔ اس کے اردگرد بھی حسن پیدا کرنے کی کوشش ہوئی۔ شالامار باغ سے جنگل اور جھاڑ جھنکار ختم کرنے کے بعد صورتحال خاصی بہتر ہوگئی ہے۔ کیاریوں، پانی کی نالیوں وغیرہ کو بھی بحال کیا گیا ہے۔

☆☆☆

خاندان

راجہ فتح سنگھ:

جمعدار خوشحال سنگھ، خاندان میں سر برآوردہ ہے۔ جمعدار خوشحال سنگھ کا باپ گوڑ براہمن تھا اور ایکڑی میں جو پرگنہ سردھنہ ضلع میرٹھ میں واقع ہے، دکان کیا کرتا تھا۔ خاندان غریب تھا اور 1807ء میں خوشحال 17 سال کی عمر میں قسمت آزمانے لاہور آیا اور دھونکل سنگھ والی رجمنٹ میں پانچ روپیہ ماہوار پر نوکر ہوا وہ بہت جلد جاتری اور گنگا سنگھ کا جو مہاراجہ کے ڈیوڑھی بان تھے دوست بن گیا اور خاص مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پاسبان مقرر کیا گیا۔ خاندان کے لوگ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رنجیت سنگھ بھیس بدل کر باہر گیا ہوا تھا اور اس کی محل کی طرف واپسی پر خوشحال نے جو پہرہ پر تھا اسے روک لیا اور اپنے آقا کو صبح تک پہرے کے مکان میں بٹھائے رکھا۔ اس ہوشیاری سے مہاراجہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے خوشحال کو اپنی خاص اردل میں رکھ لیا۔ 1811ء میں اسے ڈیوڑھی والا مقرر کر کے جمعدار کا خطاب دیا گیا۔ یہ عہدہ بڑا مقتدر تھا۔ ڈیوڑھی والا تمام رسومات ادا کرنے پر مختار ہوتا تھا۔ جلوسوں کو ترتیب دیتا تھا اور دربار کا منتظم ہوتا تھا۔ اگرچہ روزانہ دربار میں تمام خاندانی اور اعلیٰ عہدہ کے آدمیوں کو باریابی حاصل تھی مگر کوئی شخص خواہ کتنے ہی اعلیٰ مرتبے کا ہوتا اسی کے توسّل سے مہاراجہ سے تخلیے میں شرف ملاقات حاصل کر سکتا تھا۔

خوشحال نے اسی سال جس سال یہ ڈیوڑھی پر مقرر ہوا ہے میرٹھ سے اپنے بھتیجے تیج رام کو جو اس وقت بارہ برس کا تھا بلا بھیجا اور گو وہ خود 1812ء میں پوہل لے کر سکھ ہو گیا مگر تیج رام نے 1816ء تک پوہل نہیں لی اور اس وقت بھی صرف مہاراجہ کے خاص حکم کی وجہ سے لی۔ اس نے اپنا نام بدل کر تیج سنگھ لیا۔

MashalBooks.com

خوشحال سنگھ کو جلدی ثروت اور اقتدار حاصل ہو گئے۔ گھر کی بہت سی ملازمتیں مہاراجہ کی منظوری سے خوشحال سنگھ ہی دیا کرتا تھا۔ فوج کی روزانہ رپورٹیں خوشحال سنگھ رنجیت سنگھ کو سنایا کرتا تھا جو تھوڑے عرصے بعد اس کو مختلف خدمتوں پر مامور کر کے بھیجنے لگا۔ نوجوان تیجا سنگھ دربار سے خوشحال کی عدم موجودگی میں اس کے نائب کا کام کیا کرتا تھا۔ 1816ء میں جمعدار کو بیر سنگھ، دیوان سنگھ اور خوشحال سنگھ کے جو کوئی رام گڑھئے سردار تھے، علاقہ پر قبضہ کرنے کے لیے اور بعد ازاں رام گڑھیا جائیداد کو جو خاص امرتسر اور اس کے گردونواح میں واقع تھی چھین لینے کے لیے بھیجا گیا۔ اس کے بعد یہ منڈی اور کلو کی طرف جو ریاستیں لاہور کی باجگزار ہو گئی تھیں گیا اور چار مہینے تک پہاڑی علاقے میں رہا۔ 1814ء میں پہلی جنگ کشمیر میں جس میں اغرخاں راجہ راجوڑ دغاباز دوست ثابت ہوا۔ خوشحال سنگھ بھی مہاراجہ کے ہم رکاب تھا۔ اغرخاں کی دغابازی یہ تھی کہ اس نے دشمن کی تعداد کی بابت غلط خبر دے کر فوج کو حصوں میں تقسیم کر دینے کی صلاح دی۔ اس طرح کہ ایک حصہ کشمیر کو باڑا گلا (بہرام گلہ) کے رستے اور باقی فوج کی بڑی جمعیت پونچھ کی راہ بھیجی جائے۔ مہاراجہ نے اس صلاح پر عمل کیا جس کا نتیجہ سخت ناکامی ہوئی۔ فوج کے دونوں حصے دشمنوں نے گھیر لیے۔ رسد بھی روک دی گئی اور آخرکار فوج کو نہایت عجلت کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ مراجعت کے وقت فوج کو بڑی مصیبت اٹھانی پڑی۔ جمعدار اگلی فوج کا افسر تھا اور غنیم سے رستہ صاف کراتا چلا آتا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ، نہال سنگھ اٹاری والا اور مت سنگھ پڑہانیہ لشکر کے عقب پر تھے۔ اس واپسی میں بہت سے آدمی تلف ہو گئے اور خود سردار مت سنگھ مہلک طور پر زخمی ہوا۔ تیج سنگھ جس کو خطاب سرداری کامل چکا تھا، اس لڑائی میں مہاراجہ کی حضوری میں تھا۔ دوسری فوجی خدمت جس میں جمعدار کا تعلق تھا ملتان کا 1818ء کا محاصرہ تھا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ برائے نام اس فوج کا کمیدان تھا مگر فتح صرف افسر دیوان چند کی فوجی لیاقت کی وجہ سے ہوئی۔ اس فتح کے موقع پر جمعدار اس فوج پر کمان کرتا تھا جو شاہ شمس تبریز قدس سرہ العزیز کی قبر کے مقام پر استادہ کی گئی تھی۔

ملتان لے لینے کے تھوڑے عرصے بعد جمعدار کسی قدر معتوب ہو گیا۔ اس کا بھائی رام لعل 1816ء میں لاہور آ گیا تھا اور اس کو مہاراجہ کے باڈی گارڈ میں ایک جگہ دی گئی تھی۔ مہاراجہ چاہتا تھا کہ یہ بھی سکھ ہو جائے مگر اس پر دونوں بھائیوں میں سے کوئی بھی راضی نہ ہوا اور چونکہ مہاراجہ اس بات پر بہت مصر ہونے لگا تھا اس لیے رام لعل جمعدار کی سازش سے

پنجاب چھوڑ کر ہندوستان واپس چلا گیا۔ رنجیت سنگھ بہت ناراض ہوا اور مسر دیوان چند نے جس کے ساتھ جمعدار ملتان کے مال غنیمت پر جھگڑ چکا تھا مہاراجہ کو یہ صلاح دی کہ اس کو ڈیوڑھی کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ رنجیت سنگھ نے یہ صلاح مان لی کیونکہ یہاں دھیان سنگھ جو گھوڑ چڑھوں میں ایک نوجوان راجپوت تھا اب زیادہ منظور نظر ہوتا جاتا تھا۔ اس کو ڈیوڑھی والے کا عہدہ مل گیا۔ جمعدار نے دانشمندی سے کوئی مزاحمت نہیں کی جس کی وجہ سے اس کی ساری جاگیر اسی کے قبضے میں رہی اور یہ کونسل میں لے لیا گیا جہاں اس نے پہلے سے بھی زیادہ حقیقی قوت حاصل کر لی۔ اسے 4000 بے قاعدہ فوج کا کمیدان اور بھتیجے تیج سنگھ کو باقاعدہ فوج کا جرنیل بنایا گیا۔

1819,1821ء میں سردار تیج سنگھ مسر دیوان چند کے ہمراہ کشمیر گیا۔ وہ اور جمعدار دونوں ان لڑائیوں میں جو منکیرہ' لیہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے بر خلاف کی گئیں اور نیز 1813 کی پشاور کی لڑائی میں حصص فوج کے کمیدان رہے۔ ٹیڑھی کی لڑائی پر جب کہ فوج کی مرکزی جمعیت دریائے لنڈا کے بائیں کنارے پر سرداران ہری سنگھ سندھاں والیہ کے ماتحت بارکزئی سرداروں کے ساتھ لڑ رہی تھی تو یہ دونوں دریائے مذکور کے داہنے کنارے پر مہاراجہ کے ہمراہ یوسف زئیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس لڑائی کے بعد سکھ فوج فیروز خاں خٹک رئیس اکوڑہ سے جہانگیرہ لے کر پشاور گئی اور اسے لوٹ کر خیبر کی طرف بڑھی۔ خیبریوں نے دریائے باڑا کا بند توڑ کر مہاراجہ کے کیمپ میں پانی چھوڑ دیا اور اس گھبراہٹ میں جو اس وقت پھیل گئی تھی گھوڑے اور دوسرا مال غنیمت لوٹ لے گئے۔ اور رنجیت سنگھ بہت کم عرصہ مقیم رہ کر لاہور واپس آ گیا۔

1828 میں جمعدار اور اس کے بھتیجے نے سرداران نلوہ' پڈھانیا اور مجیٹھیہ کے ساتھ ہو کر علاقہ کٹوچ اور قلعہ ہائے چوکی' ایما گڈھ تیرہ اور رعیہ کو فتح کیا۔ آخر الذکر جگہ پر بہت مقابلہ ہوا مگر تیج سنگھ کچھ توپیں سوجانپور سے ہاتھیوں پر لاد کر لے آیا اور تین یوم کے بعد اہل قلعہ نے شکست مان لی۔ 1832 میں جمعدار کو گورنر شہزادہ شیر سنگھ کی امداد کے لیے کشمیر بھیجا گیا جس کے انتظام میں مالیہ بہت گھٹ گیا تھا اور لوگ ناراض ہو گئے تھے مگر جمعدار کے وہاں جانے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ 1832 کشمیر میں بہت ناقص سال تھا ملک میں گرانی تھی اس پر جمعدار نے اس قدر تشدد کیا کہ گرانی کی جگہ قحط ہو گیا۔ چند لاکھ روپے جو جمعدار نے لوگوں سے بہ

مشکل وصول کیے کسی شمار میں نہ تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس باعث کچھ عرصہ تک جمعدار سے بہت ناخوش رہا مگر اس نے جلدی ہی اپنا پہلا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ خوشحال سنگھ کا بھائی رام لعل پنجاب میں پھر واپس آیا اور پشاور کی 1834ء کی لڑائی میں سردار ہری سنگھ اور شہزادہ نونہال سنگھ کے ماتحت جمعدار کی افواج کا کمیدان ہو گیا۔ جمعدار خوشحال سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ ان افواج کے افسر تھے جو اپریل 1837ء میں جمرود میں گھری ہوئی سکھ فوج کی امداد کے لیے گئی تھیں اس موقع پر گو جمعدار پشاور میں راجہ دھیان سنگھ سے دو دن پہلے پہنچ گیا تھا مگر اس نے سکھ فوج کو جو سخت مصیبت میں تھی راجہ کے پہنچنے تک چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ فوج افغان کے جس نے متذکرۂ بالا سکھ فوج کو گھیر رکھا تھا واپس ہو جانے کے بعد جمعدار پشاور میں رہا اور تیج سنگھ کو دوابہ چج میں جا کر امن قائم کرنے کا حکم ہوا۔

اسی زمانے میں جمعدار کا سب سے بڑا بیٹا رام سنگھ باوجود کم سنی کے فوج میں جرنیل مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ کے ساتھ 1837 میں امرتسر واپس آنے کے بعد اس نے کرنیل چیت سنگھ کے سالے بشن سنگھ کو جو ایک اچھا جوان تھا اپنے ہاتھ سے بیرحمی کے ساتھ اس واسطے قتل کر ڈالا کہ اس نے طفلانہ مذاق کر کے اس کو رنج دیا تھا۔ مگر جمعدار کا اس قدر رسوخ تھا کہ رام سنگھ کو جرمانے کے سوا اور کچھ سزا نہ ہوئی حالانکہ مقتول بھی دربار میں مورد الطاف تھا۔

1837 میں تیج سنگھ کو ہزارے بھیجا گیا اور وہاں اس نے دربند کے نزدیک مانک گڑھ کا قلعہ بنایا۔ 1839 میں یہ جمعدار شہزادہ نونہال سنگھ راجہ گلاب سنگھ اور دوسرے رؤسا کے ساتھ سرکار انگریزی کی فوج کے ساتھ جو کابل پر حملہ کر رہی تھی شامل ہونے کے لیے پشاور پہنچا مگر سکھوں کے شامل ہونے سے جیسا کہ مشہور ہے نقصان ہی پہنچا کچھ فائدہ نہیں ہوا اس واسطے کہ سکھ اس لڑائی کو ناپسندیدہ اور مشکوک سمجھتے تھے۔

اسی سال جرنیل رام سنگھ کا انتقال ہوا اگرچہ یہ بے رحم تھا مگر افسر بہت اچھا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ ہوشیار تھا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی تخت نشینی کے بعد جمعدار اور تیج سنگھ دونوں نئے بادشاہ کے منظور نظر مصاحب سردار چیت سنگھ کے خلاف سازش میں شامل تھے جس نے ان سے ناراضگی ظاہر کی تھی اور جمعدار کو کچھ حصہ فوج کی کمان سے محروم کر دیا تھا۔ اس رات جس رات مصاحب مذکور قتل ہوا شہزادہ نونہال سنگھ تو تیج سنگھ اور خوشحال سنگھ کے ہمراہ محل شاہی کے دروازے پر اس غرض سے ٹھہرا کہ مبادا سردار کی کمک کے

واسطے کوئی پہنچے اور دوسرے سازشی یعنی راجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ اور سرداران فتح سنگھ مان، عطر سنگھ، سندھانوالیہ اور میاں لابھ سنگھ محل شاہی میں داخل ہو گئے اور منظور نظر سردار کو مہاراجہ کی عین موجودگی میں قتل کر ڈالا۔

جب حکومت شہزادہ نونہال سنگھ کے ہاتھ آئی تو جمعدار کا خاندان مورد الطاف کثیر رہا اور پانچ نومبر 1840 کو شہزادۂ موصوف کی وفات پر خوشحال سنگھ اور تیج سنگھ دونوں نے دوسرے رؤسا کے ساتھ ایک کاغذ پر دستخط کیے جس میں یہ بات قرار پائی تھی کہ جب تک یہ بات ظاہر نہ ہو کہ زوجگان شہزادہ یا مہاراجہ میں سے کسی کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے یا نہیں کسی کو وارث تخت بنانے میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ اس قرارداد کے بعد جو واقعات ہوئے وہ مشہور ہیں۔ سرداران سندھانوالیہ اور راجہ گلاب سنگھ شہزادہ شیر سنگھ سے قلعہ کو بچاتے رہے مگر تیج سنگھ اور خوشحال سنگھ دانشمندی سے اپنے گھر بیٹھے یہ دیکھتے رہے کہ کیا واقعات پیش آتے ہیں اور کسی فریق کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔ شیر سنگھ ان کی اس کارروائی سے بہت جلایا ہوا تھا اور جب وہ تخت نشین ہوا اس کا مصمم ارادہ ان دونوں کو قتل کرا دینے کا تھا مگر بھائی گورمکھ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہو گئی۔ پھر بھی شیر سنگھ کا دل جمعدار کی طرف سے صاف نہیں ہوا تھا اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر اس نے جمعدار کو ایسے طریق سے مروا دینے کی کوشش کی تھی جو مرگ اتفاقی معلوم ہوتی۔ یہ بات تو محقق ہے کہ تخت نشینی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی شیر سنگھ مع جمعدار اور موجودہ راجہ کپورتھلہ کے پردادا امر سنگھ اہلووالیہ کے کشتی میں بیٹھ کر دریائے راوی کی سیر کر رہے تھے کہ کشتی الٹ گئی۔ مہاراجہ ایک اور کشتی پر جو قریب تھی کود کر چلا گیا امر سنگھ ڈوب گیا اور اس کی لاش کا کہیں پتہ نہیں لگا اور جمعدار بچ گیا مگر اس کے پیٹ میں اتنا پانی گیا کہ کئی سال میں بھی اتنا نہ پیا ہو گیا۔ لاہور کے لوگوں کو عام طور پر یہ یقین تھا کہ شیر سنگھ نے عمداً کشتی کو الٹ دیا تھا مگر یہ خیال کبھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

1840ء سے جمعدار کی صحت بگڑ گئی تھی اور اپنی زندگی کے آخری تین سال میں امور سلطنت میں بہت کم دخل دینے کے بعد 1840ء میں فوت ہو گیا۔ البتہ 1843ء میں راجہ گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ کے ساتھ شہزادہ پرتاب سنگھ کے ہمرکاب وہ فیروز پور آیا تھا جہاں شہزادہ موصوف اور لارڈ النبرا کی ملاقات ٹھہری تھی۔

جمعدار خوشحال سنگھ کسی خاص لیاقت کا آدمی نہ تھا۔ اگرچہ ان تمام لڑائیوں میں جن میں

وہ شریک ہوا اس کی کوئی خاص بہادری ظاہر نہیں ہوئی تاہم یہ بھی کبھی ذکر نہیں آیا کہ وہ کسی لڑائی میں بھاگ کھڑا ہوا ہو۔ امرتسر میں اپنے مکانات تعمیر کرانے کے لیے زمین حاصل کرنے میں اس نے بغیر کسی معاوضہ کے غریبوں کے بیشمار مکانات گروا دیئے اور لطف یہ کہ مہاراجہ اس کے خلاف کوئی شکایت نہ سنتا تھا اور جو شخص اس کے پاس جمعدار کی سختیوں کی اپیل کرنے آتا اس سے کہہ دیتا کہ جاؤ اور سری گورو رام داس جی سے اپنا انصاف کراؤ۔

جمعدار کی وفات پر سردار تیج سنگھ پشاور میں تھا جہاں کی حکومت اس نے1843ء میں حاصل کی تھی اور راجہ ہیرا سنگھ نے جو اس زمانے میں وزیر تھا اور عہدۂ ڈیوڑھی والا کی نسبت جمعدار سے ایک پرانی شکایت رکھتا تھا160000 روپے کی جاگیر ضبط کر لی۔ اس ضبطی کی وجہ یہ ہوئی کہ جمعدار کے عیاش بیٹے کشن سنگھ نے اپنے والد کی وفات سے دس دن کے اندر قریباً ایک لاکھ روپیہ لاہور کی طوائفوں پر خرچ کر دیا جس سے ہیرا سنگھ کے ہاتھ ضبطی کا بہانہ آ گیا اس نے کشن سنگھ سے کہا کہ ''اگر تمہارے پاس اس قدر روپیہ ناجائز کاموں میں اڑانے کے لیے ہے تو تم بلا شک سلطنت کی بھلائی کے لیے سات لاکھ روپیہ دے سکتے ہو۔'' مگر کشن سنگھ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ ایک روپیہ بھی ادا نہیں کر سکتا چنانچہ جاگیر ضبط کر لی گئی۔

ہیرا سنگھ اور جواہر سنگھ دونوں کی وزارت بدل چکی تھی اور مہارانی (جنداں) مع اپنے منظور نظر لال سنگھ کے ریاست کی حکومت سنبھال لی تھی۔

پشاور کی نظامت میں تیج سنگھ سے وہ ہمت اور جرأت ظہور میں آئی جو اس کی تمام عمر میں کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ جب اس کی ماتحت سپاہ نے یہ سنا کہ راجہ سوچیت سنگھ لاہور میں فوت ہو گیا ہے اور فوج لاہور کو بہت سا روپیہ انعام میں ملا ہے تو وہ سرکش ہو گئی اور تیج سنگھ کو دھمکی دی کہ اگر وہ خزانے کا سارا روپیہ نہیں دے گا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو تین سال ہوئے جنرل میہاں سنگھ کے ساتھ کشمیر میں کیا گیا تھا۔ تیج سنگھ ادھر تو فوج مذکور کو انعامات کے وعدے دے دے کر بہلاتا رہا اور ادھر اس نے وادیٔ پشاور کے تمام افغان رؤسا کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا جس پر دوسری صبح اس کے حکم میں اتنی تقویت آ گئی کہ باغی فوج نے اپنے مطالبے سے باز آ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اکتوبر1845ء میں راجہ لال سنگھ نے تیج سنگھ کو پشاور سے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ سردار شیر سنگھ اٹاری والے کو مقرر کر دیا۔ لاہور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہر جگہ یہی چرچا ہو رہا ہے کہ غالباً انگریزوں سے لڑائی ہو گی اور وزیر راجہ لال سنگھ

MashalBooks.com

اور مہارانی جسے اس فوج خالصہ سے نفرت اور خوف پیدا ہو رہے تھے اور جس نے حال ہی میں رانی کے بھائی جواہر سنگھ کو قتل کر دیا تھا اس تجویز کے موافق ہیں۔ جب آخر کار سکھوں کی انگریزوں سے لڑائی ٹھن گئی تو تیج سنگھ فوج خالصہ کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔

7 نومبر کو مہم پر جانا طے پا گیا اور 23 تاریخ کو فوج علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں فیروز پور کی طرف روانہ ہوئی۔ مگر سپہ سالار تیج سنگھ کو اس لڑائی کا شوق نہیں تھا اور 15 دسمبر تک یہی عذر کرتا رہا کہ اسے ساتھ نہ لے جایا جائے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور آخر تاریخ مذکور کو اسے اس فوج کے ساتھ شامل ہونے کے لیے روانہ ہونا پڑا جو چار دن پہلے دریائے ستلج عبور کر چکی تھی۔

راجہ لال سنگھ نے لڑائی میں شکست کھانے کے بعد سردار تیج سنگھ کو اپنی امداد کے لیے بلایا چنانچہ سردار اپنی بریگیڈ اور تقریباً پندرہ ہزار بے قاعدہ فوج کے ساتھ روانہ ہوا اور 22 دسمبر کی صبح کو جب کہ لال سنگھ ایک اور شکست کھا بیٹھا تھا فیروشاہ پر پہنچ گیا اور سرکار انگریزی کی فوج پر جو اس وقت بالکل تھک چکی تھی اور جن کے پاس سامان جنگ بھی قریباً بالکل ختم ہو چکا تھا چڑھائی کی چنانچہ تیج سنگھ نے انگریزی رسالے کو پسپا کر دیا اور فیروشاہ کے مفتوحہ مقام کو انگیریزوں سے دوبارہ لے لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس نے فوج انگریزی کے بازو چپ پر حملہ کیا اور مواضعات مقبوضہ سرکار انگریزی پر اس زور سے گرا کہ انگریزی جرنیل کو اپنی فوج کا اگلا حصہ ہٹا کر دہنی طرف کر دینا پڑا اس اثناء میں سکھ برابر گولہ باری کرتے رہے اور آخر کار جب انگریزی رسالہ نے آگے بڑھ کر سکھوں کی فوج کے دونوں بازوؤں پر حملہ کرنے کا تہیہ کیا اور پلٹن نے صف باندھ کر سواروں کی امداد کے لیے آگے بڑھنے کی تیاری کی تو تیج سنگھ نے گولہ باری بند کر دی اور میدان جنگ سے ہٹ کر ستلج عبور کیا اور فیروز پور سے قریباً پچیس میل شمال مشرق کی طرف دریا کے دہنے کنارے پر سبراؤں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہاں اس کی فوج کے ساتھ راجہ لال سنگھ بھی جو فیروشاہ پر شکست کھا کر امرتسر کی صرف بھاگ گیا تھا آملا اور فوج نے درخواست کی کہ انہیں انگریزوں سے لڑنے کے لیے دریا پار لے جایا جائے۔ اس حرکت سے فقط دو سردار مانع ہوئے ایک تیج سنگھ اور دوسرا شام سنگھ اٹاری والا جو 25 دسمبر کو کیمپ میں بالکل نا رضا مندی سے شامل ہوا تھا۔ مگر فوج کی پنچایتوں نے ان سرداروں کی احتیاط کا مضحکہ اڑایا۔ اور ستلج عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا گیا۔ دریا پر کشتیوں کا پل باندھ دیا گیا۔ ایک مضبوط مورچہ اس کے سامنے بنایا گیا اور خندقیں بھی اتنی مضبوط بنا دی

MashalBooks.com

گئیں جس قدر مضبوط کہ ریتلی زمین پر بن سکتی تھیں۔ اس مقام پر سکھ فوج کئی ہفتوں تک انتظار میں پڑی رہی اور اس اثناء میں انگریزی فوج اطراف سے آدمی توپیں اور سامان جنگ اکٹھا کرتی رہی۔

سبراؤں کی لڑائی 10 فروری 1846ء کو ہوئی مگر اس سے تیج سنگھ کا اتنا تھوڑا تعلق ہے کہ اس جگہ اس لڑائی کا حال بیان کرنا بے موقع ہوگا۔ لڑائی کے شروع شروع میں سردار مذکور اپنے گنبد میں رہا اور فقط اس وقت باہر آیا جبکہ فوج نے خاص اس کی ذات پر تشدد کرنے کی دھمکی دی۔ مگر اس نے پل کو جہاں اپنے آدمیوں کا پہرہ لگا رکھا تھا واپس عبور کر لیا اور میدان جنگ سے بھاگنے والوں کی صف اول میں تھا۔ سردار تیج سنگھ کو لاہور بلایا گیا اور نئے انتظامات کے مطابق اس کو سکھ فوج کے عہدۂ سپہ سالاری پر اور راجہ لال سنگھ کو عہدۂ وزارت پر مستقل کر دیا گیا۔

سردار تیج سنگھ کی جنگ ستلج سے پہلے اور بعد کی کارروائیوں کے خلاف بہت باتیں ہیں۔ بہت سے مصنفوں نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے ملک کے ساتھ دغا بازی کی مگر اس الزام کی تائید کے واسطے کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اول تو سردار لڑائی کے ہی خلاف تھا حالانکہ مہارانی۔ راجہ لال سنگھ اور دیوان دینا ناتھ اس امید پر کہ انگریز لاہور کے امن میں خلل ڈالنے کے لیے کبھی نہیں آئیں گے۔ فوج کو سرکاری علاقے پر یورش کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ فیروشاہ پر اس کی کارروائی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ دغا باز تھا اور اس کی خواہش یہ تھی کہ انگریزوں کی فتح ہو جائے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ فوج انگریزی پر جو راجہ لال سنگھ کے ساتھ لڑ کر تھک چکی تھی اور جس کے پاس سامان تقریباً ختم ہو چکا تھا اپنی پوری فوج سے زور کے ساتھ حملہ کرتا تو سکھوں کی فتح ہو جانی ممکن تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر تیج سنگھ ایسا ہی کرتا جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے تو انگریزوں کی فوج بالکل تباہ ہو جاتی۔ تیج سنگھ نے پہلے روز کی تباہی کی اصلاح کی کوشش کرنے کے بغیر میدان جنگ کو نہ چھوڑا۔

سبراؤں پر تیج سنگھ نے پھر صلح کی صلاح دی مگر فوج نے صرف اس کے خیمے پر پتھر برسائے اسے گرا دیا اور دھمکی دی کہ اگر وہ دریا کو عبور کر کے بائیں کنارے پر نہیں جائے گا تو اسے قتل کر دیں گے۔ صلح ہو جانے کے بعد سردار تیج سنگھ کو پرانی فوج کے برطرف کرنے اور نئی فوج بھرتی کرنے کا بہت سا کام رہا اور اس کی کارروائی لاہور کے برٹش گورنمنٹ کے ایجنٹ کی مرضی کے مطابق عمل میں آئی۔ ستمبر 1844ء میں تیج سنگھ کو سرداران شیر سنگھ اور منگل

MashalBooks.com

سنگھ اور جرنیل کاہن سنگھ مان اور جرنیل لال سنگھ مراریا کے ہمراہ شیخ امام الدین کی بغاوت فرو کرنے کے لیے کشمیر جانے کا حکم ہوا۔ پہلے اس نے اپنی بیماری کا عذر کیا مگر آخر کار فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اس مہم سے صرف تیج سنگھ ہی ناراض نہ تھا بلکہ قریب قریب تمام دوسرے سردار بھی اس کی طرح راجہ لال سنگھ کی ماتحتی میں کام کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ راجہ لال سنگھ کی لالچی اور کمینہ طبیعت نے ان کے دل میں اس کی طرف سے نفرت پیدا کر دی تھی اور ان کو اس کی دیانت داری پر مطلق اعتبار نہ تھا۔

امام الدین نے اعلانیہ مقابلہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور یکم نومبر کو پریزیڈنٹ کے کیمپ میں آ گیا۔ سکھ فوج کو بھی اب چونکہ اور کوئی کام نہ تھا اس لیے یہ بھی لاہور واپس آ گئی۔ اس مہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ لال سنگھ پر مقدمہ قائم کر کے اس کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ عارضی انتظام کے طور پر سرداران تیج سنگھ اور شیر سنگھ اٹاری والا اور دیوان دینا ناتھ اور فقیر نور الدین کو دوسرے انتظام ہونے تک انتظام سلطنت کرنے کے لیے کونسل کے طور پر مقرر کر دیا گیا۔ 16 دسمبر کو کونسل آف ریجنسی بنائی گئی جس میں سردار تیج سنگھ کو پریزیڈنٹ اور سرداران شمشیر سنگھ سندھانوالیہ، رنجودھ سنگھ مجیٹھیہ، شیر سنگھ اٹاری والا، عطر سنگھ کلیانوالہ، دیوان دینا ناتھ، فقیر نور الدین اور بھائی ندھان سنگھ بطور ممبران شامل تھے۔

14 اگست 1847ء کو سردار تیج سنگھ کو سیالکوٹ کا راجہ بنایا گیا اور اس شہر کا قلعہ قریبی مواضعات کے ساتھ جن کی جمع 28000 روپیہ سالانہ تھی دیئے گئے مہارانی کو برٹش پریزیڈنٹ اور تیج سنگھ دونوں سے سخت نفرت تھی۔ اول الذکر سے اس واسطے کہ اس نے معاملات سلطنت میں مہارانی کا اثر ورسوخ نہیں رہنے دیا تھا اور آخر الذکر سے اس باعث کہ وہ پریزیڈنٹ کی مصلحت اندیشی کی تائید کرتا تھا اس لیے اس نے تیج سنگھ کی گدی نشینی کے دن بے عزتی اور توہین کرنے کا پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا یعنی مہاراجہ خورد سال کو سکھا دیا تھا کہ عطائے منصب راجگی کے وقت اسے کیا کارروائی کرنی چاہیئے؟ چنانچہ جب تیج سنگھ اپنی پیشانی پر زعفران کا ٹیکا (جو راجہ ہونے کی ایک علامت تھی) لگوانے کے لیے آگے بڑھا تو بادشاہ خورد سال پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ہاتھوں کو بغلوں میں دبا کر اس رسم کے ادا کرنے سے انکار کر دیا اس پر پریزیڈنٹ نے بھائی ندھان سنگھ کو جو سکھوں کا مذہبی افسر تھا اور مہاراجہ کا قائم مقام تھا اس رسم کی ادائیگی کا حکم دیا مگر یہ توہین تیج سنگھ کے دل میں اتر گئی اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ مہارانی کو

MashalBooks.com

اس انتظام سلطنت سے سخت نفرت ہے چنانچہ اس کو نہایت تعجیل کے ساتھ لاہور سے ہٹا کر شیخوپورہ کے قلعہ میں بھیج دیا جہاں وہ آخری مرتبہ پنجاب سے نکالے جانے تک نظر بند رہی۔ اس سال کے شروع میں صاحب پریزیڈنٹ اور راجہ تیج سنگھ کو قتل کر دینے کی ایک سازش ہوئی جس کی اگر مہارانی بانی نہ تھی تو شریک ضرور تھی۔ 26 نومبر 1842ء کے مفسدے کے دوران میں راجہ تیج سنگھ سرکار انگریزی کا خیر خواہ رہا۔ یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ وہ اور سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ دونوں یقینی طور پر جانتے تھے کہ فساد ہوگا اور اس کے برپا ہونے کے تھوڑا عرصہ پہلے راجہ تیج سنگھ چاہتا تھا کہ کچھ عرصے کے لیے پنجاب چھوڑ جائے مگر پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔

علاوہ ازیں تمام پنجاب میں صرف راجہ تیج سنگھ ایک شخص تھا جس کو من کل الوجوہ قناعت تھی یہ بڑا متمول تھا۔ اسے راجہ اور کونسل کا پریزیڈنٹ بنا دیا گیا تھا اور جملہ سکھ امراء میں سے اس کا رتبہ ہو گیا تھا۔ اکثر وہ سکھ سردار اس سے ناراض تھے جو اس کو نو دولت اور دغا باز سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ کونسل میں اس کو کسی قسم کی جرأت نہیں اور میدان جنگ میں تو اس کو قابل مضحکہ سمجھتے تھے۔ دربار میں اس کی اتنی وقعت کا ان سرداروں کو اس قدر حسد تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ راجہ کے کام وفادارانہ تھے اور اس کی امداد سرکار انگریزی کے لیے بیش قیمت تھی۔

پنجاب کے الحاق کے موقع پر راجہ تیج سنگھ اور سردار بھگوان سنگھ کی جو جمعدار کا تیسرا بیٹا تھا (کشن سنگھ لڑائی کے بعد سبراؤں کے مقام پر ڈوب گیا تھا) ذاتی جاگیریں جن کی مالیت 1,5,2,779 روپیہ تھی حین حیات کے لیے مستقل طور پر اس طرح دے دی گئیں تھیں کہ راجہ کو 92779 کی اور بھگوان سنگھ کو 60000 روپیہ کی۔ ان دونوں کے حصوں میں بالترتیب 20000 روپیہ کی علے الدوام جاگیر تو راجہ تیج سنگھ کے ورثا کو اور 7500 روپیہ کی بھگوان سنگھ کے ورثاء کو ملتی۔ الحاق کے بعد راجہ سکھ فوج کے توڑنے اور نئی سکھ فوج بھرتی کرنے میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ 1857ء میں اس نے رسالے کے بھرتی کرنے میں بڑی امداد دی اور اس وفاداری کے عوض اس کو ایک ہزار روپیہ کا خلعت عطا ہوا۔ 1861ء میں اس کی منتشر جائداد یکجا کر دی گئی اور اس کے عوض میں بٹالے کا علاقہ دے دیا گیا اور اس کا خطاب بھی بدل کر راجہ بٹالہ کر دیا گیا۔ نیز اس کو جاگیر دار مجسٹریٹ بنایا گیا اور ڈپٹی کمشنر کے اختیارات دیئے گئے۔ 1862ء میں گورنمنٹ پنجاب کی سفارش پر گورنمنٹ عالیہ نے دو ثلث اس کی جاگیر میں سے اور چھٹا

حصہ بھگوان سنگھ کی جاگیر کا علے الدوام واگزار کو دیا۔

1859ء میں راجہ کے گھر کرم کور کے بطن سے جو اس کے چچیرے بھائی کشن سنگھ کی بیوہ تھی اور جس کے ساتھ اس نے 1857ء میں شادی کر لی تھی ایک لڑکا پیدا ہوا مگر اس نے اس سے پہلے اپنے چھوٹے بھائی ہربنس سنگھ کو جو اس کی دوسری ماں کا بیٹا تھا اور 1846ء میں پیدا ہوا تھا متبنیٰ کر لیا تھا۔

راجہ تیج سنگھ چھاتی کی بیماری سے 2 دسمبر 1864 کو لاہور میں انتقال کر گیا۔

1882ء میں سردار بھگوان سنگھ چالیس برس کی عمر میں امرتسر میں مرا۔ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا۔ اس کی بیوہ کرپا دیوی نے ایک متبنیٰ وارث بنا لینے کی اجازت مانگی مگر گورنمنٹ نے یہ معلوم کر کے کہ سردار آنجہانی نے کبھی ایسی خواہش ظاہر نہیں کی تھی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

راجہ ہربنس سنگھ اپنے بڑے بھائی تیج سنگھ کی وفات پر لاہور کے ڈسٹرکٹ کورٹ کا وارڈ بنا دیا گیا۔ بعد ازاں لاہور میں آنریری مجسٹریٹ رہا تھا۔ اس کی وفادارانہ خدمات کا صلہ 1867ء میں جائداد راجہ ہربنس سنگھ کے حوالے کی جس کی عمر 21 سال کی ہو گئی تھی۔ ہربنس سنگھ کو لائق معلموں اور عمدہ تربیت کے ذریعے پنجاب کے امراء میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کا پورا موقع ملا۔ 1900ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بڑا بیٹا کیرتھی سنگھ اس کی جگہ پراونشل درباری ہوا اور اس نے راجہ کا خطاب جو خاندان میں موروثی ہے حاصل کیا۔

راجہ کیرتھی سنگھ 1904ء میں اچانک فوت ہو گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی راجہ فتح سنگھ جاگیر اور درباروں میں خاندانی کرسی پر اس کا جانشین ہوا ہے۔ جاگیر ابھی تک کورٹ آف وارڈز کے انتظام میں ہے۔

وہ جاگیر جو راجہ تیجا سنگھ کے خاندان کے قبضے میں تھی 56112 روپیہ سالانہ کی مقرر کی گئی تھی جس میں سے 4437 روپیہ کی رائے مول سنگھ کو اور 4400 روپیہ کی سردار بہادر سردار نرندر سنگھ کو دی گئی تھی جو باقی ماندہ راجہ ہربنس سنگھ کے پاس رہی تھی۔ 1860ء میں سردار نرندر سنگھ کے پیدا ہونے پر راجہ ہربنس سنگھ کے دل میں برے خیالات پیدا ہو گئے۔ سردار نرندر سنگھ نے انبالہ وارڈ سکول میں تعلیم پائی۔ 1881ء میں جب وہ بالغ ہوا تو چچا کے ساتھ تنازعہ شروع ہو گیا۔ جس کا چار سال کے بعد صرف اس وقت انفصال ہوا جب کہ سر چارلس ایچی سن نے بہ

MashalBooks.com

حیثیت لیفٹیننٹ گورنر اس معاملے میں مداخلت کی۔ ان دونوں کو آپس میں ایک دوسرے کا حق ماننا پڑا۔ راجہ ہربنس سنگھ کو باقاعدہ طور پر تیج سنگھ کا متبنّیٰ تسلیم کیا گیا اور چچا یعنی ہربنس سنگھ کو نرندر سنگھ کے جائز وارث ہونے پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

سردار نرندر سنگھ نے تین شادیاں کیں اور اس کی دوسری بیوی کے بطن سے 1882ء میں اس کے ہاں لڑکا ہوا۔ 1885ء میں سردار مذکور کو فوجداری اور دیوانی اختیارات دیئے گئے اور یہ آنریری جوڈیشنل افسر کا کام بہت اچھی طرح سے کرتا رہا جس کے صلہ میں 1892ء میں اسے سردار بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ 1884ء میں وہ لاہور کے ڈسٹرکٹ بورڈ کا اور 1887ء میں میونسپل کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا۔

سردار نرندر سنگھ 1904ء میں فوت ہوا اس کے اکلوتے بیٹے بکرم سنگھ نے خطاب سرداری اور پراونشل درباروں میں موروثی کرسی حاصل کی۔ سردار بکرم سنگھ امرتسر میں رہتا تھا جہاں وہ آنریری مجسٹریٹ اور سول جج درجۂ اول تھا۔ سردار بکرام سنگھ دولڑکے بلدیواندر سنگھ اور ہراندر سنگھ چھوڑ کر 1920ء میں فوت ہو گیا۔ بلدیواندر سنگھ بھی امرتسر میں رہتا ہے اور اس کا چھوٹا بھائی ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

فتح علی خاں قزلباش

سردار علی خان اس خاندان میں پہلا شخص تھا جس نے صوبہ شیروان سے ترک وطن کیا۔ اس کا خاندان جو قزلباش ترک تھے وہاں رہتا تھا اور حکومت کرتا تھا۔ جب نادر شاہ بادشاہ نے خلجیوں کو نکال دیا اور خراسان پر حملہ کر کے 1738ء میں ہندوستان کی طرف آنے کی تیاری کی تو علی خاں اور دوسرے قزلباش عمائید کو جن کی نسبت اس کا یہ خیال تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں فسادات برپا کر دیں گے اپنے ہمراہ لیتا آیا۔

ہندوستان سے واپس جانے پر نادر شاہ نے علی خاں کو قندھار کا عامل مقرر کر دیا اور دوسرے قزلباش عمائد کو کابل اور پشاور میں حکومتیں دیں جن کی رو سے مملکت ایران کو بڑا فائدہ پہنچا کیونکہ ان مفسدہ پرداز قزلباشوں کے وہاں سے چلے آنے پر آٹھ سال یعنی اس وقت تک کہ نادر شاہ مقتول اور احمد شاہ درانی زور مند ہوا۔ علی خاں نے ہزارہ کا علاقہ حاصل کیا جو قندھار کے شمال میں تھا اور ایک طاقتور فوج کے ساتھ اردگرد کا ملک نواح ہرات تک فتح کر

MashalBooks.com

لیا۔ یہ احمد شاہ کے ہمراہ1760ء میں حملہ کے وقت ہندوستان آیا اور پانی پت کی اس بڑی لڑائی میں جس نے مرہٹوں کی طاقت کو پامال کر دیا حصہ لیا۔ احمد شاہ کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے چاہا کہ علی کو جاگیروں اور فوج کی حکمرانی سے محروم کر دے مگر علی خاں نے مقابلہ کر کے اپنی جاگیر وغیرہ قائم رکھی اور آخر کار احمد شاہ ناچار ہوا تو اس کے چند نوکروں کو روپیہ کا لالچ دے کر1770ء میں اس کو مروا ڈالا علی خاں کا سب سے بڑا بیٹا گل محمد خاں اپنے باپ کی وفات پر صرف چھ سال کا تھا۔ جب علی خاں کے بیٹے جوان ہوئے تو انہوں نے بزور باز واپنی جاگیر کا بہت سا حصہ دوبارہ حاصل کر لیا اور تیمور شاہ نے گل محمد خاں کو قندھار بلا بھیجا اور سردار کا خطاب عطا کر دیا۔

علی رضا خاں کا باپ ہدایت خاں1797ء میں شاہ زماں کے ہمراہ آیا اور کچھ مہینوں تک یہیں رہا۔1813ء میں سب سے چھوٹا بھائی علی محمد خاں400فوج کے ساتھ وزیر فتح خاں اور اس کے بھائی محمد عظیم خاں کے ہمراہ کشمیر کی مہم پر آیا جس میں ان کو کامیابی ہوئی۔ اس عرصے کے بعد کابل واپس جا کر اس نے ہدایت خاں کی شراکت میں خاندانی جائیداد پر تصرف کیا اور دولڑکے علی اکبر خاں اور علی جان خاں چھوڑ کر1835ء میں فوت ہو گیا۔ بڑا لڑکا تھوڑے عرصے بعد ہی مر گیا اور علی جان خاں اپنے باپ کے حصۂ جاگیر کا وارث ہوا جو ابھی تک کابل میں اس کے قبضے میں ہے۔

سب سے بڑے محمد حسن خاں نے وزیر فتح محمد خاں کے ماتحت ہرات میں خدمات انجام دیں اور اپنے چچا کے ساتھ کشمیر چلا گیا۔ کابل واپس پہنچ کر وہ اپنے بھائی علی رضا خاں کے ساتھ رہا اور افغانستان کی پہلی لڑائی کے دوران میں سرکار انگریزی کی اچھی خدمات بجا لایا۔ دوسرا بھائی محمد حسین خاں اس کے ماتحت کشمیر میں ایک اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھا۔ دوست محمد خاں کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ تیسرا بھائی حاجی محمد خاں تھا یہ حبیب اللہ خاں کی جانشینی کے درمیانی عرصہ میں کابل کا حکمران رہا تھا۔ دوست محمد خاں کی جانشینی پر وہ مکہ معظمہ چلا گیا اور واپس آ کر علی رضا خاں کی معیت میں رہنے لگا۔

علی رضا خاں نے ہمیشہ اپنی موروثی جاگیر میں وقت گزارا۔ جب انگریزی فوج شاہ شجاع کے ساتھ پہلے پہل1839ء میں کابل میں داخل ہوئی تو محکمہ کمسریٹ کا اعلیٰ مہتمم مقرر ہوا۔ پھر سرکاری افسر اور ان کی بیویاں قید کر لی گئیں تو علی رضا خاں ان کے مصائب کو کم

کرنے اوران کورہائی دلانے کے لیے سخت کوشش کرتا رہا۔ بلکہ اس نے فدیہ دے کرایک سو ہندوستانی سپاہیوں کوبھی غلامی سے نجات دلائی اور دوسری انگریزی فوج کے کابل میں داخل ہونے تک انہیں اپنے گھر میں خفیہ طور چھپائے رکھا۔

جب محمد اکبرخاں نے ان قیدیوں کو ہزارہ اور بامیان کے راستے سے کھلم کھلا بھیجا تو علی رضا خاں نے جس کا اس علاقے میں موروثی اقتدار قائم تھا روسائے ہزارہ کو رشوت دے کر ترغیب دی کہ وہ قیدیوں کو پہاڑوں کی طرف نہ لے جانے دیں نیز اس نے اپنے ایجنٹ مرتضٰے شاہ کو بہت سا روپیہ دے کر بھیجا کہ وہ کوشش کر کے صالح محمد خاں کو جو قیدیوں کو لے جانے والی جمیعت کا نگراں افسر تھا اپنی طرف بلا لے اسی کے رسوخ اور صرف کثیر کی وجہ تھی کہ قیدی بچ کر جرنیل پولک کی امدادی فوج کے ساتھ شامل ہو سکے۔ جب اکبرخاں جرنیل مذکور پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا تو علی رضا خاں نے قزلباش رؤسا کو انگریزوں کی طرف کر دیا چنانچہ انہوں نے لڑائی سے پہلے ہی اکبرخاں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

سرکاری افواج کی ہندوستان کی طرف واپسی پر علی رضا خاں ان کے ہمراہ آیا کیونکہ کابل میں اس کی جان اب محفوظ نہ رہی تھی۔ اس کی جاگیریں (مالیتی300000 روپیہ) ضبط کر لی گئیں۔

اس نے اوراس کے خاندان نے سرکار انگریزی کی ہندوستان میں بھی ویسی ہی خدمت کی جیسی کہ انہوں نے افغانستان میں کی تھی۔ ستلج کی لڑائی کے دوران میں مدکی' فیروشاہ اور سبراؤں کی لڑائیوں میں لڑے تھے۔ 1846ء میں وہ میجر ایچ - لارنس بہادر کے ہمراہ کانگڑہ اور کشمیر گیا اور49-1848ء کے مفسدے کے دوران میں اس نے ایک سو سوار اپنے ہمشیرہ زادے شیر محمد کے ماتحت خدمات کے لیے مہیا کیے۔ جون1857ء میں جب کہ سرکار انگریزی کو نہایت سخت ضرورت تھی علی رضا خاں نے ایک رسالہ دہلی کے پاس خدمات کرنے کے لیے بھرتی کیا اپنے بھائیوں محمد رضا خاں اور محمد تقی خاں کے ماتحت کر دیا۔ اس فوج کے بھرتی کرنے میں اس نے سرکار سے روپیہ اس واسطے نہیں مانگا کہ اس وقت خود سرکار کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی چنانچہ اس نے اپنے روپیہ سے اور لاہور کی جائیداد اور مکان رہن رکھ کر فوج کا خرچ دیا اور اپنے بھائی کے علاوہ اپنے بھتیجوں عبداللہ خاں' محمد زماں خاں' غلام حسن خاں اور شیر محمد خاں کو بھی بھیجا۔

MashalBooks.com

کھاسنی گنج کے مقام پر محمد تقی خاں بہادری سے لڑتا ہوا کئی باغیوں کو اپنے ہاتھ سے مارنے کے بعد مارا گیا۔علی رضا خاں کا چھوٹا بھائی محمد رضا خاں اپنی بے خوف رجمنٹ میں شجاع ترین سپاہیوں میں تھا۔لڑائی کے بعد اس نے اول درجے کا آرڈر آف میرٹ حاصل کیا۔سردار بہادر کا خطاب لیا اور دوسو روپیہ کی علی الدوام پنشن حاصل کی۔ یہ لکھنؤ میں جہاں لڑائی کے تھوڑی مدت بعد رخصت پر گیا تھا رہ گزار عالم بقا ہوا۔

علی رضا خاں لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا۔کابل سے یہاں آنے پر اسے 800 روپیہ ماہوار اور اس کے بھائی محمد رضا خاں کو 200 سو روپیہ ماہوار پنشن دی گئی تھی۔غدر کے بعد اس نے بہڑائچ اور اودھ کے 147 مواضعات کی جن کی آمدنی 15000 روپیہ سالانہ تھی تعلق داری حاصل کی۔اس کو خان بہادر کا خطاب بھی دیا گیا اور اس کے متذکرہ بالا بھتیجوں کو جنہوں نے ایام غدر میں ایسی اچھی خدمات کی تھیں سردار بہادر کے خطابات سے معزز کر دیا گیا۔پھر اس کی وفات سے دوسال پہلے 1864ء میں اسے موروثی نواب بنا دیا گیا۔

علی رضا خاں کے تین لڑکے تھے جن میں سے سب سے بڑا نوازش علی خاں 1848ء میں سکھ فوج کے باغی ہو جانے کے موقع پر میجر جی لارنس کے پاس پشاور میں تھا۔تیسرا بیٹا ناصر علی خاں خاندانی املاک واقع اودھ کا مہتمم تھا۔ وہاں اسے آنریری اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا۔1866ء میں علی رضا خاں کی وفات پر نواب کا خطاب اس کے بیٹے نوازش علی خاں کو ملا اور یہ بھی اپنے باپ کا قابل جانشین ثابت ہوا۔اس نے اپنی ساری عمر رفاہ عام کے کاموں کی نذر کی اور امن و آسائش کے ان دنوں میں جو لڑائیوں کے بعد آئے اس نے اپنا وہ نام پیدا کیا جو اس کی دیانت داری اور راست بازی کی وجہ سے امرا پنجاب کی صف اول میں داخل کر جاتا 1877 میں یہ آنریری اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا اور تین سال تک لاہور کی میونسپل کمیٹی کا پریذیڈنٹ رہا 1885ء میں اسے سی آئی ای کا خطاب اور اس کے تین سال بعد کے سی آئی کا خطاب ملا 1887 میں یہ لحسیلٹو کونسل کا ایڈیشنل ممبر نامزد کیا گیا اور اس سے ایک سال پہلے اسے رکھ جیلانہ ضلع لاہور کے حقوق مالکانہ عطا کیے گئے ۔1890ء میں سر نوازش علی خاں کی وفات کے بعد نواب کا موروثی خطاب اس کے چھوٹے بھائی ناصر علی خاں کو عطا کیا گیا جو خاندان کا بزرگ اور اپنے بھائی کی جگہ پراونشل درباری ہو گیا۔ ناصر علی خاں پراونشل سول سروس میں 25 سال تک ملازم رہا اور 1896ء میں فوت ہوا۔اس کا جانشین اس کا بھتیجا فتح علی

خاں ہوا جو نواب کا خطاب اور اپنے چچا کی جاگیر ورثہ میں حاصل کر کے خاندان کا بزرگ اور پراونشل درباری ہوا۔ 1897 میں نواب فتح علی خاں پنجاب کی لجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا 1902 میں دہلی دربار میں شامل ہوا جہاں اسے سی آئی کا خطاب عطا ہوا۔ پھر 1904 میں اسے گورنر جنرل کی کونسل کا ایڈیشنل ممبر نامزد کیا گیا۔ کئی دفعہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ نواب فتح علی خاں سرکار انگریزی کا فرماں بردار اور وفا دار ہے چنانچہ بالتواتر کئی وائسر اور لیفٹیننٹ گورنروں نے اس کی تعریفیں کیں۔ یہ تمام خیراتی کاموں میں دریا دلی سے چندے دیتا تھا۔

نواب ناصر علی خاں کا بیٹا اور نواب علی رضا خاں کا پوتا خان بہادر سردار محمد علی خاں قزلباش خاندان قزلباش کا ایک بڑا معزز و مقتدر رکن تھا۔ یہ بڑا صاحب فراست زیرک اور پراز صفات آدمی تھا۔ اس نے اپنا دور لاہور میں آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر ہو کر شروع کیا اور بعد میں یہ میونسپل کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ مقرر ہو کر 1941 تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ 1910ء میں اسے خان بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔

سول نافرمانی کے تحریک کے دوران میں یہ حکام کا بہت ممد و معاون رہا اور اسے سی ایس آئی کا خطاب عطا ہوا۔ اس کا انتقال 1934ء میں ہوا اور پانچ لڑکے چھوڑے جن میں سب سے بڑا سردار علی رضا خاں قزلباش ہے۔

سردار محمد رضا خاں کا لڑکا سردار رضا خاں اپنے باپ کی خدمات کے صلہ میں 200 روپیہ مہینہ پنشن پاتا تھا اور ڈویژنل درباری تھا۔ یہ کچھ سالوں تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہا۔ اس نے اپنے عہدہء اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سے پنشن پا کر لاہور میونسپل کمیٹی میں بہت سے مفید کام کیے اور 1908ء میں اسے تمغہء قیصر ہند درجہ دوم عطا ہوا۔ محمد اعظم خاں کا لڑکا علی حسین خاں بیرسٹر ایٹ لاء۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہ کر 1927ء میں اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا۔ ہدایت علی خاں کا بیٹا نوازش علی خاں قزلباش پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہے۔ اس وقت یہ خان بہادر سردار محمد علی خاں سی ایس آئی مرحوم کی ساری جائداد کا بروئے وصیت منتظم ہے اور زیادہ تر تعلقہ علی آباد ضلع بہڑائچ (صوبہ اودھ) میں اپنی جائداد کے انتظام کے لیے رہتا ہے۔ جہاں یہ اسپیشل آنریری مجسٹریٹ' مدرستہ الواعظین لکھنؤ کا آنریری جنرل سیکرٹری ہے اور اسے کارونیشن میں میڈل عطا کیا گیا۔ نوازش علی خاں کو پنجاب کے لوگوں میں بھی اس لے بہت کچھ عزت حاصل ہے کہ محرم کے موقع پر ذوالجناح کے جلوس کا سارا انتظام یہی کرتا ہے۔

سلطان علی خاں کا بیٹا باقر علی خاں این ڈبلیو ریلوے میں گزیٹڈ افسر ہے۔ ملازمین ریلوے کی ہڑتالوں کے دوران میں اس نے شاندار کام کر کے اپنی لیاقت اور محنت کشی کی وجہ سے اپنے حکام کی نظروں میں بڑی عزت وتوقیر حاصل کر لی ہے۔

اس طرح 100 برس سے زیادہ عرصہ سے علی رضا خاں اور اس کی اولاد سرکار انگریزی کی ایسی عقیدت مندی سے خدمت گزاری کرتی چلی آئی ہے جس کی بالکل بے لوث صداقت میں مطلق شبہ نہیں۔

دیوان سومیر ناتھ

سکھوں کی سلطنت کے پچھلے زمانہ میں جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہوا ان میں سے سب سے زیادہ مشہور راجہ دینا ناتھ تھا۔ اکثر انقلابات جن میں راجہ دینا ناتھ کے سرپرست اور کرم فرما ضائع ہو گئے گزرے مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کئی اعلی خاندان بنے اور بگڑ گئے مگر راجہ کو کبھی ان کی تباہی سے ضرر نہ پہنچا۔ راجہ دینا ناتھ کی ثروت اور اقتدار میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہی۔ زیر کی اور دور اندیشی اس میں اتنی تھی کہ جب اور لوگوں کی نظروں میں پولیٹیکل مطلع صاف نظر آتا تھا اس کو طوفان آنے کی علامت نظر آ جاتی تھی اور وہ سمجھ لیتا تھا کہ فلاں فریق کو جو اس طوفان میں نقصان اٹھائے گا یا فلاں دوست کو جو تباہ ہو جائے گا چھوڑ دے۔ ایماندار آدمی بہت انقلابات میں مصئون نہیں رہا کرتے مگر راجہ دینا ناتھ جتنی بے وفائی کرتا تھا اتنی ہی اس کو ترقی ہوتی تھی۔ اس کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی کیونکہ یہ لوگ اس سے اور اس کی سرکار سے زیادہ طاقت ور تھے مگر اپنی اغراض کی وجہ سے مجبور تھا کہ ان کی خدمت گزاری کرے۔ مگر راجہ دینا ناتھ کو اپنے ڈھنگ پر وفاداری کرنی بھی آتی تھی اور اپنے دوست کا ساتھ اس وقت تک دیتا تھا جب تک کہ اسے خاص اپنے امن میں خلل آ جانے کا اندیشہ نہ ہو جائے اور جس دوست سے کنارہ کشی بھی کرتا تھا تو اپنے جان کے اندیشے سے نہیں بلکہ اپنی ثروت اور اقتدار کے تلف ہو جانے کے اندیشے سے۔ کیونکہ راجہ دینا ناتھ آدمی بہادر تھا۔ وزیر مال کی حیثیت سے راجہ دینا ناتھ کی پالیسی دانشمندانہ اور فیاضانہ تھی اور سرکار انگریزی نے جو نیا انتظام محصول کا کیا اس کے فوائد کو راجہ مذکور نے فوراً سمجھ لیا تھا۔ راجہ دینا ناتھ پکا دنیا دار، شائستہ اور عاقبت اندیش تھا۔ گو وہ کوئی فاضل آدمی نہ تھا مگر تعلیم وتربیت اچھی پائی تھی اور یورپینوں سے ایسی

MashalBooks.com

دلیری اور ظاہری صفائی کے ساتھ گفتگو کیا کرتا تھا کہ سامع کی طبیعت خوش ہو جائے۔

سکھ امرا سے جو مہاراجہ دلیپ سنگھ خورد سال کے حاضر باش درباری تھے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے خلوص نیت سے اپنے ملک کے نفع کے لیے کوشش کی ہو یا اس کو بچانے کے لیے اپنا تھوڑا سا بھی نقصان گوارا کر لیا ہو۔

راجہ دینا ناتھ کا خاندان اصل میں کشمیر سے آیا تھا جہاں کے عہد حکومت میں اس کے کچھ افراد دربار میں ملازم تھے اور محمد شاہ کے عہد تک وہیں رہے۔ جس زمانے میں بشن ناتھ کا بڑا لڑکا لچھی رام کشمیر چھوڑ کر لاہور آ گیا اور یہاں ملازم ہو گیا۔ اس کے بعد ہی یہ دہلی چلا گیا یہاں اس نے اپنے چھوٹے بھائی ہر واس کو بلا لیا اور بعد ازاں لکھنؤ میں مراجعت کر لی جہاں یہ زیادہ تر رہتا رہا۔ اس کے لڑکے دلا رام نے نواب اودھ کے ہاں ملازمت کر لی مگر دربار میں کچھ سازشیں ہو جانے کی وجہ سے اس کو نوکری چھوڑنی پڑی۔ اس کے بعد اس نے سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی اور 1791ء میں فوج کے ساتھ میسور کی طرف جا رہا تھا کہ بیمار ہو کر مر گیا۔ دینا ناتھ کو جس کا باپ بخت مل دہلی کے محکمہ سول میں ایک ادنے عہدے پر ملازم تھا اس کے قریبی رشتہ دار دیوان گنگا رام نے جو اس وقت دفتر سرکار لاہور کا افسر تھا 1815ء میں لاہور بلا لیا اور اپنے دفتر میں ملازم رکھ لیا جہاں اس نے اپنے فہم و ذکا اور کار گزاری سے بہت جلد ترقی کر لی۔ پہلے پہل 1818ء میں ملتان کی فتح کے بعد اس نے نہایت عجلت اور صفائی سے ان آدمیوں کی ایک فہرست بنا کر جو معاوضات کے مستحق تھے رنجیت سنگھ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا۔ تھوڑی مدت بعد اس نے صوبہ ملتان کے حسابات درست کیے جنہیں پہلا ناظم سکھدیال بہت خراب کر گیا تھا۔ 1826ء میں جب گنگا رام فوت ہوا تو شاہی مہر اس کی تحویل میں دی گئی اور 1834ء میں بھوانی داس کی وفات پر یہ محکمہ سول اور مال کا افسر بنایا گیا۔ پھر 1838ء میں اس نے دیوان کا اعزازی خطاب حاصل کیا۔ رنجیت سنگھ کو دینا ناتھ کی کارروائی پر سب سے زیادہ اعتماد تھا اور مہاراجہ کے عہد حکومت کے آخری سالوں میں اس کا اقتدار بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ ہر ایک ضروری موقع پر اس کی صلاح لی جاتی تھی اور اسے امرتسر، دینا نگر اور قصور کے علاقوں میں 9900 روپیہ مالیت کی جاگیریں عطا ہوئی تھیں۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ اور نونہال سنگھ کے عہد حکومت میں دینا ناتھ اپنے عہدے پر قائم رہا۔ اس نے نئی جاگیریں حاصل کیں اور مہاراجہ شیر سنگھ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا۔ یہ مہاراجہ کی

خدمت میں حاضر تھا جب کہ اس کو سندھانوالیوں نے قتل کر دیا۔ اور جب راجہ ہیرا سنگھ کو حکومت حاصل ہوئی تو دیوان دینا ناتھ سے زیادہ کوئی سرگرم اس کا صلاح کار نہ تھا۔ جب ہیرا سنگھ نے اپنے چچا گلاب سنگھ سے جھگڑا کیا یا جھگڑا کرنے کا بہانہ کیا تو دیوان مع بھائی رام سنگھ اور شیخ امام الدین راجہ سے معاملات طے کرانے جموں گیا ان کی سفارت بالکل کامیاب ہوئی اور یہ تینوں جموں سے راجہ گلاب سنگھ کے بیٹے میاں سوہن سنگھ کو بطور یرغمال اپنے ساتھ لے کر آگے جس کو اس کے چچیرے بھائی ہیرا سنگھ نے جلدی ہی قتل کروا دیا۔ ہیرا سنگھ کی وفات پر جواہر سنگھ مہارانی جنداں کے فاسق و فاجر اور حقیر بھائی نے حکومت حاصل کی مگر دیوان دینا ناتھ اس کے زمانے میں بھی اپنے منصب پر قائم رہا۔

شہزادہ پشاورا سنگھ کے قتل کیے جانے کے بعد فوج نے باغی ہو کر فیصلہ کر دیا کہ سردار جواہر سنگھ کو جس کے اشتعال سے شہزادہ مذکور قتل ہوا ہے ہلاک کر دیا جائے۔ اس سے سردار کو بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے قلعے کو مقابلے کے واسطے آراستہ کیا اور 19 ستمبر کو دیوان دینا ناتھ ، عطر سنگھ کلیانوالہ اور فقیر نورالدین کو فوج کے منانے کے لیے بھیجا مگر ان سرداروں کے ساتھ فوج بہت حقارت سے پیش آئی اور عطر سنگھ جب سندھانوالیے کمرے میں داخل ہوئے تو دیوا ن دینا ناتھ شیر سنگھ کے عین پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ جس گولی سے مہاراجہ قتل ہوا غالب تھا کہ دیوان دینا ناتھ بھی اس کی ضرب سے زخمی ہو جاتا یا مارا جاتا اگر مہر گھسیٹا جو سندھانوالیوں کا ایک وکیل اور اس سازش کا راز دار تھا ایک ضروری بات کرنے کے بہانے سے اسے ایک طرف نہ لے جاتا۔

دینا ناتھ کو کیمپ میں قید رکھا۔ یہاں یہ 22 تاریخ تک جواہر سنگھ کے قتل ہونے کے ایک دن بعد تک قید رہا جس دن سپاہ نے جس پر رانی کا اس وقت تک بھی بڑا اقتدار تھا نہیں چھوڑا تا کہ وہ رانی کے سخت غم و اندوہ کو فرو کر دیں۔ چنانچہ وہ رانی کے ہمراہ قلعے میں واپس آ گئے۔ جواہر سنگھ اپنی چار بیویوں سمیت اسی شام کو جلایا گیا جس کی چتا پر مہارانی کی طرف سے دیوان دینا ناتھ موجود تھا۔ ان بدنصیب عورتوں کی جو لاش کے ساتھ جلائی جانے والی تھیں فوج نے بہت بے حرمتی کی۔ ان کے جواہرات چھین لیے اور نتھیں نوچ لیں۔ ہندوؤں میں ستی ہونے والی عورت بڑی متبرک سمجھی جاتی ہے اور جو الفاظ عام میں اجیرادہ کہے سمجھے جاتے ہیں کہ ضرور پورے ہوں گے۔ دینا ناتھ اور دوسرے آدمی ان کے پاؤں پر گرے اور ان سے دعا چاہی

MashalBooks.com

عورتوں نے دینا ناتھ مہارانی اور اس کے بیٹے کو تو دعا دی مگر سکھ فوج کو بد دعا دی جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ پنجاب کا کیا حال ہوگا تو انہوں نے جواب دیا کہ اسی سال کے اندر ملک کی آزادی چھین لی جاے گی اور خالصے مغلوب ہو جائیں گے۔ سکھ سپاہیوں کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی مگر مہاراجہ اور اس کی والدہ دیر تک زندہ رہیں گے اور خوش رہیں گے۔

اس کے بعد دیوان دینا ناتھ کو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر فوج ایسی ہی طاقتور اور مطلق العنان رہی جیسی کہ اس وقت تھی تو نہ تو اس کی اپنی اور نہ کسی دوسرے شخص کی جو اعلیٰ عہدے پر ہے خیر رہے گی چنانچہ اپنے ہم خیال راجہ لال سنگھ اور مہارانی کے ساتھ ہو کر جو اپنے بھائی کی موت کا انتقام لینے کی مشتاق تھی اس نے فوج میں انگریزوں کے ساتھ لڑنے کی خواہش پیدا کی۔ سپاہیوں کی طبیعتوں کو بھڑکانے کی غرض سے بڑی کوشش کے ساتھ افواہیں اڑائی گئیں۔ مشہور کیا گیا کہ جو بدنظمی پنجاب میں ہو رہی ہے اس سے انگریز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تاکہ ملک پر چھا جائیں۔ اور یہ کہ لال کرتیوں کی پلٹن پر پلٹن بنگال سے آرہی ہے بلکہ بعض پلٹنیں اس وقت ستلج عبور کرنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ الغرض جب اس طرح سپاہیوں کے دل مشتعل ہو گئے تو نومبر کے شروع میں شالامار میں ایک بڑی کونسل ہوئی اور وہاں دیوان نے ایسی فصیح معنی خیز اور پر جوش تقریر کی کہ تمام حاضرین نے متفقہ طور پر اعلان جنگ چاہا۔ پھر اس لڑائی کا جو حال ہوا سب کو معلوم ہے۔ اس کے بعد راجہ دینا ناتھ نے 9 مارچ 1844ء کو اس عہد نامے پر دستخط کیے جس کی رو سے پنجاب کا عمدہ ترین علاقہ سرکار انگریزی کے حوالے کیا گیا۔ اگرچہ انگریزوں کے لاہور میں رہنے کی نسبت دیوان دینا ناتھ کی نیت سب پر روشن تھی مگر وہ ایسا عقلمند نہ تھا کہ علانیہ کچھ ناخوشی ظاہر کرتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی خواہش یہ تھی کہ جب تک سلطنت لاہور بلا امداد غیرے قائم رہ سکنے کی طاقت حاصل نہ کر لے انگریز یہیں رہیں۔ جب مئی 1846ء میں قلعہ کانگڑہ کی سپاہ نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور گورنر جنرل بذات خود قلعہ مذکور پر قبضہ کرنے کے اہتمام کے واسطے گئے تو دینا ناتھ کو حکم ہوا کہ وہ بھی ان کے پیچھے جائے اور اگر ممکن ہو تو اہل قلعہ کو سمجھائے کہ وہ عقل سے کام لیں۔ زمانہ سابق میں رنجیت سنگھ نے اہل قلعہ کو حکم دے رکھا تھا کہ قلعہ کے دروازے باستثائے راجہ دینا ناتھ فقیر عزیز الدین یا مسر بیلی رام کسی کے واسطے نہ کھولیں مگر اس موقع پر دیوان کا رعب وداب یا اس کو استعمال کرنے کی خواہش زیادہ مضبوط نہ تھی۔

دسمبر 1846ء میں جب راجہ لال سنگھ وزیر پر دغا بازی کا مقدمہ ہوا تو دیوان دینا ناتھ نے دربار کی جانب سے مامور ہو کر باوجود یہ کہ وزیر کے جرم کا ثبوت نہایت قوی تھا اس کی طرف سے بڑی ہوشیاری اور جرات سے جوابدہی کی تاہم وزیر مذکور معزول کر دیا گیا اور اس کے بعض اختیارات انتظام سلطنت عارضی طور پر سردار تیج سنگھ، سردار شیر سنگھ، فقیر نور الدین اور دیوان دینا ناتھ کے سپرد ہوئے اور تھوڑے عرصے کے بعد چار اور مقتدر روسا اس جماعت میں شامل کیے گئے اور گورنر جنرل کے حکم سے ایک کونسل آف ریجنسی مقرر ہوئی۔ اس کونسل کا سب سے قابل ممبر بلاشبہ دیوان دینا ناتھ تھا اور اگرچہ محکمہ مال کا افسر اعلیٰ ہونے کے حیثیت سے اسے لوگوں کے روپے سے خود مالدار ہو جانے کے بہت مواقع تھے۔ نیز ہر طرح سے یقین ہے کہ ان مواقع سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا مگر حقیقت میں اس نے بمقابلہ دوسروں کے زیادہ بے غرضی سے کام کیا اور صاحب ریزیڈنٹ لاہور کی بہت خدمت کی بغیر اس کی روشن دماغی اور کارگزاری کی عادات کے شاید دربار کے حساب کا سمجھانا ناممکن ہو جاتا۔ پچھلی وزارتوں کے عہد میں فضول خرچیاں ہو چکی تھیں ان کے سبب سے اخراجات میں تخفیف بہت ناگزیر تھی اور دیوان دینا ناتھ اور سردار تیج سنگھ کو بھی اس ناخوشی کا پورا حصہ ملا۔ نومبر 1817ء میں دیوان ترقی کر کے اسے راجہ کلانور بنا دیا گیا اور اس موقع پر اسے یہ اعزازی خطاب ملا:۔ امارت و ایالت دستگاہ۔ خیر اندیش دولت عالیہ، دیانت دار، مشیر خاص، مدار المہام اسی وقت اسے علاقہ کلانور 20000 روپیہ کی جاگیر دی گئی۔ اپریل 1847ء میں دیوان مولرراج کے لاہور لانے کے لیے بھیجا اور زیادہ تر اسی کے ذریعے سے ناظم مذکور کے ساتھ خاطر خواہ قرارداد عمل میں آ گئی اگرچہ ناظم مذکور وزرا سے اور خاص کر راجہ دینا ناتھ سے شروع 1847ء تک شرائط تعہد کے بدلنے کے واسطے برابر سازش کرتا رہا۔ لاہور میں جب پہلے پہل ملتان کے فساد کی خبر پہنچی تو دربار کی طرف سے راجہ دینا ناتھ اور سردار عطر سنگھ کلیانوالہ کو جو بے قاعدہ فوج کا افسر تھا ملتان جانے کا حکم ملا مگر فوراً بعد ہی دیوان کو واپس بلا لیا گیا۔ جب سردار اچتر سنگھ اٹاری والے نے دغا بازی کی اور سردار جھنڈا سنگھ بٹالیہ جو اس کی فہمائش کے واسطے بھیجا گیا تھا اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو ریزیڈنٹ نے سردار مذکور کو سمجھانے کے لیے کوشش کرنے کی غرض سے راجہ دینا ناتھ کو بھیجا مگر اس کی فہمائش بھی سردار جھنڈا سنگھ کی طرح کارگر نہ ہوئی۔ بعض ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ راجہ دینا ناتھ دل سے دغا باز ہے اور اس نے خود

MashalBooks.com

فساد کی ترغیب دی ہے اور یہ کہ اگر وہ صاحب ثروت نہ ہوتا اور اس کے مکانات اور باغ لاہور میں جہاں بآسانی ضبط ہو سکتے تھے نہ ہوتے تو یہ بلا تامل مفسدوں کے ساتھ شامل ہوجاتا۔ مگر یہ کہانیاں شاید اس کے دشمنوں نے اختراع کی تھیں۔ سچ یہ ہے کہ جب وہ لاہور واپس بلا لیا گیا تو اس نے مفسدوں کی جائداد کی ضبطی اور ان کی تجاویز کو توڑنے میں نہایت سرگرمی سے کام کر کے حکام کی خواہش کی تعمیل کی۔

پنجاب کے الحاق کے بعد راجہ دینا ناتھ کو اس کی ساری جاگیرات پر جو 46460 روپیہ سالانہ آمدنی کی تھیں مستقل قبضہ دیا گیا یہ اس کی وفات یعنی 1857ء تک اس کے قبضے میں رہیں۔ اس کے بڑے بیٹے امرناتھ نے اس کی حین حیات میں 1200 روپیہ کی ایک نقد پنشن حاصل کی۔ راجہ کی وفات پر یہ پنشن بڑھا کر 4000 روپیہ کردی گئی مگر امرناتھ کی وفات پر اس کی پنشن ضبط کر لی گئی اور اس کے بیٹے کو 4000 روپیہ کی ایک جاگیر دے دی گئی جو خلف اکبری کے قواعد کے مطابق نسلاً بعد نسل پہنچنی تھی۔ امرناتھ کا اپنے باپ کے ساتھ جس نے ستلج کی لڑائی کے دوران میں بے قاعدہ فوج کی بخشی گری سے اسے علیحدہ کر دیا تھا سلوک نہ تھا۔ راجہ کی وفات کے بعد امرناتھ نے اس کی جائیداد کا حصہ لینے سے قطعی انکار کر دیا چنانچہ یہ سار ی کی ساری چھوٹے بیٹے نرنجن ناتھ کو مل گئی۔ راجہ نے ایک وصیت بھی کی تھی جس میں اپنی تمام ذاتی جائداد اپنے چہیتے بیٹے نرنجن ناتھ کے نام کردی تھی۔

امرناتھ بڑا قابل آدمی تھا۔ وہ شاید پنجاب بھر میں سب سے زیادہ مستند شاعر گزرا ہے۔ اس کے بعض اشعار نہایت عمدہ ہیں۔ 1858ء میں اس نے رنجیت سنگھ کے عہد کی ایک تاریخ شائع کی۔ یہ کتاب گو اہل فرنگ کے مذاق کے مطابق نہیں لیکن بے شبہ پنجاب کے الحاق کے زمانے سے جو کتابیں دیسی مصنفوں نے لکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور قابل قدر ہے۔

راجہ کا بھائی دیوان کدار ناتھ کئی سال تک سلطنت لاہور کا ملازم رہا اس نے دیوان کا خطاب مہاراجہ دلیپ سنگھ سے حاصل کیا اور الحاق کے موقع پر 6000 روپیہ کی پنشن حین حیات لی۔ یہ دو بیٹے چھوڑ کر 1859ء میں فوت ہوا۔

دوسرا لڑکا پران ناتھ سوریاں کا تحصیل دار تھا اور جب عملہ تحصیل اٹھا کر اجنالہ لے جایا گینا تو یہ بھی وہاں تبدیل ہوگیا۔ 1857ء میں یہ اجنالے تھا اور 31 جولائی کو جب نمبر 26 دیسی

پلٹن کے قریباً پانچ سو بے ہتھیار سپاہی جنھوں نے ایک دن پہلے لاہور میں باغی ہو کر چار خون کیے تھے راوی کے داہنے کنارے پر بال گھاٹ کے قریب پہنچے اور دریا پار جانے پر تیار ہوئے تو پران ناتھ نے دیہاتیوں اور پولیس کو جمع کر کے ان پر بڑے زور کا حملہ کیا اور ان میں سے قریبا ایک سو پچاس آدمی مار دیئے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد مسٹر کو پر ڈپٹی کمشنر امرتسر مع سردار جودھ سنگھ کے موقع پر پہنچ گئے اور باقی ماندہ باغیوں کو جو دریا کے ایک جزیرے کی طرف ہٹ گئے تھے پکڑ کر تہ تیغ کر دیا۔ یہ بڑی بہادری کا کام تھا جس نے ملک کو ایک سخت خطرے سے بچایا۔ پران ناتھ 1860ء میں فوت ہوا اور اس کے لڑکے جانکی ناتھ نے اپنے خرچ سے ایک شوالہ شہر لاہور کی کوتوالی کے پاس بنایا اور اس کے مصارف کے واسطے پانچ سو روپیہ کی ایک جاگیر دے دی جو اب تک علی الدوام چلی آتی ہے۔ اس نے ایک اور شوالہ وزیر خاں کی مسجد کے پاس بھی بنوایا ہے۔ نیز بہت سی لاگت لگا کر ضلع کانگڑہ کی اچنت بھوانی دیوی کے مندر کے پاس ایک بڑا تالاب بنوایا اور ایک اور تالاب دیوی پورہ نزد شالامار میں بنوایا جس کے ساتھ مہنتوں اور مسافروں کے قیام کے واسطے ایک عمارت بھی تعمیر کرائی۔ اس نے اپنے گورو ملسا رام راز دان کا جو ایک بڑا ہندو مہنت تھا جس کی کشمیری بہت عزت کرتے تھے اور جس کو مرے قریبا ساٹھ سال ہو گئے استھان از سر نو تعمیر کرایا اور دو مواضعات کوٹلہ اور چوہانل 2200 روپیہ کی مالیت کے دوامی طور پر اس کے لیے وقف کر دیئے۔

دیوان امر ناتھ 1867ء میں دو لڑکے دیوان رام ناتھ اور پنڈت مان ناتھ چھوڑ کر فوت ہوا ان کے باپ کی 4000 روپیہ کی پوری پنشن دیوان رام ناتھ کے نام جاری رکھی گئی مگر آخر الذکر کی وفات پر اس کا جاگیر سے تبادلہ کر دیا گیا۔ دیوان رام ناتھ 1863ء سے 1892ء تک یعنی جس سال وہ ملازمت سے علیحدہ ہوا بڑے مقتدر عہدوں پر مامور رہ کر پنجاب گورنمنٹ کی خدمت کرتا رہا۔ 1869ء میں اسے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا اور 1882ء میں اکسٹرا جوڈیشنل اسسٹنٹ اور 1884 میں ری آرگنائزیشن جوڈیشل سکیم کے رائج ہو جانے پر سر چارلس ایچی سن نے اسے پنجاب کمیشن کے اعلیٰ عہدے یعنی ڈسٹرکٹ ججی کے لیے منتخب کیا اور ملازمت چھوڑنے تک یہ اسی عہدے پر مامور رہا۔ اس کا نام پراونشل درباریوں کی فہرست میں اپنے باپ کی جگہ پر درج کیا گیا اور یہ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو تھا۔ 1896ء میں اس کی ذاتی دانائی اور ڈسٹرکٹ جج کے عہدہ کی خدمات کے صلہ میں اسے

''دیوان بہادر'' کا خطاب دیا گیا جو اس کے موروثی خطاب دیوان کے علاوہ تھا۔

اس کو اپنی تنخواہ اور خاندانی وظیفوں کی تقریباً 16 ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ 1855ء میں اس نے متوفی پنڈت کدار ناتھ رئیس دہلی کی لڑکی سے شادی کی جو ایک زمانہ میں اجنالہ ضلع امرت سر میں تحصیلدار تھا۔ دیوان بہادر دیوان رام ناتھ کا انتقال 1904ء میں ہوا اور اس نے صرف ایک لڑکا کیلاش ناتھ چھوڑا جس کو دیوان کا خطاب' 4 ہزار روپیہ کی جاگیریں اور دوسری جائداد ملی۔ چونکہ دیوان کیلاش ناتھ اپنی جائداد کے انتظام میں کوئی دلچسپی نہ لیتا تھا اس لیے اسے کورٹ آف وارڈز کے انتظام میں دے دیا گیا۔ دیوان کیلاش ناتھ 1925ء میں ایک اکلوتا بیٹا سومیر ناتھ چھوڑ کر فوت ہوا جو اب خاندان کا سرکردہ ہے۔ دیوان سومیر ناتھ نے پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایٹ کی ڈگری حاصل کی اور 1926ء میں اس کی جائداد کورٹ آف وارڈز کے انتظام سے واگذاشت ہوئی۔ دیوان سومیر ناتھ کے دو بیٹے پرسے ناتھ اور جگدیشر ناتھ نابالغ ہیں۔

کیلاش ناتھ کے دو چچیرے بھائی سوم ناتھ اور گیان ناتھ ہیں۔ سوم ناتھ ڈسٹرکٹ اور سیشن جج تھا جو دیوان بہادر کا خطاب حاصل کرنے کے بعد 1930ء میں مر گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا دیوان گیان ناتھ منصف بھرتی ہو کر بعد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوا اور اب گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک نہایت معزز عہدہ پر فائز ہے۔ اس کو رائے بہادر اور سی آئی ای کے ذاتی خطابات اور راجہ کا نسل بعد نسل خطاب ملے ہوئے ہیں اس کا بیٹا براہم ناتھ بی اے پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔

خاندانی جائداد جو کورٹ آف وارڈز کے انتظام میں تھی اب وہ واگزاشت ہو گئی ہے جس میں سے نصف سوم ناتھ اور گیان ناتھ کو بحصہ مساوی ملی ہے اور باقی سالم نصف اکیلے دیوان سومیر ناتھ کو ملی ہے۔

بھائی گوردت سنگھ لاہور

دربار لاہور کے مقتدر مذہبی خاندانوں میں بھائی گوردت سنگھ کا خاندان بھی نمایاں ہے۔

اس خاندان میں پہلا شخص جس نے بھائی کا خطاب حاصل کیا' گورو گوبند سنگھ کا ایک چیلا بلاقا سنگھ تھا۔ جب گورو 1707ء میں بچالہ نگر (دکن) کی طرف چلے گئے تو انہوں نے بلاقا

سنگھ سے کہا کہ تو لاہور چلا جا جہاں تیری شادی ہو جائے گی بلاقا سنگھ کی عمر اس وقت پچاس سال سے زیادہ تھی اور یہ اپنے آپ کو شادی کے قابل نہ سمجھتا تھا مگر اس نے گورو کے حکم کی تعمیل کی۔ اور لاہور میں ایک سکھ نے یہ کہہ کر اپنی لڑکی شادی کی غرض سے بلاقا سنگھ کی خدمت میں پیش کی کہ گورو نے اسے خواب میں ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی ہے۔ بلاقا سنگھ انکار نہیں کر سکتا تھا اور اس نے اس عورت سے شادی کر لی جس کے بطن سے تین لڑکے امولک رام' سہائے رام اور بستی رام ہوئے بستی رام 1708ء میں پیدا ہوا اس نے اوائل عمر ہی سے اپنے آپ کو علم طب کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا اور جلد ہی کچھ طبی قابلیت اور کچھ اپنی پاک بازی کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ بھنگی روساء اس سے بہت مشورے لیا کرتے تھے اور رنجیت سنگھ بھی جس نے بھائی کی وفات کے تین سال پہلے یعنی 1802ء میں شہر فتح کیا تھا۔ اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس کی پیشین گوئیاں ہمیشہ پوری اور دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اور اس کے پاس ایک کیسہ اس طرح کا تھا کہ خود بخود بھر جاتا تھا اور اس کا خالی ہونا ناممکن تھا مگر ان قصوں سے قطع نظر جو بھائی کی نسبت مشہور تھے لاہور میں بلاشبہ اس کا بڑا رسوخ تھا اور غالبا دوسرے ممالک کے مذہبی اشخاص کی طرح بھائی بھی اپنی مذہبی شہرت کی ترقی کے واسطے علوم طبعیات سے اپنی واقفیت کو کام میں لاتا تھا۔ بستی رام کا بڑا بھائی بھائی امولک رام بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ بھائی سہائے رام بڑی عمر کا ہوا مگر وہ ایک گوشہ نشین آدمی تھا اور لگاؤ مذہب سے ہونے کی وجہ سے اس نے شادی نہیں کی۔ اس کا انتقال 1893ء میں ہوا۔

اپنے باپ بستی رام کی حین حیات میں بھائی ہر بھج رائے دربار میں آیا کرتا تھا جہاں مہاراجہ اس کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح علم طب کا مطالعہ کیا تھا اور بڑا ہنر مند حکیم مشہور تھا۔ بستی رام نے کبھی کوئی جاگیر لینی منظور نہیں کی مگر ہر بھج ایسا محتاط نہ تھا اس نے 1804ء میں 400 روپیہ کی مالیت کا موضع مناواں اور 1805ء میں لاہور کے قرب وجوار میں 5740 روپے مالیت کی جائداد حاصل کی۔ تین سال بعد اسے سندر گڑھ اور رکھا عطا کیے گئے اور 1824ء میں مرنے کے وقت اس کے قبضے میں اضلاع امرتسر اور لاہور کی 9000 روپیہ مالیت کی جاگیر تھی۔ یہ تمام جاگیریں علے الدوام تھیں اور ابھی تک خاندان کے قبضے میں ہیں۔

بھائی ہر بھج رائے اور اس کے بھائی سکھ نہیں ہوئے اور جب بیٹے کا ہن سنگھ نے پوہل لی

تو اس کا باپ بہت ناراض ہوا۔ دوسرے بیٹے رام سنگھ بھی اپنے بال بڑھا کر سکھ بن گیا تھا گو اس نے کبھی پوہل نہیں لی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی استدعا پر بھائی رام سنگھ 1802ء میں دربار میں حاضر ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہی راجہ پر قابو پا لیا۔ مشکل اوقات میں ہمیشہ اس کی رائے پوچھی جاتی تھی اور لڑائی کے موقع پر بھائی کا خیمہ مہاراجہ کے خیمے کے ساتھ گاڑا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ کی زندگی کے آخری سالوں میں بھائی رام سنگھ کے اقتدار کو روز افزوں ترقی ہوتی رہی اور جب مہاراجہ فوت ہوا تو نونہال سنگھ نے جس نے بھائی کے ہاتھ سے پوہل لی تھی اس کا اقتدار اور بھی بڑھا دیا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ کے وزیر سردار چیت سنگھ کو قتل کرنے کی سازش میں راجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کے ساتھ بھائی رام سنگھ بھی سرغنہ شامل تھا اور اسی کے گھر میں وزیر کے قتل کے لیے محل شاہی کی طرف جانے سے پہلے سازشی جمع ہوئے تھے۔ روسا نہ تو ونہال سنگھ کو پسند کرتے تھے اور نہ بھائی کو کیونکہ اول الذکر نے تمام سرداروں اور جاگیرداروں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ صحیح خدمات انجام دیں اور اپنی فوجوں کو درست رکھیں اور یہ بات ان کو جو رنجیت سنگھ کی زندگی کے آخری دنوں میں من مانی کرتے تھے نہایت ناگوار تھی۔

جب نونہال سنگھ 5 نومبر 1840ء کو مر گیا اور اس کی ماں مائی چاند کور نے گدی کا دعویٰ کیا تو بھائی رام سنگھ نے مقدور بھر اس کی امداد کی۔ بھائی کے بڑے مخالف اور دشمن بھائی گورمکھ سنگھ نے اتنے ہی زور سے کنور شیر سنگھ کی جانب داری کی جتنی بھائی رام سنگھ نے مائی کی کی تھی مگر ان دونوں کے جوش میں ان کا کوئی دوست نہ تھا اور راجہ دھیان سنگھ، بھائی رام سنگھ، بھائی گورمکھ سنگھ، دیوان ساون مل، عطر سنگھ سندھیانوالیہ اور فرانسیسی جرنیلوں کے سوا کسی کو بھی یہ پرواہ نہ تھی کہ کنور شیر سنگھ یا مائی چاند کور دونوں میں سے کون گدی نشین ہو۔ بھائی رام سنگھ دونوں فریقوں میں لڑائی کو کچھ زیادہ ناپسند نہ کرتا تھا وہ جانتا تھا کہ راجہ دھیان سنگھ کی امداد کے بغیر مائی کا مقابلے میں کھڑا ہونا ممکن نہیں اور بھائی کے حامیوں کی نالائقی کا اس کو ایسا یقین تھا کہ معلوم ہوتا ہے شیر سنگھ کی فتح یابی سے اس کو زیادہ افسوس نہیں ہوا۔

باوجود اس کے کہ بھائی رام سنگھ نے اس کی مخالفت میں حصہ لیا تھا شیر سنگھ نے گدی نشین ہو کر اس کے ساتھ عزت سے برتاؤ کیا۔

27 جنوری 1841ء کو شیر سنگھ کی تخت نشینی کے وقت بھائی کو کرسی دی گئی۔ اس عزت میں اس کے شریک صرف اس کا بھائی گوبند رام، بھائی گورمکھ سنگھ، باوا بکرم سنگھ، باوا کاہن سنگھ اور شہزادہ

پرتاب سنگھ تھے۔ نئے مہاراجہ نے رام سنگھ سے مشورے لینے شروع کیے اور راجہ دھیان سنگھ نے اس خوف سے کہ مباوا اس کو پہلا اقتدار پھر حاصل ہو جائے اسے ملتان دیوان ساون مل سے مالیہ کا بقایا وصول کرنے کے بہانے بھیجنے کی کوشش کی۔ بھائی نے اس منصوبے کا سخت مقابلہ کیا۔ اس کی مرضی نہ تھی کہ دربار سے علیحدہ کیا جائے۔ ساون مل اس کا دوست تھا اور اس کی مذہبی ترکیب ایسی تھی کہ وہ اس کام کو نہ کرسکتا تھا جس پر دھیان سنگھ اس کو مامور کرنا چاہتا تھا۔

دونوں بھائی رام سنگھ اور اس کا بھائی بھائی گوبندڈ رام بالکل ناراض تھے۔ گو ان کی عزت ہوتی تھی مگر ان کو اختیار کچھ نہ تھا اور ان کے سامنے ان کا دشمن بھائی گورمکھ سنگھ متمول اور مقتدر تھا لیکن آخر کار ان کی بھی باری آئی۔ شیر سنگھ اور اس کا وزیر سندھیا نوالیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور بھائی گورمکھ سنگھ جو ہمیشہ راجہ دھیان سنگھ کا مخالف رہا تھا قید ہو کر قتل کیا گیا۔

راجہ ہیرا سنگھ کی وفات کے بعد بھائی رام سنگھ نے فوج میں بڑا رسوخ پیدا کرلیا۔ یہ فقیر عزیز الدین کے ساتھ اس پالیسی میں جو وہ انگریزوں کے ساتھ برتتا تھا ہمیشہ متفق تھا۔ لاہور میں صرف یہی دو آدمی تھے جو سمجھتے تھے کہ 1809ء کے عہدنامے کی رو سے سکھوں کی سلطنت کے ساتھ انگریزوں کی سلطنت کے کیا تعلقات ہو گئے ہیں اور ان کی انتہائی خواہش تھی کہ انگریزوں کی سلطنت سے امن و دوستی رکھیں۔ اسی وجہ سے مارچ 1845ء میں بھائی نے راجہ گلاب سنگھ جموں والے کے وزارت کے مستحق ہونے کی بڑے زور سے تائید کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہی ایک آدمی ہے جو فوج کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور جس کے وسیع ذرائع ریاست کو دیوالیہ ہو جانے سے بچا سکتے ہیں۔ سرکار انگریزی کے بارے میں بھائی کے ارادے نیک تھے اور شروع مئی 1845ء میں اس نے گورنر جنرل کو میجر براڈفٹ کے ذریعے اطلاع دے دی تھی کہ سردار جواہر سنگھ اپنے بچاؤ کے لیے سکھ فوج کو انگریزی علاقے پر حملہ کرنے کے لیے بھڑکا رہا ہے۔

جواہر سنگھ بے عقل نہ تھا مگر شرابی اور فاسق و فاجر تھا۔ عام دربار میں وہ برانڈی پی کے آجایا کرتا تھا اور نشے میں بھائی رام سنگھ کو جس کی تقدیس کے لحاظ سے کسی نے کبھی بھی ہتک نہ کی تھی مغلظ گالیاں دیا کرتا تھا۔ 12 ستمبر 1845 میں بھائی نے دربار عام میں بڑی دلیری سے وزیر کی سرکار انگریزی کے ساتھ کارروائیوں کی مخالفت کی۔ اس سے یہ بات بھی تحقیق شدہ ہے کہ جواہر سنگھ نے اس وقت وعدہ کیا کہ اب وہ اپنی پالیسی تبدیل کرلے گا اور میں

معذرت لکھ بھیجے گا مگر اسی رات شہزادہ پشاوراسنگھ کے قتل کی جو اس کے حکم سے کیا گیا تھا خبر آ گئی وہ جانتا تھا کہ انگریزوں کے ساتھ لڑائی کرنے میں ہی اس کی طاقت قائم رہ سکتی ہے۔ بھائی رام سنگھ نے بھی یہ مہلک خبر سنی اور اس کی اطلاع فوج کو کر دی اور وزیر کا دشمن فریق ساعت بہ ساعت زور ڈالتا گیا۔اس کے بعد وزیر جو سب کی آنکھوں میں خار تھا قتل ہو گیا اور ستلج کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آخر دم تک بھائی رام سنگھ اس وحشیانہ لڑائی کی مخالفت کرتا رہا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔اس نے راجہ لال سنگھ سے کہا: خبردار! تم کیا غضب کرتے ہو فوج کے ہمراہ ہر یکے کی طرف مت جاؤ۔ انگریز لوگ ہمیشہ دوست اور خیر خواہوں کا سا برتاؤ کرتے رہے ہیں اور انہوں نے کبھی خالصہ کے کاموں میں دخل نہیں دیا۔راجہ لال سنگھ نے جواب دیا بھائی صاحب میں کیا کر سکتا ہوں سپاہیوں نے مجھے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔ تاہم راجہ نے جہاں تک اس سے ہو سکتا تھا بھائی کی نصیحت پر عمل درآمد کیا اور ایک بزدل کی طرح جیسا کہ وہ تھا۔ خطروں کے مواقع پر اپنے سے پہلے دوسرے جرنیلوں کو بھیجتا رہا۔ سبراؤں کی لڑائی کے بعد بھائی رام سنگھ کو راجہ گلاب سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کیساتھ گورنر جنرل صاحب بہادر سے للیانی کے مقام پر ملنے اور اپنے مناسب و مفید شرطیں باندھنے کی کوشش کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

9 مارچ 1846ء کے عہد نامہ کے بعد بھائی رام سنگھ کونسل کا ممبر رہا اور حالانکہ صحت بگڑنے کی وجہ سے وہ باقاعدہ دربار میں حاضر ہونے سے معذور تھا مگر ہر ایک ضروری کام کے کرنے سے پہلے اس کی رائے لے لی جاتی تھی۔ وہ عموماً راجہ لال سنگھ وزیر کی مخالفت کرتا رہا اور ملتان کی گورنری کے جھگڑے میں اس نے مولراج کی طرف داری کی۔ یہ صرف اس کا مشورہ تھا کہ راجہ لال سنگھ نے سب سرداروں سے اس راضی نامہ پر دستخط کروا دیئے جس میں درج تھا کہ موجودہ انتظام سلطنت سے سب خوش ہیں۔ حالانکہ مشہور یہ تھا کہ سرداروں کی زیادہ تعداد اس انتظام کی مخالفت کرتی ہے۔

بھائی رام سنگھ نومبر 1846ء میں فوت ہوا اور اس کی جگہ کونسل کی ممبری پر اس کا بھتیجا بھائی ندھان سنگھ بھائی کاہن سنگھ ممتاز ہوا۔ بھائی گوبند رام رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد پولیٹکس میں بہت دخل نہ دیتا تھا۔ یہ چند سال دائم المریض رہ کر 1845ء میں فوت ہو گیا۔

ندھان سنگھ دربار کا کم گو درباری تھا۔16 دسمبر 1846ء کو یہ کونسل آف ایجنسی کا ممبر مقرر کیا گیا اور اس عہدے پر پنجاب کے الحاق تک ممتاز رہا۔1847ء میں زمینداران موضع کوٹ

پنڈی داس نے جو بھائی خاندان کی جاگیر کا ایک موضع تھا سرکاری فوج کو جب کہ وہ ان کے علاقے میں سے گزر رہی تھی ضروری اشیا مہیا نہ کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاؤں مذکور ضبط کر لیا گیا مگر بعد ازاں 800 روپیہ بطور جرمانہ ادا کرنے پر واپس مل گیا۔ لیکن الحاق کے موقع پر یہ موضع بھائی رام سنگھ کی ذاتی جاگیر کے ساتھ پھر ضبط ہو گیا۔

الحاق کے موقع پر اس خاندان کی جاگیریں 49000 روپے مالیت کی تھیں جن میں سے 22447 روپے مالیت کی واگزار ہوئیں یعنی 9729 روپیہ کی علے الدوام ہر بھج رائے کے تین لڑکوں کی اولاد کو برابر برابر حصوں میں اور 12717 روپیہ ندھان سنگھ' کیسر سنگھ' چڑنجیت سنگھ اور نند گوپال سنگھ نے سکھ گوردوارہ واقع ترن تارن کے اخراجات کے لیے دے رکھی تھی اس خاندان کے اچھے برتاؤ کی شرط پر واگزار کر دی گئی۔ اس گوردوارہ کا انتظام خاندان کی تینوں شاخوں کے سپرد تھا جو ہر ایک اپنا اپنا سربراہ مقرر کرتی تھی۔ بھائی ندھان سنگھ کا مواجب کونسل یعنی 6000 روپیہ بھی اس کی حین حیات کے لیے جاری رکھا گیا۔ بھائی ندھان سنگھ 1856ء کو فوت ہوا اور اس وقت اس کا چچیرہ بھائی چڑنجیت سنگھ خاندان کا بزرگ تسلیم کیا گیا۔

بھائی چڑنجیت سنگھ چار بیٹے چھوڑ کر 1881ء میں فوت ہوا۔ یہ انگریزی' فارسی' سنسکرت اور پنجابی کا اچھا فاضل تھا اور معاملات تعلیم میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان کوششوں کے صلہ میں جو اس نے تعلیم نسواں کے بارے میں کیں خاص کر استری سکنا سبھا کے قائم کرنے کے لیے اس نے ایک خلعت مع سند حاصل کیا اور 1878ء میں اسے اپنی زبان کی تحقیقات کرنے کے انعام کے طور پر دربار میں ڈاکٹر ٹرمپس کے آدی گرنتھ کے گئے انگریزی ترجمے کی ایک جلد دی گئی۔ 1879ء میں وہ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا۔ اس کی وفات پر اس کی جاگیر جس کی آمدنی 4000 روپیہ سالانہ تھی ضبط کر لی گئی اور اس کے عوض میں اس کے چار لڑکوں نے 3133 روپیہ سالانہ مالیت کی ایک علی الدوام جاگیر حاصل کی اپنے باپ کی وفات پر یہ چاروں لڑکے نابالغ تھے اس لیے راجہ ہربنس سنگھ کے سپرد کیے گئے۔

بھائی چڑنجیت سنگھ کی وفات پر اس کا چچازاد بھائی نند گوپال خاندان کا سرکردہ ہوا۔ یہ پراونشل درباری تھا اور کچھ عرصہ کے لیے لاہور کی میونسپل کمیٹی کا نامزد ممبر رہا۔ اس نے شہر لاہور کے شاہ عالمی دروازہ کے باہر ایک ٹھاکر دوارہ اور اس سے ملحق ایک عام غسل خانہ جو جوبلی گھاٹ کے نام سے مشہور ہے بنوائے۔ بھائی نند گوپال کا انتقال 1895ء میں ہوا یہ لاولد تھا مگر

MashalBooks.com

اس نے اپنی ہمشیرہ کے پوتے منوہر لال کو اپنا متبنٰی بنالیا تھا جواب ڈویژنل درباری ہے۔

بھائی نند گوپال کی وفات کے بعد ندھان سنگھ کا بیٹا بھائی میہاں سنگھ خاندان کا بزرگ تسلیم کیا گیا۔ وہ 1876ء سے لے کر اپنی وفات تک لاہور میونسپل کمیٹی کا ممبر رہا اور 1882ء میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا ان خدمات کے صلہ میں 1890 میں اسے رائے بہادر کا خطاب عطا کیا گیا پھر 1898ء میں اسے پنجاب یونیورسٹی کا فیلو نامزد کیا گیا بھائی میہاں سنگھ لاہور کے مقتدر روسا میں تھا اور شہر بھر میں اس کا رسوخ تھا جس کا وہ ہمیشہ اچھا استعمال کرتا رہا۔ اس کا انتقال 1900ء میں ہوا اور دو لڑکے چھوڑے جن میں سے بڑا بھائی ہردیال سنگھ پنجاب میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور اپنے باپ کی جگہ ڈویژنل درباری تھا۔ جنگ عظیم میں اپنی خدمات کے صلہ میں بھائی ہردیال سنگھ نے ایک سند ایک سنہری گھڑی اور تمغہ بھرتی حاصل کیے۔ نیز اسے سردار صاحب کا خطاب دیا گیا اور بعد میں سردار بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ اس کا انتقال 1935ء میں ہوا اور یہ اپنی زندگی میں ایک ہزار روپیہ علی الدوام جاگیر حاصل کرتا رہا۔

بھائی میہاں سنگھ کی وفات کے بعد سے بھائی رنجیت سنگھ کا سب سے بڑا لڑکا بھائی گوردت سنگھ خاندان کا سرکردہ اور اپنے باپ کی جگہ پراونشل درباری بنایا گیا ہے۔ 1900ء سے 1930ء تک یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ واقع لاہور کا مہتمم اور کچھ عرصہ تک ایچی سن چیفس کالج اور خالصہ کالج امرتسر کی مینیجنگ کمیٹیوں کا ممبر رہا۔ 1900ء سے 1902ء تک لاہور کی میونسپل کمیٹی کا ممبر رہا اور 1903ء میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے دہلی کے دربار تاجپوشی میں بلایا گیا جہاں اس نے تمغہ حاصل کیا۔ بعد میں اس کو چونیاں کی نوآبادی میں پانچ مربعہ زمین بھی دی گئی۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے بھرتی کے معاملہ میں حکام کی بڑی امداد کی۔ یہ جیل خانہ جات کا غیر سرکاری ملاحظہ کنندہ اور لاہور کے پاگل خانہ کی کمیٹی کا ممبر چلا آتا ہے۔ 1919ء میں مارشل لاء کے زمانہ میں اس نے حکام کی بڑی مفید خدمات سرانجام دیں جس کے صلہ میں اس کو دوسو روپیہ کا ایک خلعت اور سند عطا کیے گئے۔ بھائی گوردت سنگھ کئی سال لاہور میں مجسٹریٹ درجہ دوم رہا اور 1935ء میں اسے سلور جوبلی کا تمغہ عطا کیا گیا۔ اس کی علی الدوام جاگیر 1100 روپے کی مالیت کی ہے۔

رنجیت سنگھ کا دوسرا لڑکا بھائی دان سنگھ پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہے۔ 1897ء سے

1902ء تک یہ ریاست کشمیر میں ملازم اور مہاراجہ کے انگریزی دفتر کا افسر رہا۔ اسی زمانہ میں یہ کچھ عرصہ کے لیے ریاست سرمور کا جوڈیشنل سیکرٹری بھی ہو گیا۔ دہلی کے دربار تاجپوشی کے موقعہ پر اس کو چاندی کا تمغہ بھی عطا ہوا اور کچھ عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی میں بہ حیثیت فیلو ریاست کشمیر کی نمائندگی بھی کرتا رہا۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے 2200 آدمی بھرتی کیے۔ جس کے صلہ میں اسے سرکار برطانیہ کی طرف سے ایک تلوار اور ایک سند اور ہز ہائی نس مہاراجہ کشمیر کی طرف سے ایک سنہری تمغہ عطا ہوئے۔ ریاست کشمیر کی ملازمت سے بہ حیثیت ایک سب جج سبکدوش ہوا اور اب 150 روپیہ ماہوار پنشن پا رہا ہے۔ اس کا اپنا کوئی لڑکا نہیں اس لیے اس نے بھائی ہرنرائن سنگھ کے بیٹے پرتھی پال سنگھ کو اپنا متبنّیٰ بنالیا ہے۔

بھائی رنجیت سنگھ کا تیسرا لڑکا بھائی سیوا سنگھ بھی کچھ عرصہ کے لیے ریاست کشمیر میں ملازم رہا جہاں یہ ترقی کر کے ڈسٹرکٹ جج ہو گیا مگر اس نے پنجاب میں منصف مقرر ہونے کے لیے اپنے کشمیر کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور اپنی وفات سے جو 1907ء میں واقع ہوئی تھوڑا عرصہ پہلے یہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ کا امیدوار منظور کر لیا گیا تھا۔ بھائی سیوا سنگھ کے لڑکے اننت سنگھ اور اندر سنگھ تھے اننت سنگھ ریاست جموں وکشمیر میں سینما کا کام چلا رہا ہے اور نیز امرتسر کے کارخانہ شراب میں حصہ دار ہے۔ اس کی جاگیر کی مالیت 550 روپیہ ہے جس کے علاوہ لاہور امرتسر کشمیر اور شملہ میں یہ صاحب جائداد ہے بھائی اندر سنگھ یونیورسٹی ویلز انگلستان کا گریجوایٹ بی ایس سی زراعت اور بیرسٹرایٹ لا ہے۔ یہ خالصہ کالج امرتسر کا پروفیسر ہے اور اس نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ زراعت کی تجاویز میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس کی بھی علی الدوام جاگیر ہے جس کے علاوہ یہ امرتسر و لاہور کی بہت سی سکنی جائداد کا مالک ہے۔

بھائی گوردت سنگھ کا ایک اور برلور بھائی سندر سنگھ ہے جو 17 سال تک بطور سب انسپکٹر پولیس کا کام کرتا رہا مگر 1919ء میں اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گیا اور آج کل اپنا نجی کاروبار کرتا ہے۔ اس کے بیٹوں میں سے سب سے بڑا بھائی امولک سنگھ ایک برطانوی یونیورسٹی کا طبی گریجوایٹ ہے جو چند سال تک تو ہندوستانی میڈیکل سروس میں بطور عارضی افسر کام کرتا رہا اور آج کل بنگال ناگپور ریلوے میں بطور طبی افسر ملازم ہے۔ بھائی سندر سنگھ کے دوسرے بیٹے کرشن دیو سنگھ نے حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کی ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔

MashalBooks.com

بھائی کیسر سنگھ کا جو سکشا سبھا انجمن پنجاب اور دوسری پبلک سوسائٹیوں میں دلچسپی لیا کرتا تھا انتقال 1871ء میں ہوا۔ اس نے دولڑکے چھوڑے جو لاہور اور امرتسر کے اضلاع میں 1625 روپیہ سالانہ مالیت کی جاگیر کے مشترک مالک تھے۔ ان میں سے بڑا بھائی تارا سنگھ جو تحصیل دار اور ڈویژنل درباری تھا 1916ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا بھائی بھگونت سنگھ اس کا جانشین ہوا جو ڈپٹی کمشنر لاہور کے دفتر میں 155 روپیہ ماہوار کا ملازم اور اس کے علاوہ ایک ہزار روپیہ علی الدوام جاگیر حاصل کر رہا ہے۔ بھائی پرتاب سنگھ کا بیٹا ہربنس سنگھ ایک ہزار روپیہ کی جاگیر حاصل کر رہا ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

دیوان بہادر راجہ نرندر ناتھ

پنڈت کشن داس

راجہ نرندر ناتھ کا خاندان ذات کا برہمن ہے اور ابتداء میں کشمیر سے آیا تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ رکھی گوتما کی نسل میں سوامن گوتم نامی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مشہور رشی 620 قبل مسیح میں اس علاقہ میں پیدا ہوا تھا۔ جو زیرین گنگا سے سیراب ہوتا ہے۔ مذکورہ خاندان چچالی بھی کہلاتا ہے جو کشمیر کے اس علاقے کے نام پر پڑ گیا ہے جس میں ان کی بودوباش تھی۔

کشمیر میں مذہب اسلام 1326ء میں شمس الدین شاہ نے پھیلایا تھا اور قریبا ایک سو سال تک ہندوؤں پر کچھ سختی نہیں کی گئی۔ مگر جب سکندر معروف بہ بت شکن بادشاہ ہوا تو برہمن پنڈتوں کو اپنا مذہب اور اپنی جانیں بچانی دشوار ہوگئیں۔ دیوان نرندر ناتھ کے بزرگوں نے اس لیے کہ ان کی شاہ وقت سے بنی رہے فارسی پڑھ لی اور اس ذریعہ سے احمد شاہ ابدالی کے کشمیر فتح کرنے یعنی 1752ء تک کسی نہ کسی طرح بچتے رہے۔ اس زمانے میں ہندوؤں پر اکثر سختیاں ہوئیں اور ان میں سے بہتوں نے ہندوستان اور پنجاب میں نقل مکان کر لیا۔ ان میں نرندر ناتھ کے پڑدادا کا باپ پنڈت کشن داس بھی تھا جس نے اچھے فاضل ہونے کی وجہ سے بغیر کسی تکلیف کے شہنشاہان دہلی کے ہاں عہدہ حاصل کر لیا جس پر وہ اپنی وفات تک مامور رہا۔

پنڈت کشن داس کا بیٹا گنگارام مہاراجہ گوالیار کی ملازمت میں داخل ہوا اور کرنل لیوس برجوئین کے ساتھ لگایا گیا جو سندھیا کی ملازمت میں جنرل پیرن کے ماتحت فرانسیسی افسروں میں تھا۔ یہاں اس نوجوان نے اپنی دیانتداری اور لیاقت سے اپنے آپ کو ممتاز کیا اور کئی ضروری سیاسی کام اس کے سپرد کیے گئے۔ اٹھارویں صدی کے اخیر زمانے کے قریب جب

MashalBooks.com

مرہٹوں نے وسطی ہندوستان مالوہ اور دہلی کے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا تو گنگا رام کرنل برکیین کے ماتحت خراج وصول کرنے اور ماتحت یا دوست ریاستوں سے عہد نامے کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ ستمبر 1803ء میں کرنیل برکیین کے پت پار گنج واقع دریائے جمنا پر لارڈ لیک سے شکست کھانے کے بعد گنگا رام دہلی چلا گیا اور اگلے دس برس وہیں گزارے پھر جب جرنیل اختر لونی 1809ء میں ریاست ہائے ایں روئے ستلج اور سرکار انگریزی کے باہمی تعلقات کو درست کر رہے تھے گنگا رام نے اپنی اس واقفیت سے جو اسے ان ریاستوں کی گزشتہ پولٹیکل تواریخ ان کے عہد ناموں اور دوسری ریاستوں سے ان کے تعلقات سے متعلق تھی جرنیل صاحب موصوف کو بھی مدد دی۔

مارچ 1813ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ سن کر کہ گنگا رام بڑا قابل آدمی ہے اس کو بھائی لال سنگھ اور سردار ہمت سنگھ جلاواسیہ کی سفارش پر لاہور بلایا۔ گنگا رام نے مہاراجہ کی یہ دعوت قبول کی اور مہاراجہ کی نذر کے لیے گنگا جل کا ایک برتن لے کر لاہور پہنچا جہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور فوجی دفتر کا افسر مقرر کیا اور شاہی مہر کا محافظ بنا دیا گیا۔ اسے فوج ریگولر کا جس محکمہ کا بھوانی داس افسر تھا بخشی اعلیٰ مقرر کیا گیا اور جلدی ہی مہاراجہ کا منظور نظر ہو گیا۔ گنگا رام ہندوستان سے اپنے بیشمار رشتہ دار اور دوست لایا جن کو اس نے دربار میں اعلیٰ مرتبوں پر ممتاز کر دیا۔ ان میں سے بہت سے آدمی محض معمولی لوگ نہ تھے بلکہ کاروباری اور علمیت والے آدمی تھے ان میں راجہ دینا ناتھ، پنڈت دیا رام شنکر ناتھ، آنریری مجسٹریٹ لاہور کا باپ پنڈت ہری رام، پنڈت گوپی ناتھ، پنڈت رام کشن، پنڈت گنگا بشن اور پنڈت لچھمن پرشاد۔

دیوان گنگا رام، لچھمن پرشاد کا باپ اور بخت مل تینوں آپس میں ہم زلف تھے۔ گنگا رام کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے اس نے اپنی بیوی کے بھتیجے اجودھیا پرشاد کو متبنّیٰ کر لیا جو لچھمن پرشاد کا بیٹا تھا۔ دینا ناتھ (جو بعد ازاں راجہ بن گیا) بخت مل کا بیٹا تھا اور اس طرح پر اجودھیا پرشاد کا چچازاد بھائی تھا۔ گنگا رام نے بعد ازاں دوسری بیوی کی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا لڑکا اتم ناتھ 1867ء میں لاہور میں لاولد فوت ہو گیا۔

اس طرح اپنی ذاتی لیاقت اور خاندانی وجاہت سے جو اس نے لاہور میں حاصل کر لی تھی گنگا رام نے بڑی طاقت پالی اور 1821ء میں گجرات کے نواحی علاقہ کی حکومت اس کے سپرد ہوئی جو وہ دو سال تک کرتا رہا۔ پھر اس کو کریالی علاقہ کے کھمبی۔ کالچ پور اور دیر

مواضعات میں جاگیر مل گئی۔ گنگا رام ہی نے پہلے پہل محکمہ آبکاری کا قاعدہ جاری کیا جس میں بعدازاں رلیارام نے بہت اضافہ کیا۔

دیوان گنگارام 1826ء میں فوت ہوا۔ اس کی جگہ ملٹری اکاؤنٹس کے دفتر میں دیناناتھ مامور ہوا اور مہر بھی اسی کی تحویل میں دے دی گئی۔ اس کی تربیت دیوان گنگا رام نے نہایت ہوشیاری سے کی تھی چنانچہ وہ اعلیٰ قابلیت کے باعث جلد ہی سیاسی دنیا میں مشہور خاص و عام ہو گیا۔

اجودھیا پرشاد (یا اجودھیاناتھ) کو اس کے باپ نے 1814ء میں لاہور بلایا تھا۔ اس کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی اس لیے اس کے باپ نے آتے ہی مہاراجہ کی نوکری نہیں کرنے دی۔ دو سال تک اس نے مطالعہ جاری رکھا اور اس کے بعد اپنے آبائی ملک کشمیر میں بھیجا گیا جہاں 1000 روپیہ سالانہ تنخواہ پر اسے فوج کے دفتر میں جگہ دی گئی۔ اس کے چھ مہینے بعد اس کو لاہور واپس بلایا گیا۔ 1819ء میں جرنیل ونچورا اور جرنیل ایلرڈ یورپ سے ایران و خراسان کے رستے پنجاب میں آئے اور مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ یہ فوج خاص میں جو سکھ فوج میں اول درجہ کی تھی افسر مقرر کیے گئے۔ اور اجودھیا پرشاد افواج کے بخشی کی حیثیت سے ان کے ماتحت رکھا گیا نیز مہاراجہ اور ان جرنیلوں کے درمیان خط و کتابت بھی اسی کے ذریعے ہونی قرار پائی۔

اجودھیا پرشاد کے باپ کی وفات پر مہاراجہ نے اسے حکم دیا کہ افواج آئین اور توپ خانے کا چارج لے مگر چونکہ وہ فرانسیسی جرنیلوں کا بڑا دوست بنا ہوا تھا اس لیے اس نے اپنے ہی عہدے پر رکھے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ خالی اسامی تیج سنگھ کو دے دی گئی اجودھیا پرشاد نے دیوان کا خطاب حاصل کیا اور اس کے باپ کی جاگیر میں سے موضع نین سکھ اس کے نام قائم رکھا گیا۔ یہ فوج خاص میں ہی ملازمت کرتا رہا اور جب جرنیل ونچورا رخصت پر گیا ہوا تھا تو تمام فوج اسی کے ماتحت تھی۔

مہاراجہ کی وفات کے وقت اجودھیا پرشاد اس بریگیڈ کے ساتھ تھا جسے پشاور میں دو سال قیام کرنے کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ نے لاہور بلا لیا تھا۔

اپریل اور مئی 1840ء میں بریگیڈ مذکور جرنیل ونچورا اور اجودھیا پرشاد کے ساتھ کاہن سنگھ بیدی کے خلاف بھیجا گیا جس نے اپنے بھتیجے کو مارا اور قلعہ میلسیاں واقع دوابہ جالندھر پر

MashalBooks.com

قبضہ کرلیا تھا اور مقتول کے خاندان کو قید کرلیا تھا۔نونہال سنگھ کو ایک بیدی کی بزرگی کا کچھ خیال نہ تھا گو بہت سے آدمی اس بات پر ناراض تھے مگر اس نے اس کے قلعہ دکھنی پر چڑھائی کی اور قبضہ کرلیا۔مگر آخر کار بیدی کے بلبیاں کا قلعہ اپنے بھتیجے کے خاندان کو واپس دے دینے اور 20000 روپیہ بطور جرمانہ سرکار کو ادا کرنے پر یہ قلعہ پھر اسی کو دے دیا گیا۔

بعد ازاں اسی سال میں بریگیڈ مذکور رئیس منڈی کے خلاف مہم پر بھیجا گیا۔اس نے رنجیت سنگھ کی وفات کے زمانے سے خراج ادا نہیں کیا تھا بالفاظ دیگر کوئی ایسی بات نہ کی تھی جس سے یہ معلوم ہو کہ اس نے نئے مہاراجہ کی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔کملا گڑھ کے مضبوط قلعے کے علاوہ منڈی میں بے شمار چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جن کی بابت بیان کیا جاتا تھا کہ تعداد میں ایک سو تین ہیں مگر راجہ اس بریگیڈ سے جو اس کے برخلاف بھیجا گیا ڈر گیا اور اطاعت قبول کرلی جس پر اسے لاہور جانے کا حکم دیا گیا۔منڈی کے قصبے پر قبضہ کرلیا گیا اور بہت سے قلعے منہدم کردیئے گئے مگر جملا گڑھ کا قلعہ فتح نہ ہوا۔جرنیل ونچورا شروع جنوری میں راجہ دھیان سنگھ کے واپس بلانے پر کہ جو شہزادہ شیر سنگھ کو تخت پر بٹھانے کے لئے اس کی مدد کا خواہاں تھا لاہور واپس چلا آیا اور بریگیڈ اجودھیا پرشاد کی ماتحتی میں رہا۔کمک لاہور سے کلو کی طرف روانہ کردی گئی تھی اور جب یہ وہاں پہنچی تو فوج خاص کو اطلاع ہوئی کہ لاہور کی افواج کو شیر سنگھ نے چار مہینے کی تنخواہ اور بہت سے انعامات دیئے ہیں۔فوج خاص کے لیے صرف دو مہینے کی تنخواہ لائی گئی تھی۔اس لیے یہاں کے سپاہی باغی ہوگئے ان کے کیمپ میں جو خزانہ تھا اس پر قبضہ کرلیا اور اپنے کئی افسروں کو مار دیا۔اجودھیا پرشاد نے جس کا فوج کے آدمیوں پر بڑا رعب تھا امن کرا دیا اور وعدہ کیا کہ بریگیڈ کو اتنی ہی رقم دلوا دے گا جو لاہور کی افواج کو ملی ہے۔

جنرل ونچورا مارچ 1840ء میں چھٹی پر پنجاب سے چلا اور بریگیڈ کے لاہور پہنچنے پر اجودھیا پرشاد ہی اس کا افسر رہا۔پہلی لڑائی جو اس بریگیڈ کو پیش آئی مہاراجہ کے ایجنٹ جوالا سنگھ کے ساتھ تھی۔اپنے آقا کے بادشاہ ہونے پر اسے اپنی وزارت کی امید تھی اور شیر سنگھ نے اس کو یہ عہدہ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر خود دھیان سنگھ کا ارادہ اس عہدے کو خالی کرنے کا نہ تھا۔مہاراجہ کے دل میں اس نے جوالا سنگھ کی وفاداری کی نسبت شک پیدا کردیا تھا اور ادھر جوالا سنگھ سے یہ کہہ کہہ کر کہ مہاراجہ کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں اسے اتنا اکسایا کہ آخر

وہ بدنصیب باغی ہوگیا اور ڈیرہ چار یاری کے 4000 بے قاعدہ فوج کے جوان ساتھ لے کر شالا باغ کے قریب ڈیرے ڈال دیئے اور مہاراجہ کا لاہور میں داخل ہونے کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شیر سنگھ کو حکم ہوا کہ اس پر فوج کشی کرے اور اجودھیا پرشاد کو حکم ہوا کہ فوج خاص اور توپخانہ لے کر پہلے ہی چلا جائے۔ مگر اس مضبوط بریگیڈ کی آمد دیکھ کر جوالا سنگھ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ بعد ازاں شیخوپورہ کے قلعے کے قید خانے میں برے سلوک اور فاقوں سے راجہ دھیان سنگھ کا شکار ہو کر مر گیا۔

مہاراجہ نے فوج خاص کو وہ انعام دیا جس کا اجودھیا پرشاد نے کلو میں ان سے وعدہ کیا تھا۔ راجہ منڈی کو دیوی کا نہایت قیمتی اور متبرک بت جو ٹھوس چاندی کا بنا ہوا تھا اور جسے سکھ سپاہی کملا گڑھ سے لے آئے تھے لے کر پہاڑی علاقے میں جانے کی اجازت ہوگئی۔

جرنل ونچورا 1840ء میں یورپ سے واپس آیا اور اپنے بریگیڈ کی کمان لی۔ اسے شیر سنگھ کے قتل کیے جانے کے بعد خفیہ طور پر راجہ سیوا سنگھ وزیر کے ہمراہ کرنیل رچمانڈ برٹش ریزیڈنٹ کے ساتھ بات چیت کر کے انگریزوں کے ساتھ استحکام روابط کی کوشش کرنے کے لیے لدھیانہ بھیجا گیا۔ مگر 1843ء کے اخیر میں جب اسے فوج کے تمرد سے نفرت ہوگئی اور صاف نظر آنے لگا کہ ملک میں فساد ہونے والا ہے تو وہ پنجاب سے جہاں اس نے چالیس سال سے زیادہ نوکری کی تھی چلا گیا۔ دیوان اجودھیا پرشاد نے اب بریگیڈ کی کمان لی اور ستلج کی لڑائی ختم ہونے تک اس عہدے پر فائز رہا۔ 1845ء میں لڑائی سے پہلے بریگیڈ مذکور 3176 جوانوں کی باقاعدہ پلٹن۔ 1667 آدمیوں کے باقاعدہ رسالہ اور توپخانے کے 855 سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ جس کی میزان 5698 آدمی اور چونتیس توپیں تھیں۔ پلٹن میں خاص بٹالین کے 820 جوان، گورکھا بٹالین کے 707 جوان، دیوا سنگھ بٹالین کے 839 جوان اور شام سنگھ بٹالین کے 810 جوان شامل تھے۔ رسالہ میں بریگیڈ رجمنٹ کے 730 جوان، ڈریگون رجمنٹ کے 750 جوان اور اردلی رجمنٹ خاص کے 187 جوان شامل تھے۔ توپخانہ الٰہی بخش خاں کا مشہور تھا اور اس کا سپہ سالار جرنیل الٰہی بخش تھا جو سکھ فوج میں بہترین افسر توپخانہ تھا۔ اس سارے بریگیڈ کی تنخواہ 96067 روپیہ ماہوار ہوتی تھی۔

خالصہ فوج کے سب سے نامی بریگیڈ کے مذکورہ بالا بیان سے دوسرے بریگیڈوں کی جمعیت کا بھی بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد بہت کچھ

MashalBooks.com

تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔اس کی زبردستی کی وجہ سے سرکشی اور شکایات دبی رہتی تھیں گو اسے بھی ایک وفعہ گورکھا رجمنٹ کے جوش وخروش سے جن کو تنخواہ کا بقایا نہیں ملا تھا مجبوراً گوبند گڑھ میں پناہ لینی پڑی تھی مگر اس کے جانشین اپنی جانوں اور طاقت کے ضائع ہونے کے ڈر سے فوج کی تعداد اور تنخواہ بڑھانے پر مجبور تھے یہاں تک کہ اس کا ریاست پر نا قابل برداشت بوجھ پڑ گیا تھا اور دوسری ریاستوں کے واسطے وہ ہر وقت کی ایک دھمکی ہوگئی تھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے موقع پر باقاعدہ فوج یعنی پلٹن، رسالے اور توپ خانے میں 29167 جوان اور 192 توپیں تھیں جن کا ماہوار خرچ 382088 روپیہ تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کے زمانے میں باقاعدہ فوج میں 50065 جوان اور 232 توپیں تھیں جن کا ماہوار خرچ 548603 روپیہ تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ کے وقت میں باقاعدہ فوج میں 50805 جوان اور 382 توپیں تھیں جن کا ماہوار خرچ 682984 روپیہ تھا۔ سردار جواہر سنگھ کے وقت میں باقاعدہ فوج میں 72370 جوان تھے 381 توپیں تھیں جن کا ماہوار خرچ 852696 روپیہ تھا۔ سردار جواہر سنگھ کے وقت میں توپوں کی تعداد میں زیادتی زیادہ حد تک برائے نام تھی صرف چند نئی توپیں ڈھالی گئیں ورنہ بہت سی پرانی قلعے سے نکال کر صاف کی گئیں اور پہیوں پر چڑھا کر میدان کے کام کے قابل بنا دی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے قاعدہ فوج میں اس نسبت سے ترقی نہیں ہوئی جس سے کہ بے قاعدہ فوج میں ہوئی۔ انگریزوں کے ساتھ لڑائیاں شروع ہونے کے موقع پر اس کی تعداد 16292 تھی۔ جب 1845ء کی ستلج کی لڑائی شروع ہوئی تو سکھ فوج سارے پنجاب میں مندرجہ ذیل تھی:۔

باقاعدہ پلٹن	53756
باقاعدہ رسالہ	6235
بے قاعدہ رسالہ	14292
توپخانہ	10967
شتری توپیں	584
متفرق	827

توپیں میدان میں لڑنے کی 381، قلعوں میں لڑنے کی 104، شتری توپیں 308۔

بے قاعدہ والوں (اریگولر) اور جاگیرداروں کی کنٹنجنٹ کی سپاہ تفصیل بالا میں شامل نہیں

اور نہ صحت کے ساتھ دریافت ہی ہوسکتی ہیں مگر ان کا ٹھیک اندازہ 30000 آدمیوں کی جمعیت کا کیا جا سکتا ہے۔

راجہ ہیرا سنگھ کی تکلیف دہ حکومت کے دوران میں اجودھیا پرشاد کا بریگیڈ جو لائق وفائق ونچورا کے ماتحت نظم ونسق سے رہنے کا عادی تھا باقی فوج کی طرح بالکل باغی نہ ہوا اور نہ ہی اس میں بدنظمی پیدا ہوئی۔ جب ہیرا سنگھ لاہور سے بھاگ گیا اور سردار جواہر سنگھ اور سکھ فوج نے اس کا تعاقب کیا تو فوج خاص خورد سال مہاراجہ کی حفاظت کے لیے قلعے کے نیچے والے میدان میں رہی۔ جواہر سنگھ نے اجودھیا پرشاد کی تنخواہ میں 3000 روپیہ ماہوار کا اضافہ کر دیا اور اس کو علاقہ حافظ آباد کے مواضعات خانپور' گنگ' شادیاں' مرادی اور کاٹھیاں والا دیئے۔

سردار جواہر سنگھ کے قتل کیے جانے کے بعد تیج سنگھ جس سے فوج نفرت کرتی تھی باقاعدہ فوج کا اور راجہ لال سنگھ بے قاعدہ فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا اور جب فوج خاص کو پشاور جانے کا حکم ہوا تو وہاں اس نے حکم کی بجا آوری سے بالکل انکار کر دیا۔اس کے بعد ستلج کی لڑائی ہوئی جس کے ختم ہونے پر دیوان اجودھیا پرشاد نے استعفا دے دیا جو منظور ہو گیا اور اس نے وہ فوج چھوڑ دی جس میں اس نے چھبیس سال ملازمت کی تھی۔

16 مارچ 1846ء کے عہد نامے کے بعد جس کی رو سے راوی اور سندھ کا درمیانی علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیا گیا اجودھیا پرشاد کو کپتان ایبٹ کے ساتھ علاقہ جات لاہور اور جموں کے درمیان حدود قائم کرنے کے لیے کمشنر مقرر کیا گیا۔اس کام میں جو کسی طرح بھی آسان نہ تھا دو سال لگے اور مئی 1848ء تک دیوان لاہور واپس نہ آیا۔اس عرصے میں اس کی پالیسی بالکل حکام کی مرضی کے مطابق اور قابل اطمینان تھی اور اپنی سرکار کے فوائد کو کسی طرح بھی ضائع نہ کر کے وہ کپتان ایبٹ سرکاری وکیل کے ساتھ نہایت تواضع اور التفات سے پیش آتا رہا۔26 نومبر 1887ء کو اس کی تنخواہ میں ایزادی کی گئی اور اسے ممتاز الدولہ کا خطاب دیا گیا۔ الحاق کے موقع پر علاوہ مواضعات نین سکھ' بابو صابو' جھگیاں' کوٹ ناؤ' خانپور' کاٹھیاں والہ' شادمان' گنگ اور مرادی پر جو 19000 روپیہ سالانہ کی مالیت کے تھے قبضہ رکھنے کے اسے 5000 ہزار روپیہ سالانہ نقد وظیفہ ملتا تھا۔ اپریل 1849ء میں یعنی پنجاب کے الحاق کے تھوڑے ہی عرصے بعد نو عمر مہاراجہ دلیپ سنگھ دیوان اور ڈاکٹر لوگین کے سپرد کیا گیا اور اسی سال میں شہزادہ مذکور کے ہمراہ فتح گڑھ گیا جہاں ستمبر 1851ء تک اس کے پاس حاضر رہا اور

جب وہ انگلستان جانے کو تھا تو یہ پنجاب واپس آیا اور گوشہ نشینی اختیار لی۔ وہ جب تک مہاراجہ کے ساتھ فتح گڑھ رہا ہمیشہ ڈاکٹر لوگین اس کے کھرے پن اور با عزت رویہ کا مداح رہا۔

الحاق کے موقع پر دیوان کی جاگیرات گورنمنٹ نے ضبط کر لیں مگر اس کو 7500 روپیہ کی پنشن عطا کی گئی اور 1852ء میں گورنمنٹ نے ایک ہزار روپیہ کی علی الدوام پنشن منظور فرمائی۔

1862ء میں دیوان شہر لاہور میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ یہ اس عہدے کے فرائض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اپنی وفات تک عدل و انصاف کر کے اپنا نام نیک قائم کر گیا۔ جنوری 1864ء میں سر رابرٹ منٹگمری لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے اس کی گزشتہ خدمات کے صلے میں رکھ ہنجر وال ضلع لاہور کے جس کا رقبہ بارہ سو ایکڑ ہے حقوق مالکانہ عطا کیے۔ اس عطیہ پر بارہ سو روپیہ بطور نذرانہ ادا کرنے کی شرط تھی اور اس کی سالانہ جمع 2400 روپیہ تشخیص کی گئی تھی۔ اس موضع کا نام اصلی معطی کی یادگار میں اجودھیا پور ہے۔ اسی وقت دیوان اور اس کے بیٹے بیج ناتھ کو خلعت بھی دیئے گئے۔ بیج ناتھ پڑھا لکھا اور قابل آدمی تھا۔ نوکری کے لیے اس نے میجر ایبٹ ڈپٹی کمشنر ہزارہ کے دفتر میں کام سیکھنا شروع کر دیا اور 1858ء میں تحصیل دار بنایا گیا۔ پھر چار سال بعد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہو کر لاہور بھیج دیا گیا۔ اس نے اپنے باپ کے کہنے پر 1866ء میں استعفا دے دیا اور مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کر لی جہاں آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بن کر مجسٹریٹی اختیارات عمل میں لاتا رہا۔ اور پھر 1873ء میں اسے آنریری اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا۔

دیوان اجودھیا پرشاد 1870ء میں فوت ہوا اور اس کی 7500 روپیہ کی پنشن میں سے جو اس کی حین حیات کے لیے تھی نصف دیوان بیج ناتھ کے نام جاری رکھی گئی۔ اس جائیداد پر 2400 روپیہ قرضہ تھا جو بیج ناتھ نے سرعت کے ساتھ بڑھا کر 40000 روپیہ کر دیا۔ 1874ء میں بیج ناتھ کی خدمات ریاست کپورتھلہ کے سپرد کی گئیں جہاں یہ راجہ کھڑک سنگھ کی لمبی بیماری کی وجہ سے ریاست کا کام چلانے کے لیے کونسل کا ممبر بنا دیا گیا۔ 1875ء کے شروع میں چونکہ کپورتھلہ کے حالات سے کونسل کو ہٹا کر ایک انگریز افسر کا تقرر ضروری سمجھا گیا تھا اس لیے دیوان کو برخاست کر دیا گیا وہاں سے دیوان زیارت کے لیے کانگڑہ چلا گیا اور لاہور واپس آ رہا تھا کہ اسے ہیضہ ہو گیا اور چند دن بیمار رہنے کے بعد 18 اگست 1875ء کو فوت ہو

MashalBooks.com

گیا۔ یہ تعلیم کے تمام معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا تھا اور پنجاب یونیورسٹی کے بانیوں میں سے تھا۔

دیوان بیج ناتھ نے تین شادیاں کیں۔ اس کی دوسری بیوی سے اس کا اکلوتا بیٹا نرندر ناتھ 1864ء میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان کا موجودہ بزرگ ہے۔ اس کی تیسری بیوی کے بطن سے جس کے ساتھ اس نے 1871ء میں شادی کی دو لڑکیاں تھیں جن کی شادی 1883ء میں کر دی گئی۔ دیوان نرندر ناتھ اپنے باپ کی وفات پر نابالغ تھا جس کی وجہ سے جائداد کا انتظام لاہور کے ڈسٹرکٹ کورٹ آف وارڈز کے سپرد کیا گیا۔ گورنمنٹ نے 20 ہزار روپیہ زیادہ تنگ کرنے والے قرض خواہوں کے قرضے ادا کرنے کے لیے بطور قرضہ دیا۔ اجو دھیا پور کی آمدنی کے علاوہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے 1625 روپیہ سالانہ کی پنشن نرندر ناتھ کے لیے تاحین حیات مقرر کی گئی۔ پھر بڑی احتیاط کے ساتھ انتظام کر کے دیوان بیج ناتھ کے ذمہ کا روپیہ اتارا گیا اور جائداد قرضہ سے سبکدوش ہو گئی۔

نرندر ناتھ نے 1879ء میں رائے بہادر پنڈت بیشتر ناتھ کول کی لڑکی کے ساتھ جو ایک زمانہ میں نارتھ ویسٹرن ریلوے پر ڈسٹرکٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ تھا شادی کی۔ بالغ ہونے کے بعد نرندر ناتھ کو پروانشل درباری کی کرسی اور دیوان کا موروثی خطاب عطا کیے گئے۔ 1886ء میں اس نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور دوسرے سال پنجاب یونیورسٹی کا فیلو نامزد کیا گیا۔ 1888ء کے شروع میں اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ کے لیے منتخب ہو کر گورداس پور میں تعینات کیا گیا۔ بعد ازاں وہ فیروز پور، جہلم اور راولپنڈی کا قائم مقام ڈسٹرکٹ جج ہوا اور 1895ء میں اسے ترقی دے کر ڈپٹی کمشنر بنا دیا گیا اس عہدہ پر یہ اضلاع منٹگمری گوجرانوالہ گجرات۔ گجرات وہی ضلع ہے جس کا حاکم تقریباً 125 سال ہوئے اس کا پڑدادا تھا اور ملتان میں تعینات رہا۔ 1911ء میں یہ دو ماہ کے لیے قسمت لاہور کا قائم مقام کمشنر رہا۔ یہ ملک معظم جارج پنجم آنجہانی کے دربار تاجپوشی میں شامل ہوا۔ 1913ء میں یہ یورپ چلا گیا اور واپسی پر پہلے جالندھر اور پھر ہوشیار پور میں تعینات ہوا اور 1916ء میں پنشن پائی۔

1908ء میں ذاتی اعزاز کے طور پر دیوان نرندر ناتھ کو دیوان بہادر کا خطاب عطا ہوا اور بعد ازاں اسے ذاتی اعزاز کے طور پر راجہ کا خطاب عطا کیا گیا۔

راجہ نرندر ناتھ جس نے ہندوستان، لنکا، یورپ میں بہت سے سفر کیے ہیں اپنے عہدہ

سے سبکدوش ہونے کے وقت سے لے کر اب تک صوبہ کے عام اور سیاسی کاموں میں بڑی دلچسپی لے رہا ہے اور گذشتہ سالوں میں اپنا صدر مقام لاہور میں رکھ کر ملک کی مختلف سیاسی تحریکوں سے باخبر رہا ہے۔ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارمز کے رائج ہونے کے زمانہ سے یہ مسلسل طور پر پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں زمیندار حلقوں کی نمائندگی کرتا رہا ہے۔ یہ اس پراونشل ریفارمز کمیٹی کا ممبر تھا جس کو پنجاب گورنمنٹ نے 1928ء میں قائم کیا تھا۔ راجہ نرندناتھ اپنے خرچ پر لندن گیا جہاں اس نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں سے ملاقات کی۔ اس سے اگلے دو سالوں میں اس نے لندن میں پہلی دو گول میز کانفرنسوں میں شمولیت کی۔ یہ کئی ہندو کانفرنسوں کا پریزیڈنٹ بھی رہا جن میں سے سب سے اہم ہندو مہا سبھا کا وہ اجلاس ہے جو 1927ء میں دہلی میں منعقد ہوا۔ اس سب کے علاوہ اس نے مختلف معاشرتی مذہبی اصلاحی تحریکوں میں خاص دلچسپی لی ہے حال ہی میں یہ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں ہندو پروگریسو گروپ کا رہنما تھا مگر اب اس نے استعفیٰ دے دیا ہے۔

راجہ نریندر ناتھ کے پاس تحصیل لاہور کے 9 مواضعات کی جاگیریں ہیں جو علی الدوام عطا کی گئی تھیں ان 9 مواضعات میں سے ایک یعنی موضع امیر پور کے حقوق ملکیت بھی اسے حاصل ہیں۔ اجودھیا پور کے علاوہ جو اس کے دادا کو عطا کیا گیا تھا اس کے قبضہ میں شرق پور تحصیل کے دو مواضعات کے حصے ہیں اور لاہور میں بہت سی سکنی جائداد ہے نیز اس نے شرق پور تحصیل میں کچھ مربعہ اراضی بھی لی ہے۔

راجہ نرندر ناتھ کا ایک ہی بیٹا دیوان انندر کمار ایم اے بیرسٹر ایٹ لا پنجاب یونیورسٹی میں علم الحیوانات کا معلم ہے اور اپنے باپ کی طرح لاہور کے کئی تعلیمی اور دوسرے اداروں سے اس کا تعلق ہے۔

سردار ہردیال سنگھ نکئی رئیس بیہڑوال

سردار ہردیال سنگھ نکئی کے قریب سکھ گوروسری ارجن جی اپنے چند چیلوں کے ساتھ ضلع لاہور میں سفر کرتے ہوئے بیہڑوال کے چھوٹے سے قصبے میں پہنچے جو چند سال پہلے قوم اڑوڑا کے ایک شخص بھڑ نامی نے آباد کیا تھا۔ یہاں ان کی کچھ خاطر تواضع نہ کی گئی اور اس لیے وہ موضع جمپر میں جو قریب ہی تھا چلے گئے۔ جہاں تھکان اور پاؤں میں چھالے پڑ جانے کی وجہ

MashalBooks.com

سے انہوں نے تھوڑے عرصے کے لیے چارپائی مانگی اور سائے میں اس پر لیٹ کر سو گئے۔
اس وقت ہمیراج نے جو ایک سندھو جاٹ اور بیہڑوال کا چودھری تھا اور گورو جی کے موضع بیہڑوال سے گزرتے وقت کہیں گیا ہوا تھا اس واقعہ کا حال سنا اور اپنے قصبے والوں کی غیر مہمان نوازی سے شرمندہ ہو کر انہیں واپس لانے کی کوشش کرنے کے لیے جمیر روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر گورو جی کو اس نے سوتا پایا اور حیران ہوا کہ اب کیا کرے۔ گورو جی کو جگانے کی تو جرأت نہ تھی کیونکہ اسے ان کے مزاج کا حال معلوم نہ تھا اور نہ ہی وہ زیادہ دیران کو جمپر میں رہنے دینا چاہتا تھا اور چونکہ یہ بارسوخ اور کسی قدر تنومند آدمی تھا اس نے چارپائی کو مع گورو جی کے اپنے سر پر اٹھالیا اور بیہڑوال کی طرف لے چلا۔

سری ارجن جی جاگ کر ہیمراج کی اس کارروائی پر بہت خوش ہوئے اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ جس کے جواب میں لوگوں نے کہا کہ ان کے گاؤں میں ایک ہی کنواں ہے جس کا پانی شور ہے۔ اس پر گورو جی نے ہیمراج کو گڑ کی کچھ ٹکیاں کنوئیں میں ڈالنے کے لیے کہا چنانچہ گڑ ڈالا اور پانی فوراً میٹھا اور صاف ہو گیا۔ گورو جی نے ہیم راج کے لیے دعا بھی کی اور پیشن گوئی بھی کی کہ اس کے ہاں ہیرا سنگھ نامی ایک لڑکا ہوگا جو بڑا آدمی بنے گا۔

بیہڑوال میں یہ روایت ابھی تک مشہور رہے جس پر لوگوں کو یقین ہے کیونکہ کنواں جو بدھے والا کے نام سے مشہور ہے ابھی تک میٹھا اور صاف ہے۔ یہ روایت اگر ہیم راج کے باپ عامل یا دادا مہمانا کی نسبت مشہور ہوتی تو بہتر ہوتا کیونکہ ہیرا سنگھ جو واقعی خاندان میں پہلا ذوی الاقتدار آدمی تھا سری گورو ارجن جی کی وفات واقع 1606ء کے بھی قریباً سو برس بعد پیدا ہوا۔

اس وقت جب کہ سکھ وسط اٹھارھویں صدی کے قریب طاقتور ہو گئے ہیرا سنگھ نے لاہور اور گوگیرہ کے درمیانی علاقہ نکا پر قبضہ کر لیا اور اس کے نام پر ہیرا سنگھ کا خاندان اور وہ مسل جس کا یہ کمیدان تھا موسوم ہو گئے۔ اس نے افغانوں سے چونیاں بھی لے لیا اور کنہیوں اور بھنگیوں کے ساتھ اس حملے میں شامل ہوا جو انہوں نے مغلوں کی متزلزل سلطنت پر کیا تھا۔

جب سردار ہیرا سنگھ شیخ شجاع چشتی ولی پاکپتن سے لڑتا ہوا مارا گیا تو اس کا بیٹا دل سنگھ نابالغ تھا اس لیے اس کا بھتیجا نر سنگھ مسل کا کمیدان بنا۔ نر سنگھ 1767ء میں کوٹ کمالیہ کی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بھائی رن سنگھ جانشین ہوا۔ اس رئیس کے ماتحت مسل میں کچھ طاقت اور

اقتدار بڑھا۔ دوسری سکھ مسلوں کے مقابلے میں یہ کبھی طاقتور نہیں ہوئی مگر میدان جنگ میں یہ قریبا دو ہزار سوار' شتری توپیں اور چند دوسری توپیں لے آیا کرتی تھی۔ علاقہ نکا کے جاٹ مضبوط اور بہادر ہیں اور اس چھوٹی سی مسل نے افغانوں اور دوسرے ہمسایوں سے بہت سی لڑائیاں کیں یہاں تک کہ آخر کار ملک کا900000 روپے کی مالیت کا ایک حصہ سردار رن سنگھ اور اس کے مسلداروں کے ہاتھ آ گیا۔ ان کے قبضے میں پرگنات چونیاں' حصہ قصور' شرقپور اور گوگیرہ تھے اور ایک زمانے میں قوم کھرل کا صدر مقام کوٹ کمالیہ بھی انہیں کے پاس تھا۔

قمر سنگھ رئیس سیدوالا رن سنگھ کا حریف تھا وہ کچھ سالوں تک آپس میں لڑتے رہے جس میں کبھی ایک کامیاب ہو جاتا تھا کبھی دوسرا۔ یہاں تک کہ آخر کار رن سنگھ کو واقعی فائدہ پہنچا اور اس نے سیدوالا پر قبضہ کرلیا۔ سردار رن سنگھ 1781ء میں فوت ہوا اور اس کا سب سے بڑا لڑکا بھگوان سنگھ جو اس کی مسل کا کمیدان ہوا تھا۔ اس قابل نہ تھا کہ اپنے باپ کی حاصل کی ہوئی املاک پر قبضہ رکھ سکے۔ قمر سنگھ کے بھائی وزیر سنگھ نے سیدوالا واپس لے لیا اور بعض نکئی مواضعات بھی لے لیے مگر آخر میں یہ مواضعات دے دیئے۔ بھگوان سنگھ کو اب معلوم ہو گیا کہ اگر طاقتور آدمیوں سے دوستی پیدا نہ کرلی جائے گی تو شاید تمام متاع واملاک ہاتھ سے نکل جائے گی چنانچہ اس نے اپنی بہن نکین کی جو عام طور سے راج کور مشہور ہے نسبت رنجیت سنگھ مہاں سنگھ سکر چکیہ کے بیٹے سے کر دی جو اس زمانے میں پنجاب کے سب سے زبردست روٴسا میں تھا۔ وزیر سنگھ نے بہت کوشش کی کہ اس نسبت کو جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ تھا نہ ہونے دے مگر ایسا نہ کر سکا۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد 1785ء میں مہاں سنگھ نے بھگوان سنگھ اور وزیر سنگھ دونوں کو امرتسر اس غرض کے لیے بلایا کہ وہ اسے جے سنگھ کنھیا کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دیں چنانچہ حریف روسا گئے مگر جب جے سنگھ کو شکست ہوگئی تو یہ دونوں آپس میں جھگڑنے لگ گئے کیونکہ مہاں سنگھ نے بھگوان سنگھ کی نسبت وزیر سنگھ کی زیادہ خاطر داری کی جس کی وجہ سے اول الذکر کو حسد پیدا ہو گیا۔ مہاں سنگھ نے کسی قدر دقت کے ساتھ ان کی صلح کرا دی مگر یہ صلح زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی اور جھگڑا اتنی سختی کے ساتھ شروع ہوا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ہو پڑی جس میں بھگوان سنگھ مارا گیا اور اس کا بھائی گیان سنگھ 1789ء میں جانشین ہوا۔ خاندان کے پرانے دشمن وزیر سنگھ کو تھوڑی ہی مدت بعد اس سردار ہیرا سنگھ کے لڑکے دل سنگھ نے قتل کر ڈالا جس نے بیہڑوال میں پناہ لی تھی مگر وزیر

MashalBooks.com

سنگھ کے ایک نوکر نے اپنے آقا کی موت کا بدلہ لینے کے لیے دل سنگھ کا تعاقب کیا اور اسے مار ڈالا۔ مہاں سنگھ 1792ء میں فوت ہوا اور 1798ء میں گیان سنگھ نے اپنی بہن کی رنجیت سنگھ کے ساتھ شادی کر دی جس کے ساتھ اس کی نسبت کچھ عرصے سے طے ہوئی تھی۔ 1802ء میں رنجیت سنگھ کا اس رانی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کھڑک سنگھ تھا اور جو بعد ازاں تخت پر بیٹھا۔ خاندان نکئی کو رنجیت سنگھ کے ساتھ اس رشتے داری میں کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ یہ طامع رئیس (رنجیت سنگھ) اپنے رشتہ دار کے مقبوضات پر قبضہ کرنے کے لیے منہ کھولے تاک میں بیٹھا تھا اور اس نے بہت کوشش کی کہ سردار کاہن سنگھ جو 1807ء میں گیان سنگھ کی وفات کے بعد خاندان کا سرکردہ ہوا تھا آوے اور دربار میں رہا کرے۔ مگر سردار نے اس کی تعمیل سے استقلال کے ساتھ انکار کر دیا اور 1810ء میں مہاراجہ نے اس خاندان کے سارے مقبوضات بغیر ان کی مخالفت کے جو وہ کرتے بھی تو بیکار ہوتی چھین لیے۔ مہاراجہ نے کاہن سنگھ کو بہیڑ وال کے گرد و نواح میں 15000 کی جاگیر دی اور خزان سنگھ کو بھی نانکوٹ میں ایک جاگیر دے دی۔

1860ء میں کاہن سنگھ کو جاگیر دار مجسٹریٹ بنایا گیا۔ یہ ہمیشہ بہیڑ وال میں جو تمام عام شاہراہوں سے بہت فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے رہتا رہا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد اس نے پولیٹکس میں بہت کم دخل دیا۔ 1847ء میں اس کی فوج کے دستے اور اس کا دوسرا بیٹا عطر سنگھ جو فوج کے ساتھ ملتان میں تھا باغیوں سے مل گئے مگر کاہن سنگھ پر جو اس زمانے میں بوڑھا آدمی تھا کوئی شبہ نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کی اس کارروائی میں حصہ دار تھا۔ اس کی جاگیر کی آمدنی کے علاوہ جو 11980 روپیہ تھی یہ اپنی حین حیات تک 3840 روپیہ کی ایک پنشن بھی لیتا رہا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا چتر سنگھ جو سرکار کا وفادار رہا 1857ء میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوا۔

کاہن سنگھ 1872ء میں فوت ہوا اور خاندان کی سرداری اس کے پوتے سردار رنجودھ سنگھ کو جو آنجہانی چتر سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا تھا قبضہ میں اضلاع لاہور اور منٹگمری کے مختلف مواضعات کی 400 گھماؤں سے زیادہ اراضی ملی۔ کاہن سنگھ کی 12000 روپیہ کی جاگیر میں سے 7040 روپیہ کی جاگیر خاندان میں اس طرح پر جاری رکھی گئی کہ 2000 روپیہ کی علے الدوام جاگیر سردار رنجودھ سنگھ کو دی گئی اور کل جاگیر کی باقی مالیت کی مختلف پنشنیں چند اراکین

کی حین حیات کے لیے دی گئیں۔اس دو ہزار کی علی الدوام جاگیر اور 1200 روپیہ کی پنشن کے بغیر جو شیر سنگھ کی حین حیات کے لیے ملی متذکرہ بالا تمام پنشنیں پنشن خواروں کی وفات کی وجہ سے ضبط ہو گئیں۔

سردار رنجودھ سنگھ 1891ء میں فوت ہوا اور اس کا سب سے بڑا لڑکا ادھم سنگھ اس کی جگہ خاندان کا سرکردہ 20 ہزار روپیہ کا جاگیردار اور پراونشل درباری مقرر ہوا۔1909ء میں ادھم سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بلونت سنگھ جاگیردار ہوا۔اس کا انتقال بھی 1910ء میں ہو گیا اور پھر موہن سنگھ جانشین ہوا مگر وہ 1911ء میں فوت ہوا۔عطر سنگھ اور ایشر سنگھ دونوں مسلمان ہو گے اور ان میں سے عطر سنگھ 1879ء میں فوت ہوا۔ایشر سنگھ المعروف عبدالعزیز ذیلدار تھا اور اپنی ذیلداری کے علاوہ اسے 4000 گھماؤں اراضی پر حقوق مالکانہ حاصل رہے۔اس کا انتقال 1933ء میں دولڑکے چھوڑ کر ہوا۔جن میں سے بڑا خان بہادر دین محمد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے اور تحصیل چونیاں اور ضلع منٹگمری کی 2000 گھماؤں اراضی کا مالک ہے۔عبدالعزیز کا دوسرا لڑکا محمد اکبر زیلدار اور آنریری مجسٹریٹ ہے اور اس کے قبضہ میں بھی اتنی ہی زمین ہے جتنی کہ اس کے بھائی کے قبضہ میں ہے محمد اکبر قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کا تاحین ممبر بھی ہے۔

سردار امن سنگھ نے دولڑکے گوردیاں سنگھ اور ہردیال سنگھ چھوڑے اول الذکر 1913ء میں لاولد مر گیا جس کی وجہ سے تمام جاگیر اور اراضی دوسرے یعنی ہردیال سنگھ کے قبضہ میں آئی۔سردار ہردیال سنگھ اب خاندان کا سرکردہ نمبردار 2000 گھماؤں اراضی کا مالک اور 2000 روپیہ کا جاگیردار ہے۔یہ ایکٹ اصلاح کی بعض دفعات سے متمنٰی ہے۔اور علاقہ میں اس کا رسوخ اچھا ہے۔خاندان کی سکھ اور مسلمان شاخوں میں بہت کچھ دشمنیاں تھیں مگر اب یہ باہم صلح صفائی سے رہتے ہیں۔

خان بہادر شہزادہ سلطان ابراہیم جان

یہ خاندان مشہور احمد شاہ ابدالی کی اولاد میں سے ہے جو افغان بادشاہوں کے درانی خاندان کا بانی تھا اور جس نے 1840ء میں قندھار میں تاج شاہی سر پر رکھا اور اسی دن سے اپنی قوم کو درانی موسوم کیا۔احمد شاہ خود سدو خاں کی اولاد میں سے تھا جو قوم سدوزئی کا (جس کا ذکر ایک اور تاریخ میں کیا گیا ہے) مورث اعلیٰ تھا احمد شاہ نے اپنی وفات سے پہلے جو

MashalBooks.com

1773ء میں واقع ہوئی اپنی سلطنت خراسان کے مغرب سے سرہند تک اور جیحوں سے لے کر سمندر تک پھیلا دی تھی۔ مگر اس کے جانشینوں میں سے کسی نے بھی حکمران کی وہ قابلیت نہ پائی تھی جو احمد شاہ میں تھی اس لیے سدوزئی خاندان خانگی تنازعات کا شکار ہو کر آخر کار 1823ء میں دوست محمد سے مغلوب ہو گیا۔ آمری درانی بادشاہ ایوب شاہ نے مع اپنے بہت سے رشتہ داروں کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں پناہ لی وہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور ان میں سے بہتوں کے معقول وظیفے مقرر کر دیئے۔ ان وظیفے داروں میں شہزادہ سلطان ابراہیم کا دادا شہزادہ فرخ سیر بھی تھا جس کا مہاراجہ نے 500 روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ فرخ سیر کی وفات کے بعد خالصہ دربار نے اور پنجاب کے سرکاری علاقہ سے ملحق ہو جانے کے بعد سرکار انگریزی نے اس وظیفے کا ایک حصہ اس کے لڑکوں کے نام جاری رکھا۔

فرخ سیر کا دوسرا بیٹا شہزادہ فریدوں 1857ء میں پنجاب پلٹن 27 میں جمعدار بھرتی کیا گیا اور غدر کے بعد اسے سب انسپکٹر اور بعد ازاں انسپکٹر پولیس بنا دیا گیا اس کی خدمات کے صلے میں اسے تحصیل خانقاہ ڈوگراں میں گیارہ مربع اراضی عطا کیے گئے جو اب اس کے پوتے فرخ عالم کے قبضے میں ہے۔

خان بہادر شہزادہ سلطان ابراہیم جان خاندان سدوزئی کی اس شاخ کے موجودہ بزرگ نے ایام غدر میں آفریدی فوج کا ایڈجوٹنٹ رہ کر سرکاری خدمات کیں اور انسپکٹر پولیس رہنے کے بعد تحصیل دار بنا دیا گیا۔ 1870ء میں اسے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر ترقی دی گئی اور یہ اسی عہدے پر اپنے پنشن لینے کے وقت یعنی 1895ء تک مامور رہا۔ وہ اسسٹنٹ پولیٹکل افسر ہو کر سرکار انگریزی کی حدود سے پرے کی کئی لڑائیوں میں گیا جن میں 80-1870 کی جنگ افغانستان اور چترال اور کالے پہاڑ کی لڑائیاں بھی شامل ہیں۔ وہ کرنیل گرے صاحب بہادر کے ہمراہ یارقند اور کشمیر کے کمیشن میں بھی گیا جو پہلے عہد ناموں کو نئے طور پر لکھوانے وہاں بھیجی گئی تھی۔ سلطان ابراہیم جان نے شہزادہ یحییٰ کی جو اس کا دور کے رشتے سے چچیرا بھائی اور جو خود تیمور کا پوتا تھا بھتیجی اور وارثہ تاجور سلطان بیگم جوان سے شادی کی۔ شہزادہ یحییٰ ایشیائے کوچک کی ایک لڑائی میں مارا گیا تھا اور اس کی خدمات کے صلے میں گورنمنٹ نے اس کی بھتیجی اور اس کے خاوند کو تحصیل قصور میں 1365 روپیہ ایکڑ اراضی کی معافی جاگیر جو رکھ ویگل کے نام سے مشہور رہے اور جس کا سالانہ مالیہ 659 روپیہ ہے عطا

MashalBooks.com

کی۔ یہ عطیہ تاجور سلطان بیگم اور شہزادہ ابراہیم کی بیٹی کو جس کی شادی اس کے چچیرے بھائی سلطان اسد جان سے ہوئی ہے پہنچے گا۔ سلطان ابراہیم کے تین لڑکے جن کے نام شجرۂ نسب میں دکھائے گئے ہیں اس کی دوسری بیوی کے بطن سے ہیں۔

شہزادہ سلطان ابراہیم کی اپنی خدمات کے عوض میں اسے خطاب خان بہادر اور نہر چناب پر چونتیس مربعے زمین عطا کیے گئے۔ اس نے چونیاں اور شرقپور کی تحصیلوں میں قریبا 800 ایکڑ زمین خرید لی ہے اور سرحدی صوبے کا پروانشل درباری ہے۔

سلطان ابراہیم کا چھوٹا بھائی شہزادہ سلطان اسمٰعیل جان قریباً پینتیس سال تک سرحدی پولیس میں ملازم رہا اور 1901ء میں اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ سے پنشن حاصل کی۔ اپنے بھائی کی طرح یہ بھی کئی لڑائیوں میں اسسٹنٹ پولیٹیکل آفیسر کی حیثیت سے شامل ہوا۔ اس کو چناب نہر پر سمندری تحصیل میں 10 مربعہ جات اراضی عطا کیے گئے تھے اور لاہور میں آنریری مجسٹریٹ کی حیثیت سے یہ ڈویثرنل درباروں میں کرسی لینے کا مستحق تھا۔ فرروری 1909ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سلطان اسمٰعیل کے بڑے بیٹے سلطان اسد جان نے 1897ء کی جنگ مہمند کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں اور چیف پولیٹیکل آفیسر کا نائب مقرر کیا گیا 1900ء میں اس کو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا اور کچھ سالوں تک سرحد پر وانا کا اسسٹنٹ پولیٹیکل آفیسر اور افواج محسود اور بنگوں کی ملٹری پولیس کا افسر رہا 1904ء میں اسے پنجاب میں تبدیل کیا گیا اور اب لاہور کا سبارڈینیٹ جج ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی سلطان حمید اورنگ آباد واقع ریاست حیدر آباد کا کوتوال ہے۔

فقیر سید حسین الدین بخاری رئیس لاہور

غلام شاہ

معروف فقیر خاندان ان دنوں سربراہ حسین الدین ہے۔ فقیر عزیز الدین امام الدین اور نور الدین کا باپ سید غلام محی الدین غلام شاہ کا لڑکا تھا جو نواب عبدالصمد خاں اور زکریا خاں ناظمان لاہور کے ہاں ایک چھوٹے عہدے پر ملازم تھا۔ غلام شاہ کا خاندان معزز تھا اور

قریباً 1550ء سے چونیاں ضلع لاہور میں رہتا تھا اور اس سے پہلے اچ علاقۂ بہاولپور میں مقیم رہا۔ اس خاندان کا بانی عرب کا ایک باشندہ جلال الدین نامی تھا۔ جلال الدین 1293ء میں جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں رہ گزار عالم بقا ہوا۔

غلام محی الدین رہیلہ کے مقام پر جو دریائے بیاس پر واقع ہے پیدا ہوا تھا۔ جب یہ تین مہینے کا ہوا تو اس کا باپ غلام شاہ فوت ہو گیا اور اس کی بیوہ ماں سخت افلاس کی حالت میں ہو کر اپنے خاوند کے دوستوں سے مدد لینے لاہور آئی۔ عبداللہ انصاری لاہور کے ایک نامی حکیم نے جو احمد شاہ کے شروع عہد حکومت میں کشمیر کا جج رہا تھا اور جس کے باپ نے علم طب کی ایک کتاب تذکرۂ عشقیہ نامی لکھی تھی جسے تاحال درجہ استناد حاصل ہے رحم کھا کر اس کی اور اس کے بچے کی اعانت کی۔ محی الدین کو اس نے اچھی تعلیم دی اور جب وہ جوان ہوا تو اپنے بھائی خدا بخش کی لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ غلام محی الدین نے حکمت اور کتب فروشی شروع کی اور اپنی تجارت کی وجہ سے پنجاب کے اکثر حصوں میں سفر کیا۔ اس نے فقیر امانت شاہ قادری کا مرید ہو کر فقیر کا لقب اختیار کیا اور اس کے مرید ابھی تک لاہور اور بہاولپور میں پائے جاتے ہیں۔

غلام محی الدین نے تین لڑکے عزیز الدین، امام الدین اور نور الدین چھوڑے۔ ان میں سے سب سے بڑا یعنی عزیز الدین لالہ حاکم رائے لاہور کے سب سے بڑے حکیم کا شاگرد تھا جس نے اسے رنجیت سنگھ کی خدمت میں اس وقت رکھا جب کہ وہ 1799ء میں لاہور فتح کرنے کے فوراً بعد آنکھوں کی سخت بیماری میں مبتلا تھا۔ اس نوجوان حکیم کی ہنر مندی اور توجہ کی وجہ سے مہاراجہ کا اس کی طرف خیال ہو گیا اور عزیز الدین نے موضع بادو اور شر قپور بطور عطیہ حاصل کیے اور دیوان حکما سنگھ پتھ بن کے نام جو اس زمانے میں لاہور کی چونگی کا ٹھیکہ دار تھا حکم جاری ہوا کہ اس کو نقد تنخواہ دیا کرے۔ رنجیت سنگھ نے اس کو اپنا حکیم مقرر کر لیا اور جوں جوں مہاراجہ اپنے عہدے کی طرف بڑھتا گیا اسی نسبت سے عزیز الدین کی جاگیر میں ترقی ہوتی گئی۔

1808ء میں جب مسٹر مٹکاف کو لاہور میں یہ عہد نامہ کرنے کے لیے بھیجا گیا کہ رنجیت سنگھ کی حکومت ستلج کے شمال تک محدود رہے اور 1809ء میں جب کہ انگریزی فوج دریا پر بھیجی گئی اور مہاراجہ اپنے سرداروں کے کہنے پر انگریزوں کے ساتھ لڑائی کرنے پر بالکل آمادہ ہو

گیا تھا اس وقت عزیز الدین نے اس کو اس ارادے سے بڑے زور کے ساتھ روکا اور اس کی صلاح آخر کارگر ہوئی۔ رنجیت سنگھ عزیز الدین کی دانائی اور دوراندیشی کی قدر کرتا تھا اور تمام مواقع پر اس کی صلاح لیتا تھا اور اس زمانے سے لے کر اپنی حکومت کے اخیر زمانے تک اس نے عزیز الدین کی صلاح کے خلاف کبھی کوئی اہم کام نہیں کیا۔ اہل یورپ اور سرکار انگریزی کے ساتھ جو معاملہ پڑتا تھا اس میں عزیز الدین خاص طور پر مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی وفاداری پر مہاراجہ کو ایسا بھروسہ تھا کہ وہ صرف فقیر کو چند اردلیوں کے ساتھ لاہور کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اپنی ساری فوج سمیت دور دور کی لڑائیوں پر چلا جاتا تھا۔

کئی موقع پر عزیز الدین کو فوجی خدمات انجام دینے کے لیے مامور کیا گیا۔ 1810ء میں اسے صاحب سنگھ بھنگی کا علاقۂ گجرات ملحق کرنے کے لیے بھیجا گیا پھر 1813ء میں جب جہاندار خاں نے علاقۂ اٹک مہاراجہ کے حوالے کیا تو فقیر عزیز الدین کو دیوان دین داس سکھدیال اور سردار موتا سنگھ کے ہمراہ اہل قلعہ کو امداد پہنچانے اور ضلع میں امن قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ 1819ء میں اسے ایلچی بنا کر بہاولپور کے دربار میں بھیجا گیا جہاں اس کا بڑی عزت سے استقبال ہوا۔ یہ اس فوج کے ہمراہ تھا جسے کانگڑہ کے خلاف بھیجا گیا تھا اور 1826ء میں جب دیوان کرپارام مہاراجہ کی نظروں میں بے عزت ہو گیا تو فقیر عزیز الدین اس سے قلعہ پھلور لینے کے لیے مقرر ہوا جس کو اس نے اس وقت تک اپنی تحویل میں رکھا جب تک کہ اس پر سردار دیسا سنگھ مجیٹھیہ افسر کر کے نہ بھیج دیا گیا اور اس کے تھوڑا ہی عرصہ پہلے فقیر کپور تھلہ، جنڈیالہ، ہوشیار پور اور فتح سنگھ اہلووالیہ کی جو انگریزوں سے پناہ مانگنے ستلج پار بھاگ گیا تھا ایں روئے ستلج کی جائیداد کا حاکم رہا۔ اپریل 1831ء میں عزیز الدین سردار ہری سنگھ نلوہ اور دیوان موتی رام کے ہمراہ لارڈ ولیم بنٹنک کو مہاراجہ کا سلام پہنچانے شملہ بھیجا گیا۔ ان ایلچیوں کا بڑی عزت کے ساتھ استقبال ہوا اور مہاراجہ اور گورنر جنرل کی ملاقات کا انتظام کیا گیا جو اسی سال کے اکتوبر کے مہینے میں بمقام روپڑ ہوئی۔

مئی 1835ء میں جب امیر دوست محمد خاں ایک بڑی فوج کے ساتھ کابل سے یہ ارادہ کر کے آیا کہ علاقۂ پشاور سکھوں کے ہاتھ سے لے لے تو فقیر عزیز الدین پشاور میں موجود تھا اسے سفیر اعلیٰ بنا کر افغانوں کے کیمپ میں بھیجا گیا اور اس نے امیر کو اتنے عرصے تک کامل طور پر جھانسے میں رکھا کہ سکھوں نے کابلی فوج کو قریباً چاروں طرف سے گھیر لیا اور افغانوں کو

عجلت کے ساتھ کابل کی طرف واپس ہونا پڑا۔ فقیر کی اس برمحل ہوشیاری سے مہاراجہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کی کیمپ کو واپسی پر عزت افزائی کے لیے توپوں کی سلامی کرنے کا حکم دیا۔

نومبر 1838ء میں جب کہ انگریزی فوجیں کابل کی لڑائی کے لیے جمع ہو رہی تھیں تو مہاراجہ لارڈ آکلینڈ صاحب گورنر جنرل سے فیروز پور کے مقام پر ملا اس نظارے کی شان و شوکت روپڑ کی 1831ء کی ملاقات کے اس نظارے سے بھی بڑھی ہوئی تھی جو ''ملاقات میدان پارچہ زرفشاں'' کہلاتی تھی۔ تھوڑی مدت بعد لارڈ آکلینڈ نے مہاراجہ سے لاہور اور امرتسر میں ملاقات بازدید کی اور ان دونوں مواقع پر فقیر عزیز الدین ہر ایک کام میں پوری توجہ کرتا رہا اور اپنے آقا کی طرف سے جو بہت بیمار تھا نہایت خوش اسلوبی سے مراسم مہمانداری ادا کیں۔

27 جون 1839ء کو رنجیت سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ اخیر وقت تک فقیر عزیز الدین جو اس کا سب سے زیادہ جاں نثار نوکر اور سب سے زیادہ وفادار دوست تھا اس کے پاس رہا اور اپنے ہاتھ سے اس کو دوائی دیتا رہا اور مختلف اطراف کی خبریں دیتا رہا جن کے سننے کا مہاراجہ مشتاق تھا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی گدی نشینی پر عزیز الدین اور سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کو عہدناموں کی تجدید کے لیے جو سرکار انگریزی اور مہاراجہ کے مابین ہوئے تھے شملہ بھیجا گیا۔ ابھی یہ شملہ ہی میں تھے کہ کھڑک سنگھ کے وزیر اور منظور نظر سردار چیت سنگھ کے قتل ہونے کی اور شہزادہ نونہال سنگھ کے حکومت حاصل کرنے کی خبر پہنچی۔ اس خبر سے شملہ میں کچھ تامل کیا گیا مگر آخر کار عہدنامہ کی تجدید ہو گئی اور ایلچی لاہور واپس آ گئے۔

کھڑک سنگھ کی حکومت کے زمانے میں عزیز الدین کا رسوخ دربار میں کچھ ایسا کم نہ ہوا جو محسوس ہوتا۔ مئی 1840ء میں دربار نے اسے مسٹر کلارک سے ملاقات کرنے کے لیے فیروز پور بھیجا اور اس نے وہاں اس ملاقات کا انتظام کیا جو افسر مذکور نے لاہور میں اسی مہینے مہاراجہ سے کی۔ اسی سال ستمبر میں فقیر رائے گوبند داس اس کے ساتھ مسٹر کلارک کے پاس خدمت راز داری پر غلزئی اور بارک زئی قبائل کے معاملات کے متعلق گفتگو کرنے بھیجا گیا۔ نیز اس خدمت میں 1838ء کے اس عہدنامۂ سہ گانہ کے فقرۂ اول کی تشریح بھی داخل تھی۔ جو سکھوں کی علاقہ جات یوسف زئی و سوات میں بعض حرکتوں سے کچھ مشکوک ہو گئی تھی۔

کھڑک سنگھ اور نونہال سنگھ کی موت کے بعد جو سازشیں شروع ہوئیں ان میں سے کسی

MashalBooks.com

میں بھی فقیر نے سرگرمی سے حصہ نہیں لیا۔

جب شیر سنگھ تخت پر بیٹھا تو اس نے عزیز الدین کے ساتھ نہایت مہربانی سے سلوک کیا اور مارچ 1841ء میں اسے لدھیانہ میں مسٹر کلارک کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا گیا کہ آیا سرکار انگریزی مہاراجہ کی فوج کو مطیع کرنے میں مدد دے گی یا نہیں۔ مسٹر کلارک اس امر کے خلاف نہ تھے۔ ستلج کی لڑائی میں تجربہ ہونے سے پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ سکھ لوگ میدان کے بہادر نہیں ہیں اور مسٹر کلارک کا خیال تھا کہ 12000 انگریزی فوج کے ساتھ پنجاب کے میدانی ملک میں خالصہ فوج کو مطیع کر لینا یا اگر وہ مقابلہ کریں تو ان کو تتر بتر کر کے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھا دینا ممکن ہے۔ سرکار انگریزی کی فوج مہاراجہ کو ان شرائط پر مدد دے گی کہ ستلج کا جنوبی علاقۂ لاہور سرکار انگریزی کو دے دیا جائے اور لڑائی کے اخراجات میں 4000000 روپیہ ادا کیے جائیں۔ فقیر اور اس کے ساتھی منشی دین محمد کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ ایسا اہم معاملہ جیسا کہ یہ تھا خود ہی طے کر لیتے اور چونکہ یہ معاملہ لکھ کر بھی نہ بھیج سکتے تھے اس لیے انہوں نے مہاراجہ سے مشورہ کرنے کے لیے لاہور آنے کی اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ آٹھ دن کے بعد واپس آ جائیں گے۔ مگر عزیز الدین بالکل نہیں گیا اور شاید اس کا ایسا کرنے کا ارادہ بھی نہ تھا۔

شیر سنگھ کو یہ خوف تھا کہ جب انگریزی فوج نے لاہور پر ایک دفعہ قبضہ کر لیا تو پھر اسے کبھی نہ چھوڑے گی۔ فقیر عزیز الدین جو گورنمنٹ انگریزی کی پالیسی کو مہاراجہ سے زیادہ سمجھتا تھا یہی کہتا رہا کہ سرکار انگریزی کی مداخلت ہونی بہتر ہے اور اپنے فرزند شاہ دین کو جو لاہور کی طرف سے لدھیانہ میں وکیل تھا لکھا کہ کلارک صاحب سے اس معاملے کی پھر سلسلہ جنبانی کرے اور باوا مہاں سنگھ کو جو مہاراجہ کا معتمد علیہ تھا عہد و پیمان کرنے کے لیے بلا بھیجے مگر کلارک صاحب بہادر نے پھر اپنی طرف سے تحریک کرنی مصلحت نہ سمجھی اور دانشمندی سے یہ تجویز موقوف کر دی گئی۔

اس زمانے کے قریب عزیز الدین کو ایک صدمہ پہنچا جس سے اس کی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ یعنی یہ کہ وہ شاہ بلاول کے مقام پر دیوان بشن سنگھ کے پاس دربار میں بیٹھا تھا اور جب اپنی جگہ سے اٹھا تو اتفاقاً دیوان کی تلوار اس کے لگ گئی اور فقیر کی ٹانگ سخت زخمی ہو گئی۔ اس زخم سے اس کا اتنا خون بہا کہ غش کی نوبت ہو گئی اور قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا مگر آہستہ

آہستہ اسے افاقہ ہوااور اس حادثے کے سبب اسے دربار کی حاضری میں کمی کر دینے کا عذر مل گیا کیونکہ وہ دوسرے وزیروں کی طرح فوج کی دشنام اور زیادتیوں سے ڈرتا تھا۔

فروری 1842ء میں عزیز الدین کو مہاراجہ نے ماکھو کی طرف جو ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع ہے مسٹر کلارک سے ملنے کے لیے بھیجا جو لاہور کی طرف مہاراجہ کی گدی نشینی کی مبارکباد دینے اور کھڑک سنگھ کی وفات کا افسوس کرنے آ رہا تھا۔

دسمبر 1842ء میں سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کو دربار لاہور نے لارڈ النبرا کی خدمت میں جو انگریزی فوج کے ساتھ فیروز پور میں موجود تھا حاضر ہونے کے لیے روانہ کیا۔ کسی غلط فہمی کے سبب سردار کو یہ امید تھی کہ گورنر جنرل کا ایجنٹ اسے سرکاری کیمپ میں لے جائے گا اس لیے وہ اپنے ہی خیمے میں رہا اور ملاقات بالکل نہیں ہوئی۔ لارڈ النبرا نے یہ سمجھ کر کہ سردار نے یہ حرکت عمداً کی ہے کیفیت طلب کی۔ چنانچہ فقیر عزیز الدین شہزادہ پرتاب سنگھ، راجہ ہیرا سنگھ اور دوسرے سرداروں کے ساتھ فیروز پور پہنچا جہاں افواج سکھ اور انگریزی دونوں کا معائنہ اور ایک بڑا دربار منعقد ہوا۔ عزیز الدین نے اس ظاہرا بداخلاقی کا جو مجیٹھیہ سردار سے ہوئی تھی خوبی اور وضاحت سے ذکر کیا جس پر گورنر جنرل اس قدر خوش ہوا کہ اس نے بھرے دربار میں فقیر کو ''دونوں ریاستوں کی دوستی کا محافظ'' سے خطاب کیا اور اپنی جیب سے طلائی گھڑی نکال کر اسے عطا کی۔ یہ عطیہ جس کی قدر دوسرے تمام خلعتوں سے زیادہ کی جاتی تھی فقیر جمال الدین کے پاس اس کے فوت ہونے تک موجود تھی۔

شیر سنگھ کی حکومت کے آخری سال میں فقیر عزیز الدین مہاراجہ کی نظروں سے گر گیا۔ اس پر شبہ کیا جاتا تھا کہ یہ راجگان جموں کا دوست ہے جن سے مہاراجہ (گو ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا) متنفر تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ راجہ دھیان سنگھ جانتا تھا کہ فقیر عزیز الدین کی قابلیت سے فائدہ اٹھانا اس کے لیے ضروری ہے اور بلاشبہ لاہور کے وزیر کی وزارت فقیر کی اعانت کے بغیر نہ چل سکتی تھی۔ عزیز الدین نے راجہ دھیان سنگھ سے سردار چیت سنگھ کے قتل پر جو فقیر کا خاص دوست تھا بڑی مشکل سے مصالحت کی مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسے آخر کار یقین ہو گیا تھا کہ فقط ڈوگرے راجے ہی ملک کو درہم برہم ہونے سے بچا سکتے ہیں اور اسی یقین کی وجہ سے وہ ان کا شریک ہو گیا تھا۔

مہاراجہ شیر سنگھ کے قتل کے بعد فقیر نے پالیٹکس میں بہت کم دخل دیا۔ اس کی صحت بگڑ

MashalBooks.com

گئی تھی اور بینائی جاتی رہی اور چونکہ فوج کی طاقت اور بے پرواہی بڑھتی جاتی تھی اس لیے روز بروز اس کا رعب داب کم ہوتا جاتا تھا۔ اس کا آخری کام سرکار انگریزی کے خلاف ستلج کی طرف جو سکھ فوج کوچ کر گئی تھی اس کو واپس بلانے پر اصرار تھا اور پیشتر اس کے کہ اس سلطنت پر جس کی اس نے اتنے عرصے تک اور ایسی وفاداری سے خدمت کی تھی تباہی آئے وہ 3 دسمبر 1845ء کو دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوا۔

فقیر عزیز الدین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام مشیروں میں سب سے زیادہ قابل اور واقعی سب سے زیادہ دیانت دار تھا۔ رنجیت سنگھ کو اپنے وزار کے انتخاب کرنے کی بڑی لیاقت تھی اور اس کے لمبے عہد سلطنت میں اس کا الطاف اور عنایت فقیر عزیز الدین کی نسبت کم نہ ہوئی کیونکہ فقیر کی طرف سے کبھی کسی قسم کی بے اعتدالی یا بدعہدی ظہور میں نہ آئی۔ اپنے ملک یا غیر ملک کے پالیٹکس میں بہت کم معاملات ایسے تھے جن میں مہاراجہ نے اس کی صلاح نہ لی ہو اور سرکار انگریزی کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کی کارروائی تو قریباً بالکل اسی کے ہاتھ میں تھی اور اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت کچھ فقیر عزیز الدین کی ہی دانائی اور تدبر سے حاصل ہوئی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اختتام عہد تک سرکار انگریزی اور سرکار لاہور میں نہایت قلبی دوستی رہی۔

فقیر عزیز الدین کے ایسے اچھے اوضاع اور کامل درباریوں کے سے اطوار تھے کہ سوائے چند آدمیوں کے کوئی اس کا علانیہ دشمن نہ تھا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ باطن میں بہت لوگ اس کے جاہ و اقتدار کا حسد ضرور رکھتے تھے۔ اس کی ہر دل عزیزی کی ایک وجہ وہ بے تعصبی تھی جو وہ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے سکھ دربار میں برتتا تھا۔ وہ صوفی مشرب آدمی تھا اور گو یہ فرقہ قدامت پسند مسلمانوں کی نظر میں لامذہب سا ہوتا ہے مگر دراصل مشرق کے سب سے اچھے حکیم اور شاعر اسی فرقے کے افراد تھے فقیر عزیز الدین تمام مذاہب کی ایک سی عزت یا ایک سی لاتعلقی اظہار کرتا تھا۔

فقیر عزیز الدین اپنے زمانے میں نہایت فصیح شخص مشہور تھا اور اس کی تحریر بھی ایسی زبردست تھی جیسی کہ تقریر سرکاری کاغذات جو اس نے اور اس کے بھائی نور الدین نے مرتب کیے تھے مشرقی نقطۂ خیال سے فصاحت اور خوش مذاقی کا نمونہ ہیں۔ فقیر عزیز الدین جملہ فروع علوم مشرقی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا اور نیز تعلیم کا ایک فیاض اور ممیز حامی تھا۔ لاہور

MashalBooks.com

میں اس نے اپنے خرچ سے فارسی اور عربی کی تعلیم کا ایک کالج کھولا اور پنجاب کے بہت سے عربی دانوں نے اسی کالج میں تعلیم پائی۔

بزم شعراء میں عزیز الدین کو اعلیٰ جگہ دینی چاہیئے۔اس کی صوفیانہ فارسی نظمیں بڑی خوبی کی ہیں اور رسادگی اور فصاحت کے لحاظ سے یکتا ہیں۔

فقیر عزیز الدین کے چھ بیٹوں میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے شاہ دین جو 1842ء میں فوت ہوا 1836ء میں دربار لاہور کی طرف سے ایجنٹ مقرر ہو کر سرکاری پولیٹکل آفیسر کے پاس لدھیانہ میں رہا کرتا تھا اور دو سال بعد فیروز پور میں وکیل مقرر کر دیا گیا تھا۔فقیر چراغ دین کو 1838ء میں جسر وٹہ کا گورنر بنایا گیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد شہزادہ کھڑک سنگھ کی مصاحبت میں رکھا گیا۔وہ 1842ء میں اپنے بھائی کی جگہ فیروز پور میں وکیل بنایا گیا اور بعد ازاں اسی عہدہ پر کونسل ریجنسی میں مامور کیا گیا۔جمال الدین تحصیل دار حافظ آباد کی حیثیت میں سرکار انگریزی کی ملازمت میں داخل ہوا۔بعد ازاں وہ گوجرانوالہ تبدیل کیا گیا اور 1864ء میں پنجاب گورنمنٹ کا میر منشی بنا دیا گیا۔1870ء میں اسے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری عنایت ہوئی۔مگر صحت خراب ہونے کی وجہ سے 1883ء میں اسے سو روپیہ ماہوار پنشن لے کر اپنے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا جو یہ اپنے ہزار روپیہ پولیٹکل وظیفے کے ساتھ لیتا رہا۔1883ء میں اسے لاہور کا سب رجسٹرار بنایا گیا اور دوسرے ہی سال اسے پورے اختیارات مجسٹریٹی دے کر آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا۔یہ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو اور پراونشل درباری تھا اور 1894ء میں لاولد فوت ہوا۔عزیز الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے رکن الدین کو بھی ہزار روپیہ سالانہ پنشن ملتی تھی جو 1881ء میں اس کے لاولد فوت ہونے پر گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔

فقیر عزیز الدین کا سب بڑا لڑکا نصیر الدین 1814ء میں جب کہ بالکل نوجوان تھا مارا گیا۔ایک پوربیا سپاہی جس کو فقیر امام الدین نے کسی قصور پر موقوف کر دیا تھا بدلہ لینے کے ارادے سے لاہور پہنچا اور غلام محی الدین کی دکان پر آ کر کچھ بیماری بیان کر کے علاج کرانا چاہا۔نوجوان نصیر الدین جو اپنے دادا کو کاروبار میں مدد دیا کرتا تھا سپاہی مذکور کو اندر کے ایک کمرے میں لے گیا جہاں آخر الذکر نے تلوار نکال کر لڑکے کو کاٹ ڈالا۔غلام محی الدین اپنے پوتے کی چیخیں سن کر دوڑا اور مقفل کمرے کے دروازے کو کلھاڑے سے توڑ قاتل پر جھپٹا۔

MashalBooks.com

چھین جھپٹ میں اس کو بھی سخت زخم آ گئے مگر اس نے سپاہی کا ہتھیار چھین لیا اور اس کو کھڑکی سے گلی میں پھینک دیا جہاں غضب آلود لوگوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ نصیرالدین اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد بیمار رہ کر مر گیا۔ عزیز الدین کے لڑکوں میں سے صرف ایک چراغ دین تھا جس نے اولاد چھوڑی۔ اس کا بڑا بیٹا سراج الدین بھی اسی طرح قتل ہوا جس طرح نصیرالدین۔ نوجوان سراج الدین نواب بہاولپور کی بہاول خان کی جس کے بعد اس کا منظور نظر لڑکا صادق محمد خاں جانشین ہوا ملازمت میں تھا۔ نیا بادشاہ اپنے بھائی حاجی خاں کو جو اس کی جانشینی کے وقت قید خانے میں تھا مار دینا چاہتان تھا مگر سراج الدین اور دادا پوترے اس کی طرف داری پر تھے چنانچہ انہوں نے اس کی خاطر شورش کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے شکرانے میں حاجی خاں نے سراج الدین کو اپنا وزیر اور اس کے بھائی شاہ نواز خاں کو سپہ سالار بنا دیا مگر اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد سراج الدین نواب کے ماموں آزاد خاں سے جھگڑ پڑا اور نواب نے اپنے رشتہ دار کی طرف داری کی جس پر سراج الدین بہاولپور چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا مگر نواب نے قسم کھائی کہ نواب کا ارادہ اس کو ایذا پہنچانے کا نہیں ہے اس لیے وہ بہاولپور میں ہی رہنے کے لیے تیار ہو گیا مگر دو یا تین دن کے بعد اس کا مکان فوج نے گھیر لیا اور سراج الدین کو اطلاع کی کہ وہ قیدی ہے اور اسے ہتھ کڑیاں لگوانے پر راضی ہو جانا چاہیئے مگر اس نے بغیر حملے کے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار گھر پر یورش کر دی گئی۔ ان دونوں بھائیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر ان کے پاس اسلحہ قریب قریب بالکل ہی نہ تھا۔ سراج الدین دشمنوں کے افسر اعلیٰ کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے خود بھی گولی سے مر گیا۔ شاہ نواز خاں سخت زخمی ہو کر پکڑا گیا اور قید خانے میں ڈال دیا گیا اور آٹھ مہینے تک جب تک کہ اس کے باپ نے 80000 روپیہ دے کر اسے چھڑا نہ لیا قید خانے میں ہی رہا۔

فقیر عزیز الدین کی زندگی میں اس کے بھائی اس سے کمتر درجے کے کام کرتے رہے مگر یہاں ان کا کچھ نہ کچھ ذکر کرنا چاہیئے کیونکہ دونوں کسی قدر مقتدر آدمی تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت کے زیادہ حصے میں فقیر امام الدین امرتسر کے مشہور و معروف قلعہ گو بند گڑھ کا محافظ اور قلعۂ مذکور کے نواحی علاقے کا ناظم تھا اس کے ساتھ بارود خانہ' اسلحہ خانہ اور شاہی اصطبل کا افسر تھا۔ امرتسر کی ملازمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں بہت خدمات نہ کر سکا مگر اس فوج میں موجود تھا جو مائی سدا کور اور کنھیوں کے قلعوں کو فتح

MashalBooks.com

کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی نیز اس نے ایک یا دو اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں بھی خدمات کیں اور 1844ء میں ایک لڑکا تاج الدین نامی چھوڑ کر فوت ہوا جو اس کے ساتھ گوبند گڑھ کا حاکم تھا اور اس کے بعد صرف دو سال جیتا رہا۔ تاج الدین کے بیٹے معراج الدین نے سید قاسم شاہ رئیس کی لڑکی سے شادی کی اسے 500 روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا اور اس کے باپ کی بیوہ کو 60 روپیہ سالانہ کی حین حیات پنشن ملتی تھی۔ 1899ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا سعید الدین بی اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد منصف مقرر ہوا جہاں سے ترقی کر کے سینئیر سب جج کے عہدے تک پہنچا اور 1934ء میں تین لڑکے ریاض حسین، سجاد حسین اور ممتاز حسین چھوڑ کر فوت ہو گیا جو تینوں تعلیم پا رہے ہیں۔

فقیر نور الدین میں اپنے بھائی عزیز الدین کی سی نہ تو قابلیت تھی اور نہ حوصلہ۔ گو ادر بہت صفتوں میں اس کے مشابہہ تھا۔ اس کی اوائل زندگی عبادت میں گزری یہاں تک کہ 1810ء میں رنجیت سنگھ نے جسے عزیز الدین سے خاص انس پیدا ہو گیا تھا اسے دربار میں بلا بھیجا اور دھنی کے علاقہ کا اہتمام اس کے سپرد کیا۔ اس نے اس عہدہ پر اچھا کام کیا اور بعد ازاں گجرات بھیجا گیا جہاں اسے چبوں کو مطیع کرنے میں کچھ دقت پیش آئی۔ 1812ء میں اسے جالندھر کا اور دوسرے سال سیالکوٹ، ڈسکہ، ہالووال اور وزیر آباد کا حاکم مقرر کیا گیا۔ پھر 1818ء میں لاہور بلایا گیا اور اس وقت سے اس کی نوکری عموماً دربار کے متعلق رہی اور مختلف ذمہ داری کی خدمات پر مامور ہوتا رہا۔ وہ قلعے کے اسلحہ خانے، شاہی محلات اور باغات کا افسر تھا نیز مہاراجہ کے خیرات خانے کا مہتمم تھا اور شاہی خیرات مستحق آدمیوں کو بانٹا کرتا تھا۔ شاہی خزانہ یعنی موتی مندا کی ایک چابی اس کے پاس رہتی تھی اور دو اور چابیاں مرا بیلی رام اور دیوان حکما سنگھ رکھتے تھے۔ 1826ء میں نور الدین کو پنڈ دادنخاں کے گردونواح کا علاقہ فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا اور 1831ء میں یہ سید پور اور مکھڈ میں راجہ گلاب سنگھ کو اس حصہ ملک کی حکومت میں امداد دینے کے لیے گیا نور الدین سرکار انگریزی کے ساتھ عہد و پیمان کرنے میں اپنے بھائی عزیز الدین کے ساتھ کام کرتا رہا۔ دونوں کے دلوں میں انگریزوں کی محبت تھی اور دونوں کی دلی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان اور لاہور کی سلطنتوں میں گاڑھی دوستی رہے۔ 19 ستمبر 1846 کو جبکہ فوج خالصہ باغی ہو گئی اور خواہاں ہوئی کہ رانی اپنے بھائی اور شہزادہ پشاور سنگھ کے قاتلوں کو ان کے حوالے کر دے تا کہ وہ اس سے بدلہ لیں تو فقیر نور الدین، دیوان

دینا ناتھ اور سردار عطر سنگھ کلیا نوالے کے ساتھ فوج کا غصہ کم اور جوش دھیما کرنے کے واسطے بھیجا گیا۔ اس سفارت کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اور ایلچیوں میں صرف نور الدین ہی تھا جس کو فوج نے بے عزتی کرنے اور دھمکی دینے کے بغیر لاہور آنے کی اجازت دے دی۔ ستلج کی لڑائی کے بعد 9 مارچ کے عہد نامے پر دربار لاہور کی طرف سے دستخط کرنے والے گواہوں میں نور الدین بھی تھا اور دسمبر 1846ء میں جب وزیر راجہ لال سنگھ دغا بازی کی وجہ سے معزول کیا گیا تو نور الدین اس کونسل ریجنسی کا ایک ممبر مقرر ہوا جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے بالغ ہونے تک سلطنت کا انتظام کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

نور الدین کو 1850ء میں گورنمنٹ عالیہ نے اس کے 20885 روپیہ سالانہ کی تمام جاگیریں اور وظیفے اس کی حین حیات کے لیے مستقل طور پر مقرر کر دیئے۔ اس کے دو بڑے لڑکوں ظہور الدین اور شمس الدین کو علی الترتیب 1720 روپیہ کی اور چھوٹے بیٹوں میں سے ہر ایک کو 540 روپیہ کی نقد پنشنیں عطا کی گئیں۔ 1852ء میں ان کے باپ نور الدین کی وفات پر یہ پنشنیں بڑھا کر علی الترتیب 1200 روپیہ، 400 روپیہ اور 1080 روپیہ کر دی گئیں۔

فقیر ظہور الدین نو عمر مہاراجہ دلیپ سنگھ کا اتالیق مقرر کیا گیا اور مہاراجہ مذکور کے ساتھ فتح گڑھ گیا اور جس طرح سے اپنے فرائض منصبی ادا کیے وہ پورے اطمینان بخش تھے۔ 1851ء کے اخیر میں وہ پنجاب واپس آیا اور 1855ء میں چونیاں کا تحصیل دار مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں اس کی تبدیلی موگا اور پھر لاہور میں ہوئی۔ 1863ء میں اسے ترقی دے کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا۔ 1883ء میں 27 سال ملازمت کرنے کے بعد 315 روپیہ ماہوار پنشن پر اپنے عہدہ سے علیحدہ ہوا اور یہ پنشن 1200 روپیہ سالانہ خاندانی وظیفے کے علاوہ لیتا رہا۔ 1877ء میں اسے گوجرانوالہ میں 500 ایکڑ اراضی عطا کی گئی۔ یہ پراونشل درباری تھا۔ 1893ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا اکلوتا بیٹا نو بہار الدین جو تحصیل دار تھا اس کے انتقال سے پہلے یعنی 1880ء میں فوت ہو گیا۔ ظہور الدین کی لڑکی کی شادی 1877ء میں فقیر قمر الدین کے بڑے لڑکے ظفر الدین سے ہوئی جو ریلوے پولیس کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھا۔

نور الدین کا دوسرا بیٹا فقیر شمس الدین سکھوں کی دوسری لڑائی کے دوران میں قلعہ گوبند گڑھ کا تھانیدار تھا۔ اس عہدہ پر رہ کر اس نے سرکار انگریزی کی بڑی وفاداری کی اور قلعہ ایسے نازک وقت میں انگریزی فوج کے حوالے کیا جب کہ اس کے ذرا سے تامل سے بھی برے

MashalBooks.com

نتائج پیدا ہو جاتے۔1850ء میں اسے شاہدرہ کا تحصیلدار مقرر کیا گیا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے دوسرے ہی سال اس کو اس عہدہ سے مستعفی ہونا پڑا۔1862ء میں شمس الدین شہر لاہور میں آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا۔ وہ بڑا مستعد اور فیاض آدمی تھا چونکہ خود فارغ التحصیل تھا اس لیے اپنے ہم وطنوں کی ترقی تعلیم کی ہر تجویز میں ہمیشہ پیش قدمی کیا کرتا تھا۔ یہ بہت کچھ اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ لاہور میں تعلیم نسواں ایسی عام ہوگئی۔ نیز اس نے ایک علمی مجلس کے جو انجمن پنجاب کے نام سے مشہور ہے قائم کرنے میں بڑی مستعدی سے حصہ لیا۔ فقیر شمس الدین 1872ء میں تین لڑکے چھوڑ کر فوت ہوا۔ سب سے بڑے برہان الدین نے 1866ء میں وکالت شروع کی۔ دوسرے سال یہ نائب تحصیل دار ہو گیا اور جلد ہی ترقی کر کے تحصیل دار اور پھر محکمۂ بندوبست کا سپرنٹنڈنٹ ہو گیا۔1882ء میں اس کو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ چار سال بعد اس کی خدمات ریاست بھوپال نے مستعار لے لیں۔ جہاں یہ 500 روپیہ ماہوار پر نائب وزیر مال مقرر ہوا۔ ان اعلیٰ درجے کی خدمات کے صلے میں جنوری 1888ء میں اسے خان بہادر کا خطاب ملا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد اسے رکھ رائے ونڈ تحصیل لاہور کی قریباً 900 ایکڑ اراضی بطور علی الدوام جاگیر مستقل طور پر دی گئی اور اسے اس قطعۂ اراضی کے حقوق مالکانہ گورنمنٹ نے 1885ء میں باقاعدہ طور پر دیئے۔ اس نے سید نجیب علی بخاری ساکن کانگا گل تحصیل بٹالہ کی لڑکی سے شادی کی اور 1850ء میں لاولد فوت ہوا۔

شمس الدین کا دوسرا بیٹا زین العابدین 1866ء میں وکیل بنا اور 1904ء میں لاولد فوت ہوا۔ شمس الدین کا تیسرا بیٹا شہاب الدین نائب تحصیل دار تھا اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے لاہور کے مدرسوں کا ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ اور راوی کے پتن کا اوورسیر بھی رہا۔ اس کا انتقال 1908ء میں ہوا اور اس کا اکلوتا بیٹا نجم الدین کرنال میں نائب تحصیل دار ہوا۔

ظہور الدین کے اکلوتے بیٹے نو بہار الدین نے دو لڑکے افتخار الدین اور اقتدار چھوڑے جن کی تربیت ان کے دادا نے کی۔ بڑا فقیر سید افتخار الدین ظہور الدین کی وفات پر اس کی جگہ پراونشل درباری ہوا۔ اس خاندان کے اراکین کو دربار کی جتنی کرسیاں ملی تھیں ان سب سے فقیر افتخار الدین کی جگہ اول تھی جو اپنے پڑدادا نور الدین کے سب سے بڑے لڑکے کی اولاد ہونے کی وجہ سے درحقیقت خاندان کا بزرگ تھا مگر اس نے اپنے دادا کے بھائی فقیر

سید قمر الدین کی جس کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی تھی عزت ومحبت کے خیال سے یہ تجویز منظور کر لی کہ قمر الدین کی حین حیات تک اسے درباروں میں قمر الدین کے پیچھے جگہ دی جائے اور اسی کو خاندان کا بزرگ تسلیم کیا جائے۔ افتخار الدین 1886ء میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوا اور اسے ترقی دے کر 1899ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا۔ چند سال تک پنجاب گورنمنٹ کا میر منشی رہنے کے بعد اسے افسر مال بنا کر راولپنڈی تبدیل کیا گیا۔ بعد ازاں اسی ضلع کا اکسٹرا اسسٹنٹ سٹلیمنٹ آفیسر بن گیا۔ 1906ء میں راجپوتانہ کی ریاست ٹونک نے اس کی خدمات مستعار لیں جہاں یہ کونسل کا ریونیو ممبر مقرر رہا۔ اسی سال کے اخیر حصے میں ہنر مجسٹی امیر افغانستان کے ہندوستان میں آنے کے موقع پر گورنمنٹ نے اسے ہز میجسٹی کے عملے میں بطور اتاچی کام کرنے کے لیے مامور کیا۔ پھر 1907ء میں اسے انگریزی سفیر کے مقتدر عہدہ پر مقرر کر کے کابل بھیج دیا گیا جہاں کی خدمات کے صلہ میں اسے سی آئی ای کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے قبضے میں قریباً 1000 ایکڑ زمین لائلپور میں اور دوسو ایکڑ لاہور میں تھی۔ اس کا انتقال 1914 میں ہوا اور اس کا بھائی اقتدار الدین پولیس میں ہے۔

فقیر نور الدین کا تیسرا بیٹا فقیر سید قمر الدین جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خاندان کا بزرگ تسلیم کیا گیا۔ وہ 1827ء میں پیدا ہوا اور جب 20 سال بعد لارڈ ہارڈنگ کو ہندوستان سے رخصت ہوتے الوداع کرنے کے لیے وفد بھیجا گیا تو اپنے باپ کے ہمراہ قمر الدین بھی اس میں شامل تھا۔ اس موقع پر اسے نہایت نفیس خلعت ملا۔ 1848ء میں سر ایف کری ریذیڈنٹ لاہور نے مہارانی کے ساتھ جانے کے لیے جو بنارس میں زیارت کرنے جاتی تھی اسے تعینات کیا اور بعد ازاں وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ذاتی عملے میں مقرر رہا۔ 1882ء میں سر رابرٹ ایجرٹن لفٹیننٹ گورنر پنجاب نے اسے 500 روپیہ کا خلعت دیا اور اسی سال اس کو لاہور تحصیل میں 700 گھماؤں افتادہ زمین کے حقوق مالکانہ عطا کیے گئے جہاں اس نے ایک موضع آباد کیا جس کا نام اپنے دوسرے بیٹے کے نام پر جلال آباد رکھا۔ اس کو 1887ء میں موضع مذکور میں حقوق جاگیر عطا کیے گئے جو اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین کو پہنچے۔ 1905ء میں اسے چناب نہر پر بھی دس مربعے اراضی عطا ہوئی۔ وہ ساٹھ روپے ماہوار پولیٹکل پنشن پاتا تھا چند سالوں تک وہ میونسپل کمیٹی لاہور اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر رہا اور لاہور کے تمام آنریری مجسٹریٹوں میں سے پرانا آنریری مجسٹریٹ تھا نیز پنجاب یونیورسٹی کا سب

سے پرانا فیلو اور پراونشل درباری تھا۔ ان تمام عہدوں پر اس نے بیش بہا خدمات کیں جن کے صلہ میں 1887ء میں ملکہء معظم آنجہانی کی جوبلی کے موقع پر خان بہادر کا خطاب اور یکم جنوری 1909ء کو سی آئی ای کا خطاب ملا۔ وہ لاہور میں جہاں تمام اقوام کے لوگ اس کو محبت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے' ہمیشہ صاحب رسوخ رہا جس کا اس نے اچھا استعمال کیا۔ وہ تاریخی معلومات کا خزانہ تھا اور گفتگو کرنے کے وقت لاہور کی گزشتہ شان وشوکت کی بڑی مزیدار کہانیاں سناتا تھا۔ اس کی معزز وضع اور فرخندہ عادات دونوں پرانے رئیسوں کی یادگار تھے۔ اس کا انتقال 1909ء میں ہوا۔

اس کا سب سے بڑا لڑکا فقیر ظفر الدین لاہور میں ریلوے پولیس کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھا اور اس کی خدمات کے صلہ میں اسے ''خان صاحب'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ یہ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا حسین الدین ضلع منٹگمری میں سب انسپکٹر پولیس اور پراونشل درباری ہے۔ اس نے اپنے محکمہ کی اچھی خدمات سرانجام دی ہیں جن کے عوض میں اسے سندات عطا ہوئی ہیں اور اب یہ خاندان کا موجودہ سرکردہ تسلیم کیا جا چکا ہے۔ قمر الدین کے دوسرے بیٹے جلال الدین نے ایچیسن کالج میں تعلیم پائی اور 1899ء میں منصف مقرر ہوا۔ 1907ء میں اسے ترقی دے کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا۔ اپنے عہدہ سے پنشن لینے کے بعد اپنی وفات تک جو 1938ء میں واقع ہوئی یہ لاہور ہی میں مقیم رہا۔ اس کے قبضہ میں جلال آباد کا موضع تھا جس کا مالیہ معاف تھا اور اس کے علاوہ تحصیل لاہور میں 12 مربعہ جات اراضی تھے۔ فقیر جلال الدین کا سب سے بڑا بیٹا مغیث الدین ٹیریٹوریل فورس میں آنریری لفٹیننٹ ہے۔ خان صاحب ظفر الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے کا نام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنروں کی فہرست میں درج کیا گیا تھا مگر اسے یہ عہدہ نہ مل سکا اس لیے اب اس نے ریلوے میں ملازمت کر لی ہے اور وہ لاہور سٹیشن پر اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر ہے۔ نور الدین کا چوتھا بیٹا فقیر حفیظ الدین پنجاب میں کئی سال تحصیلدار رہ کر 1886ء میں اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوا اس کا اکلوتا بیٹا محمد اقبال الدین 1881ء میں اور یہ خود 1899ء میں فوت ہوا۔

فقیر عزیز الدین کی اولاد میں سے فیروز الدین کا سب سے بڑا بیٹا سلطان الدین تحصیلدار بندوبست تھا اور ملازمت کے دوران میں 1904ء میں فوت ہوا۔ اسی طرح فیروز الدین کا دوسرا بیٹا ناصر الدین بھی فوت ہوا جو وٹرنری انسپکٹر تھا۔ فیروز الدین کا تیسرا بیٹا

نادر الدین محکمۂ پولیس میں کلرک ہے۔ فیروز الدین کے چھوٹے بھائی حسن الدین کے دو لڑکے تھے جن میں سے ایک یعنی فرخ الدین 1916ء میں لا ولد فوت ہوا اور دوسرا یعنی جلال الدین 1916ء میں جنگ عظیم کے دوران میں عراق میں بطور جمع دار ملازم تھا۔ 1919 کے مارشل لاء کے زمانہ میں یہ لاہور میں نائب تحصیلدار مقرر ہوا اور اسی سال تحصیل دار بنا کر پورٹ بلیئر بھیج دیا گیا جہاں یہ ترقی کر کے افسر خزانہ مقرر ہوا اور 1936ء میں اسی عہدہ سے پنشن پائی۔

آج کل اس تواریخی خاندان میں کوئی رکن ایسا نہیں جسے اس کے نامی بزرگوں کی طرح اہمیت دی جا سکے۔

دیوان بہادر دیوان کرشن کشور داڑھی والا

دیوان کرشن کشور داڑھی والا کا خاندان موضع پیال سے جو لدھیانہ اور پٹیالہ کے درمیان واقع ہے آیا تھا اور اس کے اراکین شاہنشاہان اسلام کے زمانہ میں مختلف مالی عہدوں پر مامور رہے۔ جب سکھوں کو عروج ہوا تو جوالا ناتھ نے سکر چکیہ چڑھت سنگھ کے ہاں سلسلۂ ملازمت بطور منشی شروع کیا اور تمام عمر سردار اور اس کے بیٹے مہاں سنگھ کی ملازمت میں بسر کر دی۔ اس کا بیٹا کرم چند اول اول سردار بشن سنگھ معتمد خاص مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں ملازم ہوا لیکن 1813ء میں جب سردار سلسلۂ ملازمت سے کنارہ کش ہو کر بنارس میں فوت ہو گیا تو کرم چند خود مہاراجہ کے وابستگان دولت کے حلقہ میں آ گیا اور رفتہ رفتہ معزز عہدوں پر مامور ہونے لگا۔ 1805ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ مصالح ملکی کو مرکوز خاطر رکھ کر خفیہ طور پر ہردوار گیا تو کرم چند بھی اس کے ہمراہ تھا دوسرے سال وہی ان قراردادوں کو طے کرنے کے لیے مہاراجہ کا ایجنٹ مقرر ہوا جو ریاست لاہور اور جنوبی ستلج کی سکھ ریاستوں کے درمیان ہوئیں۔ کرم چند نے اس عہد نامہ کے مرتب کرنے میں بھی امداد دی تھی جو 25 اپریل 1809ء کو سرکار انگریزی کے ساتھ ہوا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ دفتر لاہور کا (اگر اس جگہ کو دفتر کہا جا سکتا ہے جہاں حساب کتاب باقاعدہ نہ رکھا جاتا ہو) افسر اعلیٰ مقرر ہو گیا تھا۔ مگر جب 1809 میں بھوان داس نے دفتر میں پہلے پہل باقاعدہ حساب جاری کیا تو اس سال سے کرم چند بھوانی داس کے ماتحت کام کرنے لگا اور اپنی وفات کے وقت یعنی 1836ء تک دفتر ہی میں رہا۔

کرم چند کا سب سے بڑا لڑکا تارا چندا بھی بالکل نو عمر تھا کہ ملازمت میں داخل ہو کر 1822 میں دیوان کرپارام کے ماتحت پشاور میں تعینات کیا گیا۔ دوسرے سال اسے ملکی اور فوجی اختیارات دے کر مالیہ جمع کرنے کے لیے کانگڑہ بھیجا گیا اور 1832ء میں وہ فیروز پور میں متعین ہوا تا کہ اس ضلع کے سرکش باشندوں میں امن قائم رکھے۔ بعدازاں تارا چند کو دیوان کا خطاب دے کر بنوں، ٹونک اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا حاکم کر دیا گیا۔ سرحد کے رؤسا میں دلاسہ خاں رئیس بنوں سکھوں کا سب سے زیادہ مخالف تھا۔ اس کے چھوٹے سے قلعہ پر دیوان تارا چند نے جس کے ساتھ دلاوران سکھ کے چیدہ سردار یعنی رئیسان اٹاری، مجیٹھیہ، نکا اور بٹالہ تھے 8 ہزار آدمیوں اور بارہ توپوں کے ساتھ چڑھائی کی مگر ذلت کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور 300 آدمی کام آئے جن میں اٹاری والا جے سنگھ خود بھی تھا نیز 500 آدمی زخمی ہو گئے۔ جب مہاراجہ نے اس شکست کی خبر سنی تو سخت برہم ہوئے اور دیوان پر 7000 روپیہ جرمانہ کر دیا۔ تارا چند کی راجہ سوچیت سنگھ سے بھی جو ڈیرہ جات کا حاکم تھا اور دیوان کی تحکمانہ باتیں نہ اٹھا سکتا تھا بگڑ گئی تھی چنانچہ دیوان بلطائف الحیل بیماری کا عذر اور باقی عمر خدا کی عبادت میں صرف کرنے کی خواہش ظاہر کر کے 1838ء میں پنجاب چھوڑ کر بنارس چلا گیا جہاں وہ 1858 میں فوت ہو گیا۔

کرم چند کا دوسرا بیٹا منگل سین دربار (خالصہ) کے ایک رسالہ کا کمیدان تھا۔ الحاق پنجاب کے بعد اسے 480 روپیہ سالانہ کی پنشن دے دی گی اور وہ نومبر 1864ء میں ایک لڑکا لالہ بڈھا مل چھوڑ کر راہئ ملک بقا ہوا۔ لالہ بڈھا مل پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور 1919ء میں فوت ہوا۔ اس کی اولاد کے بہت سے افراد سرکاری ملازمت میں ہیں۔

کرم چند کا تیسرا بیٹا رتن چند مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بڑا منظور نظر تھا اور سن طفولیت سے دربار کا حاضر باش تھا۔ جب اس کے سبزہ آغاز ہوا تو مہاراجہ نے اس میں اور رتن چند دوگل میں جو اس سے چار سال چھوٹا تھا اور جس کی ابھی مسیں تک نہ بھیگی تھیں امتیاز کرنے کے لیے اس کا نام داڑھی والا رکھ دیا۔ رتن چند 1829ء میں بمشاہرۂ 200 روپیہ ماہوار محکمۂ ڈاک خانہ میں مقرر کیا گیا اور علاوہ اس مشاہرہ کے علاقہ پشاور اور ہزارہ کے محاصل سے اس کا کچھ حق مقرر ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے عہد حکومت میں وہ اسی محکمہ میں رہا۔ دربار سے اسے 2610 روپیہ نقد وظیفہ ملتا تھا اور دینا نگر، کھانو والی، یحییٰ نگر، ٹوان، بھنڈوال،

MashalBooks.com

ہزارہ اور پشاور میں 13600 روپیہ کی جاگیر الگ ملی ہوئی تھی۔ ستلج کی لڑائی کے بعد رتن چند کو پنجاب میں پوسٹ ماسٹر جنرل مقرر کیا گیا اور اس نے 49-1848ء کے زمانہ بغاوت میں بہت اچھی خدمات کیں۔ اس کے محکمہ کو اس موقع پر بڑی مشکلات پیش آئیں مگر وہ اپنی مستعدی اور قابلیت سے ان مشکلات پر غالب آیا۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر اس کی جاگیروں میں سے بعض جن کی مالیت 6800 روپیہ تھی بغیر کسی خدمت کے اس کی حین حیات کے لیے عطا ہوئیں اور دوسو روپیہ کی مالیت کا ایک باغ جو شاہ عالمی دروازہ لاہور کے پاس ہے اس کے ورثا کے لیے علی الدوام واگزار کر دیا گیا۔ رتن چند 1862ء میں شہر لاہور کا آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا۔ وہ نہایت مستعد اور لائق آنریری مجسٹریٹوں میں تھا اور اس کی نیا فاضی کی وجہ سے شہر لاہور میں بڑی رونق ہوگئی تھی۔ رفاہ عام کے کاموں میں اس کا سب سے ممتاز کام یہ ہے کہ اس نے شاہ عالمی دروازہ کے پاس ایک نفیس سرائے اور تالاب تعمیر کرایا۔ شہر کے گرد جو سرحدی باغات ہیں ان کے لگانے میں بھی رتن چند نے بہت سا حصہ لیا اور جب کبھی رفاہ عام کے کسی کام کے لیے روپیہ کی ضرورت پڑی تو اس نے انتہا درجہ کی فراخدلی ظاہر کی۔ جنوری 1865ء میں گورنمنٹ عالیہ نے اسے دیوان کا خطاب عطا کیا اور 1872ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اس کے بڑے بیٹے دیوان بھگوان داس کو 7 جنوری 1874ء کی سند کی رو سے 2585 روپیہ کی جاگیر ملی۔ بھگوان داس لاہور میں آنریری مجسٹریٹ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹی کا ممبر اور پراونشل درباری تھا۔ اس کی پبلک خدمات کا گورنمنٹ عالیہ نے کئی مواقع پر اعتراف کیا اور 1892ء میں اسے دیوان کا موروثی خطاب ملا۔ شہر کی بہتری کے ہر کام میں اسے دلچسپی تھی اور ہر موقع پر اس کی روشن خیالی اور خیر خواہی خلائق کا ثبوت ملتا تھا۔ اس نے بہت سی عمارات بنوائیں جن میں ٹھاکر دوارہ بھی شامل ہے جو اس کے باپ کے بنوائے ہوئے تالاب کے کنارے پر ہے۔ اس کا انتقال 1906ء میں ہوا اور اس کے بیٹے دیوان راج کمار کو آبائی جاگیر و جائیداد کے علاوہ باپ کا خطاب اور درباری کرسی بھی حاصل ہوئی وہ آنریری مجسٹریٹ تھا اور خاندان کا بزرگ اور سرکردہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کا انتقال 1909ء میں ہوا۔

دیوان رتن چند کا چھوٹا بھائی دیوان صاحب ہرنام داس اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور 1896ء میں گورنمنٹ کی ملازمت سے علیحدہ ہوا۔ یہ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا اور چند

MashalBooks.com

سال تک سب رجسٹرار بھی رہا مگر 1907ء میں بوجہ ضعیفی آخر الذکر عہدہ سے مستعفی ہو گیا دیوان صاحب ہرنام داس کو اس کی عمدہ خدمات کے صلہ میں نہر چناب کی شاخ گوگیرہ پر 6 مربعے زمین عطا ہوئی اور 1916ء میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا موتی رام تحصیل دار کے عہدہ تک پہنچا اور اب اسی عہدہ کی پنشن پا رہا ہے۔ یہ بڑا صاحب لیاقت اور صاحب قلم ہے اور ایک شاعر کی حیثیت سے فارسی کی بہت سی نظموں کا مصنف ہے او گورنمنٹ عالیہ کی طر ف سے اسے دیوان کا امتیازی طور پر خطاب حاصل ہے دیوان موتی رام کا اکلوتا بیٹا لالہ درگا داس ضلع کرنال میں ڈپٹی کلکٹر نہر ہے۔

دیوان راجکمار کے لڑکے دیوان کرشن کشور نے جواب خاندان کا بزرگ اور سرکردہ ہے سنٹرل ماڈل سکول اور گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ 1908ء میں یہ شہر لاہور کا آنریری مجسٹریٹ مقرر ہو کر 1936ء تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ اس نے خاندانی جائیداد' موروثی خطاب اور پراونشل درباروں میں اپنے باپ کی جگہ حاصل کی اور 1911ء میں اسے شہنشاہ معظم جارج پنجم آنجہانی کی تاجپوشی کے موقع پر ایک سٹرفکیٹ عطا ہوا۔ 1919ء میں اسے ایک اور سٹرفکیٹ ان کوششوں کے صلہ میں عطا ہوا جو اس نے ہندوستانی قرضۂ جنگ کے متعلق کی تھیں اور بعد ازاں اسی سال یعنی 1919ء کی پنجاب کی شورشوں کے دوران میں اچھی خدمات سرانجام دینے کے عوض میں ایک سند بمعہ 200 روپیہ کی خلعت کے عطا ہوئی۔ 1922ء میں اسے دیوان بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ یہ فرقہ سناتن دھرم کا بڑا سرکردہ اور معزز رکن ہے۔ دیوان بہادر دیوان کرشن کشور کئی سال تک ایچیسن چیفس کالج اور کوئین میری کالج کی انتظامیہ کمیٹیوں کا ممبر بھی رہا اور یہ فلموں کے سنسر بورڈ اور کئی بجلی' کھانڈ اور بنکوں کے بورڈوں میں بھی شامل ہے۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے ہری کشن داس نے بی اے تک تعلیم حال کی ہے اور دوسرا بیٹا کیشور داس بی اے ایل ایل بی اور ایک کھانڈ کی کمپنی کا انتظام کر رہا ہے۔ اس کا چوتھا بیٹا ہری بھجن داس انگلستان میں ایرونٹیکل انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

گوسوامی پنڈت بھگوان داس سرگباشی

گوسوامی پنڈت بھگوان داس سرگباشی اس خاندان کے متعلق 1244ء یعنی علاء الدین مسعود بادشاہ دہلی کے عہد تک کی روایات موجود ہیں۔ مذکورہ سال میں مسلمانوں کی سختی کی

وجہ سے دوسرے ہندوؤں کے ساتھ یہ خاندان بھی متبرک شہر متھرا سے نقل مکانی کر کے اچ میں جو ملتان کے نزدیک ہے آ گیا۔ تعجب ہے کہ اس شہر کو اس خاندان نے اپنا نیا وطن بنانے کے لیے منتخب کیا جہاں متھرا کی نسبت زیادہ آسائش کبھی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ فرشتہ کی تحریر کے بموجب اسی زمانہ میں مغلوں کی ایک فوج قندھار سے آ کر اس ملک پر چھا گئی تھی۔ کچھ زمانہ بعد یہ خاندان لاہور میں آباد ہوا مگر جب بھلے دن آ گئے تو اپنے پرانے وطن متھرا میں چلا گیا۔ رادھا کشن کا ایک بزرگ نرائن داس نامی اپنی علمیت اور پارسائی کے لیے مشہور تھا اور نابھہ جی کی بھگت مالا میں اس کا ذکر ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کا ایک فرمان جس کی رو سے نرائن داس کے پوتے کشن لال کو متھرا میں 24 بیگھ زمین ان پھولوں کی کاشت کے لیے دی گئی تھی جو ہندو لوگ پوجا کے وقت استعمال کرتے ہیں ابھی تک موجود ہے۔ اس کاغذ کے سچا ہونے کا ہر ایک طرح کا ثبوت ہے اور اس پر 1610 تاریخ ثبت ہے۔

کشوری لال کا بیٹا برج بھوشن برہمنوں میں دقیانوس ثانی تھا۔ شہنشاہ شاہ جہاں نے اس کی پاکیزگی کی بابت سن کر کہا کہ ''ہن'' مخفف ہے ''ہنسا'' کا جس کے معنے سنسکرت میں گناہ ہیں اور ''دو'' مخفف ہے ''در'' بمعنی دور کا اور اس طرح ہندو کے معنی ''گناہوں سے دور'' کے ہیں ایسا خوش ہوا کہ اس نے برج سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ برج بھوشن نے کہا: تو پھر مجھ پر یہ مہربانی کرو کہ آئندہ کبھی مجھ سے ملنے نہ آنا۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں برج بھوشن کا سب سے چھوٹا بیٹا کیول نین راجہ جے سنگھ اول کے بھیجنے پر جے پور گیا۔ یہاں اسے ایک مندر سپرد ہوا جس کی پرداخت کے واسطے ایک جاگیر تھی جو ابھی تک اس کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ اس کا پوتا منسی دھر بڑا بزرگ آدمی تھا اور بھرت پور کا مشہور راجہ سورج مل بھی اس کے مریدوں میں تھا۔

برج راج (جیسا کہ وہ عام طور پر مشہور تھا) یا برج لال اٹھارویں صدی کے قریباً وسط میں لاہور آ بسا۔ بھنگی جو اس زمانے میں لاہور کے حاکم تھے اس کی بڑی عزت کرتے تھے اور جب رنجیت سنگھ کو عروج ہوا تو اسے پنڈت بنایا گیا اور مہاراجہ کو سنسکرت کی متبرک کتابیں پڑھ کر سنانے اور ان کا مطلب بیان کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اپنی وفات یعنی 1833ء تک یہ اسی عہدے پر ممتاز اور مہاراجہ کا بڑا منظور نظر رہا۔ اپنے باپ کی طرح پنڈت مادھوسودھن بھی بڑا فاضل آدمی تھا اور لاہور میں کوئی دوسرا پنڈت نہ تھا جو سنسکرت کے علم وادب سے اتنی

واقفیت رکھتا ہو جتنی پنڈت مادھو سودھن کو تھی۔ 1808ء میں اسے دانا دخش یا مہاراجہ کے خیرات خانے کا منتظم اور دربار کا پنڈت مقرر کیا گیا اور ان دونوں عہدوں پر الحاق کے زمانے تک مامور رہا۔ مادھو سودھن نے امرت سر کے بڑے ساہو کار اسر بوتالیہ کی لڑکی سے شادی کی۔ وہ مہاراجہ کا بڑا منظور نظر تھا جس نے 1824ء میں اس کے بیٹے رادھا کشن کو نوجوان راجہ ہیرا سنگھ کا جس کی بعد کی کمینہ اور عیاشانہ زندگی تعلیم یافتہ ہونے کی منافی تھی اتالیق مقرر کر دیا۔ رادھا کشن جو اپنے باپ کی طرح دربار کا پنڈت تھا 1846ء میں نوجوان مہاراجہ دلیپ سنگھ کی تعلیم کی نگرانی کے لیے مقرر ہوا۔

سکھوں کے عہد میں پنڈت مادھو سودھن کے قبضہ میں 9935 روپیہ مالیت کی جاگیریں تھیں۔ ایک موضع قلعہ گوجر سنگھ نامی برج لال اور اس کے ورثاء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ''دھرم ارتھ'' کے طور پر ہمیشہ کے لیے دے رکھا تھا دوسرے مواضعات جو جاگیری میں شامل تھے خود مادھو سودھن کو عطا کیے گئے تھے۔ یہ مواضعات 1851ء میں تاحین حیات واگزار ہوئے اور لاہور اور دینا نگر کے دو باغات بھی دواماً اس کو عطا ہو گئے۔

پنڈت مادھو سودھن 1863ء میں فوت ہوا اس کا اپنے تین بڑے لڑکوں سے سخت جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے اس نے ساری جائیداد مع علی الدوام جاگیر کے اپنے چوتھے بیٹے دیوی دتا پرشاد کے نام کر دی جو اس کی دوسری بیوی کے بطن سے تھا۔ جائیداد کی اس تقسیم کا دوسرے ورثاء نے عدالتہائے دیوانی میں جھگڑا کیا مگر آخر کار صلح ہو گئی۔ دیوی دتا پرشاد کے پاس علاوہ لیہ جاگیر کے جو تمام لڑکوں کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم کر دی گئی تمام املاک رہے۔ دیوی دتا پرشاد 1876ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا پنڈت جوالا دتا پرشاد جانشین ہوا جو پروانشل درباری تھا مگر ڈویژنل دربار میں اس کی کرسی اس کے چچیرے بھائی امرناتھ سے نیچے تھی۔

1861ء میں ہر کشن اپنے باپ سے پہلے فوت ہو گیا۔ وہ سکھوں کی سلطنت میں ایک مقتدر عہدہ پر مامور تھا اور اسے 900 روپیہ کی مالیت کی جاگیر کے علاوہ وہ تنخواہ بھی ملی ہوئی تھی جو اسے قانون دھرم شاستر کے منصف کی جگہ پر کام کرنے کی وجہ سے ملتی تھی۔ اس کی وفات پر اس کی جاگیریں ضبط ہو گئیں اور اس کی بیوہ کے نام حین حیات کے لیے 180 روپیہ سالانہ کی ایک پنشن جاری رکھی گئی۔ یہ ایک لڑکا امرناتھ چھوڑ کر فوت ہوا جو لاہور کا آنریری مجسٹریٹ اور ڈویژنل درباری تھا۔ پنڈت بنسی لال کی وفات سے جو 1897ء میں واقع ہوئی امرناتھ

MashalBooks.com

خاندان کا بزرگ تسلیم کیا گیا۔ پنڈت رادھا ناتھ 5270 روپیہ کی مالیتی جاگیر میں سے 4700 روپیہ کی جاگیر حین حیات کے لیے اور 100 روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ایک باغ بطور علی الدوام واگزار ہوئے۔ رادھا کشن 1875ء میں فوت ہوا۔ یہ مشہور آدمی تھا اور لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ تعلیم کی ترقی کے بارے میں اس نے بہت سی کوششیں کیں۔ وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے پہلے پہل تعلیم نسواں کی ترویج میں کوشش کی اور جب امریکن مشن نے لاہور میں ایک انگریزی سکول کھولا تو پنڈت رادھا کشن کے لڑکے ان طلبا میں تھے جو اس میں سب سے پہلے داخل ہوئے۔ اس نے اپنے لڑکوں میں سے ایک کو لاہور میڈیکل کالج میں اس وقت تعلیم کے لیے بھیجا جب کہ ابھی لوگ اس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ پنڈت سنسکرت کا بڑا اعلیٰ درجے کا فاضل تھا اور قوانین اہل ہنود میں اس کو اچھی مہارت حاصل تھی۔

جب پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی تو پنڈت رادھا کشن اس کی خوبیاں بیان کرنے کے لیے پنجاب کی مختلف ریاستوں میں گیا اور اس طرح سے اس نے بہت سے والیان ریاست سے چندے وصول کیے۔ ان خاص خدمات اور اس کی علمی لیاقتوں کی وجہ سے پنڈت یونیورسٹی کا ممبر اور سنسکرت کے ممتحنوں کی کمیٹی کا ایک رکن مقرر کیا گیا۔ لنڈن کی زبان سنسکرت کی سوسائٹی نے اسے اپنا ممبر بنانے کی عزت بخشی۔ اس نے سنسکرت کی گریمر' ہندو ادویات کا ایک رسالہ اور عالمانہ کتابیں شائع کیں۔ سر ڈانلڈ مکلیوڈ پنڈت کی بڑی عزت کرتے تھے ان کا سرٹیفکیٹ پنڈت کی لیاقت کے بارے میں درج کرنے کے قابل ہے جو اسے 22 اگست 1870ء کو ملا۔

پروفیسر گولڈزٹکر نے پنڈت کی سنسکرت کتابوں کے کتب خانہ کی فہرست دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔ ''یہ کتب خانہ عالیشان اور مالا مال ہے۔ بہت سی کتابیں اس میں ایسی ہیں کہ یورپ میں کسی کو ان کا پتہ تک نہیں۔'' 1884ء میں گورنمنٹ پنجاب نے تحصیل چونیاں کی دو ہزار ایکڑ اراضی کے حقوق مالکانہ مستقل طور پر رشی کیش کے نام اس لیے کر دی کہ اس نے اراضی مذکور کے نصف حصہ کو پندرہ سال کے اندر اندر مزروعہ بنا لینے کی شرط کو پورا کر دیا تھا۔ اس موضع میں جس کا نام کوٹ رادھا کشن ہے اور جو لاہور اور ملتان کی درمیانی ریلوے سڑک پر واقع ہے پنڈت نے ایک باغ' ایک آرام دہ بنگلہ مع نوکر خانوں کے اور ایک تالاب بنوائے اور ہر ایک طرح اپنی اس جائیداد کو ترقی دی۔ پنڈت رشی کیش کے نام اس کی حین حیات کے لیے 1200 روپیہ کی مالیت کی ایک جاگیر جاری رکھی گئی اور باقی ماندہ خاندانی جاگیر رادھا کشن

کی وفات پر ضبط ہوگئی۔اس جاگیر کے علاوہ رشی کیش کے قبضہ میں متذکرہ بالا موضع کوٹ رادھا کشن بھی تھا جس کی آمدنی قریباً 6 ہزار روپیہ تھی۔

پنڈت رشی کیش 1878ء میں لاہور میں آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا۔ 1870ء میں میونسپل کمیٹی کا اور اپنے باپ کی جگہ پنجاب یونیورسٹی سنیٹ کا ممبر بھی بنایا گیا۔ رشی کیش 1888ء میں فوت ہوا اور ہر مذہب وملت کے آدمیوں کو اس کا افسوس ہوا۔

اس کا بڑا بیٹا پنڈت بنسی لال جو اس کا جانشین ہوا 1897ء میں لاولد فوت ہوا اور اپنی اراضی واقع تحصیل چونیاں اور لاہور کے قریب ایک چھوٹا سا باغ اپنی بیوگان کے نام چھوڑ گیا۔ اس کی وفات پر پنڈت امرناتھ نے اس کی درباری کرسی اور خاندان کی جاگیر کا ایک تہائی حصہ حاصل کیا۔ جاگیر مذکور کا اسی قدر حصہ پنڈت جوالا دتا پرشاد کے پاس تھا اور باقیماندہ تیسرا حصہ سوہن لال اور پنا لال کے پاس مشترک طور پر تھا۔ پنڈت امرناتھ کی علاوہ اس جاگیر کے تحصیلات لاہور اوشرقپور میں کچھ اراضی اور لاہور میں کچھ مکانات پر ملکیت تھی۔ یہ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے بھرتی اور قرضہ جنگ کے جمع کرنے کے کاموں میں مدد دی اور اس کے علاوہ اتحادیوں کی فتح ونصرت کی دعا مانگنے کے طور پر دریائے راوی کے کنارے کئی دنوں تک یگیہ (جو ایک مذہبی دعائیہ رسم ہے) کی رسم ادا کی اور اسے جنگ کی خدمات کے عوض ایک سند عطا ہوئی اور اسے ضلع شیخوپورہ میں 8 مربعہ جات اراضی عطا کیے گئے تھے۔ پنڈت بنسی لال کی بیوگان کے بے اولاد فوت ہو جانے پر اس کی تمام زرعی جائیداد بھی پنڈت امرناتھ کے حصہ میں آئی اور اس کا انتقال 1909ء میں ہوا۔

پنڈت امرناتھ کی جگہ اس کا بڑا بیٹا پنڈت بھگوان داس جانشین ہو کر خاندان کا سرکردہ تسلیم کیا گیا۔ گوسوامی پنڈت بھگوان داس کئی سال تک پنجاب میں تحصیل دار رہا۔ مگر اس کی ملازمت کا ایک زمانہ ریاست پونچھ میں گزرا جہاں یہ بطور مستعار افسر لیا گیا تھا۔ پنڈت بھگوان داس پروانشل درباری تھا۔ اس نے جنگ عظیم کے دوران میں اپنی تحصیل داری کی حیثیت سے ضلع امرتسر سے بہت سے رنگروٹ بھرتی کروائے۔ اسے جنگی خدمات کے صلہ میں ایک جنگی تمغہ ایک سند اور 200 روپیہ کا نقد خلعت عطا ہوئے۔ اکالی شورش کے متعلق بھی اس نے بہت مفید کام کیے اور یہ ایکٹ اصلاح کی بعض دفعات سے مستثنیٰ تھا۔ گوسوامی پنڈت بھگوان داس کی اضلاع لاہور، امرتسر اور شیخوپورہ میں بہت سی زرعی اور سکنی جائیداد تھی۔ اس

MashalBooks.com

کے بھائی گوسوامی شمبھو ناتھ نے بھی (جواب فوت ہو چکا ہے) جنگ عظیم کے دوران میں بحیثیت تحصیلدار گورنمنٹ عالیہ کی قیمتی خدمات سرانجام دیں اور اسے بھی 200 روپیہ نقد کا ایک خلعت اور گورنمنٹ کی ایک تعریفی چٹھی عطا ہوئی تھی۔ پنڈت بھگوان داس 1939ء میں دولڑکے چھوڑ کر فوت ہوا۔ بڑا لڑکا شو چرنداس لاہور میں ایڈووکیٹ اور چھوٹا پنڈت کدار ناتھ سائینس کا بی اے ہے اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ پنڈت شو چرنداس نے بٹالہ میں اکالی شورش کے زمانہ میں کچھ خدمات سرانجام دیں جس کی تصدیق ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے کی۔

خاندان کی چھوٹی شاخ میں پنڈت شودت پرشاد قابل ذکر ہے جس نے ایک گوشہ نشین کی سی زندگی اختیار کر کے سنسکرت کی تعلیم میں اپنے آپ کو منہمک رکھا ہوا ہے۔ اس کا بیٹا پنڈت مدن موہن بی اے میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ پنڈت امرناتھ کے چھوٹے بیٹے پنڈت شمبھوناتھ نے اینچیسن کالج میں تعلیم پائی اور بعدازاں تحصیل دار مقرر ہوا۔

شیخ غیاث الدین احمد

شیخ غیاث الدین احمد

شیخ اجالا سردار بھوپ سنگھ رئیس ہوشیار پور کے ہاں منشی تھا۔ اس کے بیٹے غلام محی الدین کی طرف جو کہ ابھی بچہ ہی تھا مشہور و معروف جنرل محکم چند کے بیٹے دیوان موتی رام کی توجہ ہوگئی جس نے اسے اپنے دوسرے بیٹے شیو دیال کا مصاحب بنا دیا۔ اس عہدہ پر جلدی ہی وہ ایک مقتدر آدمی بن گیا اور شیو دیال کے سب کاموں کا اہتمام کرنے لگا۔ شیو دیال کے بھائی رام دیال اور کرپا رام بھی اس نوجوان پر مہربانی کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اس کی بہتری کے خواہاں تھے۔

1823ء میں جب محمد عظیم خاں والئی کابل نے سکھوں پر حملہ کرنے کے لیے پشاور پر یورش کی تو مہاراجو رنجیت سنگھ کی یہ خواہش تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو افغانوں کو ایسی ترغیب دی جائے کہ وہ بغیر لڑے واپس چلے جائیں چنانچہ کرپا رام نے غلام محی الدین کو پیش کیا کہ یہ شخص اس معاملے کے سرانجام دینے کے لیے سب سے بہتر ہے اس کام پر اسی کو مقرر کیا گیا اور اس

نے محمد عظیم خاں کے پیر کو رشوت دی کر بہکا لیا جس نے محمد عظیم سے اصرار کیا کہ وہ واپس چلے اور اپنے اہل وعیال اور خزانے کو جو مچنی میں ہیں سکھوں سے بچائے جن کا ارادہ اس علاقے پر قبضہ کرنے کا ہے۔ محمد عظیم خاں کا بھائی یار محمد خاں بھی سکھوں کے زیر اثر آ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج افغاناں فوراً ہی توڑ دی گئی اور حالت پریشانی میں مچنی اور جلال آباد کی طرف ہٹ گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کر لیا اور اس نے زیادہ عرصہ ٹھہرنا مصلح کے خلاف سمجھ کر یہ علاقہ یار محمد خاں اور دوست محمد خاں میں تقسیم کر دیا اور لاہور واپس آ گیا۔

مہاراجہ کے پشاور سے روانہ ہونے سے پہلے غلام محی الدین محمد عظیم خاں کے پاس مہاراجہ کی طرف سے سفیر ہو کر بھیجا گیا وہاں اس نے جا کر پشاور کی فتح کا حال اور علاقہ مذکور کو اس کے دونوں بھائیوں کے جنہوں نے اس کے ساتھ دغا کی تھی حوالے کر دینے کی بابت بیان کیا۔

اس خبر کے غم وغصہ نے سردار موصوف پر ایسا اثر کیا کہ وہ بیمار پڑ گیا اور 22 دن کے بعد مر گیا۔

1827ء میں جب کرپارام کشمیر کا گورنر مقرر ہوا تو غلام محی الدین اپنے مربی کے ہمراہ کشمیر چلا گیا اور یہاں کرپارام کے سارے کاروبار کا مختار کل ہو گیا مگر بعد ازاں ملازمت سے علیحدہ ہو کر کچھ عرصہ تک بے کار رہا یہاں تک کہ بھائی رام سنگھ نے جو شہزادہ نونہال سنگھ کی مصالحت میں ایک ایسا آدمی رکھنا چاہتا تھا جس میں اس کے دشمن دیوان حاکم رائے کے زور کو توڑنے کی کافی قابلیت رکھتا ہو غلام محی الدین کو شہزادہ موصوف کی خدمت میں مامور کر دیا۔

اس عہدہ پر مامور ہوتے ہی یہ بہت جلد شہزادہ کا منظور نظر ہو گیا اور 1839ء میں اسے دوآبہ جالندھر کا ناظم بنایا گیا اور دوسرے سال کے موسم گرما میں منڈی کے راجپوتوں کو زیر کرنے کے لیے جنرل ونچورا کے ساتھ بھیجا گیا۔

جب نونہال سنگھ 5 نومبر کو مارا گیا تو شیخ ابھی پہاڑی ملک میں تھا مگر وہ فوراً لاہور واپس آ گیا اور آنجہانی شہزادے کی ماں مائی چندر کور جانبدا ہو گیا۔ پھر شیر سنگھ تخت پر بیٹھا تو غلام محی الدین نے اپنے سچے ہونے کا ایسا یقین دلایا کہ جنرل میہاں سنگھ ناظم کشمیر کے 17 اپریل 1841ء کو اپنے آدمیوں کے ہاتھ سے مارے جانے کی خبر آئی تو شیخ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ چنانچہ وہ فوراً کشمیر روانہ ہوا اور اس کا بیٹا امام الدین خاں دوآبہ جالندھر کی نظامت کا اختیار لینے کے لیے منڈی سے بلایا گیا۔

راجہ گلاب سنگھ غلام محی الدین کے ساتھ کشمیر میں امن وامان قائم کرنے کے لیے بھیجا

MashalBooks.com

گیا۔ اول الذکر کے ساتھ پہاڑی فوج تھی اور آخر الذکر کے ساتھ جالندھر کی فوج تھی جس میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ ہزارہ کی فوج اور پکھلی دھمتوڑ کے افغان جو باغی ہو گئے تھے تھوڑی سی لڑائی کے بعد مطیع کیے گئے آخر میں باغیان کشمیر کو شکست دی گئی اور ان کو تتر بتر کر دیا گیا۔

پہاڑی علاقے میں بڑا آدمی سلطان زبردست راجہ مظفر آباد تھا۔ اس کا دارالخلافہ جس میں تھوڑی سی سکھ فوج مقیم تھی ہزارہ سے کشمیر آتی ہوئی سڑک پر واقع تھا۔ سلطان زبردست خاں شیر سنگھ کی طرفداری میں سلطنت لاہور کا خیر خواہ تھا اور کشمیر کا غدر فرو کرنے میں اس نے اچھی خدمت کی تھی۔ شیر سنگھ کی وفات کے دو مہینے بعد اس رئیس کو غلام محی الدین نے پکڑ کر قید کر لیا اور اس کی جاگیر ضبط کر لیں۔

اگست 1844ء میں حبیب اللہ خاں رئیس پکھلی نے قلعہ کھوری کے سکھوں پر حملہ کیا مگر غلام محی الدین نے 500 آدمی ان کی امداد کے لیے بھیج دیئے جنھوں نے باغیوں کو پسپا کر دیا اور حبیب اللہ خاں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد ہی راجہ سلطان خاں رئیس کھوری نے حبیب اللہ خاں کے ایک لڑکے اور دوسرے پہاڑی رؤساء کے ساتھ شامل ہو کر کھوری پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا پھر اکتوبر میں مظفر آباد کی طرف کوچ کیا اور قلعوں پر حملہ کیا۔ غلام محی الدین نے اہل قلعہ کی امداد کے لیے قریباً اپنے سارے سکھ دستے بھیج دیئے مگر باغیوں نے جنھوں نے قصبے کو جلا دیا اور ان سکھ قیدیوں کو مار دیا جو اسلام قبول نہ کرتے تھے اس فوج پر حملہ کر کے شکست دی۔ اب راجہ زبردست خاں کا لڑکا اور دھوبتیا اور اوری راجگان بھی باغیوں کے ساتھ مل گئے جو اسقدر طاقتور ہو گئے کہ انہوں نے نومبر میں بارہ مولا چھین لیا اور پرگنہ ساؤپور پر جو دارالخلافہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے قبضہ کر لیا۔

غلام محی الدین نے اب اول مرتبہ دربار لاہور کو اس سرکشی کی اطلاع کی۔ جنرل گلاب سنگھ پاوندیہ کو اس وقت پشاور کی طرف جا رہا تھا حکم ملا کہ اپنی فوج سمیت کشمیر کی طرف بڑھے۔ کمک بھی پونچھ اور جموں کے رستے بھیجی گئی مگر وہ فوج جسے راجہ گلاب سنگھ نے بھیجا تھا سخت برف کا بہانہ کر کے رہ گئی۔ دراصل وجہ یہ تھی کہ گلاب سنگھ دل و جان سے اس وقت تک شامل ہونا نہ چاہتا تھا جب تک کہ اس کا ذاتی فائدہ نہ ہو مثلاً نمک کی کانوں کا ٹھیکہ اسی کے پاس رہے۔ ہزارہ پر اسے پھر قبضہ مل جائے یا روساء پر (جیسے چتر سنگھ اٹاری والا جس نے گزشتہ جھگڑے میں اس کی طرف داری کی تھی) مہاراجہ کی دوبارہ نظر عنایت ہو جائے۔

MashalBooks.com

ان دستوں کا جو پونچھ کے رستے گئے تھے غلام محی الدین خاں کا بیٹا امام الدین خاں کمیدان تھا۔ یہ نوجوان آدمی گوشہزادہ نونہال سنگھ کے ماتحت ڈیرہ جات میں خدمات کرتا رہا تھا مگر کبھی میدان جنگ میں نہ آیا تھا اور اس لیے جنگی شہرت نہ رکھتا تھا۔ یہ اس مہم کشمیر میں بڑی نارضا مندی سے اور صرف یہ سمجھ کر جانے پر راضی ہوا تھا کہ خود سکھ فوج میرے ہمراہ نہ جائے گی کیونکہ فوج اسے بھائی گورمکھ سنگھ اور مسر بیلی رام کا قاتل سمجھ کر اس سے سخت نفرت کرتی تھی۔

اس اثنا میں سارے کشمیر پر باغی چھا گئے اور غلام محی الدین قلعہ ہری پربت میں محصور ہو کر بیٹھ رہا۔ ادھر مسلمان دستے باغی ہو گئے ادھر پہاڑی راجگان لڑائی پر مستعد تھے اور سکھوں کو معلوم ہو گیا کہ علاقہ پھر فتح کرنا نہایت مشکل ہے۔

پکھلی اور دھمتور کے یوسف زئیوں اور خاکہ اور بھمبہ کی قوموں میں یہ بغاوت مذہبی تھی اور ایک آدمی جو اپنے آپ کو سید کا خلیفہ کہتا تھا پیدا ہو گیا اور تمام تند مزاج باشندے ہزارہ اور کشمیر کے حملے میں اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

گلاب سنگھ پاوندیہ اور دیوان مول راج کی فوج آخر کار مظفر آباد کی طرف بڑھی اور وہاں قلعے کی فوج کو تقویت پہنچائی۔ بعد ازاں اس نے وادی کی طرف کوچ کیا اور ذرا سخت لڑائی کے بعد باغیوں کو شکست دی گئی۔ راجہ زبردست خاں کو مظفر آباد میں پھر گدی پر بٹھایا گیا اور گرد و نواح کے راجے اس کے ماتحت کیے گئے۔ فروری 1845ء میں شیخ غلام محی الدین نے سرکار انگریزی سے خط و کتابت کرنے کی کوشش کی جس کے ساتھ اس نے اپنی طرف سے اور راجہ رحیم اللہ خاں رئیس راجوری کی طرف سے اطاعت قبول کی مگر سرکار انگریزی نے اس کی درخواست کو نامنظور کیا اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا (جس کی وجہ یقینی طور پر یہ سمجھی جاتی تھی کہ اسے زہر دے دیا گیا ہے) اور اس کا بیٹا امام الدین خاں جو اس وقت کشمیر میں تھا اس کی جگہ ناظم بنا۔

یہ دونوں ''شیخ'' (جس نام سے باپ اور بیٹا مشہور تھے) سرکار لاہور کے لیے اس وجہ سے بھی زیادہ کارآمد اور مفید تھے کہ یہ مالیہ وصول کرنے میں اکثر سختی کیا کرتے تھے۔ سرکار لاہور کی اسی وفاداری کی وجہ سے اس وقت کے اکثر سکھ امراء ان کو اچھا نہ سمجھتے تھے مگر یہ اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے اکثر دوسروں پر غالب رہتے تھے اور سرکار کی نظروں میں ان کی عزت

و وقعت ہمیشہ بنی رہتی تھی۔ مالیہ کی وصولی میں سختی کرنے کی وجہ سے گو یہ عوام میں ہر دلعزیز نہ تھے مگر سرکار کی نگاہ میں ان کی عزت ہمیشہ قائم رہی۔ جب کشمیر 16 مارچ 1846ء کے عہد نامہ کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالے کیا گیا تو امام الدین خاں وہاں کا ناظم تھا مگر کشمیر کا اس طرح دیا جانا لاہور میں کسی کو پسند نہ تھا اور وزیر راجہ لال سنگھ کو خاص کرنا گوار تھا کیونکہ گلاب سنگھ ہمیشہ اس کا حریف اور دشمن رہا تھا چنانچہ اس نے امام الدین خاں سے تاکید کر دی کہ مہاراجہ کی مخالفت کرے اور فوج کو یہ ہدایت کی کہ بلا عذر شیخ کا حکم مانے چنانچہ امام الدین خاں نے دربار لاہور کے سخت حکم کی جو کرا سے کشمیر خالی کر دینے کے لیے بھیجے گئے تھے پرواہ نہ کی اور مہاراجہ کی بہت سی فوج کو رشوت دے کر اپنی طرف کر لیا نیز رحیم اللہ خاں والی راجوری کے بیٹے فقیر اللہ خاں اور دیگر پہاڑی رؤسا کی امداد سے بہت سے حصہ ملک پر اس وقت تک قبضہ رکھا جب تک کہ لاہور سے اس کے خلاف ایک بڑی فوج نہ بھیجی گئی۔

جب یہ فوج وادی کشمیر کی سرحد تک پہنچ گئی اور شیخ نے دیکھ لیا کہ اس کی مزید مزاحمت بالکل فضول ہو گی تو وہ کرنل لارنس کے کیمپ واقع تھنہ میں آیا اور اطاعت قبول کر لی۔ اس وقت اس نے دو چٹھیاں اور اپنی ماتحت فوج کے نام کا ایک فرمان پیش کر کے کہا کہ ان میں راجہ لال سنگھ کی ہدایات درج ہیں جن کی تعمیل میں اس نے سب کارروائی کی ہے۔ بہر حال فوج کی لاہور واپسی پر لال سنگھ پر بھی مقدمہ کیا گیا۔ یہ پورے طور ثابت ہو گیا کہ دونوں چٹھیاں اور فوج کے نام فرمان اسی نے بھیجے تھے اس لیے لال سنگھ پر بالارادہ دغابازی کرنے کا جرم لگایا گیا۔ وزارت سے اسے معزول کیا گیا اور آگرے کی طرف شہر بدر کر دیا گیا۔ شیخ امام الدین پر اگرچہ یہ ثابت ہو گیا کہ لال سنگھ کی دغابازی میں یہ اپنی مرضی سے شامل تھا مگر اسے معاف کر دیا گیا اور لاہور کی جائیداد جو اس کی دوسری جائیداد کے ساتھ ضبط کر لی گئی تھی واپس دے دی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام الدین باوجودیکہ باغیوں کے سرغنوں نے اس کو اپنی طرف ملانے کی بہت کوشش کی اپنی سرکار کا خیر خواہ رہا۔ جون 1848ء کو دو ہزار آدمیوں کی نئی بھرتی شدہ فوج کے ساتھ کوچ کر کے وہ لیفٹیننٹ (سر ہربرٹ) ایڈورڈز کی فوج کے ساتھ جا ملا خود اس نے اور اس کی فوج نے اچھی خدمات کیں اور باغیوں کے ساتھ کئی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں کیے۔ جب امن ہو گیا تو اس نے اپنی خدمات کے صلے میں خطاب نواب اور جین

حیات کے لیے11600 روپیہ کی نقد پنشن حاصل کیے نیز اس کی8400 روپیہ کی جاگیر مستقل طور پر اس کے نام کر دی گئی۔ 1857ء میں گورنمنٹ کے حکم کے بموجب اس نے دہلی پر خدمات کرنے کے لیے رسالے کے دو دستے بھرتی کیے۔ وہ40 سال کی عمر پا کر مارچ1859 ء میں ایک لڑکا شیخ غلام محبوب سبحانی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔

1862ء میں پنجاب گورنمنٹ کی سفارش پر گورنمنٹ عالیہ نے غلام محبوب سبحانی کی جاگیر میں سے5600 روپیہ کی جاگیر دواماً اور باقی2700 روپیہ کی جاگیر تاحین حیات واگزار فرمائی۔ شیخ غلام محبوب سبحانی اپنی زندگی کا زیادہ حصہ لاہور میں گزارنے کے بعد جہاں اس نے عوام الناس کے کاموں میں کبھی حصہ نہیں لیا1903ء میں بمقام دہلی دربار تاجپوشی کے موقع پر جس میں شامل ہونے کے لیے گورنمنٹ نے اسے مدعو کیا ہوا تھا فوت ہوا چونکہ اس کے دونوں لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اس نے کوئی جائز وارث نہیں چھوڑا۔ اس کی لڑکی زندہ ہے اور سرکار سے1200 روپیہ سالانہ پنشن پاتی ہے۔ اس کی جاگیر گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہے مگر اس کے چچیرے بھائی شیخ نصیر الدین نے غلام محبوب سبحانی کی ذاتی جائیداد ورثہ میں پائی اور خاندان کا بزرگ بنایا گیا۔

شیخ نصیر الدین پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور قریباً تین سال تک ریاست بہاول پور کا وزیر اعظم رہا۔ یہ ریاست کا وہی عہدہ تھا جس پر اس کا باپ فیروز الدین اس سے پہلے مامور رہا تھا۔ 1910ء میں اس نے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کے عہدہ سے پنشن پائی اور اس کے فوراً بعد اسے پراونشل دربار میں خاندانی جگہ ملی اور یہ اپنی وفات یعنی1920ء تک پراونشل درباری رہا۔ اس کو1909ء میں ''خان بہادر'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اس کا باپ فیروز الدین 1866ء میں تحصیل دار مقرر ہوا تھا جس کے پانچ سال بعد اس کی خدمات ریاست بہاول پور نے مستعار لے لیں جہاں یہ پہلے پہل منچن آباد کا کلکٹر مقرر کیا گیا اور چند سال میں سیشن جج ہو گیا اور اس کے بعد1878ء میں اس کو ریاست کے سب سے بڑے عہدہ یعنی وزیر کے عہدہ پر مامور کر دیا گیا ریاست بہاول پور میں اس کی ممتاز خدمات کے صلے میں پنجاب گورنمنٹ نے1878ء میں اسے آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا اور اس کا انتقال1880ء میں ہو گیا۔

اب شیخ سندھے خاں کا ذکر کیا جاتا ہے جو نواب امام الدین خاں کا رشتہ میں چچیرا بھائی ہوتا تھا۔ اس نے نواب کے ماتحت بطور افسر خورد جنگ ملتان میں خدمات کیں جو نہایت اعلیٰ

درجہ کی تھیں اور جن کی گورنمنٹ نے باقاعدہ قدر کی۔1873ء میں شیخ سندھے خاں لاہور میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا اور اسی عہدہ پر اپنی وفات یعنی 1888ء میں تک مامور رہا۔1885ء میں اسے تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری میں دوہزار ایکڑ اراضی عطا ہوئی جو آہستہ آہستہ زیرکاشت کر لی گئی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد حسین نے اس کی جائیداد اور ڈویژنل درباروں میں کرسی حاصل کی۔1899ء میں محمد حسین کو ضلع لائل پور میں چھ مربعہ جات اراضی عطا کیے گئے اور یہ 1908ء میں فوت ہوگیا۔

شیخ نصیرالدین کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا شیخ ریاض الدین پنجاب میں براہ راست انسپکٹر پولیس بھرتی ہوگیا۔ یہ کچھ عرصہ تک ضلع کانگڑہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس رہا اور اپنے باپ کی جگہ پراونشل درباری بنا دیا گیا۔اس کا انتقال 1934ء میں ہوا۔شیخ محمد حسین کی اکلوتی بیٹی کی شادی شیخ ریاض الدین کے ساتھ ہوئی جس کے بطن سے دو لڑکے شیخ غیاث الدین احمد خاندان کا موجودہ سرکردہ اور شیخ غلام معین الدین آئی سی ایس ہیں۔ان کے نانا شیخ محمد حسین کی وصیت کے مطابق ان دونوں مرحوم کی تمام جائیداد ورثہ میں پائی ہے۔ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پانے کے بعد یہ دونوں بھائی تکمیل تعلیم کے لیے انگلینڈ گئے جہاں سے واپسی پر شیخ غیاث الدین یا میاں نورالدین اپنی جائیداد کے انتظام میں مصروف ہوگیا ہے اور ہندوستان کی مرکزی لیجسلیٹو کونسل کا 1934ء سے ممبر ہے۔ شیخ غلام معین الدین (جی -معین الدین :مرتب)1928ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد انڈین سول سروس میں داخل ہوگیا اور اس نے دوسرے ہی سال مقابلہ کا امتحان پاس کرلیا۔ چنانچہ یہ اب پنجاب میں ڈپٹی کمشنر ہے۔

شیخ غیاث الدین احمد کو پراونشل درباروں میں خاندانی جگہ بھی ملی ہے اور اس کو سلور جوبلی میڈل بھی عطا ہوا ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

خاندان کملا

بلاقی

گودھ سنگھ منہالا کے چودھری کا بیٹا' سردار ہری سنگھ بھنگی کے ہاں ملازم تھا اور 40 ہزار روپیہ کی مالیت کی جائیداداس کے قبضہ میں آ گئی تھی۔ ایک موقع پر اسے اوراس کے بھائی اتم سنگھ کو راجہ منجیت دیووائی جموں کی قریباً تین سو بے قاعدہ فوج نے سیالکوٹ کے قریب ایک چھوٹے سے قلعہ میں محصور کر لیا۔ محصورین کے گھوڑے قلعہ کی دیواروں کے باہر بندھے ہوئے تھے اور گودھ سنگھ نے اس خوف سے کہ مباوا یہ بھی دشمن کے ہاتھ نہ پڑ جائیں خروج کر کے ان کی اگاڑی پچھاڑی کاٹ دی۔ گھوڑوں کے بھاگنے سے راجپوتوں نے یہ خیال کیا کہ ان پر حملہ ہوا چاہتا ہے اور محصورین کی اس (بظاہر) دلیری سے خوف کھا کر بھاگ گئے۔ سردار ہری سنگھ نے جب یہ سنا کہ گھوڑے بے قاعدہ کھول کر بھگا دیئے گئے ہیں تو کہا ''یہ گودھ سنگھ تو پورا کملا ہے'' چنانچہ یہ بیہودہ لقب اس وقت سے لے کر اب تک گودھ سنگھ اوراس کے خاندان کے نام کے ساتھ چلا آتا ہے۔

گودھ سنگھ اوراس کا بھائی بھنگی رئیسوں کی طرف سے رنجیت دیو' سنسار چند والی کٹوچ اور سکر چکیوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ گودھ سنگھ کے لاولد مر جانے کے بعد اتم سنگھ جاگیر کا وارث بنا مگر یہ خود اوراس کے دو بڑے لڑکے تھوڑے ہی عرصے بعد فوت ہو گئے اور جے سنگھ خاندان کا بزرگ بن گیا۔ سردار گلاب سنگھ نے اس کی جاگیروں کو بڑھا کر 50 ہزار روپیہ کر دیں اور جب رئیس مذکور (گلاب سنگھ) 1800ء میں فوت ہوا تو جے سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ جو حال ہی میں لاہور کا مالک بنا تھا شریک ہو گیا۔ جے سنگھ بڑا اچھا سپاہی تھا اور بہت سی لڑائیوں میں بڑی بہادری سے لڑ کر اس نے 40000 روپیہ مالیت کی مزید جاگیریں

شیخوپورہ' سدھنی اور بھاؤ وال میں حاصل کیں۔1817ء میں چونکہ یہ بہت معمر ہونے کی وجہ سے فوجی ملازمت کے قابل نہ رہا تھا اس لیے مہاراجہ نے 6 ہزار روپیہ کی جاگیر کے علاوہ اس کی ساری جاگیریں ضبط کر کے اور 8000 روپیہ کا نقد وظیفہ دے کر اسے امرتسر میں جج مقرر کر دیا۔ جے سنگھ 1820ء میں فوت ہوا۔ اس کے بیٹوں میں سے منگل سنگھ 1821ء میں منکیرہ کے مقام پر مارا گیا تھا اور اس کی 9000 ہزار کی مالیت کی جاگیریں اس کے بیٹے ویر سنگھ کے نام قائم تھیں۔ جے سنگھ کے دوسرے بیٹے جیمل سنگھ نے بھی 8000 روپیہ مالیت کی علیحدہ جاگیر حاصل کی تھی مگر اس کے والد کی وفات پر اس کی اور اس کے بھتیجے دونوں کی جاگیریں ضبط ہو گئیں اور ان کی بجائے مہاراجہ نے موضع رسول پور واقع ریاستہائے ایں روئے ستلج کے علاوہ جے سنگھ کی وہ جاگیر جس کی مالیت 3000 روپیہ تھی عطا کر دی۔ جے سنگھ کا تیسرا بیٹا امر سنگھ تو 800 روپیہ سالانہ پاتا تھا اور منگل سنگھ کے تین بیٹوں کی اس طرح پرورش کی گئی کہ چوگترہ سنگھ جنرل ونچورا کے بریگیڈ میں کرنیل بنایا گیا اور کھیم سنگھ اور شیر سنگھ نے موضع پٹی واقع علاقہ قصور مع ایک نقد وظیفہ کے حاصل کیا۔ جب ویر سنگھ کا 1838ء میں انتقال ہوا تو اس کی نصف جاگیر ضبط ہو گئی اور باقی ماندہ اس کے بھائی اور اس کے بیٹے بوٹا سنگھ کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔ جے مل سنگھ رسالہ چار یاری کا افسر تھا اور سوچیت سنگھ کے ماتحت سرحد اور اور دوسرے مقاموں پر خدمات کرتا رہا۔ الحاق کے موقع پر اس کی جاگیر میں سے 2000 روپیہ اس کی حین حیات کے لیے واگزار کیا گیا۔ شیر سنگھ اور بوٹا سنگھ 1848ء میں باغیوں کے ساتھ مل گئے اور اس وجہ سے انہوں نے سب کچھ کھو دیا اور کھیم سنگھ کی جس کا باغیوں سے مل جانا مشکوک تھا 4000 کی مالیت کی جاگیر گھٹا کر 1000 روپے کی کر دی گئی۔ کھیم سنگھ کی بیوگان ابھی تک زندہ ہیں اور تھوڑی تھوڑی پنشنیں پاتی ہیں۔ جے مل سنگھ کی وفات پر اس کے تین بیٹوں نے 666 روپیہ کی پنشن پائی۔ ان تین بیٹوں میں صرف لال سنگھ زندہ ہے اور پنشن میں اپنا حصہ پاتا ہے۔ نہال سنگھ کا حصہ اس کے دو بیٹوں اروڑ سنگھ اور گنڈا سنگھ نے ورثہ میں پایا ہے اور خوشحال سنگھ کا حصہ اس کے بیٹے پال سنگھ کو ملا ہے۔

بوٹا سنگھ کو اس کی وفات یعنی 1875ء تک 240 روپیہ سالانہ پنشن ملتی رہی۔ وہ اپنے علاقے میں ذیلدار تھا۔ اس کی وفات پر اس کی بیوہ کو 50 روپیہ سالانہ ملنے منظور ہوئے۔ اس کا بیٹا لال سنگھ پنجاب پلٹن 24 میں جمعدار بھرتی ہوا اور اپنی نوکری سے 1907ء میں صوبہ داری

MashalBooks.com

کے عہدہ سے علیحدہ ہونے تک اسی پلٹن میں ملازمت کرتا رہا۔ اس نے بہت سی لڑائیوں میں اعلیٰ درجے کی خدمات کیں جن کے عوض اسے آرڈر آف برٹش انڈیا کا ممبر بنایا گیا اور خطاب ''بہادر'' عطا کیا گیا۔ یہ خاندان کی شاخ اول کا بزرگ تھا اور منہالا میں رہتا تھا اور قصور لوکل بورڈ کا ممبر تھا۔ اس کا بیٹا بلونت سنگھ سکھ پلٹن نمبر 35 میں صوبہ دار تھا۔

سردار شیر سنگھ 1857ء میں کرنیل وائل کے ماتحت حیدرآباد کنٹنجنٹ میں نائب رسالدار مقرر ہوا۔ اودھ کی ہل چل کے دوران میں اس نے بڑی بہادری سے خدمات کیں اور اسے رسالدار اور سردار بہادر بنا دیا گیا۔ نیز ضلع بہرائچ میں 3 ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی اس کو مرحمت ہوئی۔ امن وامان ہو جانے پر اس نے استعفیٰ دے دیا اور 1871ء میں فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا تارا سنگھ جنگ افغانستان کے زمانہ میں حیدرآباد کنٹنجنٹ کے رسالہ 37 کا جمعدار رہ کر خدمات کرتا رہا۔ چند سال یہ پٹی میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہا اور ڈویژنل درباری تھا۔ اس کی ملکیت میں قریباً 1500 بیگھ اراضی ضلع لاہور کی اور تین ہزار بیگھ اودھ کی تھی۔ یہ اپنی وفات تک جو 1915ء میں واقع ہوئی کلہ ضلع لاہور میں سکونت پذیر رہا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا گیان سنگھ کچھ عرصہ تک رسالہ 30 میں دفعدار رہا مگر اب اپنی اس زرعی جائیداد پر جو ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے سکونت پذیر ہے۔

سچیت سنگھ کا لڑکا سردار بھگیل سنگھ بہرائچ علاقہ اودھ میں آنریری مجسٹریٹ تھا جہاں اس کے قبضہ میں بہت سی اراضی تھی۔ یہ ڈویژنل درباری بھی تھا اور اس کی جگہ اپنے چچا مرحوم سردار تارا سنگھ سے اوپر تھی۔ اس نے تحصیل چونیاں ضلع لاہور کی کچھ اراضی خرید بھی لی تھی۔ یہ 1924ء میں دو لڑکے اوتار سنگھ اور سنگت سنگھ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اوتار سنگھ کا بیٹا سردار جگند رسنگھ 47-1920ء میں کونسل آف سٹیٹ اور 1923 اور 1926 میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کا ممبر رہا۔ خاندان کے دوسرے اراکین میں سے رنجودھ سنگھ کا لڑکا اندر سنگھ رسالہ 30 میں رسالدار تھا اور 1918ء میں فوت ہوا۔ امر سنگھ کا لڑکا سنت سنگھ ڈپٹی انسپکٹر پولس تھا اور اب فوت ہو چکا ہے۔ اجاگر سنگھ کے بیٹے مہر سنگھ اور جواہر سنگھ دفعدار تھے جن میں سے اول لاولد کر مر چکا ہے۔ خوشحال سنگھ کا بیٹا پال سنگھ رسالہ 30 میں دفعدار تھا۔ باز سنگھ کے بیٹوں ہیرا سنگھ اور گوربخش سنگھ نے جائیداد بہرائچ کا بہت سا حصہ اور جائیداد کلو کا ایک حصہ ورثے میں پایا۔ گوربخش سنگھ اب فوت ہو گیا ہے اور سردار ہیرا سنگھ اودھ میں درباری ہے۔

MashalBooks.com

دیوان گنیش داس آئی ایس او

اس خاندان میں پہلے پہل گوربخش رائے نے کچھ فروغ پایا۔ وہ نواب ناصر خاں حکمران کابل و پشاور کا دیوان یا وزیر تھا اور اسے بڑا اقتدار حاصل تھا۔ اس کا بیٹا ٹھاکر داس حاجی عطا خاں کا جو مشہور و معروف درانی بادشاہ احمد شاہ کے وزیراعظم شاہ ولی خاں کا داماد تھا' دیوان تھا۔ حاجی عطا خاں کی وفات پر ٹھاکر داس احمد شاہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اس نے اس کو اپنا دیوان خاص بنایا اور مہر سلطنت اس کے اہتمام میں دی۔ اس کے پاس بے شمار دولت اور وسیع اختیارات تھے اور اس کا طرز بودوباش شاہانہ تھا۔ 1747ء میں وہ احمد شاہ درانی/ابدالی بادشاہ کے ہندوستان پر حملہ کے وقت بادشاہ کے ہمراہ آیا اور ملتان کی فتح اورلوٹ کے بعد اس کو دوابہ جالندھر میں قیمتی جاگیر ملی۔ 1773ء میں احمد شاہ کی جگہ اس کا بیٹا تیمور شاہ جانشین ہوا اور اس کی بیس سال کی حکومت کے دوران میں ٹھاکر داس عہدۂ دیوانی پر بدستور مامور رہا۔ شاہ زماں کے پراز مصائب عہد حکومت کے پہلے سال بھی یہ نوکری کرتا رہا اور بڑی عمر پا کر 1794ء میں فوت ہو گیا۔

ٹھاکر داس کا تیسرا بیٹا بھوانی داس شاہ شجاع کے ہاں ایک اعلیٰ افسر تھا۔ اس کی نوکری زیادہ تر ملتان اور ڈیرہ جات سے مالیہ وصول کرنے پر لگائی گئی تھی اور 1808ء میں اس سلوک سے جو دربار کابل اس کے ساتھ کرتا تھا بیزار ہو کر اس نے کوشش کر کے رنجیت سنگھ کی ملازمت حاصل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ لاہور کی طرف روانہ ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ آتے ہوئے وہ مالیہ جو اس نے اکٹھا کیا تھا خزانہ میں داخل کرنا بھول گیا۔ رنجیت سنگھ نے جس کے پاس سارے ان پڑھ سپاہی تھے اور جسے اپنا حساب رکھنے کے لیے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو قابل ہو اور معاملات مال میں قابلیت کی شہرت رکھتا ہو اس کی آؤ بھگت کی۔ اس زمانے میں ریاست لاہور کا نہ تو کوئی خزانہ اور نہ حسابات رکھنے کا باقاعدہ دستور تھا۔ مالیہ کا انتظام جو قریباً تیس لاکھ تھا' امرتسر کا ایک ساہوکار رامانند نامی کیا کرتا تھا جس کے سپرد امرتسر کی چونگی بھی تھی اور جو پنڈ دانخان کی نمک کی کانوں کا ٹھیکہ دار بھی تھا۔ بھوانی داس نے جلدی اس حالت میں بہت سی اصلاح کر دی یعنی فوج کے لیے بخشی خانہ قائم کیا اور دفتر مال علیحدہ مقرر کیا اور ان دونوں محکموں کا اسے افسر بنایا گیا۔

بھوانی داس کا بڑا بھائی دیوی داس 1809ء کے اخیر زمانے میں اس کے پاس لاہور آ گیا۔ دیوی داس احمد شاہ کے وزیر شاہ ولی خاں کے بیٹے وزیر شیر محمد کے پاس ملازم تھا۔ اپنے آ قا کے قتل ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ روپوش رہا۔ محکمہ مال میں بھوانی داس کے ساتھ کام کرنے لگا مگر دونوں میں سے کوئی کسی کا ماتحت نہ تھا اور اس لیے ان کی خوب نبھ گئی۔ دیوی داس اپنے بھائی کی سی قابلیت کا آدمی تھا بلکہ اس میں دیانت داری اس سے بھی زیادہ تھی لیکن چونکہ وہ گوشہ نشین سا آدمی تھا اس لیے زیادہ نامور نہیں ہوا۔

1810ء میں سنسار چند کے قلعہ کانگڑہ رنجیت سنگھ کو دے دینے اور پہاڑی رئیسوں کے زیر ہو جانے کے بعد بھوانی داس راجگان منڈی اور سکیت سے خراج وصول کرنے بھیجا گیا۔ 1816ء میں یہ شہزادہ کھڑک سنگھ کا دیوان اعلیٰ بنایا گیا اور امرتسر گورداسپور کے گرد و نواح کا علاقہ مملوکہ سرداران رام گڑھ فتح کرنے کے لیے مامور کیا گیا۔ دوسرے سال جموں کے علاقے میں امن و امان قائم کرنے اور علاقہ مذکورہ کو گلاب سنگھ کے (جو نیا نیا راجہ بنایا گیا تھا) حوالے کرنے بھیجا گیا' وہ ملتان کے محاصرے میں موجود تھا اور اس نے پشاور اور یوسف زئی کی لڑائیوں میں بھی حصہ لیا۔ اس طرح اگرچہ بھوانی داس بہت سے عہدوں پر جن کی بالائی آمدنیاں بڑی معقول تھیں مامور رہا تاہم اس کا اصلی عہدہ مال کی افسری ہی تھا۔ ایک موقع پر اس کی بڑی بے عزتی ہوئی یعنی اس کی مسر بیلی رام خزانچی کے ساتھ تکرار ہوگئی۔ وہ اپنی وفات یعنی 1834ء تک وزیر مال رہا اور اس کے بعد اس کی جگہ لالہ دینا ناتھ مقرر کیا گیا۔ دیوی داس سے چار سال پہلے ہی 1830ء میں فوت ہو گیا تھا۔

بھوانی داس کا بڑا بیٹا حکم چند 1836ء میں شہزادہ کھڑک سنگھ کے عملہ میں دفتری (مہتمم دفتر) مقرر کیا گیا اور دوسرے سال سو روپیہ ماہوار پر ستگھرے (ساہیوال: مرتب) کا کاردار ہو گیا اور اس ضلع کا انتظام اس نے قابلیت کے ساتھ کیا۔ 48-1847ء میں اسے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے ہمراہ بنوں جانے کا حکم ہوا اور وہاں وہ افسر مذکور کے ماتحت ملتان کی لڑائی شروع ہونے تک رہا۔ اس نے آں روئے دریائے سندھ کے اضلاع کے بندوبست میں بڑی بیش بہا خدمات کیں۔ وہ انگریزی فوج کے ہمراہ ملتان گیا اور وہاں اس نے سرکار انگریزی سے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ الحاق سے پہلے اسے 6200 روپے سالانہ کی آمد تھی اور 1850ء میں اس کے نام علاقہ پاکپتن کی 2300 روپیہ کی ایک جاگیر واگزار رہی اور 1300 روپیہ سالانہ پنشن

MashalBooks.com

ملی۔ 1855ء میں وہ پسرور ضلع سیالکوٹ کا تحصیلدار بنایا گیا۔ اس لیے 1858ء میں اسے استعفا دے دینے کی اجازت دے دی گئی۔ حکم چند کا انتقال 1869ء میں ہوا اور اس کا بیٹا بشمبر داس جو ضلع راولپنڈی میں منصف تھا 1880ء میں لاولد فوت ہوا۔ حکم چند کا ایک بھتیجا تارا چند نامی محکمہ پولیس میں ڈپٹی انسپکٹر تھا اور دوسرا سہائے ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع ہزارہ کے فارسی دفتر کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور بعد پنجاب سول سیکرٹریٹ میں میر منشی گورنمنٹ پنجاب کا سرشتہ ہو گیا۔ اس نے 1891ء کی کالے پہاڑ (کالا چٹا پہاڑ ضلع اٹک: مرتب) کی لڑائی کے پولیٹیکل سرشتے میں اچھا کام کیا اور معاوضے میں گورنمنٹ سے 300 روپیہ انعام حاصل کیا۔ 1902ء میں جب یہ پنشن لے کر ملازمت سے علیحدہ ہوا تو اس کو نہر جہلم پر تین مربعے زمین عطا ہوئی اور اس کا انتقال 1906ء میں ہوا۔ دیوان حکم چند کی وفات پر منٹگمری ضلع والی جاگیر ضبط ہو گئی تھی۔

دیوان حکم چند کا بھائی شنکر داس اپنے باپ کے دفتر میں منشی تھا۔ اسے اور اس کے بھائی گنگا بشن کو فی کس 240 روپے پنشن ملتی تھی۔

ٹھاکر داس کا چوتھا بیٹا لالہ نرائن داس یکے بعد دیگرے امرتسر کانگڑہ جموں اور جسواں کا کاردار رہا۔ 1865ء میں مِسر بیلی رام کے ماتحت خزانہ موتی مندر کا سردفتر بنایا گیا اور بعدازاں 1833ء تک لاہور کا کاردار مقرر ہو گیا۔ 1838ء میں وہ کابل چلا گیا جہاں اس نے ایک فوجی عہدہ حاصل کیا اور اس کے تھوڑے دن کے بعد ہی فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا اور پوتا افغانستان ہی میں رہے۔

راج کور اپنے بھائی دیوی داس کے ساتھ لاہور آ گیا اور منکیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد وہاں کا جہاں سردار فتح سنگھ مان فوجی افسر تھا کاردار بنایا گیا۔ اس کا بھائی بھوانی داس جب 1819ء میں خدمت پر کشمیر گیا تو وہ اس کی جگہ کام کرتا رہا۔

1867ء میں لالہ رام داس کی وفات پر اس کا 1200 کا وظیفہ ضبط ہو گیا اور اس کے عوض اس کے بیٹے جواہر مل کی جو 1878ء میں فوت ہوا 240 روپیہ پنشن مقرر ہو گئی۔ جواہر مل کا بھتیجا میاں داس کچھ عرصہ تک مہاراجہ اندور کی ملازمت میں مصاحب رہا۔ میاں داس کا بھائی نندلا چیف کورٹ لاہور میں محافظ دفتر تھا۔ یہ پنشن پا کر امرتسر میں رہتا تھا اور اب فوت ہو چکا ہے۔

ارجن داس، راگھوناتھ داس اور رام سرنداس فرزندان تارا چند اور مہیش داس اور گنیش

MashalBooks.com

داس فرزندان ٹرکتا سہائے موضع کنڈبوڑہ وال تحصیل گوگیرہ ضلع منٹگمری کی 750 گھماؤں اراضی کے مشترک مالک تھے۔ ارجن داس موضع مذکور کا نمبردار اور شرقپور ضلع شیخوپورہ میں قانون گوتھا اور 1925ء میں دولڑکے چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ دیوان مہیش اس سے پہلے پنجاب سول سیکرٹریٹ میں ملازم تھا مگر بعد میں وکالت کا امتحان پاس کر کے لاہور میں بطور پلیڈر کام کرتا رہا اور 1930ء میں تین لڑکے چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ اس کا بڑا بھائی دیوان دولت رام پنجاب سول سیکرٹریٹ میں ملازم ہے اور باقی دو تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

دیوان مہیش داس کا چھوٹا بھائی دیوان گنیش داس جس کو اب خاندان کا سرکردہ سمجھنا چاہیے محکمہ پبلک ورکس لاہور میں ملازم ہوا اور 1916ء میں اس کو صوبہ سرحد کے اسی محکمہ میں تبدیل کر دیا گیا جہاں یہ ترقی کر کے (گزٹیڈ افسر پراونشل سروس کلاس دوم) رجسٹرار کے عہدے تک پہنچا اور 1836ء میں اپنی اعلیٰ درجہ کی خدمات کے عوض آئی ایس او (امپریل سروس آرڈر) کا معزز خطاب حاصل کر کے پنشن حاصل کی۔ بلکہ شہنشاہ معظم جارج ششم کی تاجپوشی کے موقع پر 1937ء اور 1939ء میں اپنی ذاتی خدمات اور تمام ذرائع کی پیشکشیں کر کے گورنمنٹ ہائے ہند پنجاب اور صوبہ سرحد کے شکریہ کی چٹھیاں حاصل کیں۔ اس کا متبنیٰ لڑکا چمن لال اب کالج میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

نواب محمد شہباز خان

خان بہادر نواب محمد شہباز خاں ایک بہت معزز مقتدر خاندان کا رکن اعظم ہے۔ تقریباً 1565ء میں اس کے آباؤ اجداد یعنی خویشگی افغان اپنی خانہ جنگیوں اور آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ آ کر اپنے وطن ارغستان اور یکا توت سے (جو افغانستان میں ہیں) کوچ کر کے پنجاب کی طرف آنے لگے تو اتفاقیہ طور پر ان کی ملاقات شہنشاہ بابر کے ساتھ ہوگئی جس نے سلطان سلیم خان حمینہ جیسے قابل کماندار کے باتحت بہت سے چست و چالاک ہتھیار بند اور تلوار کے دھنی دیکھ کر اپنی فوج میں یہ وعدہ کر کے داخل کر لیے کہ دہلی کے مالیہ کی ایک چوتھائی ان کے حوالے کر دی جایا کرے گی چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وعدہ کے مطابق ایک سند لکھ دی گئی۔ اسی وعدہ کی ایفاء کی غرض سے خویشگی افغانوں نے شہنشاہ کے ساتھ ہو کر پانی پت کے میدان پر دشمن کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور ان میں سات صد جوان

میدان جنگ میں کھیت رہے۔ اسی جانثارانہ خدمت کی وجہ سے مغل شہنشاہ بعد میں خویشگی افغانوں کی خاص قدرومنزلت کرتے رہے اوران کو بڑی بڑی ذمہ داریوں کے عہدے عطا کرتے رہے۔ جب1569ء میں شہنشاہ اکبر کے ہاں شہزادسلیم جو بعد میں شہنشاہ جہانگیر ہوا پیدا ہوا۔ اوراس کی خوشی میں ایک دربار منعقد کیا گیا تو اس موقع پر خویشگی تمنداروں نے بنگال کی فتوحات میں مشغول ہونے کی وجہ سے حاضری میں دیر کردی۔ غلط فہمی ہوئی اورانہوں نے اس انتقال مکانی کی اجازت بھی حاصل کرلی جس پر شہنشاہ نے یہ حکم صادر کر دیا کہ خویشگی لوگ دارالحکومت سے دور جہاں چاہیں اپنی رہائش اختیار کرلیں۔

آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ 1580ء کے قریب خویشگی قوم کا تمام کا تمام تمن دہلی سے کوچ کر کے ابوالفضل کی معیت میں جوان کوکسی موزوں مقام پر آباد کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس مقام پر آ گیا جہاں شکر پور (اب قصور) کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں۔ یہاں آباد ہو جانے کے بعد راجہ رائے سنگھ نے جواس وقت اس علاقہ کا ناظم تھا خویشگی افغانوں سے ایسے ڈاکوؤں اورلٹیروں کے خلاف مدد مانگی جواس کی اس علاقہ سے مالیہ جمع نہ کرنے دیتے تھے جو اس کی تحویل میں تھا چنانچہ خویشگی افغانوں نے ان ڈاکوؤں کے سرغنہ مسمی پیرابلوچ ساکن چونیاں کو زندہ گرفتار کرلیا اور اس طرح ان ڈاکوؤں کے حملہ سے لکھی کا جنگل بچالیا۔ اس شاندار خدمت کے صلہ میں شہنشاہ اکبر نے راجہ رائے سنگھ کو دہلی بلا لیا اور ستلج اور راوی کا درمیانی علاقہ جو چالیس لاکھ روپیہ کی مالیت کا تھا بطور جاگیرعلی الدوام نواب نظر بہادر خاں اتمان زئی خویشگی کوعطا کر دیا جواس خاندان کا سلسلہ اجداد مادری سی بزرگ اعلیٰ تھا۔

نواب نظر بہادر کی وفات کے بعد نوابان شمس الدین اورقطب الدین علی الترتیب وادیٔ کانگڑہ اور جونا گڑھ سورت اور ٹھٹھہ کے فوجدار مقرر ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے چتوڑ گڑھ کے قلعہ کا محاصرہ اور بعدازاں اس کی فتح کے متعلق خدمات کرنے کے صلہ میں ہانسی اور حصار بھی بطور جاگیر حاصل کر لیے۔ قطب الدین خاں نے دکھن اور بیجاپور کی لڑائیوں میں بھی اچھی خدمات سرانجام دیں۔ شہنشاہ اورنگزیب کے زمانہ میں نواب خانہ زاد خاں خلف زئی ڈیرہ دین پناہ کا فوجدار تھا۔ اس کے علاوہ اس خاندان کے کئی اراکین بڑی بڑی منصب داریوں مثلاً شش ہزاری اورہفت ہزاری پر فائز تھے۔

جب سلطنت مغلیہ میں زوال کے آثار نمودار ہوئے تو نواب حسین خاں خلف زئی اور

لاہور کے مغل گورنر نواب عبدالصمد خاں میں بڑی دشمنی تھی چنانچہ ان دونوں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن تمام میں خویشگی افغان فتح یاب رہے مگر جب ان روہیلہ افغانوں کو جو ہندوستان اور افغانستان کے درمیان تجارت کرتے تھے خویشگی افغانوں نے قتل کیا اور قصور سے نکال دیا تو عبدالصمد خاں نے اپنی فوج میں انہیں بھرتی کرلیا اور ستر ہزار آدمیوں کی ایک جمعیت بہم پہنچا کر سردار فاضل خاں ترین افغان ناظم چونیاں کے ہمراہ ریاست قصور پر حملہ کردیا۔اس نازک وقت میں خویشگی افغان صرف دس ہزار آدمی اکٹھے کر سکے مگر باوجود اپنی کمی کے انہوں نے دشمن کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا مگران کے پارسا رہنما نواب حسین خاں خلف زئی تمندار جیسے سعید ازلی فیاض منش مودب سادات کرام براہ فریب میدان کارزار میں شہید ہو جانے سے میدان مصاف گاہ کا پہلو بدل گیا۔ یہ تقریباً 1730ء کا واقعہ ہے جبکہ ہرچو کے چونیاں کے مقام پر خویشگیوں کو آخری شکست ہوئی اور جس میں فریقین کے تقریباً تمام بڑے بڑے منصبدار خویشگی افغان میدان مصافگاہ میں کام آئے۔ یہ ہر دو نواب یعنی نواب حسین خان قطب الدین جو موجودہ سرکردہ خاندان کے چھٹی پشت میں بزرگ تھے لاولد فوت ہوئے۔

جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو خویشگی افغانوں نے مغل شہنشاہوں سے اپنی گزشتہ وفاداری کے خیال سے ستارہ کے مقام پر اس کو روکا جہاں نواب شہداد خاں خلف زئی (جس نے عیسیٰ خان منج راجپوت کو مار کر اقوام بھراڑ کو اس کے چنگل سے مخلصی دلائی تھی) اس لڑائی میں مارا گیا اور خویشگی پٹھانوں کے بہت سے اور بہادر بھی کام آئے بعدازاں جب احمد شاہ ابدالی مرہٹوں سے لڑنے کے لیے پنجاب میں وارد ہوا تو نواب ولیداد خاں خلف زئی نے جو اس خاندان کا براہ راست بزرگ تھا' اپنے آپ کو اپنے بہت سے سپاہیوں کی ہمراہی میں اس کے سامنے پیش کیا اور پانی پت کی مشہور تاریخی میدان جنگ میں اس کی بہادرانہ خدمات سرانجام دیں جس کے صلہ میں شاہ مذکور نے اسے نواب اور سیف الدولہ کے خطابات اور ایک اصفہانی تلوار اور بڑی قیمتی خلعت عطا کی۔

نواب ولیداد خاں کی وفات کے بعد 1764ء میں سردار ہری سنگھ بھنگی اور جسا سنگھ آہلووالیہ نے قصور پر حملہ کیا اور شہر کو آگ لگا دی جس سے بہت سے مسودات اور کتابیں ضائع ہوگئیں۔اس لڑائی میں بہت سے بڑے بڑے خویشگی افغان بھی مارے گئے اور ان میں سے جو باقی رہ گئے وہ مفلسی اور گمنامی کا شکار ہوگئے۔اس وقت نواب ولیداد خاں کے بیٹے سردار

MashalBooks.com

شہباز خاں نے اپنے کچھ رشتہ داروں کو اپنے گرد جمع کرنے اور نواب مظفر خاں سدوزئی سے جو اس وقت گورنر ملتان تھا' مدد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پیشتر اس کے کہ وہ قصور کو از سرنو حاصل کر لیتا۔ سرداران گنڈا سنگھ اور جھنڈا سنگھ بھنگی نے شہر پر قبضہ جما لیا اس لیے سردار شہباز خاں نے پلٹ کر اٹاری۔ ڈنڈیانوالی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور یہاں ایک قلعہ اور ایک تھانہ قائم کر لیا۔ سردار شہباز خان نے ایزوئے اور آں روئے ستلج کے کچھ مواضعات پر بھی قبضہ کر لیا اور شیخ سبحان چشتی حاکم پاکپتن کے ساتھ مل کر نکئی مسل کے علاقہ کو لوٹ لیا اور مسل مذکور کے سرگروہ سردار ہیرا سنگھ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب سردار گلاب سنگھ نے اس کو بطور جاگیردار قصور پر بحال کیا تو اس نے بھنگی سرداروں کے مملوکہ تھانہ پر بھی قبضہ کر لیا اور اس طرح تمام افغان 1219ء میں ریاست قصور پر قابض و خود مختار ہو گئے۔

جب شاہ زمان نے پنجاب پر حملہ کیا اور قصور پہنچا تو سردار شہباز خان خلف زئی کو ایک خلعت عطا کیا گیا مگر بعد ازاں جب 1799ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھنگیوں پر حملہ کر کے لاہور پر حملہ کیا تو شہباز خاں (قطب الدین خان: مرتب) نے بھسین کے مقام پر اس کے خلاف لڑائی کی اور اس طرح مہاراجہ کو سخت خفا کر دیا۔ سردار گلاب سنگھ بھنگی نشہ کی حالت میں فوت ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ مسل نے دل چھوڑ دیا۔ بعد ازاں سردار شہباز خاں لارڈ لیک کی فوج کے ساتھ شامل ہوا اور لارڈ کے ساتھ اس وقت تک رہا جب تک کہ ہلکر کے ساتھ عہد نامہ نہ ہو گیا۔ بعد ازاں جب مہاراجہ نے 1807ء اور 1808ء میں قصور کو آخری طور پر فتح کر لیا اور سردار قطب الدین حسن زئی کو ممدوٹ کی زمین دے دی مگر سردار شہباز خاں کی چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی وہ جاگیر جو قصور سے اٹاری تک تھی اس بہانہ سے ضبط کر لی کہ سردار نے مہاراجہ کے خلاف اپنے ہم قوموں کو اکسایا اور ہلکر کے خلاف برٹش جنرل کی امداد کی البتہ چند مواضعات جاگیر بطور گزارہ کے لے دے دیے اور دو مزید مواضعات سرداران قطب الدین خاں اور شہباز خاں کو اس لیے دیئے کہ انہوں نے رنجیت سنگھ اور نواب مظفر خاں والی ملتان کے درمیان جھگڑے کا تصفیہ کرانے میں مدد دی تھی مگر وہ مواضعات اس وقت پھر ضبط کر لیے گئے جب ان سرداروں نے جاگیرداری کے عوض گھوڑے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ سردار شہباز خاں کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وہ اصفہانی تلوار بھی لے لی (جو احمد شاہ ابدالی نے ان کے والد کو عطا کی ہوئی تھی) اور اس کے عوض میں ایک

خلعت دے دی اور قصور کی ضبط شدہ جاگیر واگزار کرنے کا وعدہ کرلیا۔

سردار قمرالدین خاں کا بیٹا سردار ناصرالدین خاں اور سردار جلال الدین خاں کا بیٹا سردار جانباز خاں مہاراجہ نونہال سنگھ کے رسالہ میں شامل ہوگئے اور صرف آٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر ممدوٹ میں ان کے خاندان کے لیے واگزار کی گئی ہوئی تھی۔

سردار ناصرالدین خاں نے پہلے تو کشمیر کی بغاوت فرو کر کے خالصہ دربار کی خدمت سرانجام دی اور بعد میں پانچ سو سواروں کی امداد سے دیوان ساون مل کے ایک کاردار دیوان سورج بھان کو اس وقت شکست دے کر اور مار کر مدد کی جبکہ دیوان مذکور کوڈیک میں واقع موضع بابو والا کو لوٹ لیا تھا۔ ان خدمات کے صلہ میں سردار ناصرالدین خاں کو قصور کے قریب موضع شیخ عماد جاگیر میں ملا۔ ملتان کی بغاوت شروع ہونے پر سر فریڈرک کری نے سردار ناصرالدین خاں کو حکم دیا کہ وہ شیخ امام الدین کی معیت میں ملتان کی طرف پیش قدمی کرے چنانچہ سردار مذکور نے میجر ایڈورڈز کے ماتحت بہادرانہ خدمات سرانجام دیں اور اس کو کچھ زخم بھی آئے۔ ان خدمات کے صلہ میں سردار مذکور کی تنخواہ میں پانچ سو روپیہ کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے بعد جب ملتان کا محاصرہ ہوا تو سردار ناصرالدین خاں نے چنیوٹ کا قلعہ فتح کیا اور اس میں جو ہتھیار اور گولہ بارود جمع رکھا تھا' قبضہ کر کے جنرل کے حوالہ کردیا۔

سرداران ناصرالدین خان اور واصل خان نے غدر کے شروع ہونے پر یک صد پینتیس سوار بھرتی کرائے اور اول الذکر فوج میں گھوڑے دینے کے علاوہ چیف کمشنر کی خدمت میں حاضر رہا۔ سردار واصل خاں رسالدار اور اس کے کئی دوسرے رشتہ دار پنجاب کے 4 رسالہ میں ملازم رہ کر کئی لڑائیوں میں جنگی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ سردار واصل خاں کے ایک چچیرے بھائی سردار جانباز خاں رسالدار نے کھرلوں کی شورش 1857ء میں خدمات سرانجام دیں اور ایک دوسرے چچیرے بھائی میر احمد خاں نے آرڈر آف میرٹ حاصل کیا۔ سردار جلال الدین خان نے قصور کا سرکاری خزانہ بچایا۔ سردار ناصرالدین خان کو دربار عام میں 500 روپیہ کا ایک خلعت اور ایک بندوق عطا کیے گئے۔ سردار شاہنواز خاں خلف زئی رسالدار وفادارانہ طور پر خدمات سرکاری سرانجام دیتے ہوئے سر ہنری لارنس اور کیپٹن ویل کے ہمراہ غدر کے ایام میں بمقام لکھنو مارا گیا۔ سردار ناصرالدین خاں نے 680-1867ء کی ایبے سینا کی لڑائی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے ماموں سردار فتح خان اتمان زئی

نے 1858ء میں رسالہ پروبن ہارس کے ساتھ شامل ہو کر ملک چین میں اچھی خدمات سرانجام دیں۔ جن کے صلہ میں اسے رکھ کرتلوئی میں اراضی بطور جاگیر عطا ہوئی اور اس کے علاوہ اسے تحصیل دیپالپور میں 1500 ایکڑ اراضی کے حقوق مالکانہ بھی دیے گئے جہاں اس نے کوٹ فتح خاں نامی موضع آباد کیا۔

سردار ناصرالدین خان جو قصور میں واحد وائسرائنگل درباری تھا۔ 1875ء میں دو لڑکے سائیں میر باز خان اور سردار محمد ذوالفقار خاں چھوڑ کر فوت ہوا۔ میر باز خان مفلوج ہونے کی وجہ سے کوئی زیادہ تگ و دو کا کام نہ کر سکا' تاہم اس نے قصور میں 200 ایکڑ اراضی خرید کرلی۔ سردار محمد ذوالفقار خان 1886ء میں قصور (میونسپلٹی کا پریذیڈنٹ ہوا۔ اور 1887ء کے جوبلی دربار میں اسے ایک بیش قیمت خلعت عطا ہوا۔ 1897ء کی ٹوچی کی لڑائی میں اس نے اپنی اور سواروں کے کنٹنجنٹ کی خدمات پیش کیں۔ یہ وائسریگل درباری تھا اور 1902ء میں اس کا انتقال ہوا

اس کا بیٹا خان بہادر نواب محمد شہباز خان خاندان کا موجودہ سرکردہ خاندان ہے۔ اس کی ولادت 1878ء کی ہے۔ 1907ء کی سیاسی شورش کے دوران میں اس نے پہلے پہل اپنی خدمات پیش کیں۔ جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی اس نے اتنے رنگروٹ مہیا کیے جو 11 رسالہ کے لیے مطلوب تھے۔ اس کے بعد بھی اس نے کئی رنگروٹ بھرتی کروائے جن کے علاوہ سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن ہوائی جہازوں کے فنڈوں اور قرضہ جنگ میں دریا دلی سے چندے دیے۔ اس تمام خاندان نے قرضہ جنگ میں تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ بلاسود دیا۔ ان خدمات کے صلہ میں اسے دوسو پچاس روپیہ سالانہ کی ایک جاگیر' ایک اعزازی تلوار خان صاحب کا خطاب اور تمغہ جنگ عطا ہوئے۔ اس نے موجودہ جنگ یورپ 1939ء پر تین صد نو من غلہ گندم بلا قیمت افواج شاہی کے لیے مدد بھی دی ہے اور وائسرائے کی اپیل پر گیارہ صد روپیہ نقد چندہ دیا ہے۔ یہ مسلم لیگ ڈسٹرکٹ لاہور کا پریذیڈنٹ ہے اور پچاس روپیہ ماہوار سینٹ جان ایمبولینس میں چندہ دیتا ہے۔

اپریل 1919ء (حادثہ جلیانوالہ باغ) میں جب کہ قصور میں ہڑتال کی تحریک بڑھتے بڑھتے بلوہ کی صورت اختیار کر گئی تھی اور ایک انبوہ نے تحصیل کا محاصرہ کر لیا اور ریلوے سٹیشن منصفی اور ڈاکخانہ کو آگ لگا دی تو نواب محمد شہباز خان نے مسٹر شروڈ اور ان کی بیوی کو بچا کر

MashalBooks.com

امن و امان کی جگہ پہنچا دیا جس کے صلہ میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے اسے دوصد روپیہ کی خلعت اور پچاس روپیہ سالانہ کی مزید جاگیر عطا فرمائی۔ فروری 1922ء میں رؤسا میں سے یہ بھی ایک ایسا رئیس تھا جسے ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اسے 1914ء سے مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں اور یہ مسلسل طور پر قصور میونسپل کمیٹی کا نامزد ممبر چلا آتا ہے اور کمیٹی مذکورہ کا چوتھی دفعہ پریذیڈنٹ منتخب ہو چکا ہے۔

خان نواب موصوف آنریری ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور قصور کا واحد پروانشل درباری ہے۔ حال ہی میں پروانشل اور ڈویژنل درباروں میں اس کی کرسی موروثی کر دی گئی۔ انجمن اسلامیہ لاہور کا ممبر اور انجمن انصار الامان کا پریذیڈنٹ بھی ہے اسے تحصیل چونیاں کے کوٹ ناصر خان اور کوٹ اینڈرسن اور تحصیل پاک پتن میں چک ناصر خاں اور کنڈ ناصر الدین خاں کے اور آبادی سردار فتح خاں کے زمیندارہ حقوق حاصل ہیں اور نیز قصور کے قریب موضع شیخ عماد اور کوٹلی افغاناں میں اسے جاگیرداری حقوق حاصل ہیں۔ اسے حال ہی میں پنجاب وار بورڈ کا ممبر بنایا گیا ہے اور اس کی بیش قیمت خدمات کے صلہ میں اسے نواب کا معزز ترین خطاب عطا کیا گیا ہے' اس کے چار بیٹے ہیں جو ابھی نابالغ ہیں۔

خان بہادر نواب محمد شہباز خاں کا چھوٹا بھائی سردار محمد فتح باز خاں نے پہلے پولیس کی سب انسپکٹری کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے پھلور بھیجا گیا اور بعد ازاں اسے فوج میں کمشن دیا گیا مگر اس نے اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا اور 1926 میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سائیں میر باز خان کا لڑکا سردار شیر باز خان کئی سال تک آنریری مجسٹریٹ اور سول جج رہا اور اسے خان بہادر اور سی آئی ای کے خطابات ملے۔ اس نے 1881ء میں برما کی لڑائی میں خدمات سرانجام دیں۔ 1926ء میں چار لڑکے چھوڑ کر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا غلام احمد خاں میونسپل کمشنر اور کرسی نشین ہے۔ دوسرا لڑکا محمد احمد خان جو 1926ء کی عام ہڑتال کے دوران میں انگلستان میں بطور سپیشل کانسٹیبل کام کرتا رہا اور جس نے وہاں کی خدمات کے صلہ میں رائٹ آنریبل مسٹر سٹنلے' بالڈون پرائم منسٹر اور سر ولیم جانسن ہکسن ہوم سیکرٹری کے دست مبارک سے سندات حاصل کیں۔ آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر اور لاہور ہارس بریڈنگ سوسائٹی کا پریذیڈنٹ ہے خان بہادر شیر باز خان سی آئی ای کا سب سے چھوٹا بیٹا خان عالم

خان ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب نائب تحصیلدار ہے۔

خاندان کا ایک اور یک جدی یعنی سردار ناصرالدین خاں کا چچازاد بھائی حاجی غلام محی الدین خان محکمہ نہر میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنگ انجینئر تھا اور اسے اپنے عہدہ سے پنشن پانے پر کوٹ اینڈرسن تحصیل چونیاں میں سات مربعہ جات اراضی عطا ہوئے۔ یہ معزز خاندان سرکار کا خیرخواہ وفادار قدیم سے چلا آ رہا ہے اور خاندان نے کئی مہارت وغیرہ میں قابل اعتماد خدمات سرانجام دی ہیں۔

سردار شیر سنگھ:

مڑا کے نامی چھوٹا سا موضع جو لاہور سے چند میل نیچے کی طرف دریائے راوی پر واقع ہے شیر سنگھ کے ایک بزرگ نے آباد کیا اور اس کی اولاد پشت ہا پشت تک اوقات بسر کرتی رہی۔ 1752ء میں جب احمد شاہ درانی نے تیسری دفعہ پنجاب پر یورش کی تو بوڑ سنگھ مڑا کے اور گردونواح کے مواضعات کا چودھری تھا مگر لاہور میں یہ اطلاعیں پہنچیں کہ مڑا کے میں چور ہی چور رہتے ہیں اس لیے احمد شاہ نے اس کو برباد کر دینے کے لیے فوج بھیجی۔ یہ کام آسانی سے ہو گیا۔ مڑا کے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ آدمی، عورتیں اور بچے تہ تیغ کیے گئے اور بوڑ سنگھ اور اس کا بیٹا جسا سنگھ ہی جو گاؤں میں موجود نہ تھے، بچ رہے۔ بوڑ سنگھ کے گاؤں کی یہ شہرت واقعی غلط تھی یا صحیح اس میں شبہ نہیں کہ اس کے تباہ ہو جانے کے بعد بوڑ سنگھ چوروں کے ایک گروہ کے ساتھ مل گیا اور ایک جگہ لوٹ مار کرتا ہوا مارا گیا۔ جسا سنگھ نے اپنے باپ کا پیشہ اختیار کیا اور ایک رسالہ بھرتی کر کے اس کا کسی قدر مشہور سرگروہ ہوا۔ اس نے ڈسکہ ضلع سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ وہ سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے ساتھ اور پاس کے قصبہ ایمن آباد کے باشندوں سے اکثر لڑائیوں میں مشغول رہا۔ ایک موقع پر آخرالذکر نے بڑی جمعیت میں جمع ہو کر قصبہ ڈسکہ یک لخت لے لیا اور بہت سا مال غنیمت لے گئے۔ جسا سنگھ نے اپنے سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور سخت لڑائی کے بعد مال غنیمت واپس لے لیا مگر خود ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کا بیٹا ندھان سنگھ بہادر اور اولوالعزم تھا اور اس نے اپنے علاقے کو خوب بڑھا لیا۔ اس کے علاقوں کے رؤسا مثلاً مہاں سنگھ والی گوجرانوالہ، صاحب سنگھ والئ گجرات، پنجاب سنگھ والئ سیالکوٹ اور جودھ سنگھ والئ وزیرآباد اس کی طاقت پر رشک کرنے لگے اور اس کے ساتھ اتنی لڑائیاں لڑے کہ ندھان سنگھ کہا کرتا تھا کہ ''میرے علاقے

میں ایک بالشت زمین بھی ایسی نہیں جس پر آدمی اور گھوڑے نہ مارے گئے ہوں۔''

1797ء میں جب شاہ زمان نے پنجاب پر حملہ کیا تو سردار ندھان سنگھ ان چند سکھ سرداروں میں تھا جنھوں نے شاہ کو زبردست حمایتی بنانے کے خیال سے اس کا خیر مقدم کیا۔ ندھان سنگھ شاہ کابل سے چناب کے کنارے پر ملا جہاں اس کی پوری خاطر تواضع کی گئی اور اس کو اس کی تمام جاگیروں پر مستقل کر دیا گیا اور لاہور وزیر آباد کے راستے کھولے رکھنے پر متعین کیا گیا۔ تھوڑے ہی دن بعد رنجیت سنگھ نے فروغ پا کر ندھان سنگھ کو بلا بھیجا مگر اس دلیر رئیس نے انکار کر دیا لیکن آخر 1810ء میں 250 سواروں کے ساتھ مہاراجہ کی ملتان کی لڑائی میں شامل ہونے پر راضی ہو گیا۔ اس لڑائی کے اختتام پر ندھان سنگھ رنجیت سنگھ کے جو اس نافرمان رئیس کو سزا دینے کا ارادہ رکھتا تھا' احکام کے خلاف ڈسکے واپس آ گیا۔ اس پر رنجیت سنگھ نے ڈسکہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اس کے فتح کرنے کے لیے بھنگیوں والی توپ جو صرف ضروری مواقع پر استعمال کی جاتی تھی لے آیا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد ندھان سنگھ کو مجبوراً مغلوب ہونا پڑا اور حفاظت کے وعدے پر جو مہاراجہ نے بابا ملک راج اور بیدی جمعیت سنگھ کی معرفت دیا تھا یہ کیمپ میں آ گیا جہاں وعدے کے خلاف اس کو پکڑ کر زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ بابا ملک راج اور بیدی جمعیت سنگھ کو اس وعدہ خلافی پر بہت غصہ آیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ پر جب تک اس نے ندھان سنگھ کو رہا نہ کر دیا دھرنا بیٹھا رہا۔ ندھان سنگھ رہا ہو کر کشمیر بھاگ گیا اور عطا محمد خاں کے ہاں ملازمت کر لی مگر وہاں سے اسے فوراً واپس بلا لیا گیا اور اس کی جاگیر کا بہت سا حصہ اس کے نام پر اس شرط پر بحال کیا گیا کہ وہ ایک سو سوار خدمات کے لیے دیا کرے۔ 1822ء میں منکیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد اس نے ڈیرہ اسماعیل خان کے پاس پہاڑ پور کی 80000 روپے مالیت کی جاگیر حاصل کی مگر جلد ہی یہ علاقہ نواب کو واپس دے دیا گیا اور ندھان سنگھ نے اس کے تبادلے میں ہزارے کی بہت سی جاگیر حاصل کی جہاں یہ کچھ عرصہ قیام پذیر رہا۔ پائندہ خاں کے ساتھ ایک لڑائی کے بعد جس میں وہ سخت زخمی ہوا اس نے التجا کی کہ اسے اس تکلیف دہ علاقے سے نکال لیا جائے چنانچہ 1824ء میں اسے شہزادہ کھڑک سنگھ کے ماتحت رکھا گیا اور 1827ء میں 1700 روپیہ ماہوار پر اس کی بدلی گھوڑ چڑھوں میں ہو گئی۔ اس فوج میں وہ 1845ء تک رہا پھر اسی سال ملازمت سے علیحدہ ہو کر مڑا کے آ گیا اور وہاں 5 سال بعد فوت ہو گیا۔

یہ عام طور پر ندھان سنگھ ہٹویا اتو مشہور تھا اور اس نام کے دو مصدر بیان کیے جاتے ہیں یعنی ہٹو نکلا ہوا ہے پنجابی ہٹ سے جس کے معنی ہیں حوصلہ اور دوسرا اتو نکلا ہوا ہے۔ پنجابی لفظ (8) سے اور یہ اس روایت کی وجہ سے پڑ گیا ہے جو اس خاندان کی ایک خوش قسمت عورت کی نسبت مشہور ہے جس نے آٹھ خاوند کیے تھے مگر اس اصلیت کا کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔

سردار فتح سنگھ نے فوجی ملازمت اپنے باپ کے کنٹنجنٹ میں شروع کی۔ 1835ء میں جبکہ رنجیت سنگھ نے دوست محمد کو بڑی چالاکی سے شکست دی تھی تو وہ بھی اس کے ہمراہ پشاور گیا تھا۔ وہ امام الدین کے ہمراہ کشمیر گیا اور راجہ ہیرا سنگھ کی وفات کے بعد اسے راجوری اور پونچھ میں بغاوت فرد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جنگ ستلج کے دوران میں فتح سنگھ سردار گلاب سنگھ پاوندیہ کے ماتحت مہاراجہ اور دارالخلافہ کی حفاظت کے لیے رہا اور امن و امان ہو جانے پر اسے نئی فوج سورج مکھی نامی کا کمیدان بنا دیا گیا۔ 1847ء میں وہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے ہمراہ بنوں گیا اور ملتان کی لڑائی کے دوران میں خدمت کرتا رہا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ کنیری اور سدوساصم کی لڑائیوں میں شریک تھا اور ملتان کے دونوں محاصروں کے وقت اس کا اور اس کی فوج کا رویہ بہت اچھا رہا۔ 1857ء میں وہ انبالہ میں پولیس بٹالیئن کا افسر تھا اور وہاں اور دہلی دونوں مقامات پر اس نے قابل تعریف کام کیے۔ مڑاکے کی جہاں وہ رہتا تھا 300 روپے کی جاگیر تھی اور اس موضع میں سردار فتح سنگھ 1875ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا گوردت سنگھ پہلے پہل سورج مکھی میں 30 روپیہ ماہوار کا جمعدار تھا۔ پھر درجہ بدرجہ ترقی پا کر پانچویں پولیس بٹالیئن کا ایک سو پچاس روپے ماہوار پر صوبہ دار اور ایڈ جوٹنٹ بن گیا مگر 1862ء میں پولیس میں عام طور پر تخفیف ہونے کی وجہ سے 500 روپے بطور انعام لے کر ملازمت سے علیحدہ کیا گیا۔ اس نے پولیس میں پھر ملازمت کر لی اور ضلع منٹگمری میں 200 روپیہ ماہوار کا انسپکٹر ہو گیا۔ اس کے باپ کی حین حیات کی پنشن اور جاگیر میں سے ایک تہائی ضبط ہو گئی۔ گوردت سنگھ 1901ء میں فوت ہوا اور اس کی جاگیر اور دوسری جائیداد اس کے تین لڑکوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہو گئی۔ اس کا بڑا بیٹا شیر سنگھ جو چند سال پولیس میں ڈپٹی انسپکٹر رہا۔ خاندان کا بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا بیٹا پرتاب سنگھ فوج میں براہ راست افسر بھرتی ہوا اور 1903ء میں فوت ہوا۔ فتح سنگھ کے سوتیلے بھائی جودھ سنگھ نے اس وجہ سے کہ وہ اپنا قرضہ ادا نہیں کر سکتا تھا اپنا مذہب بدل لیا۔ اس نے راولپنڈی کے کسی سوداگر سے ایک خوبصورت اور قیمتی گھوڑا لیا تھا

MashalBooks.com

مگر اس کی قیمت نہ ادا کر سکا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی درخواست کی مگر اس کے پاس روپیہ نہ تھا جو اسے دیتا۔ آخر کار گھوڑے کی جسے وہ واپس دینا بھی گوارا نہ کر سکتا تھا قیمت کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ نہ پا کر وہ اس پر سوار ہو کابل چلا گیا۔ یہیں مسلمان ہو گیا اور 1855ء میں فوت ہو گیا۔ اس نے ایک بیٹا سردول سنگھ نامی چھوڑا جو چند سال سرحدی فوج میں صوبیدار رہ کر پنشن لے کے علیحدہ ہوا اور 1899ء میں فوت ہوا۔

اس خاندان کا اب کوئی آدمی درباری نہیں۔

سنت سنگھ سدھو

خاندان سدھو کی اس شاخ کا سب سے پہلا شخص جو سکھ ہوا دیال سنگھ تھا۔ وہ 1698ء کی اس لڑائی میں مارا گیا جو آنند پور کے قریب ہوئی۔ اس کے بیٹے بھگوان سنگھ کا گزارہ زراعت اور لوٹ مار دونوں پر رہا اور اس کا پوتا اربیل سنگھ موضع سدھو میں ایک قلعہ بنا کر اور قریباً دوسو سوار جمع کر کے گردونواح کے چالیس مواضعات کا مالک بن گیا۔ اس نے اپنے ایک لڑکے کی شادی سردار گوجر سنگھ والیٔ لاہور کی لڑکی سے اور دوسرے لڑکے کی سردار سدھ سنگھ ڈوڈیا کی لڑکی سے کر کے گردونواح کے بڑے بڑے رؤسا سے رشتہ داری پیدا کی جس کی وجہ سے اس کا معمولی حیثیت کا علاقہ خلل اندازیوں سے محفوظ رہا۔ اس کا بیٹا بھوپ سنگھ جو اس کا جانشین ہوا اس کی طرح خوش نصیب نہ تھا اس کے علاقہ پر سردار امیر سنگھ رئی سوریاں نے کہ اس کا رشتہ دار بھی تھا، فوج کشی کی اور بہت سا مال غنیمت لے گیا۔ بھوپ سنگھ نے اس کا تعاقب کیا اور دشمن کی ایک کمیں گاہ میں پھنس کر مارا گیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد رنجیت سنگھ نے سدھوؤں کا بہت سا علاقہ دبالیا اور کاہن سنگھ کے قبضے میں قریباً پندرہ گاؤں اس شرط پر رہنے دیے کہ وہ پچیس سوار خدمات کے لیے دیا کرے۔ اس نے کاہن سنگھ کو ایک رسالے کا کمیدان بنا دیا اور اس کے چچا فتح سنگھ کو بھی ایک ماتحت عہدہ عطا کیا۔ 1809ء میں فتح سنگھ کانگڑے کی لڑائی میں مارا گیا اور اس کی جاگیر اس کے بھتیجے کاہن سنگھ کو دے دی گئی مگر وہ اس جاگیر سے کچھ زیادہ عرصہ فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ 1814ء کی نامراد و ناکامیاب جنگ کشمیر میں وہ اپنے دوسرے خاندان والوں کے ساتھ مقتول ہو گیا۔

دیوا سنگھ کے گزارے کے لیے جو اپنے باپ کی وفات کے وقت نابالغ تھا

چار مواضعات کی جاگیر جن کی 3000 روپے مالیت تھی چار سوار خدمات کے لیے دینے کی شرط پر مل گئی اور 1836ء میں اسے شہزادہ کھڑک سنگھ کی فوج میں داخل کیا گیا۔ 1848ء میں وہ اپنی سرکار کا وفادار رہا اور باغی دھاڑا سنگھ گوگیرہ والے کے برخلاف لڑائی میں اچھی خدمات کیں۔ اس کے 2500 روپے مالیت کے مواضعات بھڈن کے بھٹیانوالہ، دھار اور دلو کی تاحین حیات آمدنی کا 2/5 حصہ بطور نذرانہ دینے کی شرط پر عطا کیے گئے اور اس کی وفات پر مواضعات بھڈن اور بھٹیانوالہ اس کے ورثاء کے نام آمدنی کا 1/3 حصہ نذرانہ دینے کی شرط پر علے الدوام کر دیے گئے۔ دیوا سنگھ 1882ء میں فوت ہوا۔ دیوا سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا بشن سنگھ 1892ء میں فوت ہوا اور اب اس کے بیٹے سنت سنگھ کو خاندان کا جواب زیادہ مقتدر نہیں رہا اور جس کا کوئی رکن درباری بھی نہیں بزرگ سمجھنا چاہیے۔ یہ موضع بھڈ نکے تحصیل شرقپور میں رہتا ہے۔

☆☆☆

کپتان سردار راوتار سنگھ رئیس ٹھیھٹر

اس خاندان کا سب سے پہلا شخص جس نے 1740ء کے قریب سکھ مذہب اختیار کیا چوہڑ سنگھ تھا۔ جو سدھو جاٹ اور موضع ٹھیھٹر نزد لاہور کا چودھری تھا۔ اس کا پوتا لکھا سنگھ سردار سک چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے ہاں سواروں میں ملازم ہوگیا اور علاقہ رنجیت گڑھ اور ضلع گوجرانوالہ کے چار مواضعات جاگیر میں حاصل کیے۔ یہ اپنے تین بھائیوں کے ساتھ اپنے آقا کی طرف سے اس کی بھنگی مسل کے ساتھ طول طویل معرکوں میں لڑتا رہا۔ اس نے اس دھرم سنگھ کے خلاف جو پری ٹاشا کے نام سے زیادہ معروف ہے لڑ کر بھی ناموری حاصل کی۔ یہ وہ دھرم سنگھ ہے جس نے چڑھت سنگھ کی وفات پر اس کے جانشین کی نوجوانی اور کمزوری پر شیر ہو کر بھنگی مسل کی سرداری حاصل کر لینے کی کوشش کی تھی۔ لکھا سنگھ کا بھائی شمشیر سنگھ چٹھوں کی جنگجو قوم کے ساتھ جن کو مہاں سنگھ نے رام نگر سے نکال دیا تھا اور جنہوں نے شہر کے قریب منچر کے مقام پر رنجیت سنگھ کو تقریباً شکست دے دی تھی لڑ کر پہلے پہل مشہور ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا خیال تھا کہ بندوقوں کی نسبت تلواریں زیادہ کارآمد ہیں اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس لڑائی میں صرف تلواریں ہی استعمال کریں مگر شمشیر سنگھ نے اپنی بندوق اپنے پاس رکھی اور بڑے نازک وقت میں جبکہ مہاراجہ کی فوج کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔ اس نے چٹھوں کے افسر کو گولی مار کر مار دیا۔ شمشیر سنگھ بڑا مشہور نشانچی تھا مگر یہ بندوق پر کمان کو ترجیح دیا کرتا تھا اور اس کے ہاتھ کا تیر کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ 1908ء میں اس نے مہاراجہ کے حکم سے امرتسر میں گوبند گڑھ کا قلعہ بنوایا۔ اس جگہ پر جہاں گوبند گڑھ کا قلعہ ہے پہلے سردار گوجر سنگھ بھنگی کا بنوایا ہوا ایک قلعہ بھی تھا مگر یہ زیادہ مضبوط نہ تھا۔ شمشیر سنگھ اس نئے قلعہ کا تھانہ دار مقرر کیا گیا اور اس عہدہ پر چند سال مامور رہا اور اس کے بعد فقیر امام الدین مقرر

MashalBooks.com

ہوا۔ شمشیر سنگھ نے بہت سی لڑائیوں میں خدمات کیں اور قصور کے پٹھانوں کی لڑائی کے دوران میں کوٹ بڈھے خاں کے مقام میں ایک نیزہ بردار نے اس کو مار ہی ڈالا تھا جو اس پر اس وقت پیچھے سے حملے آور ہوا جبکہ یہ اپنی دل پسند کمان ہاتھ میں لیے لڑ رہا تھا۔ تب اسے معلوم ہو گیا کہ پاس کی لڑائیوں میں کمان کچھ زیادہ کام نہیں دے سکتی الغرض سنگھ قصور کی اس لڑائی میں مارا گیا اور اسی سال کے اندر اس کے دونوں بھائی امیر سنگھ اور صاحب سنگھ بھی اول الذکر کانگڑہ کے پہاڑی علاقہ میں اور آخر الذکر سبحان پور کے پاس مارے گئے۔ 1819ء میں شمشیر سنگھ تھانیدار ہو کر نور پور تبدیل کیا گیا۔ وہ 1824ء میں فوت ہوا اور اس کی جاگیر پر اس کا دوسرا بیٹا وچن سنگھ جو پشاور کشمیر، ٹیری اور بہت سے دوسرے مقامات میں عمدگی سے لڑا تھا جانشین ہوا۔ 1848ء میں وچن سنگھ اپنے سواروں کے ساتھ سردار لال سنگھ کالیاں والے کے ماتحت ملتان بھیجا گیا۔ مگر وہاں جا کر باغیوں کے ساتھ مل گیا اور سرکار انگریزی کے خلاف بھی رام نگر اور گجرات کے مقامات پر لڑا۔ الحاق کے بعد اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور اسے 100 روپے کی نقد جاگیر دی گئی۔ یہ موضع ٹھیہٹر ضلع لاہور کے نصف حصہ کا بھی مالک تھا۔ اس کا انتقال 1867ء میں ہوا۔ اس کا بھائی کیسر سنگھ جو 120 روپے پنشن پاتا تھا 1863ء میں فوت ہوا۔ اس خاندان کے بہت سے افراد نے 1858ء میں ملازمت اختیار کر لی۔ راجندر سنگھ رسالے میں دفعدار تھا اور اس کا بھائی اندر سنگھ جو ایک زمانہ میں لیفٹیننٹ گورنر کا ایڈی کانگ تھا اور قمر سنگھ اور ملکھا سنگھ گائڈ کور میں اول الذکر بحیثیت جمعدار کے اور آخر الذکر بحیثیت دفعدار کے بھرتی ہوئے۔

وچن سنگھ کی وفات کے بعد اس خاندان کا سب سے زیادہ مقتدر رکن سردار اندر سنگھ انسپکٹر پولیس تھا جو سر جان لارنس کے زمانہ سے لے کر اپنے پنشن پانے تک ہر ایک لیفٹیننٹ گورنر کا اردلی افسر رہا اور جو پنشن پانے کے بعد لیفٹیننٹ گورنر کا آنریری اٹاچی بنایا گیا۔ یہ بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دادا ہمیشہ رنجیت سنگھ کے اوائل عمر میں مہاراجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور اس کو شمشیر زنی اور شہسواری سکھایا کرتا تھا۔ وہ مہاراجہ کی بہت سی ابتدائی لڑائیوں میں بھی موجود تھا۔ اندر سنگھ کے باپ شیر سنگھ کو بڑا عمدہ تلوار یا ہونے کی وجہ سے استاد کا خطاب ملا اور رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک معزز عہدیدار ہو گیا نیز اس نے بنوں اور پشاور کی اکثر سرحدی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ایک موقع پر اٹک کے پاس بندوق کی گولی سے اس کی

ران میں سخت زخم بھی آ گیا تھا۔

سردار اندر سنگھ 1900ء میں فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بڑا لڑکا تیجا سنگھ جانشین ہوا جس نے اپنے چھوٹے بھائی جنیجا سنگھ کے ساتھ اپنے باپ کی جائیداد برابر حصوں میں ورثہ میں پائی۔ اس جائیداد میں سے 700بیگھہ اراضی رکھ لدھڑ کی۔ 200 بیگھ رکھ دھلا کی۔ 1860ء میگر اراضی موضع ٹھیہٹر کی اور ضلع لائل پور میں 6 مربع شامل ہیں۔ رکھ لدھڑ اور رکھ دھلا کی اراضیات کے حقوق مالکانہ سردار اندر سنگھ نے خرید کر حاصل کیے تھے۔ سردار تیجا سنگھ کے قبضہ میں متذکرہ بالا نصف حصے کے علاوہ 45 روپے سالانہ کی جاگیر بھی تھی۔ یہ انسپکٹر پولیس درجہ اول اور پراونشل درباری تھا اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کا دس سال ایڈی کانگ رہا تھا اور عہدہ کے تخفیف میں آ جانے کے وقت تک وہی اس پر مامور رہا۔ یہ 1913ء میں اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوا اور 1929ء میں پانچ لڑکے چھوڑے جن میں سب سے بڑا سردار اوتار سنگھ اپنے باپ کی جگہ پراونشل درباری بنایا گیا۔ سردار اوتار سنگھ نے ایچی سن کالج میں تعلیم پائی اور اسے 1905ء میں 22 رسالہ میں براہ راست بھرتی کیا گیا اور 1915ء میں ترقی پا کر رسالدار ہوگیا۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے بھرتی کے کام میں بہت امداد کی۔ یہ 1919ء میں میسوپوٹیمیا کی ایکسپڈیشنری فورس میں شامل ہوا اور اس نے بحیثیت ٹروپ کمانڈر بڑی بہادری دکھائی جو حکام کے نوٹس میں لائی گئی اور اسی طرح اس نے اپنی نمایاں اور شاندار بہادری اور اپنی خدمات کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ رکھنے کے صلہ میں 5 ستمبر 1917ء کو انڈین آرڈر آف میرٹ کا تمغہ حاصل کیا۔ 1918ء میں اسے اندرو کے کیڈٹ کالج میں داخلہ کے لیے منتخب کیا گیا اور ایک سال بعد شاہی کمیشن عطا کیا گیا۔ جنگ میں اس کی خدمات کے صلہ میں اس کو ضلع منٹگمری میں دو مربعہ جات اراضی عطا کیے گئے جہاں اس نے ڈیڑھ مربعہ مرید نمبرداری کا حاصل کیا۔1924ء کی اکالی شورش میں اس نے جالندھر بریگیڈ کے جنرل افسر کمانڈنگ کو بہت کچھ امداد دی۔ تقریباً 30 سال کی شاندار ملازمت کے بعد اس نے 1934ء میں 500 پونڈ سالانہ کی پنشن پائی جو ایک مستقل کپتان کو دی جاتی ہے اس کے بیٹے گورپورن نے بھی ایچی سن کالج میں تعلیم پائی جہاں سے وہ 1926ء میں ڈپلومہ لے کر فارغ ہوا۔ گورپورن سنگھ کو 1931ء میں انڈین ریزورآفیسروں میں تھا' پنجاب کی پولیس میں بطور انسپکٹر لے لیا گیا اور اب یہ گجرات میں تعینات ہے۔ کپتان سردار اوتار سنگھ کا چھوٹا

بھائی کرنیل سردار رگھبیر سنگھ ایچی سن کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1915ء میں ریاست پٹیالہ کی ملازمت میں بطور سپرنٹنڈنٹ پولیس داخل ہوا۔ 1927ء میں یہ اسی ریاست میں قائم مقام انسپکٹر جنرل پولیس ہوا اور بعدازاں یہی عہدہ اس کو مستقل طور پر مل گیا۔ کپتان سردار اوتار سنگھ کا دوسرا چھوٹا بھائی کپتان سردار امریک سنگھ بھی ایچی سن کالج کا تعلیم یافتہ ہے اور 1930ء میں یہ مہاراجہ پٹیالہ کا ایڈی کانگ مقرر ہوا۔

سردار تیجا سنگھ کا چھوٹا بھائی سردار جنیجا سنگھ 1886ء میں 21 رسالہ میں براہ راست افسر بھرتی ہوا اور ترقی پا کر اس کا رسالدار میجر ہوگیا۔ 1888ء میں اس نے وادی زوب میں اپنے رسالہ کے ایک دستہ کے ساتھ سر رابرٹ سینڈیمن کے ماتحت اور پھر 98-1897ء میں ٹوچی کی لڑائی میں خدمات سرانجام دیں۔ اس نے وزیروں کی ایک ٹکڑی گرفتار کرنے میں میجر (جو بعد میں میجر جنرل ہوگئے) سر جیمز ولکاکس کی بڑی امداد کی نیز 1902ء میں درویش خیل وزیروں کی لڑائی میں بھی اس نے حصہ لیا۔ یہ 1913ء میں کپتان کے اعزازی عہدہ سے اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوا اور اپنے موضع ٹھیٹر میں اول درجہ کا آنریری مجسٹریٹ اور سول جج بنایا گیا۔ 1930ء میں اسے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا جس عہدہ سے کچھ دیر ہوئی یہ سبکدوش ہوا ہے۔ پنجاب کے سابق گورنروں میں سے ایک گورنر یعنی سر جافرے ڈیمانٹ مورنسی کے الفاظ میں مارشل لاء کے دنوں میں بھی اس نے بہت اچھا کام کیا اور اکالی شورش کے دوران میں اس نے بڑی امداد کی۔ شرومنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے فہمید حساب کے مقدمہ میں یہ مدعی تھا اور سدھار کمیٹی کا یہ سب سے پہلا ممبر تھا۔ اس کو 2 مربعہ جات اراضی تو فوج کی طرف سے عطا ہوئے اور ان کے علاوہ 6 اور مربعہ جات پولیٹیکل خدمات کی وجہ سے عطا ہوئے۔ اس کے تین بیٹوں میں سے پہلا سردار سکھ ہنس سنگھ جو پنجاب یونیورسٹی کا گریجویٹ اور مشہور کسرتی نوجوان ہے حال ہی میں تحصیلداری کے عہدہ کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ دوسرے یعنی لیفٹیننٹ سردار کلونت سنگھ نے ایچی سن کالج لاہور پرنس آف ویلز رائل ملٹری کالج ڈیرہ دن اور سینڈ ہرسٹ انگلستان میں تعلیم حاصل کی اور اب پنجابی پلٹن میں عہدہ دار ہے تیسرا لڑکا بھوپندر سنگھ نابالغ ہے۔ معمر کپتان سردار جونجا سنگھ کی رشتہ داری پنجاب کے کئی معزز گھرانوں کے ساتھ ہے اس کی چار لڑکیاں علی الترتیب سردار جگجیت سنگھ مان مانانوالہ لیفٹیننٹ سردار نونہال سنگھ مان مانانوالہ۔ کپتان سردار مہندر سنگھ اٹاری اور سردار

MashalBooks.com

بھوپندر سنگھ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پنجاب کے ساتھ بیاہی ہوئی ہیں۔

اندر سنگھ کے بھائی راجندر سنگھ نے ایام غدر میں لکھنو کے مقام پر بیش بہا خدمات سر انجام دیں یعنی یہ پہلی امداد کے وقت اور لڑائی کے بہت سے خطرناک مواقع پر موجود رہا۔ اس نے اپیے سینا کی لڑائی' کالے پہاڑ کی پہلی لڑائی اور جنگ افغانستان میں بہت سی خدمات کیں اور 1881ء میں کابل سے واپس آنے کے تھوڑی دیر بعد فوت ہو گیا۔ اس کے خاندان کو اس کی شاندار خدمات کے صلہ میں 312 روپے کی خاص پنشن عطا کی گئی۔ اس کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا خوشحال سنگھ بنگال کے دسویں رسالہ میں ملازمت کی حالت میں فوت ہوا اور دوسرا لڑکا لال سنگھ اسی رسالہ میں اپنی وفات یعنی 1903ء تک رسالدار رہا۔ اس کا بھائی سروپ سنگھ بھی رسالدار تھا۔ اندر سنگھ کا چھوٹا بھائی دلیپ سنگھ ریاست بہاولپور کے رسالہ میں پنشن پا کر سبکدوش ہونے تک رسالدار میجر رہا اور جنگ افغانستان میں موجود تھا۔ اس کا بیٹا کچھمن سنگھ بھی فوج میں رسالدار تھا۔ کچھمن سنگھ کا بیٹا گوربخش سنگھ 1913ء میں 22 رسالہ میں لیس دفعہ دار بھرتی ہوا اور 1916ء سے 1919ء تک جنگ عظیم میں شامل رہا جہاں اس نے عراق کی بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا اور اپنی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں پانچ روپیہ ماہوار کا جنگی انعام حاصل کیا جو اس کی دو نسلوں تک برابر جاری رہے گا۔ اس کی جنگی خدمات کے صلہ میں اسے اپریل 1925ء میں وائسرائے کمیشن دیا گیا اور یہ ترقی پا کر 1932ء میں رسالدار اور 1936ء میں رسالدار میجر ہوا اور نیز کئی تمغے اور سندات حاصل کیں۔

قمر سنگھ کا بیٹا کرپال سنگھ گائڈز میں دفعدار تھا۔ وچن سنگھ کا پوتا لال سنگھ پنجابی پلٹن 24 میں جمعدار بھرتی ہوا اور بعد میں پنجابی پلٹن نمبر 3 میں صوبیدار ہو گیا۔ امیر سنگھ کا پڑپوتا بشن سنگھ ایام غدر میں لکھنو اور دیگر مقامات پر لڑتا رہا اور بعد ازاں چین میں بھی اچھی خدمات سرانجام دیں۔ اس کو 2 مربعہ جات اراضی اور تمغہ جات ملے تھے۔ اس کا بیٹا پشورا سنگھ اسی رجمنٹ میں جو بعد ازاں 19 رسالہ کہلائی براہ راست جمعدار بھرتی ہوا۔ اس کو 2 مربعہ جات اراضی اور 5 تمغہ جات عطا ہوئے۔ اس کا بیٹا سردار اوتار سنگھ 19 کے جی اولانسرز میں رسالدار ہے اور اسے 4 تمغہ جات ملے ہوئے ہیں۔ اس خاندان کی چھوٹی شاخوں کے رکن فوجی ملازمت ایک پیشہ سمجھ کر کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر آج کل رسالوں میں ملازم ہیں اور بہت سے بڑے بوڑھے ہندوستان بھر میں کئی سال تک سخت خدمات کرنے کے بعد اپنے

گھروں میں بیٹھے گاڑھی محنت سے حاصل کی ہوئی پنشنیں کھارہے ہیں۔

سردار تیجا سنگھ نکئی

علاقہ نکا میں جو گوگیرہ اور لاہور کے درمیان ہے دو خاندانوں کا نام مشہور ہوا یعنی سردار کاہن سنگھ بہیڑ وال والے کا اور دھاڑا سنگھ گوگیرہ والے کا۔ان دونوں خاندانوں کے درمیان کوئی قرابت نہ تھی البتہ دونوں ہمسائے تھے اور ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہا کرتے تھے۔

چودھری مٹھا کا لڑکا قمر سنگھ بہادر اور فتح مند رئیس تھا جس نے کوٹ کمالیہ سیدوالا اور قرب وجوار کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔اس نے عموماً اپنا علاقہ سردار رن سنگھ رئیس بہیڑ وال سے بچائے رکھا مگر 1780ء میں اس کی وفات کے تھوڑے دن پہلے سیدوالا دشمن کے ہاتھ پڑ گیا۔ اس کے بعد بھائی وزیر سنگھ نے جو اس کا جانشین ہوا رن سنگھ کے بیٹے بھگوان سنگھ سے واپس لے لیا۔دونوں حریف رؤسا میں ہمیشہ کی طرح سخت لڑائی قائم رہی اور نتیجہ کچھ نہ ہوا۔بھگوان سنگھ نے اپنی تقویت کے واسطے اپنی ہمشیرہ کی شادی مہاں سنگھ سکر چکیہ کے لڑکے سے جو بالکل بچہ تھا کردی مگر اس رشتہ داری سے اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ 1783ء میں سردار جے سنگھ کنہیا نے جو مہاں سنگھ سے جموں میں لوٹ مار کرنے اور حقیقت سنگھ کنہیا کو دھوکا دینے کی وجہ سے ناراض تھا علاقہ نکا پر چڑھائی کی اور وزیر سنگھ اور بھگوان سنگھ دونوں کے علاقوں پر بلا رورعایت قبضہ کرلیا مگر ان رئیسوں نے انتقام لے لیا کیونکہ دو سال بعد سکر چکیوں اور راجگڑھیوں کے ساتھ کنہیوں پر حملہ کرنے میں شامل ہوگئے اور اس آخر الذکر بڑی مسل کا زور بل ٹوٹ گیا اور سردار گوربخش سنگھ مارا گیا۔

1790ء میں ہیرا سنگھ رئیس بہیڑ وال کے بیٹے دل سنگھ نے سردار وزیر سنگھ کو قتل کرڈالا مگر اس قتل کا بدلہ قاتل سے ایک وفادار نوکر نے لے لیا اور دل سنگھ کو اسی کے گھر میں اسی کے کنبے اور قوم کے لوگوں کے سامنے قتل کرڈالا۔اس کے بعد مہر سنگھ علاقہ پر متصرف ہوا اور 1804ء تک حکمران رہا لیکن اس وقت اس کے بھائی نے اس کی لڑکی ایشر سنگھ سے منسوب کردی جو رانی مہتاب کور کا بیٹا مشہور تھا۔اس بات پر رنجیت سنگھ سخت غضبناک ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایشر سنگھ اس کا بیٹا نہیں ہے مگر مہر سنگھ کی جرأت سے اس کو خاندان کی ساری جائیداد ضبط کرلینے

MashalBooks.com

کا اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور خاندان کے پاس صرف 4 ہزار روپے کی مالیت کی جاگیر باقی رہ گئی۔ منسوبہ لڑکی مسماۃ ویساں بعدازاں 1819ء میں مہاراجہ شیر سنگھ کے ساتھ بیاہی گئی۔

سردار مہر سنگھ 1843ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا دھاڑا سنگھ جانشین ہوا جس نے فیروز پور کی لڑائی کے دوران میں اپنے آپ کو اس طرح مشہور کیا کہ ایک جمعیت سواروں کی اکٹھی کر لی اور ہر ایک طرف سے ملک کو لوٹنا شروع کیا جب امن ہو گیا تو اس کی بدکرداری کے باعث دربار نے اس کی جاگیر ضبط کر لی۔ 1848ء میں وہ ملتان پر اپنے سواروں سمیت راجہ شیر سنگھ کے ساتھ شامل ہوا مگر فوراً ہی اپنے وطن کی طرف واپس آ گیا اور احمد خاں کھرل مشہور رئیس نے اسے ترغیب دی کہ ست گھرہ کو لڑائی کے لیے مضبوط کر کے سرکار انگریزی کا مقابلہ کرے۔ دھاڑا سنگھ اس پر راضی ہو گیا مگر اس کے دغاباز دوست نے سارا حال گورنمنٹ سے کہہ سنایا اور اس پر فوج کشی کی جس سے اس کو بڑے نقصان کے ساتھ شکست ہوگئی پھر یہ بھاگ کر سکھ فوج میں چلا گیا اور رام نگر اور گجرات کی لڑائیوں میں لڑا۔ الحاق کے کچھ عرصہ بعد بورڈ آف ایڈمنسٹریشن نے اسے نہایت افلاس کی حالت میں پا کر 300 روپے کی پنشن مقرر کرا دی۔

1857ء کے فسادات کے دوران میں دھاڑا سنگھ کو اپنے پرانے دشمن احمد خاں سے بدلہ لینے کا موقع ملا۔ اس رئیس نے جس کا قوم کھرل میں بہت رسوخ تھا اور اپنے زمانے میں بہت سی لڑائیوں میں سرکردہ رہ چکا تھا یہ خیال کیا کہ بغاوت 1857ء میں لوٹ وفساد کا ایسا اچھا موقع ہے کہ اس کو ہاتھ سے کھو دینا گناہ ہوگا چنانچہ اس نے اپنی قوم کو برانگیختہ کر کے بغاوت پر آمادہ کر دیا اور دھاڑا سنگھ کو پیغام بھیجا کہ اس کے ساتھ شامل ہو مگر سردار کو اپنے تباہ شدہ گھر اور لوٹی ہوئی فصل کا خیال آ گیا اور اس نے احمد خاں کے ارادوں کی گورنمنٹ کو خبر پہنچا دی اور خود میجر مارسڈن کے زیر حکم فوج میں شامل ہو گیا اور باغیوں کے مقابلہ میں لڑنے کو گیا۔ وہ کئی معرکوں میں موجود تھا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس نے احمد خاں کو اپنے ہاتھ سے گولی سے مارا۔ جب بغاوت فرد ہو گئی تو دھاڑا سنگھ نے ضروری خبریں دیں جن سے اکثر باغیوں پر جرم ثابت ہوئے۔ خواہ دھاڑا سنگھ کو جوش وفاداری تھا یا بدلہ لینے کی نیت تھی اس کی جو خدمات تھیں وہ بہرحال قابل قدر تھیں اور ان کے صلے میں اس نے 300 روپے سال کا اور عطیہ حاصل کیا نیز گشکوری اور واں مہر سنگھ دو مواضعات جن کی مالیت 200 روپے تھی اور جو ان کی پرانی جاگیر

میں سے تھے جاگیر علی الدوام میں حاصل کیے۔

دھاڑا سنگھ نے دولڑکے اتم سنگھ اور شیر سنگھ چھوڑ کر 1860ء میں وفات پائی۔ اول الذکر نے ضلع لاہور کی محکمہ پولیس میں انسپکٹر کے عہدے تک ترقی کی۔ ان دونوں بھائیوں نے گوگیرہ کی خاندانی جائیداد رہن کر دی مگر گشکوری اور وان مہر سنگھ کی جاگیران کے نام بحصہ مساوی قائم رہی۔ سردار اتم سنگھ کو ضلع لاہور کے کئی مواضعات پر حقوق مالکانہ حاصل تھے۔ اس کی شادی سردار کرم سنگھ سدھو خاندان میں ہوئی اور اس شادی کی وجہ سے اس کی قرابت لاہور والے سردار سردول سنگھ مان، سردار نرائن سنگھ رندھاوا اور سردا جواہر سنگھ سرہالی والا کے ساتھ بھی ہوگئی تھی۔

اتم سنگھ 1907ء میں فوت ہوا اور تین بیٹے چھوڑے جن کو چونیاں اور گوگیرہ تحصیلوں کی جائیداد اور گوگیرہ کی جاگیر ورثہ میں ملی۔ بڑے لڑکے تیجا سنگھ اور وریام سنگھ دونوں سب انسپکٹر پولیس تھے اور تیسرا لابھ سنگھ اس جائیداد کا انتظام کرتا تھا جو چناب پر واقع ہے اور جو 1911ء میں 6 مربعہ جات اراضی پر مشتمل تھی۔ سردار تیجا سنگھ اب موضع مدکی واقع ضلع لاہور میں رہتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا ادھم سنگھ 1916ء میں گلاسکو کی یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ نہر چناب میں بطور ٹمپریری انجینئر ملازم ہوا مگر اپنی ملازمت میں ہی ایک دیوانہ گیدڑ کے کاٹنے سے 1923ء میں فوت ہوگیا۔ سردار تیجا سنگھ کے دوسرے دو بیٹوں گورچرن سنگھ اور ہرچرن سنگھ نے بھی انگلستان میں تعلیم حاصل کی۔ اول الذکر نے سول انجینئرنگ کا ڈپلومہ حاصل کیا اور اب ریاست بیکانیر کے پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہے اور مؤخر الذکر نے گو ریلوے کی تعلیم حاصل کی لیکن وہ سرکاری ملازمت میں داخل نہیں ہوا۔ سردار تیجا سنگھ کا سب سے چھوٹا لڑکا شوچرن سنگھ اراضیات کے کام میں اپنے باپ کی امداد کر رہا ہے۔ سردار وریام سنگھ کا انتقال 1919ء میں ہوا۔ سردار لابھ سنگھ اور اس کے بیٹے زراعت کے کام میں مشغول ہیں۔

افغانوں کی قوم سدوزئی

جس میں ملتان کے ''لاہور کا سدوزئی خاندان'' نواب اور احمد شاہ ابدالی ہوئے ہیں کا وارث اعلیٰ سدوخاں قندھار کا باشندہ تھا جہاں وہ 1558ء میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کی جگہ

MashalBooks.com

حبیب زئی قوم کا رئیس ہوا مگر یہ ایسا بہادر قابل آدمی تھا کہ قوم ابدالی نے جو قندھار اور ہرات کے درمیانی ملک میں رہتی تھی اسے اپنا سرگروہ منتخب کیا۔ یہ واقعہ 1598ء کا ہے۔

شاہ عباس نے اکبر کی وفات کے بعد سردار خان کے ابدالیوں کی مدد سے 1821ء میں قندھار فتح کر لیا۔ سدو خاں 1626ء میں پانچ لڑکے چھوڑ کر فوت ہوا جن کی اولا میں بہت سی مشہور اقوام افغان نکلی ہیں۔ خاندان کی ایک شاخ جس میں احمد شاہ' تیمور شاہ' زماں شاہ اور شاہ شجاع تھے سالہا سال تک کابل میں بھی حکمران رہی ہے۔

سدو خاں کا سب سے بڑا بیٹا خضر خاں 1626ء میں فوت ہوا اور محدود خاں اس کی وفات کے بعد 17 سال تک حکمران رہا۔ یہ صافا میں جو قندھار کے شمال مشرق میں تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جہاں علی مروان خاں ناظم رہا کرتا تھا۔ محدود خاں نے علی مروان خاں سے جو بڑا قابل اور مہذب آدمی تھا ہمیشہ دوستی رکھی۔ 1637ء میں علی مروان خاں نے جو اپنے آقا شاہ ایران کا منظور نظر نہ تھا قندھار کا علاقہ شہنشاہ شاہ جہاں کے عامل متعینہ کابل کے حوالے کر دیا اور آپ دہلی آ گیا جہاں اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا گیا۔ اس سے چھ سال بعد محدود خاں ایک خانگی فساد میں مقتول ہو گیا۔ اس کا بیٹا شاہ حسین خاں اس کا جانشین ہوا مگر خداداد خاں نے جو اس حکومت کا دعویٰ اپنے باپ خضر خاں کے حقوق کی وجہ سے کرتا تھا اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ ان دونوں چچیرے بھائیوں میں صافا کے قریب لڑائی ہوئی جس میں حسین خاں کو شکست ہوگئی مگر یہ قندھار کی طرف بھاگ آیا اور یہاں کے ناظم خاص خاں کی امداد سے ایک بڑی فوج کے ساتھ پھر میدان جنگ میں نکلا۔ خداداد خاں اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر اصفہان کی طرف بھاگ گیا جہاں شاہ عباس ثانی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور یہ شاہ کے ہمراہ 1648ء میں قندھار پر چڑھ آیا اور پیشتر اس کے کہ اس کے بچانے کے لیے شاہ جہاں کی فوج پہنچے شہر کو فتح کر لیا۔ تب شاہ سہراب خاں قزلباش ناظم قندھار اور خداداد خاں کو شہر کی دیواروں کے باہر کے ملک پر حکمران کر کے ہرات کی طرف ہٹ گیا۔

حسین خاں چند مہینے بعد اورنگزیب اور سعد اللہ کے ماتحت ہندوستانی فوج کے پہنچنے پر بہت ہی خوش ہوا۔ حتیٰ کہ حملہ آوروں کے ساتھ مل گیا مگر ایرانی فوج نے قندھار کو بچایا کہ 1649ء کے شروع موسم سرما میں اورنگزیب کو مجبوراً محاصرے سے ہاتھ اٹھا کر ہندوستان کی

MashalBooks.com

طرف واپس ہونا پڑا۔ شاہ حسین خاں اور اس کا تمام کنبہ اس کے ہمراہ آ گیا کیونکہ وہ افغانستان میں اس کے بعد امن وعافیت سے نہ رہ سکتے تھے۔

شاہ حسین نے پہلے پہل پرگنہ سیالکوٹ جاگیر میں حاصل کیا اور تھوڑی مدت بعد اس کے تبادلے میں اسے رنگ پور (مظفر گڑھ) کا علاقہ دیا گیا جو دریا چناب کے داہنے کنارے پر راوی اور چناب کے مقالم اتصال سے دس میل نیچے کی طرف واقع ہے۔ 1653ء میں وہ شاہ جہاں کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ داراشکوہ کے ہمراہ لڑنے کے لیے قندھار گیا۔ مغلوں کی شہر مذکورہ فتح کرنے کی یہ آخری کوشش تھی جس میں کامیابی نہ ہوئی۔ دوسرے سال شاہ حسین شہزادہ اورنگزیب کے ہمراہ دکھن کی طرف جہاں کا شہزادہ نائب السلطنت تھا گیا مگر 1655ء میں دہلی واپس آ گیا اور علی مردان خاں کے رسوخ کے ذریعے اسے سات سو سوار اور اس کے بھائی کو دو سو سوار بھرتی کرنے کی اجازت ملی۔

1658ء میں جب اورنگزیب تخت پر بیٹھا تو حسین خاں بھی اپنی جاگیر پر قابض ہوا مگر اس تیز مزاجی نے اسے جلدی بے عزت کرا دیا۔ ایک نحس دن شہنشاہ کچھ گھوڑوں کا جو کسی نے اسے بطور نذر دیئے تھے ملاحظہ کر رہا تھا۔ ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے اس نے حسین خاں سے پوچھا کہ یہ کس نسل کا ہے۔ حسین خاں ذرا سوچنے لگا مگر ایک خوبصورت پٹھان نے جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا سوال کا جواب دے دیا۔ حسین خاں نے آگ بگولا ہو کر کہا ''غلام جب شہنشاہ مجھ سے مخاطب تھے تو تو کیوں بولا؟'' پٹھان نے جواب دیا ''غلام اپنی ذلیل شکل سے پہچانے جاتے ہیں'' حسین خاں کو جو پست قد اور بڑا بدشکل تھا اس پر ایسا غصہ آیا کہ اس نے اپنا چھرا نکال کر دلیر مقرر کے دل پر مار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں جو شہنشاہ کی عین موجودگی میں سرزد ہوا تھا حسیں خاں کو قید کر دیا گیا اور گو کچھ عرصے کے بعد اسے رہائی مل گئی مگر ہمیشہ کے لیے دربار سے خارج کر دیا گیا۔ رنگ پور میں واپس آنے کے تھوڑی مدت بعد یہ لاولد فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی الہ داد خاں اس سے کچھ عرصہ پہلے چھ لڑکے چھوڑ کر فوت ہو چکا تھا جن میں سب سے بڑے عنایت خاں نامی نے اپنے چچا کی جاگیر حاصل کی۔ جب شہزادہ محمد معظم کا بیٹا اور اورنگزیب کا پوتا محمد معزالدین بہادر شکارپور اور سندھ کی طرف جاتا ہوا ملتان ٹھہرا تو عنایت خاں اس کے ساتھ شامل ہو گیا اور دوران جنگ میں لڑتا رہا۔ افغان باغی بختیار خاں مطیع ہو گیا اور عنایت خاں کی سفارش پر اس کو معاف کر دیا گیا۔

عنایت خاں کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا شیر محمد خاں جانشین ہوا۔ اس کا چچا عابد خاں تمام کاروبار کرتا تھا اور وہ ہی اصل حاکم تھا۔ عابد خاں کے بھائی لشکر خاں نے تو اس بنا پر رئیس بننے کا دعویٰ کیا کہ میں بڑا ہوا اور شیر محمد خاں کے بھائی اصغر خاں نے اس بنا پر کہ اس کا باپ اور بھائی رئیس تھے۔ افغانوں میں تفریق ہوگئی ان میں سے کچھ ایک کی طرف ہو گئے اور کچھ دوسرے کی طرف اور صرف علاقہ کے ناظم حیات خاں کے رعب کی وجہ سے ان کے آپس میں خون نہیں بہے۔ ناظم مذکورہ نے یہ عہد لے کر کہ اس کا فیصلہ سب تسلیم کر لیں گے زاہد خاں کو رئیس بنا دیا۔ اس کا انتخاب بہت اچھا رہا اور سب نے یک زبان ہو کر منظور کر لیا۔

زاہد خاں نہایت قابل حلیم الطبع اور فاضل شخص تھا۔ وہ قمرالدین وزیر دہلی کا بڑا دوست تھا اور جب نادر شاہ نے ہندوستان پر فوج کشی کی اور مغلوں کی طاقت دور دور کے صوبہ جات میں کمزور ہوگئی تو اسے دہلی بلایا گیا اور قمرالدین کے رسوخ کے ذریعے سے ملتان کا نواب مقرر کیا گیا۔ یہ واقعہ 1738ء کا ہے۔ زاہد خاں نے اپنے نامزد ہوتے ہی اپنے لڑکے شاکر خاں کو لکھا کہ وہ نواب بن جائے مگر ناظم وقت اسحٰق خاں آسانی سے نہ مانا اور سخت لڑائی کے بعد ہی دخل اندازی سے باز رکھا گیا۔ 1747ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر فوج کشی کی اور شاہنواز خاں ناظم لاہور کو بھگا کر ملتان کی طرف بڑھا جہاں اس نے زاہد خاں کو اس کے عہدے پر مستقل کر دیا۔ دربار دہلی نے اس سے یہ سمجھا کہ زاہد خاں ان سے دغابازی کر کے دشمن سے مل گیا ہے اور شاہنواز خاں کو اس کی جگہ ملتان کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا اور وزیر قمرالدین کے بیٹے میر منو کو لاہور میں وائسرائے مقرر کر دیا۔ زاہد خاں نے پہلے پہل اس نئے ناظم کے آنے پر کچھ مزاحمت نہیں کی مگر بساکھی کے میلے میں شاہنواز خاں کے ایک سپاہی نے شہر کے متصل کسی گاؤں میں ایک افغان عورت کی بےعزتی کی۔ اس سے عام بلوہ ہوگیا جس میں دیوان لکھپت رائے کے ایک رشتہ دار کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس پر زاہد خاں نے اپنے افغانوں کو جمع کر کے شاہنواز خاں کی افواج پر حملہ کیا جو پسپا ہوگئیں اور شاہنواز خاں کو مجبور ہو کر میر منو سے مدد مانگنے کے لیے لاہور آدمی بھیجنے پڑے۔ مگر میر منو شاہنواز خاں کو اپنا حریف سمجھتا تھا مدد دینی تو درکنار اس نے الٹا ایک اور شخص کوڑا مل کو ملتان میں اپنا نائب مقرر کر کے مع فوج بھیج دیا۔ اس شخص کو میر منو نے خطاب راجہ سے بھی سرفراز کر رکھا تھا۔ راجا مذکور کی فوج کی ملتان سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر شاہنواز خاں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ شاہنواز

خاں شکست کھا کر مارا گیا۔

اس کے بعد راجہ کوڑامل بہ حیثیت ناظم ملتان میں داخل ہوا۔ یہ اس صوبے میں پہلے دیوان رہ چکا تھا اس لیے زاہد خاں اس نئے ناظم کی فرمانبرداری اپنی ہتک عزت سمجھ کر سید پور کی طرف ہٹ گیا۔ کوڑامل اسے بزور مطیع ہونے پر مجبور کیا چاہتا تھا کہ احمد شاہ نے ایک نیا حملہ کیا جس میں اسے مجبور ہو کر ملتان کو زاہد خاں کے بیٹے شاکر خاں کے ہاتھ دے کر لاہور ہٹنا پڑا۔ میر منو اور کوڑامل 12 اپریل 1752ء کو احمد شاہ ابدالی سے لاہور کے قریب ملے اور اس سے لڑائی کی مگر ان کو شکست ہوگئی۔ کوڑامل مارا گیا۔ میر منو نے صلح کر لی اور لاہور کا مستقل وائسرائے مقرر کیا گیا اور علی محمد خاں ایک افغان افسر اس کی ماتحتی میں ملتان کا ناظم بنا دیا گیا۔ زاہد خاں 1749ء میں فوت ہوا۔ اس کے بیٹے شاکر خاں نے ملتان کی حکومت نئے ناظم کے سپرد کر دی اور اس کے ساتھ دوستانہ طریق پر رہا۔

1757ء میں مرہٹوں نے پنجاب کو تہ و بالا کیا۔ پیشوا کے بھائی راگھوبا نے لاہور پر قبضہ کیا اور صالح بیگ اور سنجلی بیگ کو مرہٹہ سرداروں نے ملتان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جس پر انہوں نے علی محمد خاں کے بھاگ جانے کی وجہ سے بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔ مرہٹے جن کی حکومت نہایت تکلف رساں اور سخت جابرانہ تھی زیادہ عرصے تک ملتان پر قابض نہ رہے اور خواجہ یعقوب کو احمد شاہ ابدالی نے اس جگہ کا دوسرا ناظم مقرر کر دیا۔ علی محمد خاں نے پہلے تو شاہی حکم کی تعمیل کی تھی لیکن تھوڑی مدت کے بعد خواجہ یعقوب کو کمزور پا کر نکال دیا اور آپ نواب بن گیا۔

شاکر خاں مر گیا تھا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا کسی قابلیت کا آدمی نہیں تھا اس لیے احمد شاہ نے زاہد خاں کے دوسرے بیٹے شجاع خاں کو ملتان کی نوابی لے لینے کے لیے لکھا۔ شجاع خاں نے اپنے افغانوں کو جمع کیا مگر علی محمد خاں نے جس کے پاس کوئی فوج اس قابل نہ تھی کہ یہ اس کا مقابلہ کرتا اطاعت قبول کر لی۔ چنانچہ شجاع آباد کا قلعہ بنایا۔ فسادی علی محمد خاں نے اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور شجاع خاں جو ہر دلعزیز نہ رہا تھا شکست کھا کر قید ہو گیا اور علی محمد خاں پھر نواب بن گیا۔ اس کارروائی سے احمد شاہ کو حد درجے کا غصہ آیا اور اس نے 1767ء میں ملتان پہنچ کر علی محمد خاں کو قید کر لینے کا حکم دیا جو اس بلا کا دیدہ دلیر نکلا کہ خود دربار میں حاضر ہو گیا جہاں احمد شاہ کے حکم سے اس کے اور اس کے بیٹے کے تکے اڑا دیے گئے اور

MashalBooks.com

ان کی لاشوں کو اونٹوں پر لاد کر شہر میں پھرایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص کسی سدوزئی کی بے عزتی کرے گا اس کا یہی حال کیا جائے گا۔ اس کے بعد شجاع خاں پھر ملتان کا نواب مقرر کیا گیا اور احمد شاہ کابل کی طرف روانہ ہوگیا۔

1771ء میں سکھ جو روز بروز طاقتور ہوتے جاتے تھے اور جنہوں نے 1766ء میں جھنڈا سنگھ کے ماتحت ملتان کے علاقے پر دست تصرف دراز کر رکھا تھا ملتان پر حملہ آور ہوئے اور ڈیڑھ مہینے تک قلعے کا محاصرہ رکھا مگر جہان خاں اہل قلعہ کی امداد کے لیے پہنچا اور سکھوں کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد حاجی شریف خاں سدوزئی کو تیمور شاہ نے ملتان کا ناظم نامزد کیا اور شجاع خاں پھر اپنے شجاع آباد کے قلعے کی طرف ہٹ گیا مگر جب اس سے زمینداری جاگیروں کی تمام آمدنی مانگی گئی تو اس نے انکار کر دیا اور ناظم سے کھلم کھلا لڑ پڑا۔ اس پر ایک اور حاجی شریف خاں تکّہی نامی جو مرزا شریف بیگ کے نام سے بھی مشہور تھا مع دھرم داس نامی سوداگر کے مقرر کیا گیا اور اس نے کوشش یہ کی کہ شجاع خاں سے آشتی رکھی جائے گی مگر عبدالکریم خاں بامازئی نے ملتان پر فوج کشی کی اور مرزا نے اپنی امداد کے لیے سکھوں کو بلایا۔ تیمور شاہ نے یہ سن کر کہ مرزا نے اس کے سخت دشمنوں میں سے ایک کو اپنا طرفدار بنایا ہے اس کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ پر کرنے کے لیے مدد خاں کو بھیجا۔ شریف بیگ نے نئے ناظم سے مقابلہ کیا مگر شجاع خاں نے اس کی طرفداری کی اور ان دونوں نے مل کر شریف بیگ کو شہر پناہ میں گھیر لیا مگر یہ شہر کو فتح نہ کر سکے اور مدد خاں کو قندھار واپس بلا لیا گیا۔ تیمور شاہ نے اب نواب بہاولپور کو باغی ناظم کے مطیع کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے اپنے اور کرودپوتروں کے ساتھ مع شجاع خاں کے بیٹے مظفر خاں کے ملتان کی طرف کوچ کیا اور قلعے کا محاصرہ کر کے اٹھارہ دن میں فتح کر لیا مگر یہ فتح تھوڑے ہی دن رہی۔ شریف بیگ نے اپنی امداد کے لیے سردار جھنڈا سنگھ اور سردار گنڈا سنگھ بھنگی رئیسوں کو بلایا اور وہ ایک بڑی فوج لے کر پہنچ گئے۔ انہوں نے بہاولپور کی افواج کو شکست دی اور قلعہ فتح کر کے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس پر مرزا تلمبے کی طرف اور وہاں سے خیرپور تنوین کی طرف بھاگ گیا اور وہاں تھوڑی مدت کے بعد فوت ہوگیا۔

پھر سکھوں نے شجاع آباد پر جہاں شجاع خاں بھاگ کر گیا تھا حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور شجاع خاں بڑی مشکل سے بھاگ سکا اور بہاولپور میں پناہ گزین ہوگیا۔ اس کے بعد سردار

MashalBooks.com

جھنڈا سنگھ ملتان کو دیوان سنگھ چاچووالیہ کے جو اس کے مسلداروں میں سے ایک تھا' حوالے کر کے امرتسر واپس آ گیا۔ یہ واقعہ 1772ء کا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شجاع خاں فوت ہو گیا اور 1777ء میں اس کے بیٹے مظفر خاں نے بہاول خاں نواب بہاولپور کو اکسایا کہ شہر ملتان کی بازیافت کے لیے پھر ایک کوشش کرو۔ چنانچہ اس نے قلعے پر حملہ کیا اور پہلے پہل کامیاب رہا مگر تیئس دن کے محاصرے کے بعد نقصان اٹھا کر پسپا ہو گیا۔ اس پر مظفر خاں نے امداد کے لیے کابل درخواست کی چنانچہ سردار مدد خاں بہت سی فوج کے ساتھ پھر روانہ کیا گیا مگر وہ دوسرے سال کے شروع تک ملتان میں نہ پہنچ سکا۔ اس وقت کابل کے سیاسی حالات تبدیل ہو گئے تھے اور اس کی خدمت کی وہاں ضرورت تھی۔ چنانچہ اسے بغیر کوئی کارروائی کیے واپس بلا لیا گیا۔ اس پر مظفر خاں اچ کی طرف ہٹ گیا جہاں یہ 1779ء تک جبکہ تیمور شاہ والیٔ کابل ایک بڑی فوج کے ساتھ ملتان پر چڑھ آیا اور چالیس دن کے محاصرے کے بعد اسے سکھوں سے لے لیا مخدوم صاحب شیخ حامد کی حفاظت میں رہا۔ سکھوں کو تکلیف دیے بغیر اجازت دے دی گئی کہ واپس ہو جائیں اور مظفر خاں کو نواب رکن الدولہ کا خطاب دے کر ملتان کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ نیا ناظم مستعد اور قابل آدمی تھا اور اس نے اپنے طویل عہد حکومت میں صوبہ ملتان کی بہت سی اصلاحیں کیں مگر اسے ایسے کاموں کے کرنے کا جس سے کہ ہمیشہ امن و امان قائم رہے وقت کم ملا کیونکہ 1779ء سے اس کی وفات یعنی 1818ء تک وہ متواتر لڑائیوں میں مشغول رہا۔ پہلے پہل بھنگی مسل کے فرقوں نے اس پر حملہ کیا اور بعد ازاں صاحب خاں سیال اور سردار کرم سنگھ بھنگی نے متفق ہو کر حملہ کیا جن کو اس نے بڑی مشکل سے پسپا کیا۔

1790ء میں محمد خاں بہادر خیل کو ملتان کا افسر بنا کر مظفر خاں نے کابل کی طرف سفر کیا اور دو سال تک غیر حاضر رہا۔ جب زماں شاہ تخت نشین ہوا تو مظفر خاں کو مستقل طور پر ملتان کا ناظم بنایا گیا اور 1797ء میں جب شاہ مذکور نے ہندوستان پر فوج کشی کی اور کچھ عرصے کے لیے سکھوں کی حکومت جاتی رہی تو اس نے ان کو کوٹ کمالیہ سے بھی نکال دیا اور یہ علاقہ یہاں کے موروثی رئیس سعادت یار خاں کھرل کے حوالے کر دیا۔

ملتان میں مظفر خاں کا بڑا دشمن سدوزئی رئیسوں میں سے ایک شخص عبدالصمد خاں تھا جس نے حتی المقدور نواب کے نقصان پہنچانے کے لیے لاہور اور کابل کے درباروں میں

MashalBooks.com

کوشش کی اور جس کو ایک زمانے میں شاہ زماں نے ناظم بھی مقرر کر دیا مگر آخرکار اس کو شکست ہوگئی۔ اس کا قلعہ لے لیا گیا اور اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔

1802ء میں مظفر خاں نے پہلے پہل نوجوان رئیس رنجیت سنگھ کو دیکھا جو ملتان کی طرف وہاں کی اراضیات کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ نواب اس سے ملنے کے لیے شہر سے تیس میل کے فاصلے پر آیا اور دونوں روٗسا ایک دوسرے کو بیش بہا تحائف دے کر بہت اچھی دوستی کی حالت میں جدا ہوئے۔ اس کے بعد 1806ء میں جھنگ فتح کر کے رنجیت سنگھ نے ملتان کی طرف کوچ کیا اور مہتم کے مقام پر پہنچا جو شہر سے بیس میل شمال کی طرف واقع ہے۔ یہاں نواب نے جس کی اس کے ساتھ لڑنے کی کوئی خواہش نہ تھی اس کو ستر ہزار روپے دیئے کہ یہ پیچھے ہٹ جائے چنانچہ رنجیت سنگھ نواب کو بیش بہا خلعتیں دے کر روانہ ہوگیا۔ احمد خاں سیال رئیس جھنگ جس کو ابھی ابھی رنجیت سنگھ نے شکست دی تھی، ملتان میں پناہ گزین ہوا اور مظفر خاں نے اسے آدمی اور روپے دیئے جن سے گو یہ فتح سنگھ کالیاں والے کو جس کے قبضے میں اس کا علاقہ تھا بالکل پسپا نہ کر سکا مگر اس نے اپنے ملک کا بہت سا حصہ واپس لے لیا۔ عبدالصمد خاں سدوزئی نے جو شکست کھا کر لاہور میں پناہ گزین ہوا تھا۔ 1807ء میں ملتان پر یورش کرنے کی ترغیب دی چنانچہ قصبے کا کچھ حصہ فتح ہوگیا مگر سکھوں کی تمام کوششوں پر بھی قلعہ فتح نہ ہوسکا اور فتح سنگھ کالیاں والے کی معرفت ایک عہدنامہ ہوگیا جس کی رو سے مہاراجہ بہت سا روپیہ لے کر واپس ہٹ آیا۔

اسی سال مظفر خاں نے متواتر لڑائیوں سے تھک کر اپنی جگہ اپنے بیٹے سرفراز خاں کو نواب بنا دیا اور آپ حج کے لیے مکہ روانہ ہوگیا۔ مظفر خاں چودہ مہینے تک غیر حاضر رہا اور 1808ء کے آخر میں اس کے حاجی بن کر واپس آنے کے تھوڑی دیر بعد مسٹر الفنسٹن شاہ شجاع الملک کے دربار پشاور کی طرف جاتا ہوا ملتان ٹھہرا۔ اس کی بڑی مہمان نوازی کی گئی اور نواب نے اپنے آپ کو سرکار کی حفاظت میں رکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر سرکاری ایلچی (مسٹر الفنسٹن) کو اس درخواست کے منظور کرنے کے اختیارات نہ تھے اس لیے مظفر خاں نے کلکتہ میں گورنر جنرل سے خط و کتاب شروع کی جس میں سرکار انگریزی کا دوست بننے کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔

1810ء کے شروع میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پھر ملتان پر فوج کشی کی اور اس سے

تھوڑی مدت پہلے شاہ شجاع کو خوشاب کے مقام پر ملا جہاں اس جلاوطن بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ سکھ ملتان لے کر اسے دے دیں۔ مظفر خاں 1803ء میں شاہ شجاع کی فوج کو ایک حملے میں پسپا کر چکا تھا اور اس کے بعد شاہ سے صلح کر لینے کی امید پر ایک سے زیادہ دفعہ اس کو ملتان میں پناہ لینے کی بابت کہہ چکا تھا مگر شاہ شجاع شہر اور صوبہ ملتان فتح کر کے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ مہاراجہ نے اس کمزور دل شاہ کی بڑی عزت کی مگر اس سے روپیہ حاصل کرنے میں ناکام رہ کر اس نے ملتان کو اپنے لیے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ 24 فروری 1810ء کو وہ شہر کی دیواروں کے پاس پہنچ گیا اور دوسرے دن شہر پر قبضہ کر لیا۔

مہاراجہ کی اس کارروائی سے آس پاس کے رئیس بہت ڈر گئے۔ محمد خاں رئیس لیہ اور بھکر نے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ بطور فدیہ ملک ادا کر دیا اور صادق محمد خاں والئ بہاولپور نے بھی ایک لاکھ روپیہ اسی غرض سے پیش کیا مگر یہ نامنظور کیا گیا گو صادق محمد خاں مظفر خاں کا دوست تھا اس پر بھی اس نے پانچ سو سوار سکھوں کی کمک کے لیے مجبوراً بھیج دیے۔ کچھ عرصے تک قلعے پر بے فائدہ گولہ باری کی گئی اور اس کے بعد اسے بارود سے اڑانے کی تجویز ہوئی مگر قلعے کے اندر گھرے ہوئے آدمیوں نے دھوکا دے کر کامیابی حاصل کی اور عطر سنگھ دھاری کے توپ خانے میں آگ لگا کر اڑا دیا۔ اس کو مع بارہ آدمیوں کے ہلاک کر ڈالا اور دوسروں کو جن میں سردار نہال سنگھ اٹاری والا اور نوجوان ہری سنگھ نلوہ بھی شامل تھے، سخت زخمی کر دیا۔ توپخانہ مذکور قلعہ کے اس قدر نزدیک تھا کہ سکھ لوگ اپنے مرے ہوئے آدمیوں کی لاشوں کو نہ لے جا سکے اور اہل قلعہ نے عطر سنگھ کی لاش دوشالے سے ڈھانک کر مع دوسری لاشوں کے بھیج دی۔

دیوان محکم چند قلعہ شجاع آباد کو فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا مگر یہ قلعہ بڑا مضبوط تھا اور فتح نہ ہو سکتا تھا۔ 21 مارچ کو ایک عام ہلہ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن سکھ بڑا نقصان اٹھا کر پسپا ہوئے اور کیمپ میں سامان خورد و نوش بہت مہنگا ہو جانے کی وجہ سے ان کے دل ٹوٹ گئے۔ دیوان محکم چند سخت بیمار تھا کئی اعلیٰ افسر بھی مارے جا چکے تھے اور اس پر بھی شہر پناہ پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ 25 تاریخ کو ایک اور حملہ کیا گیا مگر نتیجہ وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ اب محاصرہ ہٹا لینا ضروری تھا اور رنجیت سنگھ کو سخت رنج دلی کے ساتھ مظفر خاں کی وہ شرائط ماننی پڑیں جن کو وہ بہت دفعہ نامنظور کر چکا تھا اور وہ شرائط یہ تھیں کہ وہ مظفر خاں سے اڑھائی لاکھ روپیہ بیس فوجی

MashalBooks.com

گھوڑے اور لڑائی کے وقت فوج لیا کرے چنانچہ اس رقم کی پیشگی تیس ہزار روپے لے کر مہاراجہ 14 اپریل کو ملتان سے ہٹ آیا۔ یہ دیکھ کر اس کی اپنی فوج ملتان فتح کرنے کے لے ناکافی ہے رنجیت سنگھ نے گورنر جنرل کو لکھا کہ وہ انگریزی فوج سے اس کی امداد کرے۔اس کی اس تجویز پر کچھ بھی غور نہ کیا گیا۔زیادہ تر اس لیے کہ اس کا ایمان یہ تھا کہ سرکاری فوج پنجاب میں سے گزرنے کے بجائے ستلج کے جنوبی بنجر ملک میں سے گزرے۔شاہ شجاع بھی ملتان پر خود حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اس نے دانائی سے یہ خیال چھوڑ دیا کیونکہ اس کو کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔

نواب کا اب صادق محمد خاں والی بہاولپور سے جس نے گزشتہ لڑائی میں اس کے دشمنوں کو مدد دی تھی' تنازع ہوگیا۔ بہاولپور میں صادق خاں کے خلاف ایک زبردست جماعت تھی جس کے سرگروہ فتح محمد گوری اور احمد خاں تھے اور یہ دونوں اپنے آقا کو قتل کرنے کی ایک کوشش میں ناکام ہوکر علاقہ ملتان میں پناہ گزین ہوگئے۔خاں موصوف نے نواب پر اعتراض کیا کہ اس نے ان کو کیوں پناہ دی ہے مگر مظفر خاں جس کا غصہ ذرا بھی کم نہ ہوا تھا باغیوں کی مدد کرتا رہا اور جب اس نے دیکھا کہ باغی لوگ مغلوب ہو چکے ہیں تو خان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔مظفر خاں بذات خود شجاع آباد گیا اور اپنی فوج کو یعقوب محمد خاں جرنیل بہاولپور کے مقابلے میں آگے کیا۔لڑائی شروع ہوگئی جس میں داد پوترے جو تعداد میں افغانوں کی نسبت زیادہ تھے اور ان سے بہتر توپ خانہ رکھتے تھے فتح یاب ہوئے اور فوج افغان شجاع آباد کی طرف ہٹ گئی۔1811ء میں مظفر خاں کی لڑائی قوم رجبانہ کے ایک شخص مہر رجب نامی سے ہوئی جو اسی کا باجگزار تھا اور باغی ہوگیا تھا۔اس نے مہر مذکور کو شکست دی۔ اس کے قلعے کو برباد کر دیا اور اسی کی جگہ اور اسی موقع پر قلعہ فیروزگڑھ بنایا۔

فروری 1816ء میں سکھوں نے ملتان پر ایک بے قاعدہ سا حملہ کیا یعنی انہوں نے ایک زبردست فوج بہاولپور اور ملتان سے خراج اکٹھا کرنے کے لیے بھیجی اور چونکہ مظفر خاں نے خراج کی ادائیگی میں کچھ تاخیر کر دی تھی اس لیے پھولا سنگھ اکالی نے جو پاگل سا تھا اور اس وقت بھنگ کے نشے میں چور تھا اپنے جیسے پاگلوں کی ایک ٹڈی دل فوج سے شہر پر یورش کی اور ایسی تندی سے حملہ کیا کہ شہر پناہ کی بعض بیرونی عمارات پر قبضہ کر لیا۔اس حملے کی تو فقیر عزیزالدین نے باقاعدہ معذرت کر لی مگر اب نواب نے خراج ادا کرنے میں اتنی دیر نہ لگائی

جتنی دیر کہ وہ حملے نہ ہونے کی صورت میں لگاتا اور سکھ فوج منکیرہ کی طرف روانہ ہوگئی۔
1817ء میں ایک سکھ فوج نے دیوان چند کے ماتحت ملتان پر چڑھائی کی اور قلعہ پر حملہ کیا مگر پسپا ہوگئی اور 100000 روپے لے کر واپس ہوئی۔ یہ حملے بھی درحقیقت فتح کرنے کی غرض سے نہ کیے گئے تھے۔ مہاراجہ ملتان کے فتح کرنے میں سخت کوشش کرنے کے لیے اپنی فوج جمع کر رہا تھا اور اس نے قسم کھالی تھی کہ ملتان جس نے اتنی دفعہ اسے ہزیمت دی ہے اب بھی میرا ہو کے رہے گا۔ 1817ء کے موسم سرما میں وہ ہر ایک طرح سے آدمی اور سامان جمع کرتا رہا اور جنوری 1818ء میں 25000 آدمیوں کی ایک فوج نے جو شہزادہ کھڑک سنگھ کے برائے نام ماتحت تھی اور درحقیقت مسر دیوان چند اس کا افسر تھا۔ لاہور سے کوچ کیا۔ ملتان جاتے ہوئے رستے میں خان گڑھ اور مظفر گڑھ کے قلعے تھے جو اس فوج نے لے لیے اور شروع فروری میں شہر ملتان کا محاصرہ کر کے اس پر بھی قبضہ کرلیا اور قلعے پر گولہ باری شروع کر دی۔ نواب کے پاس قلعے میں صرف دو ہزار آدمی تھے اور شہر پناہ پر محاصرہ روکنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا مگر اس پر بھی اس نے ایسا مقابلہ کیا کہ سکھوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ دوسری جون تک گولہ باری شروع رہی جس سے دیواروں میں دو بڑے بڑے شگاف ہو گئے کیونکہ احمد شاہ درانی والی دمدمہ اور بھنگیوں والی بڑی توپ سکھ لوگ لاہور سے لے گئے تھے جسے انہوں نے چار دفعہ چلایا اور چاروں ہی نشانوں سے کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ سکھوں نے ایک سے زیادہ حملے کیے مگر ایک موقع پر ایک ہزار آٹھ سو آدمیوں کا نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ دروازے گولے مار کر توڑ دیے گئے مگر اہل قلعہ نے ان کے پیچھے مٹی کے ڈھیر لگا رکھے تھے جن پر چڑھ کر وہ سکھوں سے دست بدست لڑے۔ اہل قلعہ گھٹتے گھٹتے دو یا تین سو جنگجو آدمی رہ گئے تھے جن میں سے بہت سے خود مظفر خاں کی قوم یا کنبے کے آدمی تھے۔ باقی ماندہ یا تو مارے گئے تھے یا دشمن سے جا ملے تھے کیونکہ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو اس اشتعال سے بچ نہ سکتے تھے۔ آخر کار دوسری جون کو سادھو سنگھ نامی ایک اکالی یہ ارادہ کر کے کہ پھولا سنگھ نے 1816ء میں جو کچھ کیا تھا وہ اس سے بھی زیادہ کچھ کر کے دکھائے چند ہمراہوں کے ساتھ قلعے کی ایک بیرونی عمارت پر جھپٹا اور افغانوں پر بے خبری سے حملہ کر کے اس جگہ پر قبضہ کرلیا۔ سکھ فوجیں یہ کامیابی دیکھ کر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور دروازہ خضری والے شگاف پر آ چڑھیں۔ یہاں بوڑھا نواب اپنے آٹھ لڑکوں اور بچے کھچے قلعہ والوں کے

MashalBooks.com

ساتھ تلوار ہاتھ میں لیے مرتے دم تک لڑنے کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔ مخالفین میں سے ان کی کار آزمودہ تلواروں سے اتنے شکار ہوئے کہ سکھ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور اس چھوٹی سے جماعت پر اپنی توڑے دار بندوقوں سے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ نواب نے چلا کر کہا ''مردوں کی طرح آگے بڑھو اور آؤ ہم تم بہادروں کی طرح لڑائی لڑیں۔'' مگر یہ ایک ایسی دعوت تھی جو سکھوں نے منظور نہ کی۔ وہیں سفید ریش مظفر خاں جو پناہ لینے سے نفرت کرتا تھا اور وہیں اس کے پانچ بیٹے شاہ نواز خاں، ممتاز خاں، اعزاز خاں، حق نواز خاں اور شاہ باز خاں نے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کیں۔ بہادر مظفر خاں کے دوسرے بیٹے ذوالفقار خاں کے چہرے پر سخت زخم آیا اور باقی دونوں سرفراز خاں اور امیر بیگ خاں نے پناہ لے لی اور بچ گئے۔ دیوان رام دیال نے سرفراز خاں کو اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا اور بڑی عزت کے ساتھ اپنے خیمے میں لے گیا۔ اہل قلعہ میں سے بہت کم آدمی اپنی جانیں بچا کر بھاگے اور سکھوں نے تمام شہر کو لوٹنا شروع کر دیا۔ شجاع آباد کا قلعہ بھی فتح کر لیا گیا اور وہاں سے پانچ توپیں دستیاب ہوئیں اس کے بعد ملتان کی دیواروں کی مرمت کر دی گئی اور چھ سو آدمی سردار جودھ سنگھ کنہیا اور دل سنگھ نہرنہ کے ماتحت قلعہ میں رکھ کر سکھ فوج لاہور واپس ہوئی۔

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ملتان میں بڑی دولت ہے مگر اس موقع پر مہاراجہ کو لوٹ مار کا حصہ صرف دو لاکھ روپیہ ملا چنانچہ اس نے حکم جاری کیا کہ تمام افسروں اور سپاہیوں نے جتنا روپیہ لوٹا ہے واپس کریں اور اگر ایک معینہ تاریخ کے بعد یہ ثابت ہوا کہ کسی کے پاس کچھ رہ گیا ہے تو اس کی سزا یقینی طور پر موت ہوگی۔ اس حکم سے قریباً پانچ لاکھ روپے سرکاری خزانے میں اور ہو گیا مگر ملتان کی لوٹ مار کا تخمینہ بیس لاکھ پونڈ کیا جاتا تھا۔

نواب مظفر خاں اور اس کے بیٹے شاہ نواز خاں کو سلطان بہاؤالدین قدس سرہ العزیز کے مقبرے کے پاس بڑی عزت کے ساتھ دفن کیا گیا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا سرفراز خاں چند سالوں تک نواب رہا تھا اور اس کے باپ نے دربار کابل سے اس کی مستقل جانشینی کی سند حاصل کی تھی۔ اب دیوان چند اسے قیدی بنا کر لاہور لایا جس سے مہاراجہ نے اچھی طرح ملاقات کی اور اسے شرقپور اور نولکھے میں جاگیر دی جو بعد ازاں نقد پنشن سے بدل دی گئی۔ ذوالفقار خاں نے بھی پنشن حاصل کی۔ پہلے پہل سرفراز خاں کی لاہور میں بڑی حفاظت کی جاتی تھی مگر جب مہاراجہ کو حکومت ملتان کا کوئی کھٹکا نہ رہا تو اسے بالکل آزادی دے دی گئی

اور رنجیت سنگھ اس سے ہمیشہ عزت اور دوستی کے ساتھ برتاؤ کرتا رہا۔ 1848ء میں سرفراز خاں کا رسوخ سرکار انگریزی کے مفید مطلب ہوا کیونکہ اس نے اس کے ذریعے سے ملتانی پٹھانوں کو مولراج کی طرفداری سے باز رکھا تھا مگر ان کو اس کا ساتھ دینا کچھ ضروری بھی نہ تھا۔ الحاق کے موقع پر نواب کے پاس موضع چوموسا کی ایک ہزار ایک سو روپیہ کی جاگیر تھی اور یہ 14720 روپے نقد پنشن لیتا تھا۔ یہ پنشن تو اس کی حین حیات کے لیے بحال رکھی گئی اور اس کی جاگیر کی بابت یہ قرار پایا کہ اس کے بعد اس کا بیٹا فیروزالدین خاں لے۔ سرفراز خاں آٹھ لڑکے اور سات لڑکیاں چھوڑ کر 12 مارچ 1851ء میں فوت ہوا اور فیروزالدین خاں نے 1855ء میں انتقال کیا اور جاگیر سرکار نے ضبط کر لی۔

عبدالمجید خاں شاہ نواز خاں کا اکلوتا بیٹا تھا اس کی ماں ایک بامازئی خاتون تھی اور عبدالکریم خاں کی بیٹی تھی جو کچھ عرصے تک ڈیرہ جات کا ناظم رہا تھا اور جس کا بھائی وزیر شاہ ولی خاں احمد شاہ درانی کا وزیر تھا۔ عبدالمجید خاں لاہور میں بڑا معزز تھا جہاں وہ میونسپل کمیٹی کا ممبر اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔ یہ بڑا عالم آدمی تھا اور علم طب میں اس کو خوب مہارت تھی۔ 1864ء میں گورنمنٹ نے اسے نواب بنایا اور 1879ء میں پنجاب یونیورسٹی کا فیلو ہوا۔ نیز کئی سالوں تک میونسپل کمیٹی لاہور کا وائس پریذیڈنٹ بھی رہا۔ 1877ء میں اسے آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا اور 1887ء میں خطاب سی ایس آئی عطا کیا گیا۔ نواب عبدالمجید خاں نے اپنے رویے سے ہمیشہ اپنے تئیں گورنمنٹ کا خیر خواہ ثابت کیا۔ وہ موجودہ والی کپورتھلہ کے دادا راجہ رنبیر سنگھ کا بڑا دوست تھا جس کی ریاست میں اس نے کچھ عرصہ ملازمت بھی کی تھی اور اس کی خدمات مرحوم راجہ کھڑک سنگھ کی طویل علالت میں بڑی قابل قدر تھیں۔ کپورتھلہ دربار سے اسے کئی سال تک 3600 روپے ماہوار وظیفہ ملتا رہا۔ نواب عبدالمجید خاں 1890ء میں لاولد فوت ہوا۔

نواب سرفراز خاں کا بیٹا احمد علی خاں 1884ء میں فوت ہوا۔ وہ سرکار انگریزی سے 1200 روپے پنشن پاتا تھا اور ریاست کپورتھلہ اسے 480 روپے سالانہ وظیفہ دیتی تھی۔ یہ مع اپنے بھائی کے پوتے اعظم علی خاں کے باغبان پورہ (نزد لاہور) کی کچھ زمینوں کا مالک تھا جو اس کے باپ کی قبر کی شکست و ریخت کے لیے برائے نام معافی کے طور پر علیحدہ کر دی گئی تھیں نیز موضع چوڑا تحصیل شرقپور ضلع لاہور کی 300 بیگھ سے زیادہ اراضی اس کے قبضے میں

MashalBooks.com

تھی۔ احمد علی خاں کے دو بیٹے سعادت علی خاں اور مظفر علی خاں نے ایچی سن کالج میں تعلیم پائی۔ اول الذکر عہدۂ نائب تحصیلداری کا امیدوار ہے اور آخر الذکر کمشنر لاہور ڈویژن کے دفتر میں ملازم ہے۔ سرفراز خاں کا بھائی امیر باز خاں نواب بہاولپور کا پنشن خوار تھا اور 1800 روپے سالانہ لیتا تھا۔ اس کے بیٹے محمد علی خاں کو بھی جو 1883ء میں فوت ہوا۔ نواب مذکور اتنی ہی پنشن دیتا تھا۔

ذوالفقار خاں کے بیٹوں میں سے ایک محمد جہانگیر خاں جو 1620 روپے پنشن پاتا تھا۔ 1881ء میں فوت ہوا۔ وہ چند سال لاہور کی میونسپل کمیٹی کا ممبر رہا۔ خاں احمد یار خاں قسمت لاہور میں نائب تحصیلدار تھا اس کی دوسری بیوی امیر دوست محمد خاں مرحوم والئ کابل کی بھتیجی تھی۔ اسے 1875ء تک 1000 روپے سالانہ وظیفہ امیر کابل سے ملتا رہا جو سن مذکور میں اس واسطے بند ہوگیا کہ اس نے سرکار انگریزی کی ملازمت کر لی تھی۔ وہ 1440 روپے سالانہ خاندانی پنشن پاتا تھا اور پراونشل درباری تھا۔ اس کا انتقال 1903ء میں ہوا۔ اس کا پوتا عنایت اللہ خاں صاحب کمشنر لاہور کا شرف ہے اور چھ سو روپے سالانہ پنشن پاتا ہے۔

فیروز الدین خاں کے لڑکوں میں سے قاسم علی ریاست بہاولپور میں رسالدار ہوا۔ اسے سرکار انگریزی سے 1200 روپے پنشن بھی ملتی تھی۔ وہ 1881ء میں فوت ہوا۔ اس کا بھائی ہاشم علی خاں بھی نواب بہاولپور کا ملازم اور سرکار انگریزی کا پنشنر تھا۔ اس کا انتقال 1887ء میں ہوا۔ قاسم علی کا بیٹا محمد اعظم علی خاں خاندان کی بڑی شاخ کے افراد میں سب سے زیادہ معمر ہے اور اسی لیے اسے خاندان کا بزرگ سمجھنا چاہیے۔

اس خاندان کے نوابان بہاولپور سے ابھی تک تعلقات ہیں۔ ذوالفقار خاں اور حق نواز خاں کی اولاد میں بہت سے ابھی تک ریاست میں ملازم ہیں یا وہاں سے پنشنیں پاتے ہیں۔

یہاں نور محمد خاں رئیس ملتان ڈویژنل درباری اور شاخ خضر خیل کے سرکردہ کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔ اس کا باپ مبارز الدین 1886ء میں فوت ہوا اور اس خاندان کے قبضے میں طرف اسماعیل ضلع ملتان کی صرف تھوڑی سی علی الدوام جاگیر ہے۔ نور محمد خاں کے چچا بہرام خاں کو 1200 روپے کی جاگیر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ملی تھی جو الحاق کے موقع پر گھٹا کر نصف کر دی گئی۔ یہ چند سال تک تحصیلدار رہا اور 1858ء میں جبکہ سپاہیوں کی پلٹنیں ملتان میں باغی ہوگئی تھیں سرکار انگریزی کا وفادار رہا۔ بعدازاں وہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر کے چلا گیا اور وہیں

1878ء میں فوت ہوا۔ اسے غدر کی خدمات کے صلے میں جو نقد انعام ملتا تھا اس کے تین لڑکوں کے نام جاری رہا۔

سردار فتح سنگھ ملوئی

یہ خاندان مانجھے (ماجھے۔ مرتب) کا ایک معزز و مقتدر جاٹ خاندان ہے جو پہلے موراں کلاں علاقہ نابھہ میں رہا کرتا تھا بیان کیا جاتا ہے کہ مل سنگھ جو اس خاندان میں پہلے پہل سکھ ہوا تھا۔ 1760ء میں نابھہ کو چھوڑ کر پنجاب میں آ گیا جہاں یہ سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے ہاں سوار بھرتی ہوا اور چند سال بعد دھنی کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا دھنا سنگھ قریباً 1800ء میں سردار فتح سنگھ کالیاں والے کی فوج میں سوار بھرتی ہوا اور جلدی ہی رئیس موردعنایات ہو کر ایک فوج پر اس کو افسری کا عہدہ مل گیا۔ یہ فوج کالیاں والا میں بھٹی اور قصور کی لڑائیوں میں لڑا اور 1807ء میں سردار فتح سنگھ کی وفات پر جو نرائن گڑھ میں واقع ہوئی دھنا سنگھ مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا جس نے اسے ترنتارن کے نزدیک بلاسر میں 2000 روپے مالیت کی ایک جاگیر دی۔ یہ ان وکیلوں میں سے ایک تھا جن کو رنجیت سنگھ نے وزیر فتح خاں کابل والے کے پاس اس ملاقات کا انتظام کرنے کے لیے بھیجا تھا جو وزیر اور مہاراجہ کے درمیان جہلم کے مقام پر یکم دسمبر 1812ء کو ہوئی۔ انہی دنوں میں دھنا سنگھ نے تلہ گنگ ضلع جہلم کی 3000 روپے مالیت کی جاگیر حاصل کی۔ 1810ء کی لڑائی میں جو فتح خاں رئیس ساہیوال (ضلع سرگودھا' مرتب) کے ساتھ ہوئی اس کے چہرے پر ایک زخم آ گیا۔ جولائی 1813ء میں وہ اٹک کی لڑائی میں لڑا جس میں دیوان محکم چند نے فتح خاں بارک زئی کو شکست دی تھی۔ یہ رامدیال اور دل سنگھ نہرنہ کی فوج کے ہمراہ کشمیر کی پہلی لڑائی میں بھی گیا جس میں ناکامی ہوئی اور ایک چھوٹی سی لڑائی میں اس کے بازو پر تلوار کا زخم آ گیا۔ 1818ء میں وہ ملتان کے محاصرے میں بڑی بہادری سے لڑا اور حملہ کرنے والوں کی صف اول میں تھا۔ نواب مظفر خاں کی جڑاؤ تلوار اور ڈھال اس کے ہاتھ آئی جو یہ مہاراجہ کے پاس لے آیا جس نے اسے 5 ہزار روپے مالیت کی جاگیر دی جس کا بعد ازاں تلہ گنگ کے نزدیک ایک اور جاگیر سے تبادلہ کر دیا گیا۔

1819ء میں اس نے کشمیر کی دوسری لڑائی میں اور 1821ء میں منکیرہ کے محاصرے میں

جہاں یہ پھر زخمی ہوگیا خدمات سرانجام دیں۔اس وقت دھنا سنگھ مہاراجہ کا بڑا منظور نظر تھا اور بہت کم سردار تھے جن کا رسوخ اس سے زیادہ تھا یا جن کے مشورے کی اس کے مشورے سے زیادہ قدر کی جاتی تھی۔1823ء میں جہانگیرہ کے قبضہ کرنے کے وقت اور ٹہری کی لڑائی میں وہ موجود تھا۔ پھر کچھ عرصہ ضلع پشاور میں سردار بدھ سنگھ سندھانوالیہ اور شہزادہ کھڑک سنگھ کے ماتحت رہا۔سردار دھنا سنگھ کا بڑا لڑکا بچتر سنگھ 1827ء کے قریب فوج میں بھرتی ہوا اور اس نے پہلے پہل بہاولپور میں خدمات کیں جہاں اسے خراج وصول کرنے بھیجا گیا تھا۔1823ء میں دھنا سنگھ اس فوج کے ہمراہ گیا جو کانگڑے پر اس وقت قبضہ کرنے کے لیے بھیجی گئی جبکہ راجہ انرودھ چندوائی کانگڑہ راجہ دھیان سنگھ وزیر لاہور کے ساتھ رشتہ داری سے بچنے کے لیے ستلج پار بھاگ گیا تھا۔سکھوں کی فوج نے ہلہ کر کے جب پشاور پر قبضہ کرلیا تو بچتر سنگھ کو شب قدر کی طرف بھیجا گیا جہاں سردار چتر سنگھ اٹاری والے کے زیر اہتمام ایک نئی چھاؤنی ڈالی گئی تھی اور ایک قلعہ بنوایا گیا تھا۔ جب افغان فوج نے اس چھاؤنی اور قلعے اور جمرود کے قلعے پر اپریل 1837ء میں حملہ کیا تو یہ وہیں مقیم تھا۔اس سکھ فوج کی شکست اور ہری سنگھ نلوہ کی وفات کی خبر دھنا سنگھ کو اس وقت ملی جبکہ وہ پشاور کی طرف جا رہا تھا اس کو حکم ملا کہ راجہ دھیان سنگھ کی اس امدادی فوج کے ساتھ شامل ہوجائے جو بڑی عجلت کے ساتھ فوج مذکور کی مدد کے لیے جسے افغانوں نے گھیر لیا تھا اور جو بالکل مغلوب ہوجانے کے قریب تھی بڑھ رہی تھی۔

جنوری 1839ء میں سرداران بچتر سنگھ اور حکم سنگھ کو شاہ شجاع کے بیٹے شہزادہ تیمور کو پشاور پہنچانے کے لیے بھیجا گیا اور چند مہینے بعد حکم سنگھ شہزادہ نونہال سنگھ کے ہمراہ لاہور آ گیا جو اپنے دادا رنجیت سنگھ کی موت کی خبر پا کر جلدی سے لاہور پہنچنے کے لیے روانہ ہوا تھا۔

بچتر سنگھ 1840ء میں اور اس کا باپ دھنا سنگھ 1843ء میں فوت ہوئے۔آخرالذکر کی وفات سرکار خالصہ کی سرکار انگریزی سے کسی قدر شکر رنجی کا باعث ہوئی۔حکم سنگھ اپنے باپ کی دوسری جاگیروں کا جانشین ہوا۔فروری 1846ء میں وہ سبراؤں کی لڑائی میں مارا گیا اور اس کی وفات کے فوراً بعد راجہ لال سنگھ نے اس کی جاگیروں کو گھٹا کر 25000 روپے کی مالیت کا کردیا جو سردار کرپال سنگھ کے نام 60 سوار خدمات کے لیے دینے کی شرط پر جاری رہیں۔

کرپال سنگھ 1848ء میں راجہ شیر سنگھ کے ہمراہ ملتان میں تھا۔ جب راجہ مذکور کی فوج باغی ہوگئی تو کرپال سنگھ اس سے علیحدہ ہوگیا اور اپنے چند سواروں کے ساتھ میجر ایڈورڈز کے

ہاں جن کے ہمراہ پہلے وہ بنوں میں بھی خدمات کر چکا تھا۔کیمپ میں آ گیا الحاق کے موقع پر اس کی 11000 روپے کی ذاتی جاگیراس کی حین حیات کے لیے مستقل طور پر دے دی گئی اور 5000 روپے کی ایک نئی جاگیر ملتان میں وفاداری کرنے کی وجہ سے اسے دوامی عطا کی گئی۔ اس علی الدوام جاگیر پر شرط یہ تھی کہ وہ حکم سنگھ کی بیوہ چاند کور کو 1500 روپے سالانہ کی پنشن دیا کرے۔ بیوہ 1863ء میں فوت ہوئی۔

1857ء میں سردار کرپال سنگھ نے سپاہی بھرتی کئے اور سرکار انگریزی کا طرفدار ثابت ہوا جس کے صلہ میں اسے 500 روپے کا ایک خلعت ملا اور ایک نیک نامی کی سند عطا ہوئی۔ 1859ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا اکلوتا بیٹا سروپ سنگھ جس نے گورنمنٹ سکول لاہور میں تعلیم پائی تھی اس کا جانشین ہوا۔ سروپ سنگھ دولڑ کے جھنڈا سنگھ اور فتح سنگھ چھوڑ کر 1904ء میں فوت ہوا۔ اس کے لڑکوں نے اپنے باپ کی جاگیر اور دوسری جائیداد بحصہ مساوی پائی۔ سروپ سنگھ کی جاگیر کی آمدنی جو اس کے لڑکوں کو پہنچی۔1910ء میں دس ہزار روپے سالانہ تھی جس میں تحصیلات چونیاں، شرقپور اور لاہور کے گیارہ مواضعات کا مالیہ شامل تھا۔ سروپ سنگھ کے قبضہ میں کچھ اراضیات موضع بھیکے وال ضلع لاہور اور نور منا باد ضلع فیروز پور کی بھی تھیں۔

سردار کرپال سنگھ کی بیوہ اپنے مرتے دم یعنی 1892ء تک 1200 روپے سالانہ بطور وظیفہ پاتی رہی اور سردار سروپ سنگھ کی بیوہ 150 روپے ماہانہ کورٹ آف وارڈز سے لیتی رہی جس کے انتظام میں تمام جائیداد سروپ سنگھ کی وفات پر آ گئی تھی۔

سردار جھنڈا سنگھ نے خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم پائی تھی اور ضلع لاہور کے مشہور و معروف خاندان کملا میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کا انتقال 1930ء میں ہوا اور ایک بیٹا شیو دیو سنگھ چھوڑا جس نے اچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی ہے۔ سردار شیو دیو سنگھ کی شادی ریاست پٹیالہ کے چاہل خاندان میں ہوئی ہے اور یہ آج کل اپنے ترکہ کے انتظام میں مصروف ہے جس کی سالانہ آمدنی تقریباً 12000 روپے ہے۔ سردار جھنڈا سنگھ کے چھوٹے بھائی سردار فتح سنگھ نے اچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی جہاں سے اس نے 1912ء میں ڈپلومہ اور کالج میں ہر طرح اچھا متعلم ہونے کی وجہ سے ریواز گولڈ میڈل حاصل کیے۔ یہ اچھا کھلاڑی ثابت ہو کر کالج کی کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور ٹینٹ پیگنگ ٹیموں کا کپتان رہا۔ سردار فتح سنگھ گورنمنٹ کالج لاہور میں بھی تعلیم پاتا رہا اور اس کی شادی راجہ بدن سنگھ سی آئی ای

رئیس اعظم ملود کی پوتی سے ہوئی۔ سردار فتح سنگھ راجہ فرید کوٹ کا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوا اور اس عہدہ کے حاصل کرنے کے فوراً بعد پنجاب گورنمنٹ نے اس کا نام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے عہدہ کے لیے بھی منظور کرلیا مگر سردار نے پہلی ملازمت ہی کو ترجیح دی اور اسے پراونشل درباروں میں وہی جگہ ملی ہوئی ہے جو کسی زمانہ میں اس کے باپ کی تھی۔

انوپ سنگھ تہہ پوریہ

سردار ملکھا سنگھ ان زبردست سکھ سرداروں میں سے تھا جو اٹھارہویں صدی کے پچھلے حصے میں ہوئے ہیں۔ اس کا وطن قصور کے متصل موضع کالیکی تھا مگر اس کو ترک کر کے اس نے موضع تہہ پور (ضلع لاہور) آباد کیا اور نرواڑ جندھڑ دلین اور دوسرے مواضعات پر قبضہ کرلیا جن میں سے بعض تہہ پور کے گردونواح میں تھے اور باقی ماندہ اضلاع گوجرانوالہ اور گجرات میں۔ ان مقبوضاعات پر قناعت نہ کر کے اس نے شمال کی طرف کوچ کیا اور راولپنڈی پر متصرف ہوگیا جو اس زمانے میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی اور اس میں راول فقیر آباد تھے۔ اس نے راولپنڈی کے گرد تین لاکھ سالانہ آمدنی کا حصہ ملک فتح کیا اور ہزارے کی قومیں بھی اس کے نام اور طاقت کی عزت کرنے لگیں۔ اس نے اپنے آباد کردہ گاؤں پر اپنا لقب بھی تہہ پوریہ اختیار کیا تھا مگر شمالی اضلاع میں یہ ملکھا سنگھ پنڈی والا مشہور تھا اور خاندان کا یہی نام اب تک چلا آتا ہے۔

ملکھا سنگھ 1804ء میں فوت ہوا۔ رنجیت سنگھ نے اپنے اس پرانے دوست کی جس کو وہ بابا (دادا) کہا کرتا تھا جاگیروں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو یہ جاگیریں اس کو مجبوراً اکلوتے بیٹے جیون سنگھ کو کو دے دیں۔ جیون سنگھ کشمیر کی پہلی لڑائی میں جو 1814ء میں ہوئی لڑتا رہا اور دوسرے سال فوت ہوگیا۔

جیون سنگھ کے تین بیٹوں میں سب سے بڑا انند سنگھ اپنے باپ کی جاگیر کے ایک حصے پر جانشین ہوا۔ مہاراجہ نے پرانی جاگیر میں سے 292000 کی جاگیر ضبط کرلی اور صرف آٹھ ہزار کی رہنے دی اور 42000 روپے مالیت کی نئی جاگیریں ضلع فیروز پور میں ظفر وال کے قریب ایک سو سوار خدمت کے لیے دینے کی شرط پر عطا کیں۔ رام سنگھ کو جو اپنے باپ کے بعد صرف ایک سال زندہ رہا ہزارے میں جاگیر ملی ہوئی تھی اور گورکھ سنگھ کے پاس دو ہزار کی

مالیت کی سلطانی اور کالری ضلع گورداسپور کی جاگیر تھی۔ وہ فوج جو سردار ملکا سنگھ اور سردار جیون سنگھ نے رکھ چھوڑی تھی۔ ریاست میں منتقل اور سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ کے ماتحت رکھی گئی اس کا نام ڈیرہ پنڈی والا رکھا گیا اور اس میں گورمکھ سنگھ کو ایک عہدہ دیا گیا۔ دسمبر 1840ء میں جنرل ونچورا کے قلعہ کملا گڑھ واقع منڈی لے لینے کے تھوڑے عرصہ بعد کلو کے لوگوں نے بغاوت کی۔ پنڈی والے ڈیرے کی چار کمپنیوں کے آدمیوں کو مار کر تباہ کر دیا اور گورمکھ سنگھ کو جو اس کا کمیدان تھا مار ڈالا۔ انند سنگھ 1831ء میں فوت ہوا۔ اس کا اکلوتا بیٹا فتح سنگھ اس وقت آٹھ سال کی عمر کا لڑکا تھا اور 1836ء میں مہاراجہ نے اس کی جاگیر گھٹا کر 13000 روپے کر دی اور اس پر بیس سوار خدمت میں دینے کی شرط لگا دی۔ وہ مواضعات جو اس طرح چھوڑے گئے تھے تعداد میں مفصلہ ذیل دس تھے۔ تہہ پور' قلعہ سردار دالو کی اور کالیکی ضلع لاہور میں کہلی اور راجہ مل ضلع امرتسر ہیں۔ لولی' لوہری اور دونی ضلع سیالکوٹ میں اور کسوکی اور ساموں بالا ضلع گوجرانوالہ میں۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر فتح سنگھ کی تین ہزار کی مالیت کی ذاتی جاگیر اس کی حین حیات کے لیے مقرر کی گئی جس میں سے ایک چوتھائی اس کے لڑکوں کو ملنی قرار پائی۔ پانچ ہزار ایک سو روپے کی جاگیر انند سنگھ کی دو بیوگان اور گورمکھ سنگھ اور جیون سنگھ کی بیوگان کے نام مستقل طور پر مقرر ہوئی۔ ان عورتوں کی وفات پر ان کی جاگیریں ضبط ہو گئیں۔

سردار فتح سنگھ 1886ء میں فوت ہوا۔ جاگیر میں سے چوتھا حصہ اس کے تین لڑکوں شیر سنگھ' دھیان سنگھ اور کہر سنگھ کے نام جاری رکھا گیا ہے۔ سردار شیر سنگھ کی جو ڈویژنل درباری تھا وفات سے لے کر جو 1900ء میں واقع ہوئی اب تک اس خاندان میں سے کوئی آدمی درباری نہیں ہے۔ انوپ سنگھ اور کہر سنگھ براہ راست جمعدار بھرتی ہوئے اور اب گیارہویں رسالے میں ہیں۔ دھیان سنگھ نائب تحصیلدار تھا اور بندوبست ضلع گورداسپور میں کام کرتا ہے۔

مسر بشمبر داس

مسر بشمبر داس کے خاندان کی ذات برہمن اور وطن موضع ڈلوال ضلع جہلم ہے۔ دیوان چندا اپنے لڑکوں سمیت 1809ء کے قریب لاہور آیا اور اپنے چچا بستی رام کے رسوخ سے رنجیت سنگھ سے موضع کاہوں ضلع جہلم میں ایک ہزار کی جاگیر حاصل کی اور اپنے دو بیٹوں روپ

لال اور بیلی رام کے لیے دربار میں عہدے حاصل کیے یعنی ان کو خزانے میں نائب مقرر کر دیا گیا۔ بیلی رام جلدی ہی مہاراجہ کا بڑا منظور نظر ہو گیا اور 1816ء میں بستی رام کی وفات پر باوجود راجہ دھیان سنگھ وزیر کی مخالفت کے خزانچی ہو گیا اور انہی دنوں میں اس کا بھائی میگھ راج امرتسر کے قلعہ گوبند گڑھ کا افسر بن گیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کے باقی ماندہ زمانے میں اسی عہدے پر رہا۔ دوسرا بھائی رام کشن 1826ء میں مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوا اور رنجیت سنگھ کا ڈیوڑھی بان بنا جو اس پر ہمیشہ خاص مہربانی کیا کرتا تھا۔

1832ء میں مسر روپ لال دوابہ جالندھر کا ناظم مقرر ہوا۔ یہ زرخیز علاقہ اس وقت سے لے کر جب سے کہ اسے رنجیت سنگھ نے فتح کیا تھا دیوان محکم چند اور اس کے بیٹے موتی رام اور پوتے کرپا رام کی نظامت میں رہا۔ 1831ء میں جب دیوان موتی رام کو واپس بلا لیا گیا تو شیخ غلام محی الدین کو جو دیوان کرپا رام کا مقلد اور ایک نہایت ظالم آدمی تھا ہوشیار پور اور اس کے پاس کے اضلاع کا ناظم مقرر کر کے بھیجا گیا۔ دوابے کے لوگوں نے اس کے ظلم اور تشدد کی ایسی سخت شکایتیں کیں کہ 1832ء میں اسے واپس بلا کر اس کی جگہ مسر روپ لال کو بھیجا گیا۔ روپ لال نے کبھی چھوٹے سے چھوٹا نذرانہ بھی قبول نہیں کیا اور اپنے ماتحتوں کے رویے کی پوری نگہبانی کی۔ روپ لال 1839ء تک جالندھر کا ناظم رہا جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے چند مہینے بعد اسے واپس بلا لیا گیا۔ شہزادہ نونہال سنگھ نے اس بات سے غصہ کر کے کہ مسر بیلی رام شہزادہ کے باپ کے منظور نظر چیت سنگھ کا طرفدار تھا اس کو اور اس کے بھائی کو قید خانے میں ڈال دیا جہاں وہ چھ مہینے تک رہے اور اس وقت نکلے جب مہاراجہ کھڑک سنگھ نے اس کے معاملے میں دخل دیا۔ بیلی رام شہزادہ شیر سنگھ کا سرگرم حامی تھا۔ اس نے گدی نشین ہو کر مسر کو اس کے پرانے عہدہ توشہ خانہ پر بحال کر دیا۔ شہزادہ مذکور نے روپ لال کو کلانور کا اور ریاست لاہور کی اراضیات کا جو ستلج کے جنوب میں تھیں ناظم بنایا اور حکم دیا کہ قلعہ اور علاقہ بھرتپور جمعدار خوشحال سنگھ سے لے کر ضبط کر لیے۔ مسر میگھ راج خزانچی ہو کر گوبند گڑھ واپس گیا۔ بیلی رام پر مہاراجہ شیر سنگھ کو بہت اعتبار تھا اور اس نے اپنے دوست بھائی گورمکھ سنگھ کی صلاح سے راجہ دھیان سنگھ قابل نفرین ڈوگرا وزیر کے خلاف لاہور میں ایک جتھا بنانے کی کوشش کی۔ اس کے اپنی منصوبوں نے اس کی جان لی۔ جب راجہ ہیرا سنگھ اپنے مقتول باپ راجہ دھیان سنگھ کی جگہ وزیر ہوا تو اس کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے بھائی گورمکھ سنگھ، بیلی رام اور اس کے بھائیوں کو قید

کرلیا۔ مسر میگھ راج اور روپ لال ان کے پرانے دشمن مسر لال سنگھ کے حوالے کیے گئے اور بھائی گورمکھ سنگھ، بیلی رام اور رام کشن شیخ امام الدین کے سپرد ہوئے جس نے ان کو اپنے گھر سے ملحق ایک اصطبل میں قید کر دیا۔ بہت عرصے تک یہ نہ معلوم ہوا کہ ان کا کیا حشر ہوا مگر آخر کار یہ ظاہر ہو گیا کہ شیخ نے ان کو راجہ ہیرا سنگھ کے حکم سے خفیہ طور پر مار دیا ہے۔ روپ لال اور میگھ راج زیادہ خوش نصیب نکلے کیونکہ وہ دسمبر 1844ء تک جبکہ راجہ ہیرا سنگھ مارا گیا قید رہ کر رہا ہوئے اور وزیر جواہر سنگھ نے روپ لال کو جسر وٹہ کا ناظم بنا دیا۔ بیلی رام کے لڑکے جو اپنے باپ کے پکڑے جانے پر لدھیانے بھاگ گئے تھے 1845ء تک سرکار انگریزی کی حفاظت میں رہے اور سال مذکور میں پنجاب میں واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک ڈلوال ضلع جہلم میں اسی برس سے زیادہ عمر پا کر ستمبر 1865ء میں فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا ساون مل سکھوں کے پہلے رسالے میں رسالدار تھا اور بعد ازاں بنگال کے گیارہویں رسالے میں بدل گیا۔ ایام غدر میں وہ لکھنؤ پر آخری قبضہ کرنے کے وقت موجود تھا اور اس نے اودھ میں اچھی خدمات سرانجام دیں۔ 1860ء کی چین کی لڑائی میں اور 1863ء کی امبیلہ کی لڑائی میں بھی اس نے کارہائے نمایاں کیے اور آرڈر آف میرٹ اور آرڈر آف برٹش انڈیا کے تمغات حاصل کیے۔ 1864ء میں اس نے 400 روپے کی جاگیر حاصل کی جس میں سے نصف اس کے ورثا کو ایک پشت کے لیے ملنی تھی۔ اس جاگیر کی اراضیات کا وجود مواضعات جلؤ کارا ڈوگرا اور یا کی پور تحصیل لاہور میں واقع تھیں، مالیہ بعد ازاں بڑھ کر 817 روپے سالانہ ہو گیا۔ اس کو تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں بھی 1000 گھماؤں زمین 2750 روپے نذرانہ ادا کرنے پر عطا کی گئی۔ مسر روپ لال کے زندہ لڑکوں میں سب سے بڑے ہونے کے لحاظ سے اسے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا اور یہ درباری بھی تھا۔ اس کا ایک لڑکا بشن داس اپنے باپ کے رسالے میں تھوڑا عرصہ دفعدار رہا مگر اپنے باپ سے پہلے ہی 1899ء میں فوت ہو گیا۔ مسر بشمبر داس نے جو ساون مل کا ایک ہی زندہ پوتا ہے۔ اپنے دادا کی جاگیر اور دوسری جائیداد حاصل کی ہے اور اب بزرگ خاندان خیال کیا جاتا ہے۔

مسر سندر داس کو جو دو سال تک مہاراجہ دلیپ سنگھ کے صرف خاص کا مہتمم تھا الحاق کے بعد ایک ہزار روپے انعام دے دیا گیا اور اس کی 1500 روپے کی جاگیر جو الحاق سے کچھ مدت پہلے راجہ لال سنگھ نے اسے دی تھی ضبط کر لی گئی۔ یہ پراونشل درباری تھا اور 1894ء میں

فوت ہوا اس کا بیٹا کیشو داس پنجاب سول سیکرٹریٹ میں ملازم ہے۔

ساون مل کا بڑا بھائی مسر مہیش داس چند سال تک نائب تحصیلدار رہا اور 1882ء میں لاہور میں لاولد فوت ہوا۔ اس کا چھوٹا بھائی گوبند رام شاہ پور اور گجرات کے اضلاع کا خزانچی تھا۔ اس کے ایجنٹوں نے کچھ غبن کر لیے تھے جو اس نے تمام بھر دیئے اور آپ استعفیٰ دے دیا۔ بعدازاں اس کو نہر جہلم پر پانچ مربعے اراضی عطا کی گئی۔ گوبند رام کا سب سے بڑا بیٹا ستھراداس شاہ پور کے صاحب ڈپٹی کمشنر کے انگریزی دفتر کا ہیڈ کلرک ہے اور گوبند رام کا چھوٹا بیٹا ہری چند پولیس میں ہے اور پوتا ضلع گجرات میں نائب تحصیلدار ہے۔

مسر بیلی رام کا سب سے بڑا لڑکا مسر رام داس بھی پراونشل درباری تھا اور اسے دو ہزار روپے سالانہ حین حیات کے لیے پنشن ملتی تھی۔ یہ 1893ء میں فوت ہوا۔ اس کا بھائی ٹھاکر داس اضلاع راولپنڈی، جہلم، گوجرانوالہ، لاہور، امرتسر، سیالکوٹ اور گورداسپور کا خزانچی تھا۔ اس کے قبضے میں 1387 روپے مالیت کی جاگیر تھی جو 1879ء میں اس کی وفات پر اس کے تین بیٹوں کو ملی۔ سب سے بڑا لچھمن داس 1882ء تک اضلاع راولپنڈی اور جہلم کا خزانچی رہا۔ اس نے اور اس کے بھائی رام لبھایا نے چک کوٹ میانہ، تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور کے 2528 گھماؤں اراضی کا اجارہ لے رکھا تھا۔ علاوہ ازیں لچھمن داس چناب نہر پر پانچ مربعوں کا مالک تھا وہ 1905ء میں مرا اور اس کے باپ کی جاگیر کا حصہ ضبط ہو گیا۔ ٹھاکر داس کے بیٹے گوری شنکر کا حصہ جو خاندان کی مشترک جاگیر میں تھا 1884ء میں اس کی وفات پر ضبط ہو گیا۔ اسی طرح 387 روپے کی ایک پنشن جو مسر بیلی رام کی بیوہ مسرانی گلاب دیوی کو ملتی تھی 1876ء میں ضبط ہو گئی۔ بیلی رام کی دوسری بیوہ مسرانی بیگم اتنی ہی پنشن اپنی وفات یعنی 1890ء تک لیتی رہی۔

مسر میگھ راج ستلج کی لڑائی کے بعد دربار کا خزانچی مقرر ہوا اور گورنر جنرل کے لاہور آنے کے موقع پر اس نے رائے بہادر کا خطاب حاصل کیا۔ 1849ء میں یہ قسمت لاہور کا خزانچی مقرر کیا گیا اور اس عہدے پر اپنی وفات یعنی یکم اگست 1864ء تک مامور رہا۔ مسر میگھ راج 1862ء میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور لاہور میں بہت کم آدمی اس کے برابر عزت وتکریم کے مستحق تھے۔ اپنی وفات کے موقع پر اس کے قبضے میں 3825 روپے مالیت کی جاگیر تھی جس میں 405 روپے کی جاگیر اس کے پوتے لچھمی نرائن کو ملی۔

MashalBooks.com

سردار گوربخش سنگھ پاؤونڈیہ

کرم سنگھ اور اس کے تین بھائی ان سکھوں میں تھے جنہوں نے اٹھارہویں صدی کے آخر نصف میں جالن ہردواب پر قبضہ کرلیا۔ کرم سنگھ کے سوا یہ تمام بھائی لاولد فوت ہوئے اور 1807ء میں جب گلاب سنگھ جاگیر کا وارث ہوا تو اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد رنجیت سنگھ نے دوآبے کا میدانی علاقہ فتح کیا اور گلاب سنگھ اپنے وطن پاؤونڈ کی طرف ہٹ آیا۔ اس کے بعد پھر یہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوگیا اور ایڈ جوٹنٹ کا عہدہ پاکر یہی گاؤں جاگیر میں حاصل کیا۔ اس نے نور پور اور کشمیر میں مسر دیوان چند کے ماتحت کارہائے نمایاں کیے۔ 1818ء میں ملتان فتح کرنے کے بعد اس کو کرنیل کے عہدے پر ترقی دی گئی اور دوسرے ہی سال اس نے منکیرہ میں ایسی اچھی خدمات کیں کہ اکبر پور جو گوگیرہ کے متصل 500 روپے کی مالیت کا تھا جاگیر میں ملا اور ایک ہاتھی اور بیش بہا خلعت عطا کیے گئے۔ گلاب سنگھ کچھ عرصے تک پشاور میں مقیم رہا۔ 1839ء میں جبکہ پہلے پہل باقاعدہ فوج کو بریگیڈوں کی صورت میں ترتیب دیا گیا تو گلاب سنگھ کو جرنیل بنایا گیا اور وہ اس عہدے اور بریگیڈ پر کھڑک سنگھ کی بعد کی حکومت میں بھی مامور رہا۔

1837ء میں گلاب سنگھ کو سردار ہری سنگھ نلوہ کی جو پشاور میں مارا گیا تھا اور جس کے چار لڑکے جانشینی کی بابت لڑ جھگڑ رہے تھے جائیداد ضبط کرلینے کے لیے گوجرانوالہ بھیجا گیا۔ اس نے ارجن سنگھ اور پنجاب سنگھ کو ان کے مستحکم کیے ہوئے گھر سے بھگا دیا۔ اب ارجن سنگھ نے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور جب شیر سنگھ بادشاہ ہوا تو اس نے پاؤنڈ پر جہاں گلاب سنگھ رہتا تھا حملہ کرکے اسے جلا دیا۔ گلاب سنگھ اپنی جان کے خوف سے جموں کی طرف بھاگ گیا اور وہاں راجہ گلاب سنگھ کی حفاظت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مہاراجہ نے دھیان سنگھ کی صلاح سے اسے واپس نہیں بلایا اور اسے فوج کے اس حصے کا افسر بنایا جو کابل کی لڑائی میں انگریزی فوج کی امداد کے لیے جاتی تھی۔ چنانچہ وہ کرنیل لارنس کے ہمراہ کابل گیا اور اس کی خدمات اور کابل کے ملک سے واقفیت بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔ راجہ ہیرا سنگھ نے جس کا خاندان گلاب سنگھ کا ہمیشہ دوست رہا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کی وفات پر اسے 7625 روپے کی جاگیر اور نقد عطیے کے نئے بھتے بھی دیئے۔

MashalBooks.com

گلاب سنگھ نے ستلج کی لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا کیونکہ اس کے سپاہی مہاراجہ کی حفاظت کے لیے لاہور رہے۔ اپریل 1847ء میں صاحب ریذیڈنٹ کی سفارش پر اسے پشاور کا ناظم مقرر کیا گیا اور چونکہ یہ اس موقع پر تمام جرنیلوں میں سے پرانا جرنیل تھا اس لیے پشاور کی ساری فوج کا کمیدان ہوا۔ گلاب سنگھ کے اس مقتدر عہدے پر عروج پانے سے فوج خالصہ بڑی خوش تھی کیونکہ ساری فوجوں کو اس بوڑھے بہادر کے ساتھ محبت تھی اور لوگ عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس کو سردار بنایا گیا اور ایک دربار میں جو 26 نومبر 1847ء کو لاہور میں منعقد ہوا اسے بہادر کا اعزازی خطاب مرحمت کیا گیا۔ سردار گلاب سنگھ نے اپنے نئے عہدے کی ذمہ داریاں بڑی قابلیت اور انصاف سے انجام دیں اور جب ملتان میں بلوہ ہوا تو اس نے پشاور کے حاکم وقت میجر لارنس کو اس ضلع میں امن وامان قائم رکھنے میں دل و جان سے امداد دی۔ چھ مہینے تک جب مفسدانہ تحریک ملک میں روزافزوں ترقی پر تھی گلاب سنگھ اس کے بیٹے اور نائب کرنیل آلا سنگھ کا ہی رسوخ تھا کہ بھڑکے ہوئے سکھ سپاہی ان کی متابعت کرتے رہے مگر جب سردار چتر سنگھ پشاور پہنچا تو افواج نہ دبائی جاسکیں اور انہوں نے کھلم کھلا بغاوت کردی۔

پنجاب کے الحاق کے موقع پر سردار گلاب سنگھ کی ساری ذاتی جاگیریں جو 17500 روپے مالیت کی تھیں۔ اس کو حین حیات کے لیے مستقل طور پر دے دی گئیں اور اس کے دو بیٹوں آلا سنگھ اور لہنا سنگھ کی جاگیریں بھی جو علی الترتیب تین ہزار اور ایک ہزار پچاس کی تھیں' دے دیں گئیں۔ گلاب سنگھ اور آلا سنگھ 1854ء میں اور لہنا سنگھ 1856ء میں فوت ہوئے۔ آلا سنگھ کی اولاد کے پاس اب نہ کوئی جاگیر ہے اور نہ انہیں پنشنیں ملتی ہیں۔

1857ء میں سردار کے ایک نوکر ہری سنگھ نے گورنمنٹ کو اطلاع دی کہ گلاب سنگھ کے مکان میں 55000 روپے مدفون ہیں۔ چنانچہ تلاش کرنے پر روپیہ مل گیا اور خزانے میں داخل کیا گیا۔ گلاب سنگھ کی بیوہ نندکور نے اور لہنا سنگھ کی بیوگان نے اس روپیہ کا دعویٰ کیا۔ جن کو اس روپیہ کے سود کی برابر حصوں میں رقم مل گئی۔ یہ روپیہ بعدازاں کشن سنگھ کو ملا جس نے اسے اڑا دیا۔ کشن سنگھ وائسرائیگل درباری تھا اور 1887ء میں فوت ہوا۔ اس کا لڑکا سچیت سنگھ کچھ عرصے تک گیارہویں رسالے میں ملازم رہا اور بعدازاں بحالت گمنامی موضع پاؤونڈ میں جس کا یہ اپنی وفات تک ذیلدار اور نمبردار رہا تھا زندگی بسر کرتا رہا۔ کشن سنگھ کا تیسرا اور ایک ہی

زندہ بیٹا گوربخش سنگھ اپنے بھائی کی جگہ ذیلدار اور نمبردار ہوا اور اسے ہی خاندان کا موجودہ بزرگ سمجھنا چاہیے۔ یہ ڈویژنل درباری ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے بھرتی کے متعلق بہت کچھ امداد دی۔ اس کے قبضہ میں 2725 ایکڑ اراضی ہے اور 3500 روپے سے زیادہ سالانہ مالیہ ادا کرتا ہے۔ اس کے سب سے بڑا بیٹے سردار گورودیام سنگھ نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پا کر ڈپلومہ حاصل کیا۔ اب یہ لاہور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر ہے اور اپنے باپ کی جائیداد کا مہتمم ہے جو اضلاع لاہور، فیروز پور، منٹگمری اور امرتسر میں واقع ہے۔ سردار ہردت سنگھ المعروف غلام محی الدین کا سب سے بڑا بیٹا محمد سعید بھی نمبردار، منٹگمری ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر اور ڈسٹرکٹ درباری ہی ہے اور اس کے بھائی احمد سعید کے مشترک قبضہ میں 1100 ہزار ایکڑ سے زیادہ اراضی ہے جو اضلاع لاہور منٹگمری اور فیروز پور میں واقع ہے جس کا یہ 1800 سے زیادہ مالیہ سرکار کو ادا کرتے ہیں۔

پنڈت رادھاناتھ

پنڈت رادھاناتھ کے بزرگ کشمیر کے باشندے تھے۔ پہلا شخص جس نے اپنا وطن ترک کیا لال چندکول تھا جو شہنشاہ شاہجہان کے عہد حکومت میں نقل مکان کر کے دہلی چلا آیا اور مغل شہنشاہ کے لائق وزیر علی مردان خاں کے ہاں ملازمت کر لی۔ یہاں اس نے بہت سی دولت حاصل کی اور چند سال کے بعد کشمیر واپس چلا گیا اس کی کامیابی پر خاندان کے کئی دوسرے افراد کو اس کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب ہوئی اور پھر جو لوگ اس طرح نقل مکانی کر کے آئے ان میں راگھوناتھ کول بھی تھا۔ یہ فیض آباد میں آبسا جہاں اس کا بیٹا ہری رام پیدا ہوا تھا۔ اس نے مہاراجہ گوالیار کی ملازمت کر لی اور کرنیل لوئس برکوئین کا جو فوج مرہٹہ میں فرانسیسی افسر تھا میر منشی ہو گیا۔ اس کا بیٹا ہری رام اس کے ماتحت کام کرتا رہا حتیٰ کہ مرہٹہ سلطنت کے زوال نے ان کو بھی دنیا میں بے کس کر کے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ہی ہری رام کو اس کے رشتہ دار دیوان گنگا رام نے لاہور بلا لیا جو 1813ء میں رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوا تھا اور مقتدر و منفعت بخش عہدوں پر ترقی پا گیا تھا۔ یہ لاہور چلا گیا اور برجستہ لکھنے والا ہونے کی وجہ سے دیوان کے دفتر کا افسر بن گیا۔ 1817ء میں مہاراجہ کا خاص منشی مقرر ہوا اور 1818ء میں ولی عہد کھڑک سنگھ کے ہاں یہی عہدہ حاصل کیا اور اپنے آقا کی جاگیر کے

MashalBooks.com

حسابات بھی اس کی نگرانی میں رہے۔

1805ء میں شنکر ناتھ دہلی میں پیدا ہوا اور 1820ء میں اس کا باپ ہری رام اسے لاہور لے آیا اور شہزادہ کھڑک سنگھ کے دفتر خزانہ میں ملازم کرا دیا بعدازاں اس کی تبدیلی صدر ریکارڈ دفتر میں ہوگئی جہاں یہ پنجاب کے الحاق تک رہا۔ اس کی شادی راجہ دینا ناتھ کی بہن کے ساتھ ہو جانے کی وجہ سے اس کو بہت اقتدار حاصل ہوا۔ مزید براں وہ اپنی قابلیت اور بے عیب دیانتداری کے لیے مشہور تھا۔ 1846ء سے 1849ء تک جبکہ ریزیڈنسی کا زمانہ رہا شنکر ناتھ حکام انگریزی یعنی مسٹر باؤرنگ مسٹر کاکس' مسٹر دیڈوَن اور میجر لک گریگر نے بہت دفعہ راز کے کام لیے اور یہ تمام افسران اس کی خدمات اور اس کے عہدہ اطوار کے معترف تھے۔ راجہ دینا ناتھ کے دفتر میں اعلیٰ منشی ہونے کی وجہ سے اس کے سپرد بہت سا مال کا کام تھا اور اس نے خود 8000 سے زیادہ مقدمات کا فیصلہ کیا۔ 1829ء تک شنکر ناتھ کے قبضے میں 6500 روپیہ مالیت کی جاگیریں رہیں اور اس کے علاوہ 1360 روپے بطور نقد وظیفوں کے اور 2412 روپے جو اس کے عملے کے لیے ملتے تھے ملتے رہے وہ جاگیریں جو شیخوپورہ اور گجرات میں تھیں' ضبط کر لی گئیں اور 2920 روپے کی ایک پنشن اس کی حین حیات کے لیے دی گئی۔ 1862ء میں شنکر ناتھ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا اس عہدے پر اس نے اپنے انصاف اور چستی سے حکام کی اطمینان بخش خدمات کیں۔ قانون اہل ہنود کی اسے بڑی واقفیت تھی اور رسوم' وراثت یا مذہب کے متعلق پیچیدہ مقدمات میں لاہور کے انگریز مجسٹریٹ اس کی رائے لیا کرتے تھے اور ان کو اس پر بڑا اعتبار تھا۔ جنوری 1865ء میں گورنمنٹ عالیہ نے اسے دیوان کا خطاب دیا۔ وہ کئی سال تک میونسپل کمیٹی کا ممبر رہا اور 1876ء میں فوت ہوا جس سے ہر مذہب وملت کے آدمیوں کو افسوس ہوا' اس کی جگہ اس کا بیٹا پریم ناتھ جو ڈپٹی کمشنر لاہور کی کچہری میں ناظر تھا خاندان کا بزرگ بنا اور دیوان مرحوم کی وفادرانہ اور نمک حلالی کی خدمات کے صلے میں اسے 1880ء میں رکھ بیل بچو کی تحصیل چونیاں ضلع لاہور کی ایک ہزار ایکڑ اراضی آسان شرائط پر بیس سال کے لیے عطا کی گئی۔ پریم ناتھ نے یہاں موضع پریم نگر آباد کیا جو نارتھ ویسٹرن ریلوے کے سٹیشن رائے ونڈ جنکشن سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ پریم ناتھ 1884ء میں تیس سال کی ملازمت کے بعد پنشن لے کر اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا اور 1886ء میں فوت ہوا۔ یہ پراونشل درباری تھا' اس کا بڑا بیٹا دوارکا ناتھ اکسٹرا

MashalBooks.com

اسسٹنٹ کمشنر تھا مگر اپنے باپ کے بعد صرف دو سال جیا۔ اس کی وفات کے بعد دیوان شنکر ناتھ کا دوسرا بیٹا پنڈت شیونا تھ خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔ یہ 35 سال تک مہاراجہ جموں کی ملازمت میں رہا اور 1907ء میں جبکہ جموں کا رجسٹرار تھا' فوت ہوا۔

پنڈت شیونا تھ کا بیٹا اور دوارکا ناتھ کا متبنّیٰ پنڈت رادہانا تھ ہی اس خاندان کے اراکین میں سے زندہ ہے اور وہی اس خاندان کا موجودہ سرکردہ ہے۔ اس نے مشن کالج لاہور میں بی اے تک تعلیم پائی ہے اور اپنے رنگ کا ایک اعلیٰ شاعر ہے۔ اس کی شادی 1889ء میں الہ آباد کے نامی گرامی ایڈووکیٹ پنڈت بشمبر ناتھ کی بڑی پوتی سے ہوئی جس کے بطن سے ایک ہی دختر 1894ء میں پیدا ہوئی۔ اس اکلوتی لڑکی کی شادی 1910ء میں پنڈت مدن موہن ناتھ رینہ ایڈووکیٹ الہ آباد سے ہوئی جو اب ریاست پٹیالہ میں منسٹر آف لاء اینڈ اپیلز ہے۔ پنڈت رادھانا تھ نے 1905ء میں گورنمنٹ کو پچاس ہزار روپے دے کر موضع پریم نگر کے حقوق مالکانہ حاصل کیے اور 1916ء سے یہ پنجاب میں ڈویژنل درباری ہے۔ اس نے الہ آباد میں ایک کوٹھی خرید کر وہیں اپنی رہائش رکھی ہوئی ہے اور اس کی اکلوتی بیٹی کے دو بیٹے پنڈت کرشن موہن ناتھ رینہ ایم اے اور سومیشور ناتھ رینہ اس کی تمام جائیداد کے وارث ہیں۔

خاندان موکل

سندھو جاٹ ذات کے خاندان موکل کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ سکھ سرداروں میں بھی یہ خاندان نیا خیال کیا جاتا ہے۔ سوندا سنگھ ایک دیہاتی جاٹ تھا۔ سوندا سنگھ کی صرف ایک لڑکی کوراں نامی تھی جس کی شادی اس نے سردار لال سنگھ سے جو پاکپتن کے نواح کا ایک جاگیردار تھا کر دی۔ لال سنگھ نے اپنے سالوں کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور یہ اس کی قزاقی کی مہموں میں اس وقت تک اس کی جلو میں جاتے رہے جب تک کہ کوراں نے اس بات پر رشک کھا کر کہ اس کے بھائی اس کے خاوند سے کم حیثیت ہیں ان کو نکلوا نہ دیا جوند سنگھ اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ لاہور آ گیا اور رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک کسی کی توجہ ان کی طرف نہیں ہوئی مگر بیسہ کی خونریز لڑائی میں جو جولائی 1813ء میں دیوان محکم چند اور افغان وزیر کے درمیان اٹک کے قریب ہوئی ان چچیرے بھائیوں نے جن میں سے چھ اس لڑائی میں شامل تھے' بہادری اور

MashalBooks.com

شجاعت کے ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ مہاراجہ نے انہیں رنگین پور کی 2500 روپے مالیت کی جاگیر عطا کی اور جوندسنگھ کو جس نے اپنے آپ کو خاص طور پر ممتاز کیا تھا ضلع گجرات کے پانچ مواضعات 30000 کی مالیت کے اس شرط پر عطا کیے کہ یہ 150 سوار خدمات کے لیے دیا کرے اور اس کے بھائی اس کے ماتحت رکھے گئے۔1818ء میں اس نے ملتان میں اور دوسرے سال کشمیر میں خدمات انجام دیں اور آخرالذکر مقام پر اس کے پہلو میں برچھی سے سخت زخم آ گیا جس کی وجہ سے اسے کشمیر کے مالیہ میں سے 2500 روپے سالانہ ملنا مقرر ہوا۔ایک زمانے میں اس خاندان کی جاگیر کی مالیت 135000 روپے تک پہنچ گئی تھی جس میں وہ 20000 روپے بھی شامل ہے جو ان کو ان کے نامہربان رشتہ دار لال سنگھ کی جاگیر میں سے ملتا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات واقع 1839ء اور جوندسنگھ کی وفات واقع 1840ء کے بعد خاندان موکل کی جاگیریں ویسی کی ویسی ہی رہیں اور چونکہ 1836ء میں علاقہ آپس میں تقسیم ہو گیا تھا اس لیے وہ جاگیریں جو جوندسنگھ کو خاص طور ملی ہوئی تھیں اس کے دو بیٹوں بیلاسنگھ اور گورمکھ سنگھ کے نام واگزار ہو گئیں۔ان بھائیوں کو شہزادہ نونہال سنگھ کے ماتحت کر دیا گیا۔ان بھائیوں کا آپس میں اتفاق نہیں رہا۔اس موقع پر راجہ ہیرا سنگھ وزیر تھا جس نے سردار بیلاسنگھ سے 20000 روپے بطور نذرانہ لے کر اسے مستقل طور پر سردار بنا دیا اور جاگیر دے دی۔ سردار گورمکھ سنگھ کے دل پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ وہ تھوڑا عرصہ بعد 1844ء میں اسی رنج میں مر گیا۔ جب پنجاب کی پہلی لڑائی شروع ہوئی تو سرداران بیلاسنگھ اور سورجن سنگھ دوسو سوار ساتھ لے کر سکھ فوج سے مل گئے اور اس حصہ فوج میں شامل تھے جو مدکی اور فیروشاہ کی طرف بڑھا۔ یہ دونوں سبراؤں کی لڑائی میں بھی موجود تھے جس میں بیلاسنگھ سخت زخمی ہو گیا اور کشتیوں کا پل توڑ دیا جانے کے بعد اس بات کی لاحاصل کوشش کرتا ہوا کہ پایاب گزر جائے گا دریائے ستلج میں ڈوب گیا۔ جب راجہ لال سنگھ لاہور میں عہدۂ وزارت پر مستقل ہوا تو سردار بیلاسنگھ کی قریباً نصف جاگیریں ضبط ہو گئیں مگر اس پر بھی سورجن سنگھ کے واسطے 63800 روپے مالیت کی جاگیریں رہیں۔سورجن سنگھ یہ جاگیریں 1849ء تک لیتا رہا مگر پھر وہ اپنے چچیرے بھائی خزان سنگھ کے ساتھ مفسدوں میں شامل ہو گیا اور جاگیر ضبط ہو گئی البتہ رنگیل پور کی جاگیر جو ایک ہزار کی مالیت کی تھی اور جو سردار گورمکھ سنگھ کی وفات پر اس کی بیوہ اور لڑکی کے

گزارے کے لیے ملی ہوئی تھی ضبطی سے بچ گئی۔خزان سنگھ کو450 روپے اور مقدم سنگھ کو 72 روپے پنشن ملی۔ سورجن سنگھ کی پنشن جو1200 روپے تھی مارچ1864ء میں اس کی وفات پر ضبط ہوگئی۔اس کا بیٹا چترسنگھ اس کی جگہ اعلیٰ نمبردار بنا جس نے1879ء میں مسلمان ہوکر اپنا نام بدل کر فتح دین رکھ لیا۔اس کا انتقال1914ء میں ہوا اور تین بیٹے کرم الٰہی برکت علی اور اکبرعلی چھوڑے جن میں سے کرم الٰہی اب اپنے باپ کی جگہ نمبردار ہے اور اس کے اور اس کے بھائی ہمیشہ سرکاری کاموں میں مستعد رہتے ہیں۔

1858ء میں مانا سنگھ بندہ فوجی پولیس میں رسالدار بنایا گیا جہاں وہ1861ء تک رہا۔

1861ء میں جب کہ فوجی پولیس کے تخفیف میں آ جانے کی وجہ سے وہ نوکری سے علیحدہ ہوا تو اسے موضع موکل کے گردونواح کے اٹھائیس مواضعات کا ذیلدار یا آنریری پولیس مجسٹریٹ بنا دیا گیا اور1862ء میں اسے چونیاں کے قریب رکھ مدکی میں1720 ایکڑ افتادہ زمین عطا کی گئی۔ مانا سنگھ 1884ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا نرائن سنگھ اس کی جگہ ذیلدار اور نمبردار بنا اور 1900ء میں فوت ہوگیا۔ اس کے دوسرے دو بیٹے پرتاب سنگھ اور لابھ سنگھ مسلمان ہوگئے۔اول الذکر کا جو اضلاع لاہور اور حصار کی2200 ایکڑ اراضی کا مالک ہے اور جسے نہر چناب پر560 ایکڑ اراضی بھی عطا ہوئی ہے اب بشیر احمد خاں نام ہے۔ یہ محکمہ انہار پنجاب میں ملازم رہا اور ڈپٹی کلکٹر ہوکر تیس سال کی ملازمت کے بعد200 روپے ماہوار پنشن پر اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا۔ یہ زراعت کے متعلق بہت سی کتابوں کا مصنف تھا اور اس نے خاندان موکل کی تاریخ بھی لکھی۔ لابھ سنگھ کا نام اب محمد عمر ہے اور یہ ذیلدار ہے۔ گوڈر سنگھ ہڈسن کے رسالہ میں رسالدار تھا جس میں یہ دو سال سے زیادہ عرصے تک قابل تعریف خدمات کرتا رہا اور1860ء میں رسالہ مذکور کے ٹوٹنے پر اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا۔جس زمانے میں مانا سنگھ کو اراضی عطا ہوئی اسی زمانے میں گوڈر سنگھ نے بھی رکھ مدکی میں 150 ایکڑ زمین حاصل کی۔ یہ موضع ٹھٹھہ جالو کی تحصیل چونیاں ضلع لاہور کا ذیلدار تھا۔ مانا سنگھ کی وفات پر اس کی درباری کرسی گوڈر سنگھ کو عطا کی گئی اور چونکہ یہ خاندان کی بڑی شاخ کا سردار تھا اس لیے سارے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔اس کا انتقال1893ء میں ہوا۔اس کے بیٹے تیجا سنگھ نے بھی اپنا مذہب تبدیل کرلیا اور تمام عمر عبدالرحمٰن خاں کہلایا وہ پنجاب کے محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر تھا جس میں اس نے 30 سال سے زیادہ ملازمت کی۔اس کی لمبی ملازمت جس

میں اس کا کام ہمیشہ افسروں کے پسندیدہ رہا اور عام لیاقت کی وجہ سے اسے 1907ء میں ''خان بہادر'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ 1914ء سے 1919ء تک وہ لاہور میں آنریری مجسٹریٹ درجہ اول رہا۔ یہ پراونشل درباری تھا اور خاندان کی سب سے بڑی شاخ کا رکن ہونے کی وجہ سے تمام خاندان کا سرکردہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی ملکیت میں موضع موکل کی 268 ایکڑ اراضی تھی اور یہ موضع کا نمبردار تھا۔ 1916ء میں اسے ضلع منٹگمری کی لوباری دوآب آبادی پر 13 مربع جات اراضی عطا ہوئی۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا جمیل اللہ صوبہ سرحد کے محکمہ نہر کے ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے 250 روپے ماہوار پنشن پر 1927ء میں سبکدوش ہوا اور 1935ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ جمیل اللہ کا سب سے بڑا بیٹا مجید اللہ انڈین سروس آف انجینئرنگ کا رکن ہے خان بہادر سردار عبدالرحمٰن کا دوسرا بیٹا امیر اللہ جوانی کی عمر میں فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا عظمت اللہ اب محکمہ نہر میں ضلعدار ہے۔ خان بہادر سردار عبدالرحمٰن کا تیسرا بیٹا فقیر اللہ بی اے ایل ایل بی لاہور میں ایڈووکیٹ ہے اور اس کے قبضہ میں نو آبادی لوئر باری دوآب کے تین مربعہ جات ہیں۔ بہادر سردار عبدالرحمٰن کا چوتھا بیٹا نور محمد منٹگمری میں نمبردار ہے اور اس کے قبضہ میں دس مربعہ جات اراضی ہیں۔ خان بہادر سردار عبدالرحمٰن کا پانچواں بیٹا ولی محمد پنجاب کے محکمہ نہر میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔

مقدم سنگھ رسالدار تھا جسے پنشن حاصل کرنے پر ایک سو ایکڑ اراضی عطا ہوئی اور موضع سلطان کی ضلع لاہور میں ذیلدار مقرر کیا گیا۔ اس کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا کشن سنگھ 11 بنگال لانسرز میں دفعدار تھا۔ کشن سنگھ کا دادا چانن سنگھ جو لاہور پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھا 1928ء میں اس وقت مارا گیا جبکہ وہ انڈین پولیس کے مسٹر سانڈرس کے خونی کا ایسی حالت میں تعاقب کرتا رہا تھا جبکہ وہ خود گولی سے زخمی ہوگیا تھا چنانچہ اس اعلیٰ درجہ کی خدمت کے صلہ میں چانن سنگھ کی بیوہ اور نابالغ لڑکی کو ایک مربعہ اراضی عطا ہوا۔

خان بہادر سردار عبدالرحمٰن کے بھائیوں میں سے شاہ بیگ سنگھ رجمنٹ 12 میں ملازم تھا اور اب فوت ہو چکا ہے البتہ دوسرا ایک بھائی ہری سنگھ زندہ ہے جو علاقہ میں بڑا بارسوخ ہے اور سرکاری خدمات کے لیے مستعد رہتا ہے۔

مانا سنگھ کا بھائی بڈھا سنگھ بندہ پولیس میں دفعدار تھا جو اس نے 1861ء میں اس وقت چھوڑی جبکہ پولیس مذکور تخفیف کر دی گئی۔ اس کے بیٹے سندر سنگھ کو علاوہ دوسری زرعی اراضی

کے نہر چناب پر گیارہ مربعہ زمین عطا ہوئی۔ یہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر تھا اور اس کے پوتے اجیت سنگھ وغیرہ اس تمام جائیداد کے مالک ہیں۔ اجیت سنگھ ضلع لائلپور میں نمبردار اور وہیں سکونت پذیر ہے۔ اس خاندان کی سکونت موضع موکل ضلع لاہور میں ہے جس کے نصف حصہ پر ان کے حقوق مالکانہ ہیں اور اس کے علاوہ قلعہ جسونت سنگھ کے تین حصہ اور سلطان کی بہت سی اراضی ان کے قبضہ میں ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

لاہور کا کول خاندان

راجہ ہری کشن کول

اس خاندان کو کشمیر کے قدیم ترین برہمن خاندانوں میں ہونے کا دعویٰ ہے۔ پنڈت بالکشن کے دادا پنڈت لال کول کے نام مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کی وہ جاگیر مستقل طور پر کر دی تھی جو مغل شہنشاہوں نے اس کے بزرگوں کو دے رکھی تھی اور امیران کابل نے بحال رکھی تھی۔ پنڈت لال کول نے پنڈت پرکاش کا کڑو کی جو شاہی خاندان کابل کے عہد حکومت میں کشمیر کا ناظم دوم تھا اکلوتی اور وارثہ لڑکی سے شادی کی۔ اس نے اس زمانے کی رسم کے مطابق اپنے داماد کو اپنی نیک چلنی کی ضمانت میں کابل بھیجا اور وہاں پنڈت لال کول امیر کے وزراء میں ہو کر کام کرتا رہا۔ پرکاش کا کڑو کی وفات کے بعد لال کول لاہور آیا اور رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہو گیا وہ مسر دیوان چند کے ہمراہ 1819ء میں جبکہ مہاراجہ کی فوجیں کشمیر کو فتح کر رہی تھیں لڑائی میں گیا اور اس کے بعد تین سال تک ملتان کا ناظم رہا بعد ازاں اس رسالے کا افسر ہو گیا جو پنڈی والا ڈیرہ مشہور تھا جس کو بہت سی لڑائیوں میں جن میں سے آخری سبراؤں کی لڑائی تھی لے گیا۔ 1828ء میں پنجاب کے الحاق کے موقع پر اسے حین حیات کے لیے ایک پنشن دی گئی جو کچھ عرصے تک کشمیر کی جاگیر کے ساتھ وصول کرتا رہا مگر کشمیر کی جاگیر 1829ء میں پنڈت لال کول کی وفات پر اور جاگیرداروں کے ساتھ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ضبط کر لی۔

پنڈت سورج کول اپنے باپ لال کول کی وفات کے بعد صرف 16 سال کی عمر کا تھا مگر سرجان لارنس کو اس لڑکے کے معاملات سے دل بستگی تھی اور انہوں نے اس کو بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کے دفتر میں جگہ دے دی۔ اس کا پہلا مقتدر عہدہ صاحب کمشنر راولپنڈی کے

دفتر کا سپرنٹنڈنٹ ہونا تھا۔ اس عہدہ سے ترقی کر کے وہ تحصیلدار اور بعدازاں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوگیا۔ 1883ء میں وہ پولیٹیکل اسسٹنٹ بنا کر بلوچستان بھیجا گیا جہاں اس نے کوئٹہ کے شہر اور چھاؤنی کی آبادی کے متعلق اچھی خدمات سرانجام دیں۔ اس اچھے کام کے صلہ میں جو اس نے بلوچستان میں کیا اس کو رائے بہادر کا خطاب عطا کیا گیا اور تحصیل خانقاہ ڈوگراں ضلع گوجرانوالہ کی 500 ایکڑ افتادہ اراضی مرحمت ہوئی جو دس سال تک بطور معافی کی تھی۔ یہ زمین ابھی تک خاندان کے قبضہ میں ہے۔ کچھ عرصہ بعد پنڈت سورج کول کو سی آئی ای کا خطاب دیا1888ء میں ریاست کشمیر نے اس کی خدمات عاریتاً لیں جہاں یہ اپنے پنشن لینے یعنی 1896ء تک کونسل کا وزیر مال اور ریونیو ممبر رہا۔ 1897ء میں وہ گورنر جنرل کی لیجسلیٹو کونسل کا زائد (ایڈیشنل) ممبر مقرر کیا گیا اور دو سال بعد پراونشل لیجسلیٹو کونسل کا ممبر مقرر ہوا۔ 1901ء میں اسے راجہ کا خطاب بطور اعزاز کے ملا اور اسی سال کے دسمبر مہینہ میں وہ68 سال کی عمر پا کر فوت ہوگیا۔

راجہ سورج کول نے تین لڑکے چھوڑے جو سب کے سب معزز و ممتاز ہوئے۔ سب سے بڑا لڑکا پنڈت بال کشن کول اول درجہ کا اسسٹنٹ سرجن اور میڈیکل سکول لاہور میں ایک عرصہ تک علم الادویہ، علم اور عمل طب اور حفظان صحت کے مضامین کا لیکچرار رہ کر1916ء سے لے کر1919ء تک کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں علم و عمل طب کا پروفیسر تھا۔ اس نے1919ء میں پنشن پائی اور بعد میں پنجاب کا سب سے اعلیٰ ڈاکٹر ہونے کی شہرت حاصل کی۔ یہ 30 سال سے زیادہ عرصہ تک لندن کی رائل سوسائٹی آف میڈیسن کا فیلو رہا اور 1936ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے دو بیٹوں میں سے چھوٹا بیٹا سری کشن کول 23 سال کی عمر میں فوت ہوگیا اور بڑا پنڈت اوتار کشن کول بی اے بہت عرصہ تک پنجاب پراونشل سروس میں ملازم رہا۔ 1932ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو یہ پنجاب گورنمنٹ کے محکمہ لوکل سیلف گورنمنٹ میں انڈر سیکرٹری تھا۔ اس نے بھی دو بیٹے بلدیو کشن کول اور سروپ کشن کول چھوڑے ہیں۔

راجہ سورج کول کے دوسرے بیٹے پنڈت ہری کشن کول نے پنجاب یونیورسٹی کی ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور1890ء میں سٹیچوٹری سول سروس میں اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا۔ یہ1898ء سے1903ء تک ضلع مظفر گڑھ کا اور اس کے بعد 5 سال تک ضلع میانوالی کا افسر

بندوبست رہا اور 1908ء میں اسے ترقی دے کر ڈپٹی کمشنر بنا دیا گیا۔1910ء سے 1913ء تک یہ مردم شماری پنجاب کا سپرنٹنڈنٹ رہا اور 1911ء میں دہلی کے دربار تاجپوشی کے موقع پر یہ بادشاہی میلہ کا منیجر مقرر ہوا۔1914ء میں اسے اقوام جرائم پیشہ سے متعلق ایک رپورٹ تیار کرنے کے لیے مقرر کیا گیا اور اس کے بعد یہ تین سال تک ان ہی اقوام کی اصلاح کے محکمہ کو ترتیب دینے میں لگا رہا۔1918ء میں جنگ عظیم کی عارضی صلح کے موقع پر پنڈت ہری کشن کول جشن صلح منانے میں لگا رہا۔1919ء میں اسے ترقی دے کر کمشنر بنا دیا گیا اور اسی عہدہ سے اس نے 1924ء میں پنشن پائی۔1927ء میں یہ ریاست بھرت پور میں دیوان مقرر ہو کر چلا گیا اور اس کے 4 سال بعد ایک سال کے لیے ریاست کشمیر کا پرائم منسٹر رہا۔ پنڈت ہری کشن کول کو 1908ء میں رائے بہادر کا 1911ء میں سی آئی ای کا اور 1922ء میں سی ایس آئی کے خطاب عطا ہوئے اور 1926ء میں ذاتی اعزاز کے طور پر راجہ کا خطاب دیا گیا۔

راجہ سورج کول کے سب سے چھوٹے بیٹے دیوان دیا کشن کول نے 1893ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور 1899ء سے 1909ء تک یہ مہاراجہ صاحب بہادر ریاست جموں و کشمیر کا پرائیویٹ سیکرٹری رہا۔ اسے دیوان کا خطاب تو ہز ہائی نس کی طرف سے اور رائے صاحب کا خطاب گورنمنٹ ہند کی طرف سے ملا۔1908ء میں اسے سی آئی ای کا خطاب عطا ہوا اور 1911ء سے لے کر 1916ء تک ریاست الور میں سینئر منسٹر رہا اور وہیں دیوان بہادر کا خطاب حاصل کیا۔1916ء میں یہ فارن اور فنانشل سیکرٹری ہو کر ریاست پٹیالہ کی ملازمت میں داخل ہوا اور کئی سال تک اسی ریاست میں کام کرتا رہا جہاں یہ ترقی پا کر پہلے چیف سیکرٹری اور بعد میں پرائم منسٹر ہو گیا اور اسی عہدہ پر 1935ء کے آخر تک فائز رہا۔1919ء میں اسے ایم بی ای (سول) کا معزز خطاب ملا جس کے علاوہ مہاراجہ صاحب بہادر والئ ریاست پٹیالہ نے اسے راجہ کا موروثی خطاب اور 1923ء میں ایک موروثی جاگیر عطا فرمائی۔کول کا سب سے بڑا لڑکا پنڈت راجندر کشن کول 1927ء میں ایک مدٹرے کے حادثہ سے 32 سال کی اوائل عمر میں فوت ہو گیا۔راجندر کشن نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر کے ڈیرہ دودن میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا امتحان پاس کیا اور پھر یورپ میں گودہ کاغذ اور دیا سلائی کا کام سیکھ کر شاہدرہ میں ایک دیا سلائی کا کارخانہ کھولا۔ یہ خاندان پنجاب میں بڑا معزز و مقتدر ہے۔شمالی ہندوستان کی بہت سی زرعی جائیداد

اس کے قبضہ میں ہے۔ خانقاہ ڈوگراں میں 500 ایکڑ اراضی کے عطیہ کے علاوہ اس کی گوجرانوالہ میں 500 ایکڑ اراضی ضلع لائل پور میں 600 ایکڑ اراضی ہے اور اس کے علاوہ لاہور، امرتسر اور سلانوالی میں اراضی، مکانات اور باغات ہیں۔ ان سب کے علاوہ 2000 ایکڑ اراضی ریاست کشمیر میں اور کچھ جائیداد ریاست بہاولپور میں ہے۔

دوسری ممتاز شخصیات

جن لوگوں کو خاندانوں کی بناء پر پنجاب چیفس کے تذکرے میں شامل کیا گیا ان کے علاوہ متعدد ممتاز اشراف ضلع میں رہتے ہیں جن کا یہاں تذکرہ ضروری ہے۔ عزت مآب خان بہادر میاں محمد شفیع بارایٹ لا جو امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا ایڈیشنل رکن ہے۔ عزت مآب مسٹر جسٹس محمد شاہ دین (خان بہادر) جج چیف کورٹ، عزت مآب رائے بہادر سر پرتلی چندر چیٹر جی نائٹ سی آئی ای، ایم اے، ایل ایل ڈی پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے صوبائی قانون ساز کونسل کا رکن۔ عزت مآب رائے بہادر لالہ رام سرن داس، صوبائی درباری اور صوبائی قانون ساز کونسل کا رکن مرکزی پنجاب کے بلدیاتی اداروں کا نمائندہ، دیوان بہادر سر کستور چند صوبائی درباری۔ رائے بہادر پنڈت ہری کشن کول اور رائے بہادر لالہ گنگا رام ایم آئی سی ای۔ کمانڈرز آف انڈین ایمپائر (سی آئی ای) موخرالذکر کو چوتھے درجے کا وکٹورین آرڈر بھی دیا گیا۔ سردار بہادر بی رام سنگھ کو پانچویں درجے کا یہی اعزاز دیا گیا۔ پنڈت جوالا دت پرشاد صوبائی درباری۔ دوسرے ڈویژنل درباری سردار رضا علی خان، خان بہادر محمد سزاوار (محکمہ ڈاک) خان بہادر، حافظ الٰہی بخش (قصور) رائے بہادر لالہ موہن لال، رائے صاحب، لالہ بال مکند، رائے صاحب لالہ سیتارام پنجاب گورنمنٹ پریس کا سابق سپرنٹنڈنٹ، خان صاحب میاں غلام محی الدین باغبانپورہ، بھائی منوہر لال بھائی اتم سنگھ، خان محمد شہباز خان اور خان محمد بشیر علی خان۔

اڑھائی سو روپے سے زائد کی مالیت کی بیس میں سے جن سترہ جاگیروں کا گزٹ ہو چکا ہے وہ یہ ہیں:

نمبر شمار	نام جاگیردار	علاقہ	تحصیل
-1	سردار ہردیال سنگھ	بھڑوال	چونیاں

MashalBooks.com

-2	سردار رشبیگ سنگھ	ٹوڈے پور	قصور
-3	فقیر نجم الدین	برہان پور	لاہور
-4	دیوان نریندر ناتھ	ڈیرہ بیج ناتھ	لاہور
-5	دیوان کیلاش ناتھ	ڈیرہ رام ناتھ	لاہور
-6	سردار فتح سنگھ	شیخوپورہ	لاہور
-7	سردار گلزار سنگھ	کلیانوالہ	امرتسر
-8	دیوان کشن کشور	ڈیرہ رتن چند	امرتسر
-9	جگجیت سنگھ	کپورتھلہ ریاست	
-10	بھائی نارا سنگھ	کپورتھلہ ریاست	
-11	بھائی پرتاب سنگھ	کپورتھلہ ریاست	
-12	بھائی ہردیال سنگھ	کپورتھلہ ریاست	
-13	بھائی گیان سنگھ	بھائی خاندان	
-14	بھائی سندر سنگھ	بھائی خاندان	
-15	بھائی دان سنگھ	بھائی خاندان	
-16	بھائی گوردت سنگھ	بھائی خاندان	
-17	بھائی منوہر لال	بھائی خاندان	

MashalBooks.com

لاہور میں تعلیم

ٹیبل نمبر 50 میں ضلع لاہور میں عورتوں اور مردوں کی شرح خواندگی کے بارے میں اعدادوشمار دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ لاہور میں باقی صوبے کے مقابلے میں اور لاہور کے نواحی علاقے کے مقابلے میں بھی یہ شرح زیادہ ہے۔ دوسری دو تحصیلوں میں یہ شرح کم ہے۔ لاہور میں شرح خواندگی زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکومت کا صدر مقام ہے۔ یہاں بہت سے دفاتر ہیں۔ تعلیمی اداروں کا بھی یہاں پر بڑا جھرمٹ ہے اور تجارتی دفاتر بھی یہاں ہی ہیں۔ چونیاں میں شرح خواندگی قصور کے مقابلے میں زیادہ ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کسی علاقے میں کاشتکار اور زمیندار زیادہ ہیں اور کسی میں غیر کاشتکار اور مزدور مثلاً عیسائی مزدور' مشنری سوسائٹیاں (تعلیم کیلئے) زیادہ ہیں اور دونئی منڈیوں کا وجود میں بھی آنا جہاں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے۔ عورتوں کی تعلیم کے مقابلے میں صوبے میں لاہور سب سے آگے ہے۔ اعلیٰ تعلیم بھی زیادہ تر شہروں میں فروغ پا رہی ہے اور سبھی برادریوں اور فرقوں میں۔ مذہبی اعتبار سے ہندو تعلیم میں خاصے آگے ہیں ان برادریوں کی کل آبادی کے حساب سے شرح خواندگی یہ ہے۔ ہندو 14 سکھ 5 اور مسلمان 3 فیصد۔

لاہور محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر کا ہیڈ کوارٹر ہے تاہم سکولوں کی نگرانی وغیرہ کرنے کے لیے یونٹ ضلع نہیں ڈویژن ہے اور اس کا ذمہ دار ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز ہے۔ یورپی سکولوں کے انسپکٹروں اور زنانہ سکولوں کی چیف انسپکٹرلیس کا دفتر بھی لاہور میں واقع ہے۔

اعدادوشمار کے حوالے سے ضلع کے ان تعلیمی اداروں کے بارے میں تفصیل ٹیبل نمبر 51 میں دی جارہی ہے یہ وہ سکول ہیں جن کے معاملات کی جانچ پڑتال محکمہ تعلیم کرنے کا مجاز ہے (ان میں سکول' کالج' سرکاری غیر سرکاری' مردانہ' زنانہ سبھی ادارے شامل ہیں) یہ بھی

دیکھا جاتا ہے کہ یہ ادارے حکومت کے ہیں یا ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں کے ہیں۔
ذیل میں ایسے 422 سکولوں کالجوں کے اعداد وشمار کا اندراج ہے جن میں 30,774 طالب علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

تفصیل		معیار یا سٹینڈرڈ	سکول	تعداد طلباء
سرکاری ادارے	کالج کی تعلیم	آرٹس کالج	7	3,023
		پیشہ ورانہ کالج	4	752
		لڑکوں کے	9	6,036
		لڑکیوں کے	2	625
		اینگلو ورنیکلر مڈل لڑکوں کے	3	979
		لڑکیوں کے	1	80
		ورنیکلر مڈل لڑکوں کے	6	1,446
		لڑکیوں کے	4	1,158
		پرائمری لڑکوں کے	159	9,715
		لڑکیوں کے	48	2,888
پرائیویٹ		خاص تعلیم	5	807
		اعلیٰ	3	56
		ابتدائی	171	3,809
میزان			422	30,774

حکومت نے مقامی یا دیسی تعلیم و تدریس کے طریق کو بہتر بنایا اور اب یہ طریق تسلی بخش ہے دیسی سکول لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے ہیں ان کی کل تعداد 26 ہے اور حاضری 1037۔ ان سب میں لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جاتا ہے۔ ان دیسی سکولوں کو گرانٹ دینے

MashalBooks.com

کے بارے میں قواعد میں جو بہتری ہوئی ہے اور امداد میں جو اضافہ ہوا ہے اس سے پرائیویٹ طور پر پرائمری سکول قائم کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ ایک پاٹھ شالا سنسکرت سکول ہے۔ پاڈھا یا پاڑھا سکولوں کی تعداد دس اور طالب علم 602 میں تھی۔ یہ سکول شہروں اور دیہات میں زیادہ تر ہندو آبادی والے علاقوں میں قائم ہوئے ہیں یہاں مقامی حساب کتاب کی لنڈے (مہاجنی زبان) میں تعلیم دی جاتی ہے۔ 63 سکول ایسے اور ہیں جن میں طلباء کی تعداد 1146 ہے جو مسجدوں میں قائم ہیں اور وہاں قرآن حفظ کرایا جاتا ہے۔

پرائمری سکول

31 مارچ 1916 کو 134 پرائمری سکول اور 8551 طالب علم تھے ان میں سے 88 سکول (طالب علم 5,344) بلدیاتی ادارے چلاتے ہیں باقی سکول پرائیویٹ ادارے چلا رہے ہیں جو سکول ابھی محکمہ تعلیم کے زیر نگرانی نہیں آئے ان کی تعداد 91 ہے اور طالب علم 2367 ہیں۔

سیکنڈری سکول

براہ راست حکومت کے انتظام میں واحد سکول لاہور سنٹرل ماڈل ہائی سکول ہے اس کے واحد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ باقی سکول حکومت کی گرانٹ سے چل رہے ہیں باقی صوبے کی طرح لاہور میں سیکنڈری تعلیم پرائمری کے بعد دی جاتی ہے یعنی یہ پرائمری تعلیم میں توسیع ہے۔ بچے پرائمری کا مرحلہ طے کرنے کے بعد سیکنڈری سکول میں جاتے ہیں اور عموماً ایک ہی جگہ پرائمری سکول بھی ہوتا ہے اور سیکنڈری بھی۔ ثانوی تعلیم یا اینگلو ورنیکلر یا ورنیکلر ہوتی۔ ورنیکلر اصولاً مڈل کے درجے سے آگے نہیں جاتے ان کا ذریعہ تعلیم کلی طور پر اردو ہے یہ ورنیکلر سیکنڈری سکول دراصل پرائمری سکولوں سے ذرا آگے کے ہیں ان کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈوں کے پاس ہے اور یہاں دراصل دیہی سکولوں کے لیے اساتذہ کو تربیت دی جاتی ہے۔ کھاتے پیتے لوگوں کے لیے ان ورنیکلر سکولوں کی کوئی اہمیت اور کشش نہیں۔ پرائیویٹ طور پر جو سکول شروع کیے گئے ہیں ان میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غریب طبقوں کے لیے یہ ورنیکلر سکول بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ اس کے بعد طالب علموں کو معمولی خرچے پر اعلیٰ تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔

MashalBooks.com

ایک اینگلو ورنیکلر سکول مڈل تک بھی رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ چونیاں اور مزنگ میں ہے یا پھر ہائی کلاسوں تک چلا جاتا ہے یہ بھی مڈل اور کالج کا درمیانی مرحلہ۔ لاہور شہر میں تقریباً سبھی اہم اینگلو ورنیکلر مڈل ہائی تک ہو گئے ہیں۔

پرائمری سطح پر چوتھی جماعت سے انگریزی کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور ہائی کلاس میں انگریزی ہی واحد ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے۔

ریلوے ٹیکنیکل سکول اور وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہندو ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس لاہور میں قائم ہیں جہاں بڑھتی ہوئی ضرورت کے مطابق صنعتی مضمون پڑھائے جاتے ہیں ڈسٹرکٹ بورڈ نے قصور میں 1914ء میں ایک پرانا انڈسٹریل سکول بحال کیا جو بند کر دیا گیا تھا اب اس پرائمری سکول میں ٹیکنیکل تعلیم بڑھئی اور ڈرائنگ کا کام سکھایا جاتا ہے۔ نصاب میں نئے نئے فنی شعبے اور علوم بھی شروع کیے جائیں گے اور امید ہے کہ اسے مڈل کا درجہ دے دیا جائے گا۔ اب پرائمری سکولوں میں ابتدائی زرعی تعلیم کا نظر ثانی شدہ کورس شروع کر دیا گیا ہے۔ لاہور میں نابینا بچوں کے لیے سکول کھلا ہے اور یہ ترقی کر رہا ہے۔ مشنری سکول بھی اپنے عیسائی طبقے کے بچوں کے لیے اسی قسم کی تعلیم و تربیت شروع کر رہے ہیں یہ عیسائی بہت غریب اور نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم نچلے طبقوں کے لیے کوئی مخصوص سکول نہیں کیونکہ دوسرے طبقے کے بچے بھی ان میں داخلہ لے لیتے ہیں اور غریب طبقے والے بھی دوسرے سکولوں میں داخلہ لے لیتے ہیں۔ تاہم ان بچوں کے بارے میں ایک تعصب پایا جاتا ہے جنہیں ہندوؤں کے ساتھ فرش یا بنچ پر بیٹھنا ہوتا ہے اس لیے ہندو تعصب کے پیش نظر ان کی نشستیں الگ رکھی جاتی ہیں۔

لڑکیوں کے سکولوں کے ضمن میں ضلع لاہور سرفہرست ہے اور معیار کے لحاظ سے بھی لاہور کو فوقیت حاصل ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اہل استاد نہیں ملتے۔ ہائی سکولوں میں تو تقریباً پورا عملہ ہوتا ہے مگر لڑکیوں کے مڈل سکولوں کے بارے میں کیفیت ایسی نہیں۔ عورتوں کا نارمل سکول مقبول ہو رہا ہے اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ زنانہ سکولوں میں اہل عملہ کی کمی بھی جلدی دور ہو جائے گی۔ ان کے نصاب میں کشیدہ کاری اور کھانا پکانا شامل ہے۔ ضلع کے دیہی علاقوں میں اس شعبہ میں رفتار سست ہے۔

پنجاب یونیورسٹی اور اس سے ملحق نو کالج سبھی لاہور میں ہیں۔ باقی کے بارہ ملحق کالج

دوسرے علاقوں میں واقع ہیں جو پشاور، سری نگر، دہلی اور بہاولپور میں ہیں۔ 1915ء میں لاہور میں کالجوں کے طلبا کی تعداد 3,560 تھی جبکہ عملہ کی تعداد 150 تھی۔

پنجاب یونیورسٹی 1882ء کے گورنر جنرل آف انڈیا کونسل کے منظور کردہ ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس قانون میں 1904ء میں ترمیم کی گئی۔ یونیورسٹی کے فرائض یہ ہیں:

امتحان کا انعقاد اور ڈگریاں دینا

الحاق شدہ کالجوں کا عمومی کنٹرول۔ نصاب تیار کرنا اور پڑھائی کے لیے سہولتیں فراہم کرنا۔ قیام کے بعد ابتدائی بیس سال میں یونیورسٹی زیادہ تر امتحانات لیتی رہی۔ یونیورسٹی نے جو تدریسی شعبے قائم کیے تھے۔ قانون، السنۂ شرقیہ، طب اور ابتدائی انجینئرنگ مگر سنسکرت کو چھوڑ کر باقی سب شعبوں کے لیے فنڈ نہیں تھے۔ کالجوں کو تسلیم کرلیا جاتا یعنی ان کے طالب علموں کو امتحان دینے کی اجازت مل جاتی مگر یہ کالج کن حالات میں اور کیا کام کررہے ہیں اس ضمن میں کوئی تحقیق تفتیش نہیں ہوتی تھی۔ 1904ء کے بعد کالجوں کے الحاق اور ان کے معائنہ کا کام شروع کیا گیا۔ سنڈیکیٹ اب سب کالجوں سے رابطہ رکھے ہوئے ہے مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ رہائش، سامان، سٹاف، ٹائم ٹیبل، مالی حالات اور دوسرے متعلقہ امور۔ اب قواعد، ہدایت اور مشورے کے ذریعے ان پر کنٹرول کیا جاتا ہے اور الحاق کی شرائط بھی طے کرلی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً 1912ء سے یونیورسٹی کے تدریسی شعبے کو بھی ترقی دی جارہی ہے۔ عربی اور سنسکرت میں پروفیسر شپ، خاص لیکچرر شپ، یونیورسٹی لائبریری میں توسیع اور رصد گاہ کی تعمیر۔

یونیورسٹی کا سینٹ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہے۔ چانسلر (بحیثیت عہدہ لیفٹیننٹ گورنر آف پنجاب) فیلوز میں سے وائس چانسلر جس کی تقرری گورنر کرتا ہے۔ بحیثیت عہدہ چیف کورٹ پنجاب کا چیف جج، لاہور کا بشپ، محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر، ریاستوں کے سربراہوں (چیفس) کے چھ نمائندے، 75 عام فیلوز، پانچ پانچ سال کے لیے ان سب میں سے دس کو رجسٹر ڈگریجوایٹ منتخب کرتے ہیں۔ پانچ کا انتخاب فیکلیٹز والے کرتے ہیں اور باقی (ساٹھ) کو چانسلر نامزد کرتا ہے۔

یونیورسٹی کے انتظامی اختیارات سنڈیکیٹ کو تفویض نہیں۔ سنڈیکیٹ میں وائس چانسلر،

ڈائریکٹر محکمہ تعلیم' پانچ فیکلٹیز (السنہ شرقیہ' آرٹس' قانون' طب' سائنس اور انجینئرنگ) کے منتخب کردہ پندرہ فیلوز ہوتے ہیں۔ان کا چیف ایگزیکٹوافسر رجسٹرار ہوتا ہے۔ ہر فیکلٹی سینٹ کے مقرر کردہ فیلوز پر مشتمل ہوتی ہے ان میں مزید صرف نصف ارکان ہوتے ہیں۔فیکلٹیز اٹھارہ بورڈ آف سٹڈیز منتخب کرتی ہیں ان اداروں اور امتحانات وغیرہ کے متعلق مزید تفصیل پنجاب یونیورسٹی کے سالانہ کیلنڈر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تاریخ

پنجاب یونیورسٹی کالج کے قیام سے لے کر یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرنے تک ساری تحریک کی تاریخ امپیریل گزٹیئر آف انڈیا پنجاب جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے اس میں یونیورسٹی کی ترتیب وتشکیل کا اصل نقشہ بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

یونیورسٹی کے قیام کے بعد پہلے عشرے کا حال لاہور گزیٹئر کے 1893-94ء کے ایڈیشن میں دیا گیا ہے اس زمانے میں سر چارلس ایچی سن اور سر جیمز لائل یونیورسٹی کے چانسلر رہے۔اس یونیورسٹی کے قیام کے بعد پرانے اور جدید طریق فکر میں متنازعہ بحث چل پڑی تھی جدید اور مغربی طریق فکر کی نمائندگی کلکتہ یونیورسٹی کرتی تھی جس کے احاطہ اختیار میں پنجاب بھی تھا اور مشرقی طریق فکر کی حمایت ڈاکٹر لائٹز کررہے تھے جو مشرقی یونیورسٹی کے تصور کے خالق تھے۔ چنانچہ اس بحث کے سبب بہت سے شروع کے عطیہ دینے والوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اس میں جیت جدید تصورات کے حامیوں کی ہوئی اور مشرقی یونیورسٹی کا تصور اورینٹل فیکلٹی اور اورینٹل کالج تک ہی محدود رہا۔ تاہم اس بحث کا اثر بہت سے دوسرے امور مثلاً اینڈاوَمنڈ فنڈ کے استعمال اور امتحانات کے لیے قواعد وضع کرنے پر پڑا۔مشرقی قانون اور مشرقی طب کے شعبے خود کفیل نہیں بن سکتے تھے اور ان کا مضبوط جواز بھی پیش نہ کیا جاسکا اس لیے یونیورسٹی نے ان کے امتحانات ترک کردیئے۔ اس عرصہ کے خاتمے تک جدید خیالات فتح پاچکے تھے اور ایک ممتاز وائس چانسلر سر ولیم ریٹی گن کی سرکردگی میں اگلے دس سال کے لیے یونیورسٹی کی وضع قطع کا پکا نقشہ بنالیا گیا۔ دوسرے عشرے 1882-92ء میں سر ڈینس فٹز پیٹرک اور سر ولیم میکورتھ ینگ چانسلر تھے۔اس زمانے میں کام باقاعدگی اور تسلسل سے آہستہ آہستہ ہوتا رہا تاہم کوئی تبدیلی نہیں آئی امتحان لینے والی مشینری کو وسعت دی گئی۔ سائنسی علوم

کی تدریس اور جسمانی تربیت کے فروغ پر زور دیا گیا۔ تیسرے عشرے 1912-1902ء میں اہم تبدیلیاں آئیں انڈین یونیورسٹیز ایکٹ مجریہ 1904ء کے تحت سینٹ کی تشکیل اور تمام قواعد وضوابط پر نظر ثانی کی گئی۔ سینٹ کے ارکان میں اساتذہ اور عالم فاضل لوگوں کو زیادہ تعداد میں شامل کیا گیا۔ کالجوں کے الحاق اور ان کے معائنہ کا کام ہوا کالجوں کو سرکاری امداد دے کر ترقی دی گئی اور پرائیویٹ طالب علموں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ نئے بورڈ آف سٹڈیز بنا کر فیکلٹیز کو تقویت دی گئی۔ یونیورسٹی کے معاملات میں دلچسپی بڑھی اور اس کی مختلف تنظیموں یا شعبوں کے اجلاس میں زیادہ حاضری ہونے لگی پہلے تو یہ عالم تھا کہ اورینٹل اور آرٹس فیکلٹی کے اجلاس میں صرف پانچ فیلوز شرکت کیا کرتے تھے۔ اس عشرے کے خاتمے تک ایسے اجلاس میں پچاس پچاس ارکان شرکت کرنے لگے۔ کالجوں کے الحاق میں ہونے والی ترقی کا ضمناً ذکر اوپر آچکا ہے۔ کالجوں پر کنٹرول کے بعد یونیورسٹی کے کام اور ذمہ داریوں میں متعدبہ اضافہ ہوا۔ دریں اثناء اینگلو ورنیکلر مڈل کا امتحان ختم کردیا گیا یعنی اب یونیورسٹی نے یہ امتحان لینا ترک کردیا مگر نئے مضامین شامل کیے جانے اور آنرز کے پرچوں کے باعث امتحانات کی پیچیدگیاں بڑھ گئیں مزید یہ کہ ایم اے کے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اس عشرے میں یونیورسٹی کی عمارت کی سکیم پر بھی عملدرآمد شروع ہوا۔ پچھلے کچھ سالوں سے اس سکیم پر سوچ بچار اور بحث مباحثہ چل رہا تھا۔ 1906ء میں یونیورسٹی ہال (150x60 فٹ) کی تعمیر مکمل ہوئی اس ہال میں کانووکیشن اور امتحانات کا انعقاد ہونے لگا۔ بہت سے کالجوں نے نئی عمارتیں نئے ہوسٹل اور جدید سامان سے لیس نئی لیبارٹریاں بنائیں۔ بیس برس تک یونیورسٹی لائبریری کسمپرسی کے عالم میں رہی اب گویا اسے نئے سرے سے قائم کیا گیا۔ حکومت ہند کی دریادلی کے طفیل پچاس ہزار روپے کی نئی کتابیں خریدی گئیں۔ یونیورسٹی لائبریری کی عمارت کی تعمیر کے مکمل ہونے تک یونیورسٹی ہال ہی میں لائبریری قائم کردی گئی۔ پریذیڈنسی کالج کلکتہ کے مسٹر ہیومیلویل پرسیویل نے اپنے پرائیویٹ کتب خانے سے پانچ ہزار کتابوں کا عطیہ دیا جو لائبریری کا قابل قدر حصہ بنا۔ اس عرصہ میں چانسلر بھی بدلتے رہے۔ انڈین یونیورسٹیز ایکٹ کے تحت جو کام شروع ہوا' اسی زمانے میں سر چارلس ریواز نے یونیورسٹی کے کام پر بہت توجہ دی اور آخر میں سر لوئس ڈین نے ان کاموں کو مکمل کیا۔ اس

زمانے میں مندرجہ ذیل وائس چانسلر رہے۔ سر لیوس ٹپر، سر پی سی چیٹرجی اور سر تھامس گارڈن واکر، 1912ء کے بعد یونیورسٹی کی عمارت کی تکمیل کے لیے بڑا کام ہوا۔ یونیورسٹی لائبریری کا پہلا بلاک اب موجود کتابوں (جو تیس ہزار کے قریب ہیں) کے لیے ناکافی ثابت ہوا۔ اس لیے اس بلاک میں توسیع کا کام ہو رہا ہے کانونٹ گرلز ہائی سکول کی جگہ لاء اور اورینٹل کالج کی تعمیر کیلیے حاصل کر لی گئی ہے۔ لیکچراروں کے تقرر کے بعد لاہور میں یونیورسٹی کے تدریسی شعبہ میں قابل ذکر ترقی کا امکان ہے۔ یونیورسٹی کے امتحانات کے حوالے سے طالب علموں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔

میٹریکولیشن (سابق انٹرینس) آرٹس اور سائنس	300 سے 5000
انٹرمیڈیٹ	42 سے 1400
بی اے، بی ایس سی	17 سے 950
ایم اے، ایم ایس سی	5 سے 50

طلباء کی تعداد میں گزشتہ چند سالوں میں تیزی سے اضافہ ہوا۔

لاہور میں بڑے سکولوں اور دوسرے اداروں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

یورپین سکول

1- کیتھڈرل بوائز ہائی سکول

1872ء میں قائم ہوا۔ اس وقت 61 طالب علم ہیں ان میں سے 21 بورڈر ہیں باقی چالیس ڈے سکالرز ہیں ان میں دس غیر یورپی ہیں۔ عمارتیں اچھی ہیں اور ضروری ساز و سامان بھی اچھا ہے۔ بجلی کی روشنی اور پنکھے ہیں۔ عملہ میں تین استاد اور تین استانیاں ہیں۔ 1913ء سے کیتھڈرل یتیم خانے کے 51 لڑکوں کو اس سکول میں تعلیم دی گئی مگر ان دونوں سکولوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا گیا ہے۔ ابتدائی سائنس نظریاتی اور تجرباتی ......کو حال ہی میں نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ سکول کا وقف فنڈ کم ہے مگر گزشتہ دو سالوں میں سکول خاصا مقبول ہوا ہے۔ اس میں چھ طالب علموں سے کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی۔ گزشتہ سال تک ایک طالب علم پر تین سو روپے کا خرچ اٹھتا تھا جبکہ اوسط فیس ایک سو

MashalBooks.com

بیس روپے فی طالب علم تھی۔

2- کیتھڈرل گرلز ہائی سکول

1888ء میں جاری ہوا۔ طالب علم 79 ہیں۔ 53 لڑکیاں اور 26 لڑکے۔ ان میں سے 20 بچے ریلوے والوں کے ہیں۔ صرف نو لڑکیاں اور تین لڑکے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے ہیں۔ باقی ڈے سکالرز ہیں۔ کیتھڈرل یتیم خانہ کی کچھ لڑکیاں 1913 سے یہاں مختلف کلاسوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں یتیم خانے کی باقی لڑکیاں گھریلو کاموں اور دستکاری کے دوسرے کاموں کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ بہرطور دونوں سکولوں کا وجود بالکل الگ الگ ہے۔ اس اقدام سے کارکردگی میں اضافہ اور اخراجات میں کمی ہوئی۔ عملہ مناسب تعداد میں اور سرگرم ہے۔ سکول میں گنجائش یا مکانیت خاصی ہے اور سامان بھی تسلی بخش ہے۔

3- سینٹ انتھونی ہائی سکول

1892ء میں قائم ہوا۔ 121 طالب علم ہیں۔ ریلوے والوں کے بچے 61 'بورڈنگ ہوسٹل میں 63 جن میں سے چار غیر یورپی ہیں۔ بورڈرز پوری فیس (جو رعایتی ہے) 32 روپے ادا کرتے ہیں باقی 21 کو معافی ہے۔ سکول کا انتظام برادرز آف دی آرڈر آف سینٹ پیٹرک کا ہے۔ عملہ بھی انہی کا ہے۔ عمارت بڑی کشادہ ہے۔ ضروری سازوسامان بہت اچھا اور عملہ بھی خاصا ہے۔

4- کانونٹ مڈل سکول

1877ء میں ایک نجی گھر میں شروع ہوا۔ پھر 1880ء میں انارکلی کے کانونٹ میں باقاعدگی سے اجرا ہوا۔ طالب علم 102 ہیں۔ 92 لڑکیاں اور 10 لڑکے۔ پندرہ طالب علم ریلوے والوں کے بچے ہیں۔ سکول کا انتظام اور تدریس سنز آف دی آرڈر آف جیسس اینڈ میری کی ذمہ داری ہے۔ بورڈر 41 ہیں جن میں سے اکثر غریب ہیں اس لیے فیس ادا نہیں کرتے۔ اس کے لیے ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی جا رہی ہے۔ اکتوبر 1915ء میں مکمل ہوجائے گی۔ فرنیچر اور دوسرا سامان معقول ہے۔ عملہ پانچ ننوں پر مشتمل ہے۔

5- کیتھڈرل بوائز آر فینیج مڈل سکول

1872ء میں قائم ہوا۔ رہائش والا سکول ہے۔ ڈاؤسس لاہور کے چندوں سے چلتا ہے۔ انتظام ایک بااثر کمیٹی کے پاس ہے۔ رجسٹروں میں 51 طالب علموں کے نام ہیں سارے کے سارے یورپی ہیں یا اینگلو انڈینز' تعلق چرچ آف انگلینڈ سے ہے۔ صرف دو طالب علم پوری فیس پندرہ روپے ماہانہ ادا کرتے ہیں۔ ملتان روڈ پر اس کی نئی عمارت بہت عمدہ ہے اور اچھے فرنیچر کے ساتھ۔ عملہ بھی خاصا ہے۔ بڑھئی کی تربیت دینے کے لیے ایک مستری کو بھی ملازم رکھا گیا ہے۔

6- کیتھڈرل آر فینیج گرلز مڈل سکول

کیتھڈرل یتیم خانے 1872ء میں قائم کیے گئے تھے۔ پہلے یہ نکلسن روڈ پر قلعہ گوجر سنگھ میں قائم تھے۔ 1912ء کے بعد ہال روڈ پر آ گئے۔ 41 لڑکیاں ہیں جو سب کی سب بورڈنگ ہاؤس میں رہتی ہیں ان میں 19 ریلوے والوں کی ہیں۔ نو لڑکیوں کو صنعتی فنون کی خاص تربیت دی جا رہی ہے۔ عمارتیں عمدہ ہیں۔ بڑے اہتمام سے ان کا نقشہ بنایا گیا اور دھیان سے تعمیر کیا گیا ہے۔ گھریلو کاموں کی تربیت کے لیے ایک الگ عمارت بھی ہے۔ فرنیچر اور دوسرا سامان اچھا ہے۔ عملہ بڑا اہل۔

7- نارتھ ویسٹرن ریلوے پرائمری سکول

90 طالب علم ہیں۔ 52 لڑکے 38 لڑکیاں۔ سب ریلوے والوں کے بچے ہیں۔ پوری فیس ادا کرتے ہیں۔ عمارت عمدہ ہے۔ ضروری ساز و سامان بھی تسلی بخش اور عملہ بڑا اچھا۔

8- نارتھ ویسٹرن ریلوے اپرنٹسز ٹیکنیکل سکول

1898ء میں کھلا۔ 52 اپرنٹس ہیں۔ کچھ سینئر کلاس میں ہیں کچھ جونیئر کلاس میں۔ موخر الذکر پیر' بدھ اور جمعہ کو اور باقی ہفتے کے باقی دنوں میں پڑھنے آتے ہیں۔ کلاس صبح کے وقت ہوتی ہے جس کے بعد طالب علم ریلوے کی لوکوموٹو ورک شاپس میں کام سیکھنے چلے جاتے ہیں۔ عملہ میں پانچ اساتذہ ہیں۔ جو اپنے کام کے اہل ہیں۔ ان میں سے دو کے پاس برطانیہ اور آئرلینڈ کے اداروں کے سرٹیفکیٹ بھی ہیں۔

MashalBooks.com

دیسیوں کے سکول

9- سنٹرل ماڈل سکول

پہلے ضلع سکول تھا(ڈسٹرکٹ بورڈ کا) مگر اسے بڑی تیزی سے ترقی دی گئی 1913ء میں ساٹھ ہزار روپے سے عمارت میں بڑی توسیع کی گئی۔ جب سیکنڈری سکولوں میں پڑھانے والے اساتذہ کی تربیت کی سکیم منظور ہوگئی تو ان کو اس سکول میں عملی تربیت دینے کا اہتمام کیا گیا اس طرح یہ تربیتی سکول بھی ہے۔سکول میں پرائمری سے لے کر میٹریکولیشن (آرٹس اور سائنس) تک تعلیم کے ساتھ کلرکی اور تجارتی نوعیت کی تدریس بھی ہوتی ہے۔سکول کا انتظام ہیڈ ماسٹر کو سونپا گیا۔) جو سنٹرل ٹریننگ کالج کے پرنسپل کی براہ راست نگرانی میں کام کرتا ہے۔دوسرے سرکاری اور بلدیاتی سکولوں کے مقابلے میں فیس کچھ زیادہ ہے ایک چھوٹا سا ہوسٹل بھی ہے جس میں 45 طالب علموں کی گنجائش ہے۔طالب علموں کی تعداد 917 ہے۔

10-رنگ محل مشن ہائی سکول

قیام 1849ء میں طالب علموں کی تعداد 873: رنگ محل نام سے شہر کے وسط میں واقع ایک بڑی عمارت میں کھولا گیا۔ اس لیے یہی نام رکھ دیا گیا۔ضلع میں انگریزی تعلیم کا پہلا سکول تھا جو ریورینڈ سی ڈبلیو فارمن نے ایک اور تبلیغی ساتھی کے تعاون سے قائم کیا۔ ایک زمانے میں اس سکول کی 20 شاخیں تھیں اور تعلیم بالغاں کا ایک سکول بھی جہاں رات کو پڑھایا جاتا۔ اب یہ ایک بڑا سکول ہے اور اس کی تین شاخیں۔ موجودہ عمارت میں توسیع اور سازوسامان کا اضافہ 1912ء میں ہوا۔

11-دیانند اینگلو ویدک ہائی سکول:

آریہ سماج کی تحریک کے بانی سوامی دیانند کی یاد میں قائم کیا گیا۔ مقصد ہندی' سنسکرت اور مذہب کی سیکولر اور اخلاقیات آمیز تعلیم کا فروغ ہے۔ طلباء کی تعداد کے لحاظ سے صوبے کا سب سے بڑا سکول ہے۔موجودہ عمارت 1891ء میں ضلع کچہری کے پاس قائم کی گئی۔ 1911ء میں اس میں خاصی توسیع کی گئی۔ پرائمری سکول میں کوئی فیس نہیں اوپر کے

MashalBooks.com

درجے میں ان طالب علموں کی فیس بھی معاف ہے جن کے والدین کی ماہانہ آمدنی پچاس روپے سے کم ہے۔

مڈل اور ہائی کلاسوں میں فیس دوسرے ہائی سکولوں کے مقابلے میں کم ہے پرائمری اور مڈل کی سطح تک ذریعہ تعلیم ہندی ہے۔ مارچ 1915ء کو طلباء کی تعداد 1545 تھی۔ اس وقت ہیڈ ماسٹر کو رہائش فراہم کی گئی تھی اور 300 طالب علم ہاسٹل میں رہتے تھے۔

12- دیال سنگھ ہائی سکول

دیال سنگھ ہائی سکول ہیرامنڈی میں ہے۔ طالب علم 788 ہیں۔ مجیٹھہ کے سورگباشی سردار دیال سنگھ کے عطیات پر چلتا ہے۔ 1904ء سے پہلے اس میں پرائمری کلاسیں نہیں تھیں نہ ہی طالب علموں کی رہائش کا کوئی انتظام۔ 1907ء میں اسے حکومت کی طرف سے امداد دی جانے لگی۔ تب سے اس میں خاطر خواہ ترقی ہورہی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ طالب علموں کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ سکول کی اپنی عمارت نہیں ہے۔

13- اسلامیہ ہائی سکول

پنجاب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ' آغاز انجمن حمایت اسلام کے پرائمری سکول سے ہوا جو 1886ء میں مسلمان بچوں کے لیے قائم کیا گیا۔ مستحق طالب علموں کی فیس معاف ہے اور کچھ یتیم بچوں کو بھی فیس نہیں دینی پڑتی۔ بچوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور ہر طالب علم کو جسمانی کسرت بھی کرنا پڑتی ہے۔ جب طالب علموں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو 1911ء میں اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ نمبر 1 اور نمبر 2۔ سکول نمبر 1 کرائے کی عمارت میں ہے عمارت خاصی کشادہ ہے مگر اردگرد کا ماحول کوئی زیادہ اچھا نہیں۔ سکول نمبر 2 کا آغاز بہت اچھا ہوا۔ کرائے کی ناموزوں عمارت میں ہی تھا مگر 1915ء میں یہ اپنی نئی عمارت میں منتقل ہوگیا۔ یہ عمارت چندوں سے بنائی گئی تھی۔ بڑے بڑے عطیوں کے علاوہ صوبائی حکومت نے بھی خاصی امداد دی۔ دونوں سکولوں میں تعداد 1030 ہے۔

14- میونسپل بورڈ ہائی سکول' قصور

پہلے ورنیکلر پرائمری سکول تھا پھر اینگلو ورنیکلر مڈل سکول اور 1891ء میں ہائی سکول ہوا۔ 1886ء میں میونسپلٹی نے شہر سے باہر دس ہزار روپے کی لاگت سے ایک بڑی عمارت بنائی

جس میں1891ء میں توسیع کی گئی۔ طالب علموں کی تعداد577 ہے۔

15-وکٹوریہ گرلز ہائی سکول' لاہور

نونہال سنگھ کی حویلی میں قائم ہے۔ پہلے اس کا نام سنٹرل فیمیل نارمل سکول تھا پھر ملکہ وکٹوریہ کی سلور جوبلی کے موقع پر اس کا نام تبدیل کر دیا گیا۔ یہ لڑکیوں کا پہلا مڈل سکول تھا اور اس کی طالبات نے مڈل سٹینڈرڈ کا پہلا امتحان دیا تھا۔ بہت عرصہ تک پورے صوبے کا صف اول کا سکول رہا۔ 1887ء میں موجودہ لیڈی سپرنٹنڈنٹ کے تقرر کے بعد سکول بدستور ترقی کر رہا ہے۔ طالب علموں کی تعداد محدود رکھنے کے لیے فیسوں کا خاص نظام قائم کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے ہی اس کو ہائی سکول کا درجہ دے دیا جاتا مگر منتظم پنجاب ایسوسی ایشن کے پاس اتنی رقم نہیں تھی اس لیے حکومت نے اس کا انتظام سنبھال کر اسے ہائی کا درجہ دے دیا۔ حال ہی میں عملے میں توسیع کی گئی ہے اور بہت سی تبدیلیاں لانے کے لیے بھی سوچ بچار کی جا رہی ہے۔ استانیوں کی تربیت کے لیے اس میں نارمل کلاسیں بھی کھولی گئی تھیں مگر نارمل سکول فار ویمن کے قیام کے بعد یہ کلاسیں بند کر دی گئیں۔ سینئر ورنیکلر ٹیچرز سرٹیفکیٹ کے امتحان میں سب سے پہلے اس سکول کی طالبات نے حصہ لیا تھا۔

16- کوئین میری کالج

1911ء میں قائم ہوا۔ تعداد طالبات 48۔ 1905ء میں شہزادی شہزادہ ویلز کے لاہور کے دورے پر ممتاز خاندانوں کی زیر تعلیم دیسی طالبات کی ماؤں اور دوسری خواتین نے اس ہائی سکول کو کالج بنانے کی یادداشت پیش کی۔ اس کالج میں چیفس اور راجہ خاندانوں کی لڑکیاں داخل ہو سکتی ہیں۔ دوسرے طبقوں کی لڑکیوں کو داخلہ نہیں دیا جاتا تا آنکہ ان کے داخلے کا معقول جواز نہ ہو۔ ادارے کا نصب العین یہ ہے کہ ان لڑکیوں کو ان کے شایان شان ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ انگریز خواتین سے ربط و ضبط بڑھا سکیں۔ بنیادی طور پر یہ تعلیم ہندوستانی آدرشوں کے مطابق ہو عورت میں قربانی' ممتا اور سادہ زندگی گزارنے کا جذبہ پیدا کرے چنانچہ ان اصول وضوابط کے مطابق نصاب وضع کیا گیا ہے الگ سے مذہبی یا فرقہ ورانہ تعلیم نہیں دی جاتی۔ مگر اس میں سادگی' نجابت اور فرمانبرداری کی روح کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں 4 سے 11 سال کے لڑکوں کی ابتدائی تعلیم کا بندوبست بھی ہے جو ایک انگریز

MashalBooks.com

خاتون کی نگرانی میں الگ عمارت میں رہتے ہیں۔

17- کنیئرڈ ہائی سکول فار گرلز

ایمپرس روڈ پر 1879ء میں قائم ہوا۔ امریکن پریسبائٹرین بورڈ آف فارن مشن کے تحت یہ سکول ایک عرصہ سے قائم رہا1879ء میں کرسچین گرلز سکول کے نام سے اس کا احیا کیا گیا1886ء میں اسے ہائی سکول کا درجہ دیا گیا۔ 1901ء میں لڑکیوں کو ہائی سکولوں میں تدریس کی تربیت دینے کے لیے اس میں جونیئر اینگلوورنیکلر کلاسیں شروع کی گئیں تب سے سکول کی یہ شاخ بڑی اہمیت حاصل کرگئی ہے 1913ء میں اس میں کالج بھی کھولا گیا اور یونیورسٹی سے الحاق ہوگیا۔ اگرچہ ابتداء میں اس کا مقصد صرف عیسائی بچوں کو تعلیم دینا تھا مگر اب سکول (کالج) میں متعدد ہندو مسلمان اور پارسی بچیاں بھی زیرِ تعلیم ہیں اور کل تعداد 195 ہے۔

18-ریلوے ٹیکنیکل سکول

1889ء میں قائم ہوا۔ طالب علموں کی تعداد 456۔ اس کا سارا خرچہ حکومت اٹھاتی ہے۔ ریلوے ورکشاپوں کی ضرورت کے تحت یہ سکول کھولا گیا تھااور مدعا یہ تھا کہ ورکشاپ میں جو کاریگر وغیرہ ملازم ہیں ان کے بچوں کو ٹیکنیکل اور صنعتی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والوں کو روزگار حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہندو ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ

اس ادارے کا مدعا یہ ہے کہ ہندو لڑکوں کو صنعتی تربیت حاصل کرنے پر مائل کیا جائے۔ حال ہی میں اس میں ابتدائی الیکٹریکل انجینئرنگ' فٹرز اور ڈرائیوز کی کلاسیں کھلیں تو سکول کی مقبولیت بڑھ گئی۔

20-نابیناؤں کیلیے ایلیمنٹری سکول

1915ء میں ریلوے ٹیکنیکل سکول کی عمارت میں قائم کیا گیا۔ صنعتی یا دستکاری کی تربیت کے ساتھ ساتھ بریل طریق سے پڑھنے' لکھنے اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ترقی تسلی بخش ہے طلباء کی تعداد 14 ہے۔

MashalBooks.com

تربیتی ادارے

1-سنٹرل ٹریننگ کالج کا تذکرہ یونیورسٹی سے ملحق کالجوں کے حصے میں:

2-لاہور نارمل سکول

تعداد104:1856ء میں قائم کیا گیا۔نصب العین یہ تھا کہ اس زمانے کے ورنیکلر تعلیمی اداروں، مکاتب، پڑھایا پاڑھا اور پاٹ شالا وغیرہ میں ملازمت کے لیے اساتذہ کو اس طریق تدریس کی بہتر انداز میں تربیت دی جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بڑھتا پھولتا رہا اکتوبر1904ء میں اس کی الگ عمارت بن گئی کشادہ اور بڑے ہوادار کمرے، بورڈنگ ہاؤس جس میں120 طلباء کی رہائش کی گنجائش ہے۔عمارت پر ایک لاکھ روپے خرچ آیا۔عملہ شروع میں اردو جاننے والے چند اساتذہ پر مشتمل تھا۔1872ء کے بعد ایک قابل گریجوایٹ ہیڈ ماسٹر کے ساتھ خاصا عملہ ہے۔1909ء میں سکیم پر نظرثانی کی گئی اور صوبے میں پرائمری سطح کی تعلیم کے حوالے سے اس میں مطابقت پیدا کی گئی۔تربیت کا عرصہ ایک سال اس کے بعد جونیئر ورنیکلر سٹرفکیٹ امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔ یہاں پر داخلے کی شرط یہ ہے کہ امیدوار مڈل سکول (ورنیکلر یا اینگلوورنیکلر) یا کسی اینگلو ورنیکلر سکول کا یا اس کے برابر کا امتحان پاس کر چکا ہو لازم ہے کہ اس کا انتخاب ضلع کا ڈپٹی کمشنر کرے۔طالب علموں کو عموماً سرکاری وظیفہ دیا جاتا ہے جو پانچ روپے ماہانہ ہے۔ یہ صوبے میں سب سے بڑا نارمل سکول ہے محکمہ تعلیم کے براہ راست کنٹرول اور پرنسپل لاہور ٹریننگ کالج کی نگرانی میں ہے۔اخراجات صوبائی حکومت برداشت کرتی ہے جو14-1913ء میں سولہ ہزار روپے تھے۔

3-نارمل سکول فار ویمن

1905ء میں شروع ہوا تعداد107 ہے۔ان عورتوں کے لیے جو تدریس کی پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنا چاہتی ہیں بورڈنگ ہاؤس بھی ہے۔نصاب محکمہ تعلیم نے بنایا ہے۔ جو خواتین کے جونیئر اور سینئر ورنیکلر امتحانات کے لیے ہے۔دونوں درجوں کے لیے تعلیمی مدت دو سال کی ہے جو طالبات جونیئر ورنیکلر امتحان کے لیے پڑھ رہی ہیں انہیں مڈل سکول امتحان پرائیویٹ طور پر دینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

MashalBooks.com

پنجاب یونیورسٹی سے ملحق کالج

1-اورئینٹل کالج

پنجاب یونیورسٹی کالج کے سینٹ نے 1870ء میں قائم کیا۔ پنجاب یونیورسٹی نے 1882ء میں اپنے کنٹرول میں لے لیا جس نے اب تک متعلقہ ضابطوں کے مطابق اسے چلایا ہے۔1888ء میں اورئینٹل کالج کے مندرجہ ذیل مقاصد مقرر کیے گئے تھے۔

(ا) سنسکرت عربی اور فارسی زبان وادب کی مضبوط بنیادوں پر تدریس تاریخی طریق کار کے مطابق اور ان طلباء کے لیے جوان زبانوں کے فاضل (ہائی پروفیشینسی) اور آنرز کے پنجاب یونیورسٹی کے زبانوں سے متعلق امتحان میں بیٹھنا چاہتے ہیں۔

(ب) پنجابی زبان وادب کی تاریخ پر عالمانہ قدرت حاصل کر کے پنجابی فاضل کے یونیورسٹی کے امتحان میں بیٹھنا چاہتے ہیں۔

کالج کا انتظام سینٹ کے کنٹرول میں سنڈیکیٹ کرتا ہے 1884ء میں اسے یہ کام بھی سونپا گیا ہے کہ گورنمنٹ کالج کے طلباء کو السنہ شرقیہ کی تعلیم دے اس کام کا خرچہ حکومت ادا کرتی ہے۔کالج کے اخراجات جزوی طور پر پنجاب یونیورسٹی کے بجٹ سے اور جزوی طور پر یونیورسٹی کے وقف سے پورے کیے جاتے ہیں۔کالج کی کلاسوں کے لیے مستقل اساتذہ کے ساتھ ساتھ مترجمین بھی ملازم رکھے جاتے ہیں۔کالج کا ہاسٹل حضوری باغ کے احاطہ میں رکھا گیا ہے جہاں 51 طالب علم رہائش پذیر ہیں۔

2-لاء کالج

1870ء میں قائم کیا گیا۔ پہلا نام لاسکول تھا مدعا یہ تھا کہ مختار شپ اور پلیڈر شپ کے امتحانات کے لیے قانونی تیاری کرائی جائے۔گزشتہ کچھ سالوں سے سکول کو کالج بنا دیا گیا ہے اور ہمہ وقتی پرنسپل اور عملہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔طلباء کو بیچلر آف لا اور قانون کے فرسٹ ایگزامینیشن کے امتحانات کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔انتظام لا فیکلٹی کرتی ہے جسے سنڈیکیٹ اور سینٹ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے۔لا کالج اور ہاسٹل سینٹ ہال کے سامنے خوبصورت عمارت میں قائم ہیں جہاں کبھی کانونٹ گرلز سکول قائم تھا۔ پہلے فلور پر ہاسٹل ہے جس میں

40 طلباء کی گنجائش ہے جو نا کافی ہے۔ کالج اور ہاسٹل کی الگ الگ عمارتوں کے بارے میں غور کیا جارہا ہے کالج کے ساتھ ایک اہم لائبریری بھی ہے۔

3- گورنمنٹ کالج

انٹرمیڈیٹ (آرٹس و سائنس) بی اے' بی ایس سی' ایم اے اور ایم ایس سی 1882ء میں پنجاب یونیورسٹی بننے کے بعد اس کالج سے 228 ایم اے' ایم ایس سی 750 بی اے اور بی ایس سی کر چکے ہیں۔ کالج کی خوبصورت عمارت گاتھک طرز کی ہے۔ اوپر بہت بڑا کلاک' شہر کے قریب انتہائی نمایاں عمارت ہے۔ کلاس رومز کے علاوہ اس میں امتحانی ہال' لائبریری' فزکس' کیمسٹری اور بیالوجی کی بڑی بڑی لیبارٹریاں ہیں۔ معدنیات' پتھروں' فاسلز وغیرہ کا میوزیم بھی ہے یہ چیزیں کالج کو جیولاجیکل کے محکمے نے دی ہیں۔ اس کے ساتھ بیالوجی کا ایک بڑا عجائب گھر بھی ہے۔ عمارت کی تعمیر 1872ء میں شروع ہوئی۔ پانچ سال میں ساڑھے تین لاکھ روپے سے مکمل ہوئی۔ اس کے بعد کالج کی گراؤنڈوں پر کام ہوا۔ اب کرکٹ' فٹ بال' ہاکی کی گراؤنڈیں اور ٹینس کا لان ہے۔ کالج کے قریب واقع پرانا پریسٹبیرین چرچ بھی حاصل کر کے وہاں پندرہ ہزار روپے کی لاگت سے جمنیزئم بنایا گیا ہے۔ ہندو اور مسلمان طلباء کے لیے ستر ہزار روپے کے خرچ سے ہاسٹل یا بورڈنگ ہاؤس بھی بنا دیا گیا ہے۔ 1891ء میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔ عموماً سبھی کمرے بھرے رہتے ہیں ہاسٹل کے مقررہ اوقات کے بعد کسی طالب علم کو باہر رہنے کی اجازت نہیں۔ حکومت نے قریب ہی پرنسپل کی رہائش گاہ فراہم کر رکھی ہے جو بورڈنگ میں رہنے والوں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہاں پر مقیم ایک سپرنٹنڈنٹ پرنسپل کا معاون ہوتا ہے۔ انگریزی کے پانچ پروفیسر بھی کالج کے اندر ہی رہتے ہیں۔ اس وقت طلباء کی تعداد 551 ہے۔ کالج پر حکومت کا سالانہ خرچ 1,88,317 ہے۔ سال 15-1914ء میں فیسوں سے آمدنی 59,797 تھی۔ متعدد طلباء کو حکومت اور یونیورسٹی کی طرف سے وظائف ملتے ہیں جن کی 15-1914ء میں مالیت 18,031 روپے تھی۔ پرنسپل کو اختیار ہے کہ کل تعداد کے دس فیصد غریب طلباء سے آدھی فیس لے۔ تمام مضامین میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں کو انعام دیا جاتا ہے۔ 1881ء میں گورنمنٹ کالج کے السنۂ شرقیہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں سے لی گئی فیس اورینٹل کالج کو دی

MashalBooks.com

تاہم حال ہی میں اورینٹل کالج کے عربی' سنسکرت اور فارسی کے پروفیسروں کو گورنمنٹ کالج کے عملے میں شامل کرلیا گیا ہے۔ کالج میں ان دوسرے تمام مضامین میں ایم اے کرنے کی اجازت ہے جن کی یونیورسٹی نے اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ انٹرمیڈیٹ میں انگلش' فزکس' کیمسٹری' فلاسفی' ریاضی' تاریخ اور بیالوجی کے مضامین میں بی اے میں انگلش' ریاضی' تاریخ' اکنامکس' فزکس اور کیمسٹری کے مضامین بی ایس سی میں باٹنی زوآلوجی' فزکس' کیمسٹری' ایم اے میں انگلش' ریاضی' تاریخ اور اکنامکس اور ایم ایس سی میں باٹنی' زوآلوجی' فزکس اور کیمسٹری کے مضامین ہیں۔

4-فارمن کرسچین کالج

ادارہ 1866ء میں قائم کیا گیا۔ اگلے تین سال تک کالج میں طلباء کو کلکتہ یونیورسٹی کے ایف اے اور بی اے کے امتحانات کے لیے تیار کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد پرنسپل ریورنڈ سرہنری کے انتقال کے باعث کالج کا کام معطل رہا۔ 1886ء میں پھر کلاسوں کا اجراء کیا گیا اور 1888ء میں انٹرمیڈیٹ اور 1890ء میں بی اے کے طالب علموں نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان دیا۔ کالج کی عمارات رابرٹس روڈ پر بنگال بنک کے قریب واقع ہیں۔ 1889ء میں ان کا افتتاح ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل مارکوئس آف لینسڈاؤن نے کیا۔ اراضی حکومت پنجاب نے دی تھی اس کے علاوہ بیس ہزار روپے کی گرانٹ بھی۔ عمارت کی تقسیم یوں ہے۔ 1- نئی بلڈنگ جس میں ہال' لائبریری' لیکچر روم ہیں یہاں پانچ سو طلباء کی گنجائش ہے۔ 2- کالج ہاسٹل۔ 3- عیسائی طلبا کے لیے کینیڈی ہال۔ 4- نیپیئر روڈ پر نیوٹن ہال۔ 5- پرنسپل ہاؤس۔ 6- چیٹر جی سائنس بلڈنگ۔ 7- دی ایپے۔ عمارت پر تقریباً دو لاکھ پچپن ہزار روپیہ خرچ آیا۔ کالج کو حکومت کی طرف سے امداد دی جاتی ہے۔ حکومت کے قواعد کے مطابق ہی طلباء اور فیسوں کا نظام ہے۔ اس کا انتظام امریکہ کے امریکن پریسٹیبیرین چرچ کے ہاتھ میں ہے مشن نے بورڈ آف ٹرسٹیز بنا رکھا ہے۔ دیکھ بھال' وظائف اور انعامات کے لیے کوئی وقف نہیں ہے تاہم بہت سارے طالب علموں کو حکومت' یونیورسٹی' یا بلدیاتی اداروں کی طرف سے وظائف ملتے ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس میں تین سو طلباء کی رہائش کی گنجائش ہے۔ طلباء کو پنجاب یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ' بی اے' بی ایس سی اور ایم اے کے امتحانوں کی تیاری کرائی جاتی

ہے۔ 31مارچ 1914ء کو طلباء کی تعداد 600 تھی جن میں سے 329ہندو' 154 مسلمان' 79سکھ' 34عیسائی اور باقی مذاہب کے چار شامل تھے۔

5-دیانند اینگلو ویدک کالج

دیانند اینگلو ویدک کالج (سکول ڈیپارٹمنٹ) یکم جون 1886ء کو جاری ہوا۔ فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کی کلاسیں مئی 1888ء اور 1889ء میں شروع ہوئیں' تھرڈ ایئر اور فورتھ ایئر کی 1893ء اور 1894ء میں اور سنسکرت میں ایم اے کی 1895ء میں۔ کالج آریہ سماج تحریک کے بانی شری سوامی دیانند سرسوتی کی یاد میں مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے قائم کیا گیا۔

1- ہندی ادب کے مطالعہ کو بہتر طور پر فروغ دینا۔
2- کلاسیکل سنسکرت اور ویدوں کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی۔
3- انگریزی لٹریچر' سائنسی علوم' نظریہ اور اطلاق کے مطالعہ کا فروغ۔
4- ملک میں ٹیکنیکل تعلیم کی فراہمی۔

دیانند اینگلو ویدک سکول گورنمنٹ کالج کے نواح میں ملتان روڈ پر واقع ہے۔ کالج کورٹ سٹریٹ میں کالج کی عمارت میں کھولا گیا ہے۔

اس وقت انتظامیہ کے پاس وقف کی رقم 11,56,768 روپے ہے۔ دیانند اینگلو ویدک کالج طالب علموں کو میٹریکولیشن' انٹرمیڈیٹ' بی اے' بی ایس سی اور ایم اے کے امتحانات کی تیاری کراتا ہے۔ یہاں انگریزی' سنسکرت' فارسی' تاریخ' ریاضی' فلسفہ اور فزیکل سائنسز (فزکس اور کیمسٹری) کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کالج کے طلباء کو وظائف دیئے جاتے ہیں۔ کالج کے دو بورڈنگ ہاؤس ہیں۔ یہ مئی 1889ء میں تسلیم کیا گیا۔

6-اسلامیہ کالج

صوبے میں مسلمانوں کا واحد قومی کالج انجمن حمایت اسلام لاہور نے اس مقصد کے لیے قائم کیا کہ مسلمان نوجوانوں کو مغربی' اخلاقی اور مذہبی تعلیم دی جائے۔ مدعا غریب والدین کے بچوں کی تعلیم ہے۔ اس لیے فیس بہت کم ہے۔ کالج 1892ء میں قائم کیا گیا اور آٹھ برس تک (1900)ء تک انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دیتا۔ اسی سال بی اے کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ 1905ء میں عربی میں ایم اے تک کی کلاسیں کھلیں اب ایف اے میں مندرجہ ذیل

مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔انگریزی' ریاضی' فلسفہ' تاریخ' فزکس' کیمسٹری' عربی اور فارسی' بی اے میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں انگریزی' تاریخ' اکنامکس' فلسفہ' الحاقی ریاضی' ریاضی' عربی اور فارسی۔ایم اے کی سطح پر صرف عربی پڑھائی جاتی ہے۔ایف ایس سی کے امتحانات کے لیے بیالوجی کی کلاسیں ستمبر 1914ء میں شروع کی گئیں۔یوں یونیورسٹی کے منظور شدہ مضامین کے علاوہ تمام جماعتوں کو ہر روز دینیات بھی پڑھائی جاتی ہے۔کالج کا کوئی بڑا وقف نہیں ہے تاہم مسلمانوں کے چندوں سے چلایا جاتا ہے۔انتظام ایک کمیٹی کے پاس ہے جس میں پرنسپل بھی بحیثیت عہدہ ممبر ہے۔یہ کمیٹی دراصل انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کی سب کمیٹی ہے۔

کالج برانڈرتھ اور ریلوے روڈ کے درمیان آٹھ ایکڑ کے رقبے پر ایک نوتعمیر خوبصورت عمارت میں ہے۔کالج کی عمارت مغلیہ طرز پر بنائی گئی ہے اس میں ایک عمدہ حبیبیہ ہال ہے۔ دونوں پہلوؤں میں کلاس روم اور لیبارٹریاں ہیں۔ لیبارٹریوں میں گیس بھی اور دوسرا ساز وسامان بھی ہے۔ایک الگ حصہ میں لائبریری اور ریڈنگ روم ہے۔ایک کمرے میں جمنیزیم ہے۔بورڈنگ ہاؤس کا نام ریواز ہوسٹل ہے جس میں 36 کیوبیکل اور 21 ڈارمٹریز ہیں۔ان میں 150 طلباء کی گنجائش ہے۔یہ کھلے احاطے میں بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی کچن' ڈائننگ ہال' غسل خانے وغیرہ ہیں۔عمارتوں پر تین لاکھ روپے خرچ آیا ہے۔ریواز ہاسٹل میں ایک ہمہ وقتی سپرنٹنڈنٹ رہتا ہے اور ہاسٹل بورڈ کے احکامات کے تحت فرائض سرانجام دیتا ہے۔اس کے معاون مانیٹر ہیں جو سینئر طلباء میں سے پرنسپل مقرر کرتا ہے۔

پرنسپل یا سٹاف کا کوئی رکن ہفتے میں ایک بار ہاسٹل کا معائنہ کرتا ہے اور طلباء اور عملہ کو صفائی کا دھیان رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔کالج کی اچھی لائبریری ہے اور ریڈنگ روم بھی اچھا ہے۔ ماہانہ رسالہ اسلامیہ کالج میگزین شائع کیا جاتا ہے۔ ٹیٹوٹوریل سسٹم بھی نافذ ہے نوجوان طلبا میں تقریر وغیرہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ادبی سوسائٹیاں بنائی گئی ہیں جو ہفتے میں ایک بار جلسہ کرتی ہیں۔ ڈیبیٹنگ یونین ہفتے میں ایک بار جلسہ کرتی ہے۔کالج میں کھیلوں کے فروغ میں جگہ کی تنگی حائل ہے تاہم ان کی بھی گنجائش نکالی جاتی ہے۔یونیورسٹی سپورٹس ٹورنامنٹ میں کالج کی کرکٹ' فٹبال' جمناسٹک اور تیراکی کی ٹیمیں اچھی کارکردگی دکھاتی ہیں۔جو طلباء باقاعدگی سے کھیل نہیں سکتے وہ جمنیزیم میں روزانہ ورزش کرتے ہیں۔

MashalBooks.com

ستمبر 1914ء میں طلباء کی تعداد 335 تھی۔

دیال سنگھ کالج

یہ کالج مجیٹھیہ کے سردار دیال سنگھ کی سخاوت کا مرہون منت ہے۔ دیال سنگھ نے بہت وسیع اراضی کی آمدنی اس کالج کے لیے وقف کر دی ہے تا کہ کالج اعلیٰ نام پیدا کرے۔ سنگ بنیاد 3 مئی 1910ء کو عزت مآب سر لوئس ڈین نے رکھا تھا۔ کالج کے مقاصد اور اختصاص کا جامع اظہار سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ کے وصیت نامے سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

پیراگراف 8 میں مذکور جائیداد اور آمدنی کے حوالے سے کمیٹی آف ٹرسٹیز کا فرض ہے کہ وہ اس سے فرسٹ کلاس آرٹس کالج و ہائی سکول کی کلاسوں کے ساتھ یا ان کے بغیر ایسے نام سے قائم کرے جیسا کہ ہر کمیٹی فیصلہ کرے جس کے ذریعے صوبے میں آزادانہ تعلیم کو فروغ دیا جائے ہر ممکن کوشش کی جائے کہ برہمو سماج کے اصولوں کے مطابق وحدانیت (خدا پرستی) اور اخلاق کا جذبہ پیدا ہو اور تدریسی عملہ خود اس کی عملی مثالیں پیش کرے۔ لیکچروں کا بندوبست کرے اور اس ضمن میں ایسے وسیلے اور طریقے اختیار کیے جائیں جو کمیٹی کی نظر میں موزوں اور ممکن ہوں۔ متعلقہ اصول کی روشنی میں کالج کا الحاق کلکتہ اور پنجاب یونیورسٹی سے کیا جائے اور اعلیٰ کلاسوں تک تعلیم دی جائے اس ضمن میں طریق کار وہی اختیار کیا جائے جو ملک کے گورنمنٹ کالجوں میں ہے اور یہ طالب علموں کی جسمانی صحت، ذہنی اور اخلاقی صفات کو بھی بنائے سنوارے۔

کالج کا مندرجہ ذیل مضامین پر پنجاب یونیورسٹی سے الحاق ہے:

آرٹس فیکلٹی

انگریزی، ریاضی (اے اور بی کورسز) تاریخ، فلسفہ، معاشیات، سنسکرت اور فارسی، بی اے تک، فزکس اور کیمسٹری انٹرمیڈیٹ تک۔

سائنس فیکلٹی: بیالوجی اور فزیکل سائنس انٹرمیڈیٹ تک۔

بی اے آنرز کی پڑھائی بھی ہو رہی ہے۔

8- کنیئرڈ کالج فار ویمن

کنیئرڈ ہائی سکول موجودہ انتظامیہ کے زیر اہتمام 1879ء میں قائم کیا گیا تھا۔ 1886ء

میں اس سکول کی پہلی اور پورے صوبہ پنجاب کی بھی پہلی لڑکی نے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ 1901ء میں یہاں جونیئر اینگلو ورنیکلر کی تربیتی کلاس کھولی گئی۔ انٹرمیڈیٹ کی کلاس اکتوبر 1913ء میں شروع کی گئی اس وقت انٹرمیڈیٹ کی سٹوڈنٹس سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتی ہیں اوران کی پڑھائی سکول کے ہی کلاس رومز میں ہوتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں کالج کے لیے الگ عمارت حاصل کرلی جائے گی۔ اس ادارے کے فرائض ومقاصد یہ ہیں کہ سکول کی طالبات خصوصاً پنجاب کی مسیحی برادریوں کی لڑکیوں کو مسیحی مذہب پر مبنی ایسی زبردست تعلیم دی جائے کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والی بہت اعلیٰ کردار کی حامل ہواور یورپین برادری میں بڑی موثر اور فعال کارکن ثابت ہو۔ بنیادی طور پر یہ ادارہ عیسائی برادری کی فلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ تاہم متعدد غیرعیسائی طالبات کو بھی داخلہ دیا گیا ہے۔

9۔ سنٹرل ٹریننگ کالج

1881ء میں قائم کیا گیا۔ کچھ مہینے پہلے حضوری باغ میں واقع ایک عمارت میں رہا پھر کچھ عرصہ یہ گورنمنٹ کالج کی ایک پرانی عمارت میں جو سینٹ ہال کے قریب ہے۔ 1887ء میں موجودہ جگہ پر آیا۔ صوبے میں تربیت یافتہ اساتذہ کی بڑھتی ہوئی ضرورت کے پیش نظر عمارت خاصی وسیع کی گئی ہے اس لیے بھی کہ اینگلو ورنیکلر ٹیچرز کی تربیت کا عرصہ دوسال کردیا گیا۔ گویا بیک وقت دوسری کلاس کے لیے گنجائش نکالنا مقصود تھا۔ چنانچہ اب کالج کی مکانیت ضرورت کے مطابق خاصی ہے۔ کلاس روم کشادہ ہیں اور تمام کے تمام مضامین پڑھانے کے انتظامات مکمل ہوچکے ہیں۔ کالج میں فزکس اور کیمسٹری کی لیبارٹریاں بھی سازوسامان سے لیس کردی گئی ہیں۔ یہاں گیس اور پانی دونوں کی فراہمی ہے۔ (ایک لیبارٹری میں ایک وقت میں چالیس طلباء کام کرسکتے ہیں) سائنس لیکچر تھیٹر میں 120 طلباء کے بیٹھنے کی گنجائش ہے ایک اچھا ڈارک روم بھی موجود ہے۔ مینوئل ٹریننگ روم بھی چھ ہزار روپے کے خرچ سے تعمیر کیا گیا ہے جس میں طلباء کو لکڑی کا کام، دھات کے سادہ کام اور اپریٹس کے چھوٹے چھوٹے حصے بنانے کے اصول سکھائے جاتے ہیں۔ کالج میں ڈرائنگ پڑھانے کے لیے بھی مناسب جگہ پر ایک کمرہ بنایا گیا ہے جس میں سارا ضروری سامان بھی

موجود ہے۔طلباء کی گیمز کے لیے کالج کے ساتھ ہی لان بھی ہے۔ کالج سے ملحق بورڈنگ ہاؤس میں دوسو طالب علموں کی رہائش کی گنجائش ہے اور تمام طلباء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بورڈنگ میں ہی رہیں۔ 80x40 فٹ کا کھلا اور ہوادار جمنیزیم بھی ہے جو ہر اعتبار سے صوبے کا سب سے بہترین جمنیزیم ہے طلباء کے استعمال کیلیے 60x30 فٹ کا سوئمنگ پول بھی بنایا گیا جس کے چاروں طرف دس فٹ چوڑا برآمدہ ہے۔

کالج محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر کے کنٹرول میں ہے۔ صوبے میں واحد ادارہ ہے جو سیکنڈری ٹیچر کورس کے لیے طلباء کو تیار کرتا ہے یہ سٹیفکیٹ بھی محکمہ تعلیم ہی جاری کرتا ہے۔ ان تمام طلباء کو وظیفہ دیا جاتا ہے بہر طور کلاسیں دونوں کورسوں سینئر اور جونیئر اینگلو ورنیکلر اور سینئر ورنیکلر سٹیفکیٹ کی ہوتی ہیں۔ ڈرائنگ اور دستی کام لازمی ہیں۔ کالج یونیورسٹی سپورٹس ٹورنامنٹ میں حصہ لیتا ہے۔ جسمانی کسرت کھیلوں اور ڈرل وغیرہ پر بڑی توجہ دی جاتی ہے۔ ایک کالج ڈیبیٹنگ سوسائٹی اور اولڈ سٹوڈنٹس کلب بھی ہے۔ کلب کا اپنا میگزین بھی ہے۔ اپریل 1908ء میں کالج کا پنجاب یونیورسٹی سے الحاق ہوا اور اس وقت تک یہ واحد کالج ہے جو بیچلر آف ٹریننگ (بی ٹی) کی ڈگری کے لیے طلباء کو تعلیم دیتا ہے۔

کالج میں بی ٹی کلاسوں میں داخلے کے لیے لازم ہے کہ طالب علم نے آرٹس یا سائنس میں گریجوایشن کی ہو بی ٹی کا پہلا امتحان اپریل 1905ء میں ہوا تھا۔ کالج کی طرف سے تیرہ طالب علم تھے اور سبھی کے سبھی پاس ہوئے تھے۔

سنٹرل ماڈل کالج کے طالب علموں کی عملی تربیت کے لیے سنٹرل ماڈل سکول ہے جس کی بڑی وسیع عمارت ہے۔ بڑا کشادہ (95x45) ایگزیمینیشن ہال ہے۔ سکول پنجاب یونیورسٹی کے انٹرنس کے امتحانات کی تیاری بھی کراتا ہے۔ اس وقت طلباء کی تعداد 900 سے زائد ہے۔ ہیڈ ماسٹر یورپین ہے اور باقی تدریسی عملہ 42 اساتذہ پر مشتمل ہے۔ سنٹرل ٹریننگ کالج کے پرنسپل کے ماتحت لاہور نارمل سکول ہے جس میں 104 طالب علم ہیں انہیں پرائمری سکولوں میں تدریس اور جونیئر ورنیکلر سٹیفکیٹ امتحان کے لیے پڑھایا جاتا ہے۔

کالج کے تمام اخراجات حکومت اٹھاتی ہے جو سالانہ ایک لاکھ روپے بنتے ہیں۔ اس قسم میں طلباء کو دیئے جانے والے وظائف کی رقم بھی شامل ہے۔ اس وقت کل 274 طالب

علم ہیں۔

10-میڈیکل کالج

پنجاب کے لوگوں کو مغربی طب میں تعلیم و تربیت دینے کے لیے یہ کالج 1860ء میں قائم کیا گیا۔ کالج انار کلی میں واقع ہے اس عمارت میں ایک وسیع لائبریری، لیکچر رومز، ایک میوزیم اور ایک بڑا اچھا اناٹومیکل سکول ہے۔ اس میں چار سو طالب علموں کی گنجائش ہے۔ لیکچر تھیٹر اور میوزیم بھی ہے اور فزیالوجی اور پیتھالوجی کی لیبارٹریاں بھی۔ طلبا کی تربیت کے لیے میو ہسپتال اس سے ملحق مگر الگ البرٹ وکٹر ہسپتال اور آؤٹ ڈور مریضوں کا ایک بلاک کالج کے ساتھ ملحق ہے۔ لڑکیوں کی تربیت اور تعلیم کے لیے قریب ہی واقع لیڈی ایچی سن ہسپتال بھی استعمال ہوتا ہے۔ عمارت کی تعمیر کے خرچ کی تفصیل یہ ہے۔

میڈیکل کالج بڑی عمارت	1,68,182
اناٹومی کے لیے کمرے	41,000
پیتھالوجی کی لیبارٹری	1,300
میو ہسپتال	1,82,896
البرٹ وکٹر ہسپتال	1,08,000
آنکھوں کا وارڈ	34,200
فزیالوجی کی لیبارٹری	9,599

کالج کے سارے اخراجات حکومت کے ذمے ہیں۔ 14-1913ء کا سالانہ خرچ 1,51,774 روپے تھا۔ یہاں ایم ڈی، ایم ایس اور ایم بی بی ایس کی کلاسیں ہوتی ہیں۔ ان سب کا کورس جنرل میڈیکل کونسل آف گریٹ برٹن کے متعینہ معیار کے مطابق ہے۔ اس پر حکومت پنجاب کا کنٹرول ہے۔ وقف آمدنی میں سے وظائف اور انعامات بھی دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت طلباء کی تعداد 172 ہے۔

11-ایچی سن کالج

انبالہ میں قائم امراء کے بچوں کے سکول کی ترقی یافتہ شکل یعنی ایچی سن کالج 1886ء میں قائم کیا گیا۔ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن نے کالج کے قیام کے لیے بڑا

MashalBooks.com

فعال کردار ادا کیا۔ کالج کے قیام کا اہم مقصد یہ تھا کہ پنجاب کے حاکم ریاستی خاندانوں اور امراء کے بچوں کو انگلش پبلک سکول کے تعلیمی معیاروں اور اصولوں کے مطابق تعلیم دی جائے۔ لیفٹیننٹ گورنر کالج کا سرپرست بھی ہے اور کالج کونسل کا صدر بھی۔ کونسل میں کچھ ارکان بلحاظ عہدہ ہیں اور کچھ کو نامزد کیا جاتا ہے ان میں پنجاب کے رولنگ چیفس بھی شامل ہیں۔ کونسل میں انتظامی کمیٹی کے ارکان بھی شامل ہیں جس کا سربراہ فنانشل کمشنر ہوتا ہے۔ اس کمیٹی میں بعض ارکان بلحاظ عہدہ رکن ہوتے ہیں اور بعض غیر سرکاری جنہیں کونسل نامزد کرتی ہے۔ مجموعی طور پر کنٹرول کونسل کا ہوتا ہے اسی کی نگرانی میں انتظامی کمیٹی کام کرتی ہے جس کے سامنے پرنسپل جواب دہ ہوتا ہے۔ کالج کی ابتدائی عمارتوں میں کالج کی مرکزی عمارت تین بورڈنگ ہاؤس اور گورنر اور پرنسپل کی رہائش گاہیں شامل ہیں۔ بورڈنگ ہاؤسوں میں سو طلباء کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد عمارت کے کچھ مزید حصے تعمیر کرائے گئے اخراجات کالج فنڈ اور چیفس اور روساء اور امراء کے چندوں سے پورے کیے گئے۔ عمارت کے یہ تمام حصے بہت ہی خوبصورت ہیں صرف ہسپتال والا حصہ ٹھیک نہیں اس میں جدید ضرورتیں اور سہولتیں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ 1913ء میں کالج کو بجلی فراہم کی گئی۔

1912-15ء میں دیسی اساتذہ پر آنے والا دو ہزار کا خرچہ کالج کے فنڈ سے ادا کیا گیا۔ اس وقت ہسپتال والے حصے کو بہتر بنانے اور اسسٹنٹ پرنسپل کی رہائش گاہ کی تعمیر کے معاملے پر غور کیا جا رہا ہے بشرطیکہ طلبا کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے۔ لارڈ کرزن نے ہندوستان کے دوسرے چیفس کالجوں میں جو دلچسپی لی اس کے نتیجے میں 1904-05ء میں ایچی سن کے عملہ کی نئی تربیت و تشکیل ہوئی۔ گورنر کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور پرنسپل اور گورنر کے فرائض کو یک جا کر کے دو یورپی اسسٹنٹ مقرر کر دیئے گئے۔ اس تبدیلی کے بعد طلباء کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا تو ایک تیسرا اسسٹنٹ پرنسپل (1915) بھی مقرر کیا گیا۔ اعلیٰ ہندوستانی عہدوں کو بھی یورپیوں کے عہدے کی طرح سرکاری عہدے کا درجہ دے کر پنشن کے اہل قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ بورڈنگ ہاؤسوں کے نظام کی کارکردگی کو بھی بہتر بنایا گیا اور حال ہی میں (1915) بچوں کا انچارج زیادہ تعلیم یافتہ افراد کو بنایا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ عملہ کی تنظیم نو کے نتیجے میں کالج کے نصاب میں بھی تبدیلی کی گئی۔ تمام چیفس کالجوں میں ڈپلومے کا امتحان شروع کیا گیا جسے حکومت نے انٹرنس کے برابر قرار دیا یعنی اب یہ ڈپلوما ملازمت کے لیے انٹرنس کے

MashalBooks.com

برابر تصور ہوگا اور پنجاب یونیورسٹی نے یہ ڈپلوما حاصل کرنے والے کو انٹرمیڈیٹ کی کلاس میں داخلہ دینا بھی منظور کرلیا ہے۔ تاہم ڈپلوما میں کامیاب طلباء کا انگریزی خصوصاً بولنے کی حد تک انگریزی کا معیار میٹریکولیشن پاس کرنے والوں کے مقابلے میں کہیں بلند ہے۔ ایک امیدوار کو مندرجہ ذیل دوسرے مضامین میں کامیابی حاصل کرنا ہوتی ہے۔(ا) انگریزی، تاریخ، تاریخ ہند، جغرافیہ، (ب) ایک مقامی زبان، (ج) فارسی یا سنسکرت یا سائنس، (د) قانون، سیاسی معیشت، ریونیو یا سروئنگ یا ایڈوانس ریاضی، (ہ) حساب۔ ان مضامین میں سے کسی ایک میں بھی ناکام ہونے والے طالب علم کو ناکام شمار کیا جائے گا خواہ اس کے نمبروں کا میزان مطلوبہ میزان کے برابر ہو۔ حکومت ہند کی طرف سے مقررہ انسپکٹران کالجوں کا سالانہ معائنہ بھی کرتے ہیں اور ڈپلوما کا امتحان بھی لیتے ہیں۔

ایچی سن کالج کے نصاب تعلیم کی ایک اہم بات یہ ہے کہ 1905ء سے طلباء کو مستند اساتذہ مذہبی تعلیم بھی کالج کے اوقات میں دیتے ہیں اور کمیٹی کے مقرر کردہ ممتحن ان کا باقاعدہ سالانہ امتحان بھی لیتے ہیں۔ آؤٹ ڈور گیمز لازمی ہیں جن میں کرکٹ، فٹبال، ہاکی، ٹینس، گھڑسواری، نیزہ بازی اور اتھلیٹکس شامل ہیں۔ اس ضمن میں مئیو کالج اجمیر کے طلباء کے ساتھ سالانہ مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ کالج کی تنظیم نو کے بعد طلباء کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی ہے۔ 1910-15ء کے عرصہ میں اوسط تعداد 109 تھی جس میں تھوڑے سے ڈے سکالر بھی شامل تھے جبکہ 1904ء میں کالج میں صرف 69 طالب علم تھے۔

ٹیبل نمبر 52 میں تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیل دی گئی ہے۔ 1914-15ء میں ساڑھے پانچ لاکھ روپے سے کچھ زیادہ کا خرچ تھا جس کو مدوار پیش کیا جا رہا ہے:

صوبائی ریونیو	1,45,820
ضلعی فنڈز	73,240
میونسپل فنڈز	57,204
فیس	1,40,032
چندہ	42,323
وقف اور دوسرے وسیلوں سے	1,04,718

MashalBooks.com

گوجرانوالہ مع شیخوپورہ

(36-1935ء تا 2004ء)

☆ خاندان

☆ تاریخ

☆ اہم شہر و قصبے

MashalBooks.com

MashalBooks.com

تاریخ

(اور موجودہ ضلع شیخوپورہ کا کچھ حال)

گوجرانوالہ کا علاقہ اس گزرگاہ پر ہے جس پر چل کر بے شمار حملہ آور مملکت ہند میں آئے ان میں کچھ کامیاب ہوئے اور کچھ ناکام لوٹے پھر مغل سلطنت کے کھنڈروں پر سکھ ریاست کے قیام کا بھی اسی سرزمین سے تعلق ہے۔ مرکزی پنجاب میں گوجرانوالہ ان چند اضلاع میں سے جنکی تاریخ ہنگاموں سے پر ہے۔ تاہم اس علاقے کی تاریخ کے بارے میں جو انتشار کی سی کیفیت پائی جاتی ہے اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغلوں کے عہد سے قبل نہ اس علاقے کی تاریخ کا کچھ پتہ ہے اور نہ ہی ان زمانوں کا جب ضلع میں موجودہ قبائل یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

ان قبائل سے پہلے یہاں کون لوگ آباد تھے؟ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے جیسا کہ مغل عہد حکومت کے ابتدائی ڈیڑھ سو سال کے زمانے کے تاریخی شواہد بھی ریکارڈ پر نہیں ہیں، بس کچھ زبانی کلامی روایات ہیں یا آئین اکبری میں کہیں کہیں سرسری اشارے پائے جاتے ہیں۔

آثار قدیمہ کے بعض ماہرین کی تحقیق کے مطابق 1919ء تک اس ضلع میں جو جو علاقے شامل تھے ان میں سے بعض بڑی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سانگلہ یا سکالا کا علاقہ بھی ہے جو سکندر یونانی کے حملے کے دوران پنجاب کا دارالحکومت تھا یہاں سکندر کو اپنی فتوحات سے پر زندگی کا ایک بڑا معرکہ پیش آیا اسے انتہائی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد 630 عیسوی میں چینی زائر ہیون سانگ ہندوستان میں آیا تب اس کے کہنے کے مطابق خانقاہ

ڈوگراں (اسے مسرور بھی کہا جاتا تھا) کے قریب اسرور (اب میاں علی) کا شہر تھا جو دریائے سندھ سے بیاس تک پھیلی ہوئی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اس علاقے میں پرانے شہروں کے وسیع کھنڈر، تباہ شدہ دیہات کے آثار، کنوؤں اور پرانے نظام آبپاشی کی باقیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کبھی بڑی گنجان آبادی تھی اور علاقہ میں زراعت کو عروج حاصل تھا، تاہم گزشتہ چند سالوں سے جب یہاں نہری آبپاشی کا سلسلہ شروع کیا گیا تو یہاں ایک عریض و بسیط جنگل تھا اور آبادیاں یعنی بستیاں بھی کوئی نہیں تھیں، لوگ خانہ بدوش تھے۔ (ڈانگ جتنا یعنی لاٹھی کے برابر) رقبہ بھی ایک آدمی کو رزق دے سکتا ہے۔ یہ کہاوت دراصل اس پرانے زمانے کی یادگار ہے جب یہ علاقہ بڑا زرخیز اور گنجان آباد تھا۔ ان دنوں یہ کہاوت اکبر بادشاہ سے موسوم کی گئی تھی۔

مغل عہد میں ضلع کے اہم مقامات ایمن آباد اور حافظ آباد تھے میجر نسبت نے 1866-67 میں نظر ثانی شدہ سیٹلمنٹ کے وقت بتایا کہ مغل عہد میں یہ ضلع چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں آج کے دو بڑے شہر گوجرانوالہ اور وزیر آباد گویا وجود ہی نہیں رکھتے تھے نہ ان کی کوئی سیاسی اور نہ ہی مالی اہمیت تھی۔ گوجرانوالہ شہر والا علاقہ ایمن آباد پرگنہ میں شامل تھا جبکہ وزیر آباد سوہدرہ پرگنہ کا حصہ تھا۔ آئین اکبری میں صوبہ لاہور کی رچنا باد سرکار میں جو محال شامل ہیں ان میں حافظ آباد اور ایمن آباد کا تذکرہ ہے۔ میجر نسبت نے جسے پرگنہ بچہ چٹھہ لکھا (وہ دراصل ''باغ رائے پوچھا'' چٹھہ کا نام) اس لیے دیدیا گیا کہ یہ نام ایک بڑا قبیلہ کا ہے (اورنگ زیب کے عہد کے ایک پنجابی شاعر حافظ برخودار مصنف مرزا صاحبان و یوسف زلیخا نے اپنے پرگنہ کا نام بچہ چٹھہ ہی لکھا ہے۔ مترجم) سوہدرہ کا پرگنہ یقیناً بعد میں بنایا گیا ہوگا کیونکہ آئین اکبری میں اس کا کوئی سراغ موجود نہیں۔ دو پرگنے ساہوملی اور شیخوپورہ اب ضلع شیخوپورہ میں ہیں۔

ضلع کے زرعی قبیلوں میں سے بہت سوں کا دعویٰ ہے کہ وہ راجپوت ہیں اور ان میں راجپوتوں والی بعض روایات اب بھی پائی جاتی ہیں مگر بلاشبہ یہ قبیلے زیادہ تر جاٹ ہیں۔ ضلع کے 1260 دیہات میں سے 1084 جاٹوں کے ہیں۔ گوجرانوالہ میں اہم جاٹ گوتیں یہ ہیں۔ ورک، وڑائچ، چیمہ، گورائیہ، دوہتر اور سیکھو (سیکھوں) زیادہ ورک اور کثیر تعداد میں وڑائچ سکھ ہیں دوہتر اور سیکھوں زیادہ تر ہندو ہیں جبکہ باقی سب قبیلے مسلمان ہیں۔ وزیر آباد

MashalBooks.com

میں مشرقی رقبہ' یعنی زیادہ زرخیز علاقہ چیمہ جاٹوں کے پاس ہے' مغرب میں کم زرخیز چٹھوں کے پاس ہے۔ ان دو کے علاوہ کوئی اور ایسا قبیلہ نہیں جس کے پاس دس دیہات ہوں۔ چیمے اور چٹھے اور باقی جو جاٹ ہیں وہ سبھی مسلمان ہیں۔ حافظ آباد میں زمین کی ملکیت میں زیادہ تنوع ہے اور پھر اس علاقے میں زمین پر ملکیت کا کام بھی نسبتاً بعد کے زمانے کا ہے۔ بھٹی بلاشبہ راجپوت ہیں' بھگ سبھنگے بھٹیوں سے رشتہ کا دعوے کرتے ہیں۔ کہ وہ ان خانہ بدوشوں کی اولاد ہیں جو سکھ عہد کے آخر میں زراعت پیشہ بن گئے۔ تحصیل حافظ آباد میں وزیر آباد کے چٹھے ہی پھیلے ہوئے ہیں۔ گوجرانوالہ تحصیل سے ورک آگے بڑھے اور بھٹیوں سے تحصیل حافظ آباد کا' جنوب مشرقی حصہ لے لیا۔ تارڑ کوئی اڑھائی سو سال پہلے چناب سے پار گجرات سے نقل مکانی کر کے آئے ہیں۔ کھرل اٹھارہویں صدی میں وسط منٹگمری (ساہیوال) سے آئے اور انہوں نے ہندوؤں کی زمینوں پر قبضہ جمالیا۔ تحصیل کے باقی حصوں میں مندرجہ ذیل ہندو جاٹ قبیلوں اور برادریوں کے افراد ہیں' ہنجرا' جوگ' گورائیے' دھوتر دوہتر' گوندل' وسیر' کھتری اور برہمن وغیرہ لگتا ہے کہ وزیر آباد اور گوجرانوالہ کی تحصیلوں میں مغلوں کے عہد میں آج کے معروف قبائل وارد ہوئے اور انہوں نے بستیاں بسائیں۔ روایت یہ نہیں بتاتی کہ ان قبائل سے پہلے یہاں کون آباد تھے۔ اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف حصے میں باہمی جنگوں' قحط اور قبائل کی باہمی چپقلش کے باعث بہت بربادی ہوئی تاہم ان میں سے جو بہت طاقتور نکلے وہ بچ گئے لیکن ان لوگوں کی جڑیں اپنی زمین میں بڑی گہری نہیں وہ زیادہ دیران سے الگ نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے جب صدی کے دوسرے نصف حصے میں سکھوں نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی اور امن وامان کی صورت نسبتاً بہتر ہوئی تو یہاں سے جانے والے مفادات اور اپنے قبیلے کے مضبوط علاقوں میں پناہ لینے والے فوراً واپس پلٹ پڑے اپنے چھوڑے گھر بار اور زمین کا قبضہ لیا' کنوئیں من کے چلائے' زمین آباد کی اور معاشی مقالات کے ساتھ ساتھ رسم و روج اور دوسری ریت روایت کو بھی بحال کر دیا' یعنی جو کچھ چھوڑ کر گئے تھے وہ دوبارہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ ان دو تحصیلوں میں آج جو زمین کے مالک ہیں دراصل ان لوگوں کی اولاد ہیں جو مغل عہد میں یہاں کے زمیندار تھے۔ اس طرح یہاں پھر قبائل اور دیہی روایات کا تسلسل جاری رہا۔ حافظ آباد میں صورت حال مختلف ہے۔ لگتا ہے کہ مغلوں کے عہد میں یہاں ہندو گوتوں' ہنجرا اور جگ کے جاٹ مالک تھے۔ اس کا ثبوت بہت سے خوشحال دیہات کے

اجڑے آثاروں کی صورت میں ملتا ہے' یہی بستیاں ثبوت ہیں کہ پہلے یہی ہندو جاٹ یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ مگر جب گزشتہ صدی کے شروع میں مرکزی حکومت کمزور پڑنے لگی تو ان محنتی مگر غیر جنگجو ہندو جاٹوں کو نسبتاً زور اور مسلم قبائل بار کے خانہ بدوش کھرلوں' بھگ سیہنکے اور نیم چراگاہی والے چٹھوں' تارڑوں اور بھٹیوں نے بے دخل کر دیا۔ دوسرے چند دیہات ان کے پاس رہ گئے' ان مسلم قبائل نے ان کاشتکاروں کو تو بے دخل کر دیا مگر خود زرعی کام کرنے کی بجائے ڈھورڈنگروں اور چراگاہوں والا کام جاری رکھا تاہم زمین پر قابض ہونے کی کشمکشوں میں گوجرانوالہ کا ورکوں کا قبیلہ اپنی عسکری روایات کی بناء پر آگے بڑھا۔ اس نے بھٹیوں سے ان کے کئی ایسے گاؤں خالی کرا لیے جہاں سے بھٹیوں نے ہندو ہنجرا کاشتکاروں کو نکال باہر کیا تھا۔ اس کشمکش کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ آباد زرعی پیداوار کی حیثیت سے دوسری دو تحصیلوں کی مقابلے میں پسماندہ رہ گیا۔ گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں لوگ مرکزی پنجاب کے عام کاشتکاروں کی طرح طور واطوار کے حامل ہیں جبکہ حافظ آباد والے اب بھی اپنی چراگاہی اور خانہ بدوشی والی روایات کی باقیات لیے پھرتے ہیں۔ ان کے آپس کے تعلقات کا سب گاؤں کا مشترکہ یا سانجھا ہونا اتنا اہم نہیں جتنا ہم قبیلہ ہونا اہم ہے۔ مجموعی طور پر اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب مغلوں کا زوال اور سکھوں کا عروج شروع ہوا تو ضلع شدید انتشار اور افراتفری کا شکار رہا۔ مغل سلطنت اندرونی کشمکش اور شمال مغرب سے بار بار حملوں کے باعث ٹوٹنے لگی۔ کوئی ایسی مضبوط مرکزی حاکمیت نہیں رہی تھی جو نظم ونسق اور امن وامان کو بحال کر سکے۔ چنانچہ اس علاقے پر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے تابڑتوڑ حملوں کے باعث ایک قیامت ٹوٹتی رہی۔ گزشتہ دو صدی میں آہستہ آہستہ جو خوشحالی آئی تھی برباد ہونے لگی اس کی جگہ تباہی اور مصائب نے لے لی۔ زندگی اور جائیداد کے بارے میں بے یقینی کے باعث قبائل' دیہات باہم دگر لڑنے لگے۔ جہاں جہاں لوگ مضبوط تھے جمے رہے لیکن جہاں صورت مختلف تھی وہاں سے لوگ نکل گئے۔ بستیاں بے چراغ ہوئیں اور علاقہ بالکل اجاڑ۔ تقریباً ہر گاؤں کی کہانی یہی ہے کہ اس باہمی جنگ وجدال کے زمانے میں اسے اجاڑا گیا' جلایا گیا اور پھر یہ بے آباد ہو گیا۔ دیہی زندگی کا تسلسل ٹوٹ گیا اور زمین کے مالکان نے یا تو جنگلوں میں پناہ لی یا قلعہ بند قصبوں میں سر چھپایا۔ بعض لوگ تو ایسے گئے کہ پھر لوٹے ہی نہیں اور جو واپس آئے وہ کئی عشروں اور کئی نسلوں کے بعد اس وقت واپس آئے جب سکھوں کی

MashalBooks.com

ابھرتی ہوئی طاقت نے اس افراتفری کے آگے کچھ بند باندھ لیا۔ گوجرانوالہ پہلا ضلع تھا جس میں سکھوں نے حکومت قائم کرلی تھی۔ اس ضلع کی سکھ عہد حکومت سے اور بھی طرح طرح کی وابستگی ہے' یہاں سے ہی سکھ شاہی خاندان کو بڑھاوا ملا۔ گوجرانوالہ شہر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے باپ مہان سنگھ کی جنم بھومی ہے۔ 1891ء میں ڈپٹی کمشنر مسٹر ابٹن کے کہنے پر سکھ سرداروں نے اس عام سی جگہ پر سنگ مرمر کی تختی لگائی تھی جہاں مہاراجہ پیدا ہوا اور جہاں اس نے بچپن کھیل کود کر گزارا۔ چڑھت سنگھ یا چرت سنگھ سکر چکیہ (اس نام سے ایک گاؤں ضلع امرتسر میں ہے) سانسی ذات کا ماجھے کا جاٹ تھا جو افراتفری کے اس زمانے میں معرکہ آرائی' بہادری اور لوٹ مار کرتا پھرا۔ اسکی امداد کو اس کے قبیلے کے لوگ آئے جو یہاں گوجرانوالہ شہر اور اس کے آس پاس آباد ہو گئے۔ یہاں ان کا مقابلہ ورک جاٹوں سے آن پڑا جن کا سربراہ معروف ڈاکو بارے خان تھا۔ تاریخ نے انسان اور گھوڑے کی پرانی کہانی پھر دہرائی۔ گوجرانوالہ کے سانسیوں نے وڑائچوں کو پسپا تو کر دیا مگر انہیں اندازہ ہوا کہ انہوں نے اپنے سے زیادہ طاقت ور حریف کو زیر تو کرلیا ہے اب اس پر سواری کے لیے بڑے ہی کاریگر شاہ سوار کی ضرورت تھی۔ 1765ء میں چڑھت سنگھ نے گوجرانوالہ شہر پر قبضہ کرلیا اور 1773ء تک یعنی اپنی موت تک اسکو اپنا ہیڈ کوارٹر بنائے رکھا پھر یہ مہان سنگھ کا ہیڈ کوارٹر بنا اور پھر رنجیت سنگھ کا تا آنکہ اس نے 1799ء میں لاہور پر قبضہ نہیں کرلیا۔ اس عروج تک پہنچنے والے مرکزی سکھ طاقت کے سرچشمے کا تذکرہ ہوسکتا ہے۔ رنجیت سنگھ کے بادشاہ بننے اور سکھا شاہی کے قیام سے قبل رنجیت سنگھ کو شدید حریف سکھ سرداروں' مقامی مسلمان سربراہوں سے نمٹنا پڑا۔ دوسری سکھ مسلوں سے دوستی یا دشمنی کرنی پڑی غرضیکہ جنگ وجدل اور صلح کے کئی مرحلوں سے اسے گزرنا پڑا۔ یہ کام چڑھت سنگھ نے شروع کیا' مہان سنگھ نے جاری رکھا اور 1810ء میں رنجیت سنگھ نے کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

رنجیت سنگھ کے حریف سکھ سرداروں میں سے طاقتور سردار یہ تھے۔ بھاگ سنگھ ورک' گوجرانوالہ تحصیل کے گاؤں کڑیال کا رہنے والا تھا۔ اپنے جنگ جو قبیلے کی مدد سے ممتاز ہوا۔ ضلع گوجرانوالہ کے جنوب مغربی اور حافظ آباد کے جنوب مشرقی علاقے پر قابض ہوا اور مرالی والا کے اردگرد کے سو دیہات پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ گربخش سنگھ وڑائچ' ماجھا کے علاقہ چھبہ کے بدنام راہ زن تھا۔ 1780ء میں اس نے وزیر آباد پر قبضہ کرلیا اور نواح میں کوئی پچاس

دیہات پر قابض ہو گیا۔ گوجر سنگھ بھنگی: ماجھا کے علاقے کا ایک اور کامیاب ڈاکو اور لٹیرے نے 1780ء میں چناب کے شمال میں گجرات کے علاقے میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ پھر اس نے اپنا علاقہ وسیع کرنا شروع کیا۔ چناب کے جنوب میں سوہدرہ پر قبضہ کے بعد اس نے گوجرانوالہ کے جنوب مشرق اور ایمن آباد اور ننگل دونا سنگھ کے کوئی ڈیڑھ سو دیہات کو قبضے میں لے لیا۔ جن مسلمان قبائل نے اپنی آزادی کامیابی سے قائم رکھی ان میں تحصیل حافظ آباد کے بھٹی اور تارڑ تھے جنہیں بعد میں رنجیت سنگھ نے زیر کیا۔ اسی طرح تحصیل وزیر آباد کے مغرب میں چٹھے تھے۔ جنہوں نے سکھوں کے خلاف اپنی شدید جدوجہد بڑی دیر تک جاری رکھی تاہم 1799ء میں رنجیت سنگھ نے ان کو اور ان کے علاقے کو زیر کرلیا۔ چڑھت سنگھ نے جب گوجرانوالہ میں اپنا قبضہ مستحکم کرلیا تو اس نے اردگرد کے علاقوں پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہا۔ چند سالوں ہی میں اس نے قلعہ دیدار سنگھ' قلعہ میہا سنگھ' قلعہ صاحب سنگھ کے علاقوں پر قبضہ کرلیا جو تحصیل گوجرانوالہ کے شمالی علاقہ کے نصف کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اکال گڑھ (علی پور چٹھہ) کے آس پاس واقع کچھ دیہات پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کی موت 1773ء میں جموں میں اپنی ہی بندوق پھٹنے کے باعث ہوئی۔ وہاں وہ پہاڑی راجوں کے خلاف کنہیایا کاہنیا مسل کی امداد کے لیے گیا تھا۔ اس کے بیٹے مہان سنگھ نے بھی خود کو باپ کی طرح بڑا قابل جانشین ثابت کیا جو ہر اصول سے بالاتر تھا۔

گزشتہ صدی کے شروع میں جب مغلوں پر زوال آیا تو اس علاقے میں چٹھہ قبیلے کو رچنا دوآب کے اس حصے میں اپنی آزادی قائم کرنے کا بڑا اچھا موقع مل گیا ان کا پہلا ممتاز سربراہ نور محمد تھا اس کے بعد سید محمد اور احمد خان نے اپنے مضبوط مراکز میں منچر چٹھہ' علی پور (اکال گڑھ) اور رسول نگر (رام نگر) میں قلعہ بندی کرلی اور 1750ء میں لاہور کے مغل گورنر کو خراج یا مالیہ دینے کی بجائے علم بغاوت بلند کردیا۔ مغل اس قابل نہ تھے کہ ان سے مالیہ وصول کرسکتے اور دوبارہ ان سے اطاعت حاصل کرتے تاہم میر منو نے احمد شاہ ابدالی کے نمائندہ کی حیثیت سے 1764ء میں منچر کا محاصرہ کرلیا۔ واضح رہے ان دنوں اس علاقے پر احمد شاہ ابدالی نے قبضہ کرلیا تھا۔ محاصرہ کمزور اور غیر موثر تھا جس کے بعد بادشاہ نے چٹھوں کی آزادی اور ان کے مقبوضات کو تسلیم کرلیا شائد اس لیے کہ چٹھے ابھرتی ہوئی سکھ مسل کا مقابلہ کرسکیں گے۔ اس مرحلے پر چٹھوں نے تحصیل وزیر آباد کے 150 دیہات پر قبضہ جمالیا گویا

MashalBooks.com

آدھی تحصیل وزیر آباد ان کے قبضے میں آ گئی اور ان کی ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ چڑھت سنگھ سے آن پڑا۔ جو سکر چکیہ مسل کا سربراہ تھا اور گوجرانوالہ میں اپنی حکومت میں توسیع کر رہا تھا۔ چڑھت سنگھ نے جب گوجرانوالہ پر قبضہ کر لیا تو اسے اتنا طاقت ور ہونے کا یقین ہو گیا کہ چٹھوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لے۔ یہ کشمکش پورے دس سال جاری رہی کبھی کامیابی ہوئی کبھی ناکامی اور ختم تب ہوئی جب چڑھت سنگھ 1773ء میں اور چٹھہ سردار احمد خان 1775ء میں انتقال کر گیا۔ تاہم یہ کشاکش ان کے بیٹوں مہان سنگھ اور غلام محمد میں بھی جاری رہی غلام محمد چٹھوں میں بہت ہی دلیر اور سیانا سردار تھا۔ غلام محمد کی کامیاب قیادت میں انہوں نے سکھوں کے خلاف کئی کامیابیاں حاصل کیں۔ انہوں نے ایک وقت میں ان سے معروف بھنگی توپ بھی چھین لی اور ایک مرحلے پر تو ایسا لگتا تھا کہ سکھوں کے عروج کو روک لیا گیا ہے اور دو آبے میں ان کی طاقت میں زوال آنا شروع ہو گیا ہے۔ اس بحرانی مرحلے پر مہاں سنگھ نے اپنے بہنوئی اور حریف صاحب سنگھ پسر گوجر سنگھ بھنگی سے اتحاد کر لیا۔ مہاں سنگھ کی بہن راج کور صاحب سنگھ سے بیاہی ہوئی تھی۔ دونوں سنگھ سرداروں کی فوج بہادر مگر غیر تربیت یافتہ چٹھہ کسانوں پر بڑی بھاری ثابت ہوئی۔ غلام محمد منچر کی گڑھی (قلعہ) میں ہٹ گیا جس کا سکھوں نے محاصرہ کر لیا' جب غلام محمد کو محسوس ہوا کہ اب مزاحمت کا بالکل کوئی فائدہ نہیں تو اس نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کر دی کہ اسے بحفاظت مکہ جانے کی اجازت دیدی جائے۔ سکھوں نے وعدہ تو کر لیا مگر بعد میں انتہائی کمینگی سے وعدہ توڑا۔ چٹھوں کے بہت سے آدمی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ مہاں سنگھ کے اشارے پر غلام محمد کو بھی گولی مار دی گئی۔ قلعہ کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا اور چٹھہ سرداروں کی کچھ جائیداد پر خود مہان سنگھ نے قبضہ کیا اور کچھ اپنے مندرجہ ذیل ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔ اکال گڑھ کے دل سنگھ کلیانوالہ جس نے چڑھت سنگھ کی بہن سے شادی کی تھی۔ جواہر سنگھ 'بستانی' سوہل سنگھ بھنگی جس نے مہان سنگھ کی بہن سے شادی کی تھی' جے سنگھ مان نے اپنی بیٹی سکر چکیہ سربراہ سے بیاہی تھی۔ مسلمانوں کی شکست اور سکھوں کی فتح کی خوشی میں دو قصبوں کے نام تبدیل کر دیئے گئے۔ رسول پور کا رام نگر اور علی پور کا نام اکال گڑھ رکھ دیا گیا تاہم اس علاقے کے مسلمان اب بھی یہ پرانے نام استعمال کرتے ہیں' علاقے میں غلام محمد کی بہادری اور فریب کے باعث ہونے والی المناک موت کی واریں اور جس گائے جاتے ہیں' مہان سنگھ نے اس زمانے کے پرچلت

طریق کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی ساتھی اور بہنوئی صاحب سنگھ کے خلاف ہتھیار اٹھالیے مگر بھنگی مسل کے سربراہ صاحب سنگھ نے مرتے دم تک (1801ء) اپنی آزادی اور علاقہ محفوظ رکھا اس کی موت پر رنجیت سنگھ نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا تاہم صاحب سنگھ کی بیوی راج کور (جواس کے باپ کی بہن اوراس کی پھوپھی تھی) کے لیے چار ہزار روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کردی۔

مہاں سنگھ کی موت 1791ء میں سوہدرہ میں اس وقت ہوئی جب وہ صاحب سنگھ بھنگی کا ناکام محاصرہ کرکے بیٹھا ہوا تھا' یہ وہ زمانہ تھا جب کامیابی کے لیے بندے کو نڈر' بے اخلاق تباہ کن حوصلہ اور آخری حد تک ظلم وستم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ انہی حوالوں اور صفات سے مہان سنگھ نے بڑا نمایاں مقام حاصل کرلیا ان خوبیوں یا خرابیوں میں پھراس کا بیٹا رنجیت سنگھ اسے پیچھے چھوڑ گیا۔ جن صفات کے باعث وہ ایک کامیاب ڈاکو اور طاقتور مسل کے سربراہ کی حیثیت سے ابھرا تھا انہی صفات کی بناء پراس کا بیٹا ایک سلطنت کا مطلق العنان حاکم بن گیا۔ رنجیت سنگھ نے دیکھا کہ اپنے ضلعے میں اسے وہی مسائل اور مخالفتیں درپیش ہیں جو اس کے والد کو درپیش تھیں۔ مقامی مسلمان قبیلوں کو ابھی اور کمزور کرنا تھا' حریف سنگھ سرداروں سے مصالحت کرنا تھی یا انہیں مطیع کرنا تھا۔ چٹھوں نے ایک بار پھر اپنی آزادی کے حصول کی کوشش کی' غلام محمد چٹھہ کا بیٹا جان محمد منجر کی شکست کے بعد کابل چلا گیا تھا اور زمان شاہ کی مدد کے ساتھ 1799ء میں واپس آیا تھا۔ ان دنوں رنجیت سنگھ حافظ آباد کے بھٹیوں اور تارڑوں سے الجھا ہوا تھا۔ لوگ جان محمد کے ساتھ ہو گئے انہوں نے علاقے سے سکھ فوج نکال دی اور جان محمد نے خود کو رام نگر (رسول نگر) میں قائم کرلیا لیکن اس کی کامیابی تھوڑی مدت کے لیے تھی۔ رنجیت سنگھ بڑی فوج کے ساتھ بڑھا اس نے رام نگر کا محاصرہ کرلیا۔ جان محمد مارا گیا اس کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور چٹھوں کی وہ طاقت ختم ہو گئی جس کا اظہار 18 ویں صدی کی سیاست میں ہوا تھا۔ مہاراجہ کے سامنے سبھی دیہات اور علاقے ڈھیر ہوتے گئے۔ رنجیت سنگھ نے اسی سال 1799ء میں لاہور پر قبضہ کرلیا تھا ان ملنے والی کامیابیوں' وسائل میں توسیع اور رعب و دبدبہ میں اضافہ کے بعد رنجیت سنگھ نے طے کرلیا کہ حافظ آباد کے ان سارے سرکش قبائل کو ہمیشہ کے لیے کچل دے جو کئی سالوں سے سکھوں سے گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ بہت بڑی فوج کے ساتھ علاقے میں داخل ہوا۔ مختصر سے عرصے میں کھرلوں' لوڈیکوں اور

MashalBooks.com

تارڑوں پر غلبہ پایا۔ بھٹیوں نے اپنی راجپوت روایات کا پاس کرتے ہوئے بڑی زبردست مزاحمت کی اور اگرچہ جنگ کے میدان میں انہیں شکست ہوئی مگر وہ جلال پور اور پنڈی بھٹیاں میں قلعہ بند ہوگئے۔ جن پر 1801ء میں اچانک بڑی یلغار کی گئی۔ بھٹیوں کے اکثر سردار مارے گئے۔ جو بچے انہوں نے جھنگ کے سیالوں کے پاس پناہ لے لی۔ انہیں مفرور مجرم قرار دے کر ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرلیا۔ جب دوسری سکھ لڑائی ہوئی اور اس کے بعد پنجاب کا الحاق کرلیا گیا تب بھٹی واپس آئے اور اکثر کو ان کی جائیدادیں واگزار کردی گئیں۔
مقامی قبائل کی کمر ٹوٹ جانے کے بعد اب حریف سکھ سرداروں کا مقابلہ تھا۔ ان میں اکثر وہ تھے جن کے بزرگوں نے چڑھت سنگھ اور مہاں سنگھ کو بھرپور امداد دی تھی اور جن کے طفیل وہ اس مقام پر پہنچے تھے ان میں سے بہت سے رشتوں ناطوں کے حوالے سے مہاراجہ کے رشتہ دار تھے لیکن طاقت کے حصول میں رنجیت سنگھ نے نہ باپ دادا نہ مددگاروں کی خدمت کو یاد رکھا نہ خونی اور غیر خونی رشتوں ناطوں کی پرواہ کی۔ اکال گڑھ کا دل سنگھ، چڑھت سنگھ کا بہنوئی تھا اور اس نے سکر چکیہ مسل کی یلغاروں خصوصاً چٹھوں کے خلاف جنگ میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا تھا۔ اسی باعث اسے چٹھوں کی جائیداد کا بیشتر حصہ بھی ملا تھا۔ کچھ عرصہ دل سنگھ رنجیت سنگھ کا انتہائی معتمد مشیر بھی رہا پھر جب اس کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا تو مہاراجہ کو حسد ہونے لگا اور ان میں ناچاقی ہوگئی۔ رنجیت سنگھ نے 1800 میں اکال گڑھ پر حملہ کیا مگر دل سنگھ کی بیوی ساہجو (رنجیت سنگھ کے دادے کی بہن) نے کامیابی سے حملے کا منہ پھیر دیا۔ دل سنگھ 1804ء میں مر گیا۔ رنجیت سنگھ نے اکال گڑھ اور احمد نگر کے علاوہ دل سنگھ کے دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا تاہم اس زمانے کے طریق کے مطابق خاندان والوں کو ان کی شان کے شایان جاگیر دیدی۔
جودھ سنگھ وڑائچ کی بہن چڑھت سنگھ سے بیاہی ہوئی تھی۔ اس کے باپ گوربخش سنگھ نے چڑھت سنگھ کا مقدر بنانے میں اتنا کردار ادا کیا کہ چڑھت سنگھ نے اسے وزیر آباد میں اور آس پاس کے 47 دیہات دے دیئے تھے مگر رنجیت سنگھ کا اگلا نشانہ یہی جودھ سنگھ تھا۔ جودھ سنگھ 1790ء میں صاحب سنگھ بھنگی کے خلاف سوہدرہ میں مہاں سنگھ کے ساتھ تھا تاہم شبہ کیا جاتا ہے کہ جودھ سنگھ نے اس خیال سے صاحب سنگھ بھنگی کو اسلحہ پہنچایا تھا کہ مہان سنگھ کہیں ضرورت سے زیادہ ہی طاقتور نہ ہوجائے۔ رنجیت سنگھ کی ناراضی کی یہی وجہ بیان کی

MashalBooks.com

جاتی ہے۔تاہم در پردہ تو وہی ہوسِ اقتدار تھی کہ مدمقابل کوئی نہ رہے۔ رنجیت سنگھ نے محسوس کیا کہ اس کا حریف بڑا طاقتور ہے تو اس نے ایک چال چلی' اس نے جودھ سنگھ کو لاہور بلایا' دربار میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا اور باہمی عزت اور دوستی کے وعدے وعید ہورہے تھے کہ مہاراجہ نے جودھ سنگھ کو قابو کر لینے کا اشارہ دیا۔ جودھ سنگھ نے تلوار سونت لی اور ان سے کہا کہ وہ بھاگے گا نہیں۔ ہمت ہے تو اس پر حملہ کرو۔ مہاراجہ جودھ سنگھ کی بہادری سے اس قدر متاثر ہوا اسے بحفاظت واپس بھیج دیا اور جائیداد اور جاگیر پر تصدیق کی مہر بھی لگا دی اور جاگیر میں اضافہ بھی کر دیا۔ چند سال بعد جب 1809ء میں جودھ سنگھ کا انتقال ہو گیا تو مہاراجہ فوج کے ساتھ وزیر آباد گیا جودھ سنگھ کی ساری جاگیر ضبط کر لی۔ اس کے دو کمسن بیٹوں گنڈا سنگھ اور امریک سنگھ کے گزارہ کے لیے تھوڑی سی گرانٹ دے دی۔ تب سے اس خاندان کی اہمیت بھی کم ہو گئی ہے۔ بھنگی سرداروں کی کچھ جائیداد اس ضلع میں ہی تھی۔ ان پر جو گزری اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ بھاگ سنگھ کا جنگجو ورک قبیلے سے تعلق تھا۔ چڑھت سنگھ اور مہاں سنگھ کے زمانے میں اس قبیلے نے گوجرانوالہ کے پرگنہ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ورکوں اور بھاگ سنگھ نے سکر چکیوں کو اس وقت مناسب امداد دی جب وہ اپنے حریفوں سے نبرد آزما تھے۔ بھاگ سنگھ سے ایسی قربت تھی کہ مہاراجہ اس کو اپنا حریف نہیں بنانا چاہتا تھا۔ تاہم 1805ء میں اسے اپنی آزادی کی قربانی دینا پڑی' اس نے مہاراجہ کی اطاعت قبول کی۔ مہاراجہ نے اسے 84 دیہات کی جاگیر دی اور ورک گھوڑ سوار دستے کا کمانڈر بنا دیا۔ 1806ء میں اس کا انتقال ہوا تو اسکے بیٹے جودھ سنگھ کو یہ ساری مراعات مل گئیں۔ تاہم اب خاندان کی کوئی ایسی اہمیت نہیں۔

رنجیت سنگھ نے طاقت' دھوکہ دہی اور مصالحت کے تمام داؤ پیچ لڑا کر اپنے مقامی مخالفوں کو زیر کر لیا اور اپنی سلطنت کو پورے پنجاب تک پھیلانے کے لیے راستہ ہموار کر لیا۔ اب اس سارے ضلعے پر رنجیت سنگھ کا غلبہ تھا۔ جہاں تک اس کی انتظامیہ کا تعلق ہے۔ منسوخ ازاضی میں سے نصف مہاراجہ براہ راست اپنے انتظام میں رکھتا اور اسے خالصہ کہتا' یا یہ اراضی ٹھیکے پر دے دی جاتی۔ عوضانہ' نقدی یا جنس کی صورت میں ریاست کو دیا جاتا۔ ان زمینوں کا انتظام کارداروں یا گورنروں کے ذریعے ہوتا تھا جو بادشاہ (مہاراجہ) کی طرف سے اختیارات استعمال کرتے۔

ضلع گوجرانوالہ کے بے شمار خاندانوں کے ساتھ مہاراجہ کا انتہائی قریبی تعلق تھا۔ چنانچہ انہی خاندانوں میں سے دو بڑے دلیر جرنیل ہری سنگھ نلوہ اور مسر دیوان چند آف گوندلانوالہ انتہائی زیرک گورنر اکال گڑھ کا دیوان ساون مل اور سوہدرے کا دیوان دھنپت رائے بڑے زوردار اور کامیاب درباری' رام نگر کا جواہر سنگھ بستانی اور بوٹالہ کا جے سنگھ مان اور شام سنگھ کا انتخاب مہاراجہ نے ہی کیا۔ پھر ان سکھ سرداروں کے لواحقین کو ان کی جائیداد کا وارث بننے کا حقدار قرار دیا گیا اور ضلع کا بہت بڑا حصہ عزیزوں' دوستوں اور مہاراجہ کے نوکروں کو ایسی ہی جاگیروں کی صورت میں دیا گیا۔ تاہم اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ فوجی لحاظ سے کسی کی کیا کیا خدمات تھیں اور ہوسکتی ہیں اور دوسرے یہ کہ شاہی رضا کیا ہے۔

ہر بار یہ پتہ لگانا تو ممکن نہیں ہوتا کہ جاگیردار اور لوکل گورنر جو عموماً بڑی بڑی جاگیرداروں کے مالک ہوتے تھے۔ کیا انہیں اپنے علاقے سے باہر جو جاگیر ملتی تھی اس کا انتظام کرنے کے وہ مجاز تھے کہ نہیں اور کیا گورنروں اور کارداروں کو اسی علاقے میں اپنی خدمات کے عوض جاگیر ملتی تھی جہاں پر سرکاری انتظامیہ والے ذمہ دار ہوتے؟ مندرجہ ذیل گوشوارہ سے کچھ کچھ اندازہ ہو جائیگا کہ رنجیت سنگھ مختلف تعلقوں اور پرگنوں کو کیسے خود تقسیم کرتا تھا اور کیا یہ جاگیر کے طور پر دیئے جاتے یا شاہی سرکاری افسروں کے ذریعے ان کا انتظام کیا جاتا:

تعلقہ کا نام چڑھت سنگھ	کل گاؤں	سکھ سلطنت سے پہلے کس کے پاس تھا	رنجیت سنگھ نے کس کو دیا	جاگیر	کاردار
1۔قلعہ صاحب سنگھ	8	چڑھت سنگھ مہاں سنگھ	صاحب سنگھ بیدی	جاگیر	---
2۔قلعہ دلدار سنگھ	33	مہاں سنگھ	رتن سنگھ دھلا	---	کاردار
3۔قلعہ میہاں سنگھ	9	مہاں سنگھ	سردار مجن سنگھ	---	---
4۔قلعہ میہاں سنگھ	9	مہاں سنگھ	سردار سمجھ سنگھ	---	کاردار
5۔گوجرانوالہ	69	مہاں سنگھ	سردار ہری سنگھ سیج نلوہ	جاگیر	---
6۔اکال گڑھ	44	دل سنگھ کلیانوالہ	دیوان ساون مل	---	کاردار

MashalBooks.com

7۔مرالی والا	98	بھاگ سنگھ ورک	سردار بھاگ سنگھ	جاگیر	---
8۔سوہدرہ	48	صاحب سنگھ بھنگی	دیوان دھنپت رائے	---	کاردار
9۔بھروکے	48	مسماۃ راج کور بیوہ صاحب سنگھ	راج کور	جاگیر	---
10۔کوٹ بارے خان	15	صاحب سنگھ بھنگی	سردار فتح سنگھ مان	جاگیر	---
11۔ایمن آباد	21	صاحب سنگھ بھنگی	راجہ دھیان سنگھ (جموں)	---	کاردار
12۔ننگل ڈونا سنگھ	9	صاحب سنگھ بھنگی	دیوان گنپت رائے	---	کاردار
13۔وزیرآباد	47	جودھ سنگھ وڑائچ	---	---	کاردار
14۔احمد نگر	25	غلام محمد چٹھہ	جلال خان بھٹی	جاگیر	---
15۔گکھڑ	35	غلام محمد چٹھہ	ہری سنگھ نلوہ	جاگیر	---
16۔رام نگر	50	غلام محمد چٹھہ	جواہر سنگھ بستانی	---	کاردار
17۔حافظ آباد	58	بھٹی قبیلہ	مسر ولیہ رام	---	کاردار
18۔جلال پور	22	---	دیوان ساون مل	---	کاردار
19۔جانگلہ	5	بھٹی قبیلہ	دیوان ساون مل	---	کاردار
20۔پنڈی بھٹیاں	93	بھٹی قبیلہ	دیوان ساون مل	---	کاردار
21۔چک بھٹی	21	بھٹی قبیلہ	راجہ گلاب سنگھ	---	کاردار
22۔رام پور	44	تارڑ قبیلہ	راجہ گلاب سنگھ	---	کاردار
23۔کولوتارڑ	9	تارڑ قبیلہ	رتن سنگھ	جاگیردار	---
24۔ونیکے	23	تارڑ قبیلہ	راجہ گلاب سنگھ	---	کاردار

MashalBooks.com

شہر کے جاگیرداروں میں سے ہری سنگھ نلوہ بڑا مشہور تھا۔ شہر کا کھتری تھا' اس کے رشتہ دار اب بھی وہیں رہتے ہیں۔ اپنی ذاتی بہادری کی بناء پر اسے "شیر پنجاب" کہا جاتا تھا۔ اس نے جو جو کارنامے سرانجام دیئے اور سکھ سلطنت کو جو وسعت دی خود مہاراجہ کی فتوحات کے سامنے ماند نہیں پڑیں۔ وہ 1837ء میں جمرود کے قلعے کے پاس امیر دوست محمد خان کی قلعہ فتح کرنے کے لیے بھیجی گئی فوج کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا تب مہاراجہ خود رام نگر (دو سو میل دور) سے کمک لے کر آیا اور حملہ آور افغان فوج کو پسپا کر دیا۔ نلوہ کی موت سے سکھوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ گورنر کی حیثیت سے وہ کرخت اور اکھڑ تھا مگر تھا بڑا مضبوط۔ (مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سب سے بڑی بیوی رانی نکائن کو ضلع (تب اس میں شیخوپورہ بھی شامل تھا) کے جنوبی حصہ کا بہت بڑا رقبہ دیا گیا تھا جس کی دوسری طرف لاہور ہے یہ بہت بڑا علاقہ بذات خود ایک ریاست کی طرح رکھا گیا تھا اور صدر مقام شیخوپورہ تھا۔ اتنا بڑا علاقہ بڑی بیوی کو ایک طرح کی تلافی کی خاطر دیا گیا تھا کیونکہ مہاراجہ رانی نکائن کے مقابلے میں زیادہ وقت اپنی نوجوان اور زیادہ خوشرو بیویوں وغیرہ کو دیا کرتا۔ اگرچہ وہ انتہائی حریص اور کنجوس مشہور تھی مگر بڑی دور اندیش اور سیانی تھی اس نے بنجر علاقے کاشتکاروں کو کاشت کرنے کے لیے دیئے اور ورکوں اور بھٹیوں کی لڑائیوں میں جو گاؤں بے چراغ ہو گئے تھے وہاں ان کسانوں اور مزارعوں کو آباد کیا۔

کارداروں میں سے جرنیل ایوئ ٹیبائل (معروف ابوطویلہ) کا ہیڈ کوارٹر وزیر آباد میں تھا۔ اس نے اس شہر میں توسیع بھی کی اور اسے حسن بھی بخشا' ایوئ ٹیبائل پہلا کاردار ہے جس نے سب سے پہلے اراضی نقد ٹھیکے پر دی اور پہلے سے رائج طریقہ (کنکوٹ) اور فصل کی تقسیم (بٹائی) کے طریقے کو ترک کر دیا۔ اس کے علاوہ دو بڑے کامیاب کاردار دیوان ساون مل اور راجہ گلاب سنگھ تھے جن کے پاس تحصیل حافظ آباد کا بہت بڑا رقبہ تھا۔ دیوان ساون مل کا نام اب بھی بڑے احترام سے لیا جاتا ہے کہ اس نے انتہائی عدل وانصاف سے کام لیا۔ مالیے کی تشخیص کو بہتر شکل دی اور دو آجڑی قبیلوں کھرلوں اور بھنگ سیئیہ وغیرہ کو آسان شرائط پر افتادہ اراضی کاشت کے لیے دی۔ انہیں کاشتکار بنایا' اسی طرح گاؤں کے بنیوں کا بھی حصہ رکھا اور ان کے لیے بھی قرض یا گرانٹ دی جو کنوئیں کھود کر کاشت کرتے تھے۔ اسی طرح زراعت کی ترقی میں حصہ لینے والوں کو وہ نوازتا رہا۔

MashalBooks.com

گلاب سنگھ کے بارے میں لوگ کوئی کلمۂ خیر نہیں کہتے وہ کارداری اپنے بدعنوان دلال' وزیر رتنو کے ذریعے کرتا جو جبر واکراہ سے زیادہ کام لیتا' زیادہ مالیہ تشخیص کرتا۔ اس طرح اس کے علاقے میں زرعی پیداواری انتہائی کم ہوگئی اور زراعت پیشہ لوگ مفلس ہوگئے۔ ساون مل کو چھوڑ کر باقی کارداروں کے بارے میں مسٹر برنس نے صحیح لکھا ہے "اس کی (کاردار کی) زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کس طرح زیر انتظام علاقہ سے زیادہ سے زیادہ مالیہ وصول کرے اور کس طرح کاشتکار کو مالی لحاظ سے سب سے نچلی سطح پر رکھے۔"

مجموعی طور پر سکھ طرز حکمرانی کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں نسبتاً امن' سکون ہوا' باہر کے حملوں کو روک دیا گیا' مقامی قبائلی جھگڑے اور حریف سرداروں کی لڑائیاں بھی ختم کیں مگر انہوں نے عوام کی حالت زار کو بہتر بنانے پر کم ہی توجہ دی ہے۔ ان لوگوں کو کارداروں اور جاگیرداروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا جن کے حکم سے اس وقت تک سرتابی ممکن نہ تھی جب تک وہ شاہی فوج کو اپنے دستے مہیا کرتے رہتے یا حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مالیہ کی ادائیگی باقاعدگی سے کرتے رہتے۔

انفرادی سطح پر دیوان ساون مل جیسے کاردار جاگیردار اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو ایک دوسری نظر سے دیکھ کر بعض اوقات اپنے زیر انتظام لوگوں کی فلاح و بہبود اور آسانی کے بارے میں بھی سوچا کرتے مگر یہ تو استثنائی صورتیں تھیں ان کے مقابلے میں عمال کی بہت بڑی اکثریت اپنے معمولی کے اختیار کو استعمال کر کے عوام سے جس قدر نچوڑ سکتی تھی وہی نچوڑتی رہتی۔ اس ضمن میں جاگیرداروں خصوصاً سکھ جاٹ جاگیرداروں کی ہوس اور غارت گری کارداروں سے بھی بڑھ کر تھی۔ چنانچہ لوگوں میں ان کو ایسے بھیڑیوں کا نام دیا جاتا جو جب چاہے لوگوں پر ٹوٹ پڑیں یا خون چوسنے والی ڈائنیں جن کے منہ کو انسان کا خون لگا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ضلع پر سکھوں کا ہاتھ بہت بھاری رہا۔ ایک وجہ یہ کہ ضلع صدر مقام کے نواح میں واقع ہے' حکمران خاندان سے لوگوں کا قریبی تعلق اور رشتہ داری' پھر بڑے لالچی اور غارت گر پیروکار جن کے منہ میں بھی کچھ ڈالنا تھا' لوگوں پر فوجی خدمت اور خطرہ اور سرحد سے آنے یا سرحد کو جانے والی سکھ فوج کو مفت راشن فراہم کرنے کی ذمہ داری۔ پہلی سکھ جنگ کے بعد سکھ حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ اس جنگ میں اس ضلع کے بہت سے معروف جاگیرداروں اور سرداروں نے حصہ لیا تھا۔ 1855ء میں برطانوی انتظام میں لاہور میں ایجنسی قائم ہوگئی۔ ان

وجوہ کی بناء پر جاگیرداروں کے اختیارات کو بڑا نقصان پہنچا ان جاگیرداروں نے تو رنجیت سنگھ کی موت کے بعد زیادتیوں کی انتہاء کر دی تھی۔ ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں رہا تھا۔ 1847ء میں سیٹلمنٹ لاگو کیا گیا جس کے ذریعے من مرضی سے مالیہ وصول کرنے کی بجائے مالیے کی ایک خاص رقم مقرر کر دی جاتی۔ اس نظام کے بعد جاگیردار چیخ اٹھا کیونکہ اسکی غیر ذمہ دارانہ اور بے ایمان آمریت پر اس طرح ایک چوٹ پڑتی تھی۔ کاردار کو محسوس ہوا کہ نئے نظام میں اس کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ان دونوں کارندوں (جاگیرداروں اور کارداروں) نے انتہائی مایوسی اور غصے کا اظہار کیا۔ چنانچہ جب دوسری سکھ جنگ ہوئی تو تعجب کی بات نہیں کہ اس طبقے نے برطانوی کنٹرول سے نجات حاصل کرنے کے لیے باغیوں کا پورا پورا ساتھ دیا تاہم نتیجہ ان کے لیے بہت مہلک نکلا۔ سکھوں کے اقتدار کو آخری دھچکا چیلیانوالہ اور گجرات کی لڑائیوں میں لگا (یہ دونوں مقام ضلع گجرات میں ہیں) اس ضلع کے باغی سرداروں میں سے اکثر ان لڑائیوں میں مارے گئے باقی لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہیں اعزازات اور جاگیروں سے محروم ہونا پڑا چند ایک کو گزارے کے لیے معمولی پنشنیں دی گئیں۔ (جن خاندانوں نے ان بغاوتوں میں باغیوں کی طرف سے یا حکومت کی طرف سے حصہ لیا اور جنہیں الحاق کے بعد سزا یا جزا دی گئی ان میں مندرجہ ذیل سردار شامل ہیں۔

1- گوردت سنگھ، جواہر سنگھ اور ارجن سنگھ ہری سنگھ نلوہ کے بیٹے تھے۔ ارجن سنگھ کوئی سو آدمیوں کو لے کر گوجرانولہ سے باہر نلوہ کی حویلی میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اور سرکاری احکامات کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ اسے لاہور بلانے کے لیے تھوڑی نفری کی فوج بھیجی گئی جو ناکام ہو گئی۔ جب بریگیڈیئر کیمپبل نے سیکنڈ ہاؤس کا ایک سکواڈرن اور سپاہیوں کے دستے بھیجے تو یہ بھاگ نکلا۔ گھر میں جو دفاعی تعمیرات کی گئی تھیں وہ گرا دی گئیں۔ جائیداد ضبط کی گئی۔ اس کے گھر کا نام ہے بارہ دری جو سکھ طرز تعمیر کی ایک اچھی مثال ہے۔ رہائش کے لیے بھی بہت خوشگوار۔ کبھی یہ باغ نوع بنوع درختوں اور بوٹوں کے باعث پورے پنجاب میں مشہور تھا، پنجاب میں سب سے پہلے اس باغ میں مالٹا اور سنگترہ اگایا گیا تھا۔

جواہر سنگھ

اس کی ہمدردیاں باغیوں کے ساتھ تھیں۔ اسے بغاوت کے پھوٹتے ہی پکڑ لیا گیا اور

لاہور میں قید کر دیا گیا۔ پہریداروں سے ساز باز کر کے یہ گوجرانوالہ بھاگ آیا۔ وہ خود بھی بہادر مشہور تھا اور اس کے باپ ہری سنگھ نلوہ کا نام سن کر لوگ اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے دریائے چناب عبور کیا اور راجہ شیر سنگھ کی فوج میں شامل ہو کر چیلیانوالہ میں دادِ شجاعت دیتا رہا۔ اس نے گھوڑ سواروں کے دستے کے ساتھ ایسا زبردست حملہ کیا کہ برٹش ڈریگونز کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ شخص اس دن جنگ کو ایک فیصلہ کن مرحلے تک لے گیا تھا۔

الحاق کے بعد گوردت سنگھ‘ جواہر سنگھ اور ارجن سنگھ کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ ہری سنگھ کے ایک اور بیٹے پنجاب سنگھ نے بھائیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اسکی جاگیر اسے دیدی گئی۔ اس کے خاندان کو اب بھی جاگیر حاصل ہے۔

2- سکھ مان سرداروں میں سے کئی ایک کو سکھ فوج میں اعلیٰ منصب حاصل تھے۔ جگت سنگھ‘ بدھ سنگھ‘ بکھیل سنگھ اور فتح سنگھ انگریزوں کے وفادار رہے۔ چنانچہ ان کی جاگیریں جاری رہیں اور اب بھی ان کے خاندانوں کو حاصل ہیں۔ رتن سنگھ‘ جودھ سنگھ‘ جمعیت سنگھ اور لہنا سنگھ ملتان میں شیر سنگھ کی فوج میں تھے۔ شیر سنگھ کی معیت میں مول راج سے جاملے اور الحاق پر جاگیروں سے محروم ہو گئے۔ مان خاندان نے انگلینڈ کی ایک روایت کے مطابق ایک ایک بیٹا وفادار فوجی کیمپ میں اور ایک ایک بیٹا باغیوں کو بھیج دیا تاکہ جو فریق جیتے اس سے رستگاری حاصل کر سکیں۔ جودھ سنگھ کا پوتا سردار منگل سنگھ مان (کوٹ شیرا) ضلع کے مقربین میں شامل ہے اور اپنے چچا انوپ سنگھ کی جاگیر سے فیض یاب ہے۔ 3 سردار جھنڈ سنگھ (بوتالہ) 1847ء تک اس نے ہزارہ میں کیپٹن ایبٹ کی سربراہی میں اتنی شاندار خدمات سرانجام دیں کہ اسے بہادر کا خطاب اور اجل دیدار اور نرمل بدھ (روشن چہرا روشن دماغ) اس کے نام کے ساتھ لگائے گئے تاہم بغاوت کے دنوں میں وہ ان صفات کا مظاہرہ نہ کر سکا۔ وہ مشتبہ اور دوغلا کردار ادا کرتا رہا۔ مئی 1848ء میں اسے مولراج کی بغاوت روکنے کے لیے سندھ ساگر دوآب میں بھیجا گیا۔ شروع میں اس کا کردار قابل تعریف رہا مگر جیسے ہی وہ ملتان کے قریب پہنچا اپنے ساتھیوں کو لے کر باغیوں سے جاملا۔ اس کے بارے میں شبہ تھا کہ اس کا مولراج سے رابطہ تھا چنانچہ اسے فوراً لاہور بلایا گیا‘ جہاں اس نے ریذیڈنٹ کو اپنی

MashalBooks.com

وفاداری کی یقین دہانی کرا دی کہ اگست میں اسے گورنر آف ہزارہ سردار چتر سنگھ سے مذاکرات کے لیے بھیجا گیا۔ اس وقت چتر سنگھ کی وفاداری بھی ڈول رہی تھی چنانچہ اسے پیغام دیا گیا کہ وہ ہوش کا سامان کرے۔ جھنڈا سنگھ ناکام ہوا اور اس کے بارے میں عموماً یہی شبہ کیا جاتا تھا کہ اس نے اختلافات اور فاصلوں کو کم کرنے کی بجائے اور وسیع کر دیا تھا۔

اسے واپس لاہور آنے کا حکم دیا گیا اور حراست میں لے لیا گیا۔ تاہم وہ اپنے بارے میں دوبارہ سارے شکوک ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے رہا کر دیا گیا اور لاہور اور رام نگر کے درمیان آمدورفت بحال رکھنے کا کام اس کے اور اس کے سواروں کے سپرد کر دیا گیا۔ جنگ کے آخری چار پانچ مہینوں میں اس سے یہی کام لیا گیا۔ جھنڈا سنگھ نے ایک مشکل وقت میں اچھا کردار ادا کیا چنانچہ الحاق پر اسکی 15,560 روپے سالانہ کی جاگیر اس کے نام پکی کر دی گئی۔ اس کی اولاد میں بلونت سنگھ اور مول سنگھ ہیں۔ دونوں کے پاس 5484 روپے کی گرانٹ تھی۔ اب بخشیش سنگھ، جگجیت سنگھ، شیوناتھ سنگھ اور ستندر سنگھ کو 2117 روپے کی گرانٹ حاصل ہے۔

4- مندرجہ ذیل سرداروں نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ گنڈا سنگھ، جاگیر 19,000 روپے۔ رام نگر کے حسن والیے سردار گورکھ سنگھ اور عطر سنگھ جاگیر 30,000 روپے: رام نگر کا جواہر سنگھ بستانی جو شاہی وارڈ روب کا انچارج تھا۔ جاگیر 12,000 روپے ان سب کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ ان کی اولاد ابھی اسی ضلع میں رہتی ہے مگر ان کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ اس نازک مرحلہ پر وفاداری کا مظاہرہ کرنے والے کچھ رئیسوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ باقی جن کی وفاداری شک وشبہ سے بلند رہی اور نازک مراحل پر انہوں قابل قدر خدمات سرانجام دیں ان کے نام یہ ہیں۔ رڑیالہ کا سردار جودھ سنگھ وڑائچ اور اس کا زیادہ معروف بھائی سردار مان سنگھ سی آئی ای، آئی ایم او حافظ آباد کا جنرل ہر سکھ سنگھ، اول الذکر کی نمائندگی سردار صاحب، سردار رجونت سنگھ کرتا ہے جو آنریری مجسٹریٹ اور ذیل دار ہے۔ موخر الذکر کا وارث دیوان ہری کشن ہے۔ حافظ آباد میں آنریری مجسٹریٹ۔

سکھوں کی دوسری لڑائی کے نتیجے میں پنجاب کا الحاق اس ضلع کے کئی سربرآوردہ سکھ خاندانوں کے زوال کا باعث بنا۔

جہاں تک مسلم قبیلوں کا تعلق ہے انہیں اس صدی کے شروع میں رنجیت سنگھ نے بری طرح دبا دیا تھا۔ اس لیے وہ سکھوں سے حساب بے باق کرنے اور اپنی کھوئی جائیدادیں حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے وزیرآباد اور حافظ آباد کے بھٹی اور تارڑ اور وزیرآباد کے چٹھے انگریز پرچم کے سائے تلے اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے فوراً مطلوبہ رسد فراہم کی دشمن کی رام نگر، چیلیانوالہ اور گجرات میں نقل و حرکت کی خبریں لائے۔ سکھوں کا ایک خود ساختہ گورو مہاراج سنگھ مذہبی حوالے سے سکھوں کو اشتعال دلا کر بغاوت کی سازش کر رہا تھا۔ جس کے بارے میں جنڈیالہ شیر خان کے پٹھانوں نے حکام کو بروقت اطلاع دے کر ناکام بنا دیا۔ سواروں کی فوج وزیرآباد سے بھیجی گئی۔ گاؤں کڑیال جھبر اور چوہڑ کانہ میں خفیہ خفیہ باغی بھرتی کیے جا رہے تھے اس لیے ان دیہات کو لوٹا گیا اور پھر آگ لگا دی گئی۔ مہاراج سنگھ جھنگ کی طرف بھاگ گیا مگر بھٹی سرداروں کی مدد سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ ان خدمات کے عوض بھٹیوں اور تارڑوں کو ان کی وہ جاگیریں دے دی گئیں جہاں سے ان کو سکھوں نے بے دخل کیا تھا اس طرح سکھوں نے جن لوگوں کے قبضہ میں دیا تھا ان سے یہ واگزار کرالئی گئیں۔

1849ء میں پنجاب کے الحاق پر بہت سے خاندانوں پر تو ہمیشہ کے لیے زوال آ گیا جبکہ بعض وقتی طور پر پس منظر میں چلے گئے مگر عوام نے خصوصاً زرعی آبادی نے اس الحاق کا پرجوش استقبال کیا۔

نئے صوبے پر قبضہ کے بعد جب پہلی علاقائی ضمنی تقسیم ہونے لگی تو رچنا دوآب کے پورے بالائی حصہ یعنی جموں سے لے کر جھنگ کی سرحد تک سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کو ایک ضلع بنا دیا گیا جس کا پہلا ہیڈ کوارٹر شیخوپورہ اور پھر کچھ عرصہ کے لیے وزیرآباد بنایا گیا۔ 52-1851ء میں اس لمبے چوڑے ضلع کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک گوجرانوالہ، دوسرا سیالکوٹ۔ ضلع گوجرانوالہ چناب اور راوی کے درمیان چار تحصیلوں گوجرانوالہ، رام نگر، حافظ آباد اور شیخوپورہ پر مشتمل۔

1857ء کے غدر کے بارے میں ضلع گوجرانوالہ میں جو کچھ ہوا اسکی تفصیل ''پنجاب میوٹنی رپورٹ'' سے نقل کی جا رہی ہے۔

''گوجرانوالہ، لاہور اور پشاور کی شاہراہ پر واقع ایک چھوٹا سا سول سٹیشن ہے۔ دوسرے

اضلاع کی طرح یہاں کے ڈپٹی کمشنر کو بھی خزانہ پر ماموُ بغاوت پر آمادہ سپاہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سپاہی چھیالیسویں نیٹو انفنٹری کے تھے اور انہیں فوراً ہی سیالکوٹ میں کور میں حاضری دینے کا حکم دیا اور یوں ان سے نجات حاصل کی گئی۔ انہوں نے یہ حکم تسلیم کرلیا۔ اس کارروائی کے بعد اب قائم مقام ڈپٹی کمشنر کیپٹن کرپس کے پاس صرف سات گھڑ سوار اور 35 فٹ کانسٹیبل (پولیس کے) رہ گئے اور حفاظت مقصود تھی تین انگریز افسروں کی' سرکاری خزانہ میں پڑے دو لاکھ روپوں کی اور مجرموں سے بھری جیل کی یہ صورتحال زیادہ دیر نہیں چل سکتی تھی۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ خزانہ بڑی غیر محفوظ عمارت میں تھا اس کے اندر کوئی کنواں بھی نہیں تھا۔ اس لیے اس پر زیادہ دیر قبضہ بھی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ خدشہ تھا کہ یا تو سیالکوٹ سے نیٹو رجمنٹوں یا پھر لاہور کی طرف سے چار نیٹو رجمنٹوں کا حملہ ہوسکتا ہے۔ گوجرانوالہ ان دونوں شہروں کے درمیان واقع ہے اور یہاں دونوں طرف کے باغیوں کا ملاپ بھی ہوسکتا ہے۔ ہر ممکن طریق سے خطرے کو ٹالنے کے لیے ایک پرانے مقبرے اور اس سے ملحق باغ میں قلعہ بندی کر لی گئی' ضروری سامان خورد ونوش وغیرہ اس کے اندر اکٹھا کیا گیا اور خزانہ لاہور بھیج دیا گیا۔ مقامی لوگوں سے رضا کار طلب کیے گئے تو وہ ہجوم کر کے آ گئے۔ چھ ماہ میں تقریباً سات سو افراد کو بھرتی کیا گیا ان میں سے بہت سوں کو پنجاب رجمنٹوں میں شامل کرلیا گیا۔ 250 گوجرانوالہ میں ڈیوٹی پر رہے۔ سو کو پولیس میں بھرتی کر کے شمال مغربی صوبہ سرحد میں (یہ تب الگ صوبہ نہیں بنا تھا) بھیج دیا گیا۔ ٹریننگ کے دوران ان سے دریاؤں کے پتنوں جیلوں اور دوسری حفاظتی ڈیوٹیوں کا کام لیا گیا۔ جولائی کے شروع میں جہلم سے بغاوت کی خبر ملی تو ڈپٹی کمشنر بڑی تیزی سے 33 میل دور گجرات پہنچ گیا یہاں اس نے اپنے سو آدمیوں کو اونٹوں پر سوار کرایا اور مزید 33 میل کا سفر کر کے دریائے جہلم کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں اسے بتایا گیا کہ جہلم میں بغاوت فرو ہوگئی ہے۔ وہ تیزی سے واپس مڑا تو اسے بتایا گیا کہ سیالکوٹ میں بہت سخت بلکہ ناقابل شکست بغاوت ہوگئی ہے۔ سیالکوٹ اس کے اپنے سٹیشن سے صرف 35 میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ تیزی سے واپس آیا اور اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس کے ضلع کو کوئی خطرہ نہیں اور جنہوں نے بغاوت کی وہ کسی دوسرے راستے سے نکل گئے۔ ستمبر کے آخر میں کیپٹن کرپس کو کہا گیا کہ وہ ضلع کے جنوبی حصوں کی جائے جو بار کا علاقہ ہے اور وہاں کھرلوں نے بغاوت کر دی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ بڑے قصبوں پر حملہ کر دیں چنانچہ وہ

سکھ لیوی دستہ لے کر فوراً اس مشتبہ علاقے میں پہنچ گیا چنانچہ جن لوگوں کی نیت میں فتور بھی تھا وہ سرکاری فوج کو دیکھ کر ڈر ے اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اس سارے علاقے میں امن وامان قائم رہا۔ اکتوبر میں کرنل کلارک نے ضلع کا چارج سنبھال لیا کیپٹن کرپس کو میجر مارسڈن کی جگہ فیروز پور کا ڈپٹی کمشنر لگایا گیا اور میجر مارسڈن کو گوگیرہ میں تعین کر دیا گیا۔

بغاوت کے واقعات کا ضلع گوجرانوالہ پر تو براہ راست کوئی خاص اثر نہیں پڑا تاہم بالواسطہ اثر یہ کہ انگریز حکومت اور مضبوط ہو گئی اور سکھ آبادی بھی اب حکومت سے صلح وغیرہ پر آمادہ نظر آنے لگی جبکہ انہیں پنجاب کے الحاق سے بڑا دکھ ہوا تھا اور وہ مسلسل ناراض چلے آ رہے تھے۔ گجرات کی لڑائی کے بعد سکھ فوج کو توڑا گیا تو ہزاروں کھرے سکھ سپاہی بے روزگار ہو گئے وہ اب تلوار چھوڑ کر ہل کو پکڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ سکھ سرداروں نے بغاوت کے دوران حکومت سے سردمہری کا مظاہرہ کر کے وظیفے اور جاگیریں بھی گنوائیں اور نام و ناموس بھی۔

اگر بغاوت ہندوستان میں کامیاب ہو جاتی اور پنجاب تک آ پہنچتی تو اس صورت میں یہ دو طبقے سنگین حد تک خطرناک بن جاتے مگر اس خطرے کا تدارک یوں ہوا کہ باغی ہندوستانی سپاہیوں کا جارحانہ مقابلہ کرنے کے لیے ایسے سکھ سپاہیوں کو شامل حال کر لیا گیا جو برطانوی حکومت کے ہمدرد تھے۔ اس طرح بے روزگار سپاہیوں کو معقول مشاہرے پر روزگار بھی مل گیا۔ اب یہ ساری صورت تاریخ کا حصہ ہے۔ ضلع کے سکھوں نے بھرتی پر فوراً لبیک کہا اور سکھ سرداروں نے بھی جان لیا کہ پھر سے وفاداری کا مظاہرہ کرنے کا موقع آ گیا ہے۔ اس طرح یہ موقع بھی نکل آیا ہے کہ جن قابل نفرت پوربی سپاہیوں نے انہیں شکست دلوائی تھی ان پر کاری ضرب لگانے کا بھی وقت آ گیا ہے' یوں ان کو کچھ باہمی مفادات بھی حاصل ہوئے۔ کچھ کی پرانی عزت اور اعزاز بھی بحال ہوئے۔ جنھوں نے باغیوں کے خلاف سب سے پہلے صف آراء ہونے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں ان میں سے نمایاں یہ تھے:

(1) سردار جواہر سنگھ' پسر ہری سنگھ نلوہ' فرسٹ سکھ کیولری میں رسالدار تھا اور اعلیٰ وفاداری اور انتہائی بہادری کا ثبوت دے کر باپ کی انہی صفات کی پاسداری کی۔ اس کا اٹھارہ مرتبہ دشمن سے وابستہ پڑا۔ جنگ میں خدمات سرانجام دینے پر او بی آئی (آرڈز آف برٹش انڈیا) کا خطاب اور جنگ کے اختتام پر اسے بارہ سو روپے کی جاگیر دی گئی' آدھی یعنی

چھ سو روپے تاحیات جبکہ باقی چھ سو قابل انتقال یعنی اولاد کو بھی ملے گی۔ اس کی وفات پر آدھی ختم کر دی گئی' آدھی اس کے بھائی گوردت سنگھ کو ملتی رہی۔ پھر یہ بھتیجے اچھر سنگھ اور موخر الذکر کے بیٹے سردار بہادر نرائن سنگھ کو ملی۔ آدھی جاگیر جو گوردت اور اچھر سنگھ کو ملی تھی وہ واپس لے لی گئی۔ سردار بہادر نرائن سنگھ کے بڑے بیٹے سردار صاحب سردار بلونت سنگھ نلوہ ای اے سی کو وراثت اکبر (یعنی سب سے بڑے بیٹے کو جائیداد کا وارث قرار دینا) کے تحت جاگیر دی گئی۔ اسے خاندان کا سربراہ مانا گیا ہے' سردار کا خطاب بھی وراثت میں اور اب 925 روپے کی جاگیر کا مالک ہے۔

2۔ مان خاندان کے فتح سنگھ کا بڑا بیٹا جوالا سنگھ لکھنو میں مارا گیا۔ جودھ سنگھ کا بڑا بیٹا انوپ سنگھ فرسٹ سکھ کیولری میں بھرتی ہوا۔ بعد میں اس کا نام پروبن ہارس کے لیے رکھا گیا۔ اگست 1857ء میں دہلی کے سقوط اور لکھنو پر قبضہ کے وقت وہاں موجود تھا۔ اس نازک مرحلے پر اس نے انتہائی تحمل اور حوصلے کا مظاہرہ کیا اور خود چار بار زخمی ہوا' تین بار اس کا گھوڑا مارا گیا اسے پانچ سو روپے کی جاگیر دی گئی آدھی تاحیات باقی دائمی اس کی موت پر آدھی واپس لے لی گئی اس کے بھتیجے سردار منگل سنگھ مان (کوٹ شیرا) کو ملنے لگی جو گوجرانوالہ میں آنریری مجسٹریٹ ہے۔ شیر سنگھ مان کا دوسرا بیٹا گنڈا سنگھ بھی اسی رجمنٹ میں بھرتی ہوا' ہندوستان میں لڑتا مارا گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی گوردت سنگھ میدانی جنگ میں کئی بار زخمی ہوا۔ خاندان کا تعلق ضلع شیخوپورہ میں قصبہ مانانوالہ سے ہے۔

رام نگر کا بھاگ سنگھ حسن والیہ عطر سنگھ کا بیٹا' اس نے ریگولر ہارس میں خدمات سرانجام دیں' پنشن اور چھوٹی سی جاگیر ملی۔ 1884ء میں وفات پا گیا۔ 1911ء میں اس کا بیٹا رائے بہادر امریک سنگھ بھی وفات پا گیا۔ امریک سنگھ کی کچھ اراضی لے پالک بیٹوں اودے پرکاش سنگھ اور چندر پرکاش سنگھ کے پاس ہے۔ اب انہیں کوئی جاگیر نہیں ملی۔

1857ء کے غدر میں مندرجہ ذیل ان خاندانوں نے عملی طور پر یعنی میدان جنگ میں وفاداری نبھائی جنہوں نے 1849ء میں بھی ساتھ دیا تھا۔ رڑیالہ کا سردار جودھ سنگھ وڑائچ' اس وقت امرتسر میں اہم منصب پر تھا۔ سکھوں کی بھرتی میں مدد دی۔ میاں میر چھاؤنی لاہور سے جو باغی سپاہی فرار ہوئے تھے ان کو پکڑنے اور اجنالہ میں انہیں تباہ کرنے میں ڈپٹی کمشنر مسٹر کوپر سے تعاون کیا' اس کو ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا' کوٹلی جودھ سنگھ کے گاؤں کو بغیر

MashalBooks.com

مالیہ دے دیا گیا جبکہ اس کے بعد یہ رعایت ختم ہو جائے گی۔ جاگیر کی مالیت 144 روپے ہے جو اس کے تین پوتوں بھاگ سنگھ، جگجیت سنگھ اور رگھبیر سنگھ کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ ایک کم مالیت کی جاگیر 72 روپے چودہ آنے بھی جودھ سنگھ کے وارثوں کے پاس ہے۔

رسالدار میجر مان سنگھ سی آئی ای، آئی او ایم اور خطاب سردار بہادر۔ اسے کوٹ بارے خان کا گاؤں نصف مالیہ کی ادائیگی پر دیا گیا۔ اس کے وارثوں کو بھی اسی شرط پر منتقل ہوا کوٹ بارے خان کی جاگیر اب اس کے پوتے سردار صاحب رجونت سنگھ کے پاس ہے۔ جو گوجرانوالہ میں آنریری مجسٹریٹ ہے۔ مالیت 550 روپے۔ جودھ سنگھ کا چھوٹا بھائی سردار مان سنگھ گھوڑ سواروں کا دستہ لے کر دہلی میں میجر ہڈسن کی فوج میں شامل ہوا تھا۔ دہلی کے بادشاہ کی گرفتاری اور اس کے تین بیٹوں کے قتل میں مدد دی۔ پھر لاہور واپس آیا۔ پانچ سو سوار لیکر پھر انگریز فوج سے جاملا اور لکھنو میں ساتھ دیا۔ ہندوستان میں ان کارروائیوں میں وہ دو بار زخمی ہوا۔ ان خدمات کی بناء پر اسے آرڈر آف میرٹ اور اودھ اور پنجاب میں جاگیر دی گئی۔ جودھ سنگھ کے بیٹے پرسا سنگھ نے نانویں بنگال لانسرز میں شامل ہو کر متذکرہ بالا کارروائیوں میں قابل تعریف حصہ لیا۔

حافظ آباد کے جنرل ہرسکھ سنگھ اور ایمن آباد کے دیوانوں کرم چند، ہری چند اور نہال چند نے بھی جنگی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ ہری چند جموں کے سپاہیوں کا کمانڈر تھا۔ ولی کے قریب ہیضے میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

جنرل ہرسکھ سنگھ اور اس کے وارثوں کو حافظ آباد اور رکھ حافظ آباد میں جاگیر دی گئی۔ اب اسکی مالیت چار سو روپے ہے اور اس کے وارثوں ہری کرشن، ملک راج اور ملکھی رام کو مل رہی ہے۔ لگتا ہے کہ دیوان کرم چند اور دیوان ہری چند کو جاگیر نہیں دی گئی تاہم، دیوان جوالا سہائے سی ایس آئی کو 1857ء میں خدمات کے عوض پانچ دیہات کی جاگیر دی گئی۔ جوالا سہائے ہری چند اور نہال چند کا بڑا بھائی تھا۔ اب یہ جاگیر اس کے پڑپوتے دیوان دھنپت رائے کو ملتی ہے اور مالیت دو ہزار چودہ روپے ہے۔ نہال چند کے وارثوں میں سے دیوان برج لال اور اس کے بھائی دولت رام کے پاس حافظ آباد میں 189 روپے کی جاگیر ہے۔

مسلمان قبائل میں سے چٹھوں اور بھٹیوں کی طرف سے پنڈی بھٹیاں کے رحمت خان اور احمد نگر کے خدا بخش نے جنرل نکلسن کی متحرک فوج میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

MashalBooks.com

اس فوج نے پنجاب میں باغی ہندوستانی سپاہیوں کی زبردست سرکوبی کی' ان سرداروں کی طرف سے دہلی پر قبضہ کرنے میں بھی بڑی مدد ملی۔ رحمت خان بھٹی کو کوٹ دلاور خان میں مستقل جاگیر دی گئی جو کچھ عرصہ پہلے تک اس کے وارثوں پنڈی بھٹیاں کے ذیلدار محمد یار کے پاس تھی۔ اب یہ اس کے پانچ بیٹوں میں برابر تقسیم ہوگئی ہے۔ غدر کے اثرات یہ بھی ہوئے کہ ان قبائل کی پرانی دشمنی ختم ہوئی اور زخم بھر گئے۔ اس کا خوبصورت اظہار ضلع گورداسپور کے بارے میں غدر کی رپورٹ میں ہوا۔ ''حکومت نے جو اقدامات کیے ان میں مقامی طور پر بھرتی کا فیصلہ بڑا مقبول ہوا اور اسی سبب اس علاقے میں برطانوی پالیسیوں کی بڑی حمایت کی گئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے باہمی مفاد اور ہمدردی کے جذبے کو فروغ دیا گیا' اب برطانوی حکومت سے اشتراک اور خلوص اور بڑھ گیا اور پھر ہر گھر میں اس جذبے کی دھڑکن سنائی دینے لگی۔ قوم کا فوجی جذبہ بھی بیدار ہوا اور یہاں کے بہادر فرزندوں نے بھی ثابت کیا کہ ان پر جو اعتماد کیا گیا وہ اسے پورا کر کے دکھائیں گے۔''

خاندان چھاچھی کا اصلی وطن حقیقت میں معلوم نہیں اگرچہ کوہلی کھتری قوم میں ہونے کی وجہ سے اس خاندان کا مورث اعلیٰ غالباً بھٹنیر سے آ کر پنجاب میں بسا اور مقام سالار گڑھ علاقہ چھچھ اٹک ہزارہ میں بود و باش اختیار کی۔ جہاں سے اس خاندان کا لقب چھاچھی پڑ گیا ہے۔

سردار ٹہل سنگھ پہلے پہل کھٹڑ سرداروں کی ملازمت میں داخل ہوا مگر بعد ازاں سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے ساتھ جو اس زمانے میں زور پکڑتا جاتا تھا شامل ہوگیا۔ ٹہل سنگھ نے خود فتوحات کیں اور مکھڈ کے پٹھانوں سے دوار اور ماپل کے قلعے چھین کر 1875ء تک ان پر قابض رہا۔ ٹہل سنگھ کی وفات پر اس کے تین بیٹے اس کی تمام جاگیر پر قابض ہوئے۔ جسا سنگھ تو اپنے باپ کے بعد فوراً فوت ہوگیا مگر سردار شیر سنگھ اور سردار فتح سنگھ نے رنجیت سنگھ کے عہد کے شروع زمانہ میں اچھی خدمات انجام دیں۔ ان دونوں بھائیوں نے قلعہ کسک علاقہ پنڈ دادنخاں میں اچھی خدمات کیں۔ پنڈی گھیب اور جھنگ کے مقامات پر جنجوعوں کے مقابلے میں لڑے اور 1814ء میں کشمیر کی نامبارک مہم پر گئے جس میں دونوں مارے گئے۔ ان کی وفات پر پنڈ دادنخاں اور ابدال ضلع گوجرانوالہ کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔ فتح سنگھ کا بیٹا گورمکھ سنگھ اور سادھو سنگھ گوڑ چڑھا کلاں رجمنٹ میں نوکر رکھے گئے جس میں اول الذکر اپنی

MashalBooks.com

وفات یعنی 1829ء تک ملازم رہا۔تہل کے تیسرے بیٹے اتم سنگھ کو گجرات اور گوجرانوالہ کی خاندانی جاگیر ملی اور اسی سال مہاراجہ نے شیر سنگھ کے دوسرے بیٹے عطر سنگھ کو لاوا کی جاگیر جو پہلے اس خاندان کے قبضے میں رہی تھی عطا کی۔اتم سنگھ 1818ء کے ملتان کے محاصرہ میں لڑا اور اس کے بعد لاوا چلا آیا جہاں وہ 1826ء میں ایک خانہ جنگی میں جو زمینداروں کے ساتھ لگان کے متعلق ہوئی مارا گیا۔ یہ بنوں ٹانک اور مٹھاٹوانہ میں جہاں یہ زخمی ہوا لڑائیوں میں شریک رہا اور پشاور کی لڑائی میں بھی شامل تھا جہاں جمرود کی مہلک لڑائی میں اس کا چچا عطر سنگھ مارا گیا۔ ستلج کی لڑائی کے بعد یہ اپنے بیٹے سمیت کچی میں جنرل وان کورٹ کے ماتحت متعین رہا مگر تھوڑے عرصے بعد اپنے بیٹے گوردت سنگھ مع کنٹنجنٹ کے چھوڑ کر گھر واپس آ گیا۔جیون سنگھ لڑکا ہی تھا جو سکھوں کی دوسری لڑائی کے ختم ہونے تک خدمت انجام دیتا رہا۔ سردار جیون سنگھ بھی ان چند رؤسا میں سے تھا جو اخیر دم تک اپنی سرکار کے خیر خواہ رہے۔ سردار جیون سنگھ 1852ء میں فوت ہوا۔

سردار گوردت سنگھ نے 1857ء میں 25 سوار بھرتی کر کے وزیر آباد کے گھاٹ کی حفاظت کی اچھی خدمات انجام دیں۔اس کا انتقال 1878ء میں ہوا۔اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا سردار مہر سنگھ چھاچھی سکھوں کا بزرگ قرار پایا جو پراونشل درباری آنریری مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار وزیر آباد کا ہے۔گوردت سنگھ کی وفات پر جاگیر اس کے تمام بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔مہر سنگھ کے حصے کا انتظام تو اس کا بیٹا چرنجیت سنگھ کرتا ہے اور باقی ماندہ جاگیر کا انتظام اس کے بھائیوں کی طرف سے جگت سنگھ کے سپرد ہے۔ان تبدیلیوں کی وجہ سے جو تھوڑا عرصہ ہوا اضلاع میں کی گئیں یہ جاگیر اب ضلع اٹک کی تحصیل تلہ گنگ میں چلی گئی اور زیادہ تر اس کی اپنی اراضی تحصیل حافظ آباد میں چناب نہر پر ہے۔سردار مہر سنگھ کا چھوٹا بھائی سنت سنگھ وزیر آباد کی میونسپل کمیٹی کا سکرٹری ہے اور ایک دوسرا بھائی موتی سنگھ فوج میں تھا تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ رسالہ نمبر 19 (فین صاحب کا رسالہ) میں جمعداری کے عہدہ پر ترقی پائی ہے۔سردار دیال سنگھ جس کا انتقال 1896ء میں ہوا اپنی وفات سے پہلے وزیر آباد کا آنریری مجسٹریٹ تھا۔

چرن جیت سنگھ چھاچھی کے تین بیٹوں میں سے سب سے بڑا گور بخش سنگھ 1845ء میں فیروشاہ کے مقام پر مارا گیا۔دوسرا لڑکا مہر سنگھ جو اسی رجمنٹ میں ملازم تھا۔ یہ سردار شیر سنگھ کے ہمراہ ملتان میں مولراج کے ساتھ جا ملا اور سردار اٹاری سے تمام جاگیر لاوا حاصل کرنے کے

لیے جس کے تیسرے حصہ کا یہ قانوناً مالک تھا قبضہ لینے کے لیے روانہ ہوا مگر عطر سنگھ اور گور بخش سنگھ کی بیوگان امیر دیوی اور حکم دیوی نے قلعہ لاوا میں اس کا بڑا بہادری سے مقابلہ کیا (کیونکہ چھاچھی عورتیں بھی ایسی ہی بہادری سے لڑ سکتی ہیں جس طرح کہ مرد) اور شیر محمد خاں ٹوانہ نے ان سردارنیوں کی مدد کی جس پر مہر سنگھ کو بالکل مایوس ہو کر مجبوراً شیر سنگھ کے پاس واپس جانا پڑا اور یہ 1857ء میں سرکار نگریزی کی ملازمت کر کے ہندوستان گیا اور اپنے خاندان کے دیگر اصحاب کی طرح خدمت سرانجام دیتا ہوا مارا گیا۔ سردار جگجیت سنگھ بوتالیہ سکھوں کے پنجاب میں تسلط کرنے سے بہت پہلے مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں سردار بلونت سنگھ کا ایک بزرگ پاک پٹن میں ایک مشہور فقیر بابا فرید صاحب کے پاس ان کا کھانا پکاتا رہا۔ اس کے حق میں دعا کی جس کا کہ وہ آرزومند تھا۔ اس عقیدت مندانہ خدمت کی وجہ سے اس کا نام بھنڈاری یا باورچی مشہور ہو گیا جو اب تک خاندان بوتالیہ کے ساتھ منسوب ہے۔

اس خاندان سے دھنا سنگھ سردار نودھ سنگھ کا ایک رفیق تھا اور اس (سردار نودھ سنگھ) کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سردار چڑھت سنگھ کے ساتھ حق خدمت ادا کرتا رہا۔ دھنا سنگھ 1765ء میں فوت ہوا اور اس نے دو لڑکے دیوان سنگھ اور ہیا سنگھ چھوڑے۔ یہ دونوں لڑکے (سردار چڑھت سنگھ) کے نیک و بد میں شریک رہے اور جب سردار موصوف نے ضلع گوجرانوالہ کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا تو اس مقبوضہ علاقہ میں سے انہیں بھی معقول حصہ ملا۔ جب سردار مہاں سنگھ نے رام نگر پر قبضہ کیا تو دیوان سنگھ کے نام محصول نمک میں سے 1000 روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا جو دیوان سنگھ خود اس کی اولاد 1847ء تک لیتی رہی۔

دیوان سنگھ اپنے بھتیجے رتن سنگھ پسر ہیا سنگھ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کے چھوٹے بیٹے شام سنگھ کو جو عام طور پر شام سنگھ مشہور تھا مہاراجہ نے دربار میں بلا بھیجا اور اس کے نام اس کے باپ کی جاگیر کا ایک حصہ کر دیا۔ شام سنگھ کو بہت جلدی عروج ہوا اور س نے بہت سی جاگیر حاصل کی تھیں۔ چونکہ اس کی جاگیروں میں کنجاہ ضلع گجرات کی جاگیر بھی تھی اس لیے اس کو کنجاہیہ کہتے تھے اور سردار دیال سنگھ کنجاہیہ تو اب تک اسی لقب سے مشہور ہے۔

1813ء میں شام سنگھ 27 سال کی عمر میں بیسا کی لڑائی میں مارا گیا۔ مہاراجہ اس کے چھوٹے بیٹے جھنڈا سنگھ پر بڑی مہربانی کرتا تھا۔ جھنڈا سنگھ نے سب سے پہل فوجی خدمت پونچھ میں انجام دی جہاں دیوان دھنپت رائے اور شیر باز خاں نے فساد برپا کر رکھا تھا۔

MashalBooks.com

اسی زمانہ میں جھنڈا سنگھ نے اپنی بہن کی شادی شیر سنگھ پسر سردار حکم سنگھ سے کی اور اس موقع پر طرفین نے ایک ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ ضلع گوجرانوالہ میں اس وقت تک کوئی ایسی شاندار شادی نہ ہوئی تھی۔ رنجیت سنگھ نے حکم سنگھ اور جھنڈا سنگھ کو بلا کر کہا کہ جب تمہیں ایک شادی پر اس قدر روپیہ خرچ کر دینے کی توفیق ہے تو پھر تم دونوں سلطنت کی بہتری کے لیے 50000 روپیہ فی کس آسانی سے دے سکتے ہو۔

سردار جھنڈا سنگھ کی خاص خدمات سرحد چھچھ، پشاور، یوسف زئی اور ہزارہ کی تھیں۔ یہ مستعد اور قابل آدمی تھا اور مہاراجہ نے اس کی قابلیت کی قدردانی کی 1836ء میں جھنڈا سنگھ شہزادہ نونہال سنگھ کے ہمراہ ڈیرہ جات کی مہم پر گیا۔ کابل کی مہم کے دوران میں جھنڈا سنگھ کچھ عرصے تک قلعہ اٹک کا گورنر رہا اور سرکار انگریزی کی فوج کو رسد رسانی اور بار برداری کے بہم پہنچانے میں امداد دیتا رہا۔

مہاراجہ کی موت کے بعد جو بڑے بڑے انقلابات ہوئے ان سے سردار جھنڈا سنگھ کے عروج میں کچھ زیادہ فرق نہیں آیا۔ سردار جواہر سنگھ نے جھنڈا سنگھ کو باتفاق دیوان حاکم رائے لاہور کا عدالتی مقرر کر دیا اور یہ ستلج کی لڑائی کے ختم ہونے تک اس عہدے پر متعین رہا۔

1847ء میں سردار چڑھت سنگھ اٹاری والا اور کپتان ایبٹ کے ماتحت نائب ناظم کر کے ہزارہ بھیجا گیا اور اسی سال ماہ نومبر میں ریذیڈنٹ صاحب بہادر کی تجویز سے اسے اعزازی خطاب بہادر اور اجل دیدار نرمل بدھ عطا ہوئے جن کے معنی کشادہ پیشانی اور صاف دل کے ہیں مئی 1848ء ملتان میں بلوہ ہونے کے بعد فوراً سندھ ساگر دواب کے نیچے کی طرف اس کی کارروائی قابل تعریف رہی اور کپتان ایبٹ صاحب بہادر نے اس کی بڑی تعریف لکھی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد چرنجیت رسالے کا کچھ حصہ جو سردار کے ماتحت تھا باغیوں کے ساتھ مل گیا اور کپتان ایبٹ صاحب کو اس کی وفاداری میں کچھ شبہ ہونے لگا۔ سردار چتر سنگھ ناظم ہزارہ جھنڈا سنگھ کا بڑا رعب مانتا تھا۔ مگر جھنڈا سنگھ اسے راہ راست پر نہ لا سکا۔ اس وقت بہتوں کا یہ خیال تھا کہ اس نے جان بوجھ کر ناظم کو نہیں سمجھایا بلکہ حتے المقدور بجائے ناظم مذکور کو راہ راست پر لانے کے رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان دنوں میں انہی لوگوں پر شبہ کیا جاتا تھا جو بارسوخ تھے اور یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ کون شخص قابل اعتبار ہے۔ جھنڈا سنگھ کو حکماً لاہور بلا کر قید کر لیا مگر بعد میں فوراً ہی رہا ہو گیا اور لڑائی کے آخری چار یا

MashalBooks.com

پانچ ماہ میں اس نے اوراس کے سواروں نے لاہوراور رام نگر کی درمیانی سڑکوں کو بند نہ ہونے دیااوراس طرح پر بیش بہا خدمت انجام دی۔

پنجاب کے الحاق کے موقع پر سردار جھنڈا سنگھ کی 15560 روپیہ کی ذاتی جاگیراس کی حین حیات کے لیے تھی۔اس جاگیر میں سے 3550 روپیہ کی جاگیراس کے بڑے بیٹے نہال سنگھ کواس کی تاحین حیات ملتی تھی مگر نہال سنگھ جنوری 1864ء میں فوت ہوگیا۔

سردار جھنڈا سنگھ بوتالہ ضلع گوجرانوالہ میں رہتا تھا اور 1862ء میں سے جاگیر دار مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔اس نے رفاہ عام کے لیے تالاب' دھرم شالہ اور دیگر خیراتی کاموں پر تقریباً 25000 روپیہ خرچ کیا۔اس کا انتقال 1883ء میں ہوا جس پر ہر مذہب وملت کے لوگوں کو بڑاافسوس ہوا۔اس کے ورثا یعنی پوتے سردار بلونت سنگھ اورلڑکے مہتاب سنگھ اور مول سنگھ کواس کی جاگیر عطا ہوئی۔

سردار بلونت سنگھ کا باپ نہال سنگھ چار یاری ڈیرے میں شہزادہ نہال سنگھ کے ماتحت 1000 سوار کا کمیدان تھا۔اس کی ضلع گوجرانوالہ کی تین تحصیلوں میں 2000 گھماؤں اراضی ہے جس کی سالانہ آمدنی تقریباً 1500 روپیہ ہے۔علاوہ ازیں اسے تحصیل سمندری واقع نہر چناب پر سات مربع اراضی ملی ہے اوراس نے تحصیل حافظ آباد میں اپنے نام پر ایک موضع قلعہ بلونت سنگھ آباد کیا ہے۔اس نے قریباً 10000 روپیہ رفاہ عام کی عمارات پر خرچ کیا ہے۔ اس نے صوبہ پنجاب میں کئی سال تک اکسٹرا جوڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر رہ کر 1908ء میں پنشن لی اوراپنے ضلع میں دوسراپراونشل درباری ہے۔اس کے چچازاد بھائی ارجن سنگھ اور سوچیت سنگھ کوان کے باپ مہتاب سنگھ کی وفات کے بعد جو 1885ء میں وقوع میں آئی اور جو سالہاسال تک آنریری مجسٹریٹ وسول جج رہا۔1310 روپیہ کی پنشن پائی۔سردار ارجن سنگھ بوتالیہ کا ذیلدار ڈویژنل درباری اورڈسٹرکٹ بورڈ کاممبر ہے۔اس کوتحصیل لائلپورامیں 5 مربع جات اراضی ملی ہے۔سوچیت سنگھ اپنی وفات یعنی 1906ء تک پولیس میں ملازم رہا جس کے بعداس کی جاگیرارجن سنگھ کومل گئی۔سردار جھنڈا سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا مول سنگھ بمشاہرہ تین ہزار روپیہ سالانہ تحصیدار ہے۔گوجرانوالہ میں تقریباً 3000ء روپیہ کی جاگیر ہے اوراس نے جہلم نہر پر بیس مربع زمین خریدی۔

1813ء میں شام سنگھ کی وفات کے بعداس کے بھائی دھرم سنگھ نے ملتان' کشمیر' پشاور

اور دوسری لڑائیوں میں خدمات کیں اور جب یہ بڑھا ہو گیا تو مہاراجہ نے اس کی جاگیر ضبط کر کے اس کو 2000 روپیہ کی نقد پنشن دے دی اور اس کے بیٹے گنڈا سنگھ کو شہزادہ شیر سنگھ کی خدمت میں رکھا۔ جب شیر سنگھ تخت نشین ہوا تو اس نے گنڈا سنگھ کو بوتالہ کے قریب جاگیر عطا کی فیروشاہ کی لڑائی میں جس میں اس کا بیٹا کرپال سنگھ بھی زخمی ہوا اور مارا گیا۔

ملتان کی شورش کے زمانے میں سردار کرپال سنگھ ہزارہ میں تھا اور کپتان ایبٹ صاحب بہادر کے احکام کی تعمیل کرتا رہا اور خیر خواہ ثابت ہوا۔

سردار کرپال سنگھ کنجاہ میں رہتا تھا۔ یہ ڈویژنل درباری تھا اور 1901ء میں لاولد فوت ہوا مگر اپنے بھائی کے پوتے رگھبیر سنگھ کو متبنیٰ کر لیا تھا۔ منجملہ اس کے بھائیوں کے سردار دیال سنگھ نے جو کنجاہیہ کے نام سے مشہور ہے تقریباً 40 سال سے وڈالہ ضلع سیالکوٹ میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ یہ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا پریذیڈنٹ رہا اور اب یہ آنریری مجسٹریٹ سول جج مقرر کیا گیا ہے اور پراونشل درباری بھی ہے۔ لائل پور تحصیل میں اس کے چھ مربعے ہیں۔

سردار پرتاب سنگھ بمشاہرہ 9600 روپیہ سالانہ پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا یہ پنشن پا کر اپنے عہدے سے سبکدوش ہوا اور 1905ء میں فوت ہوا۔ موضع سجادہ تحصیل حافظ آباد اور ایک حصہ موضع نوشہرہ ضلع سیالکوٹ اس کی ملکیت میں تھے اور اس نے تحصیل گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں کئی ٹکڑے نہری اراضی کے اور نہر جہلم پر 14 مربعے خرید کیے۔ یہ پراونشل درباری بھی تھا۔ اس کی خدمات کے صلہ میں اس کے بڑے پوتے رگھبیر سنگھ کو موروثی خطاب ''سردار'' ملا۔ گنڈا سنگھ کا چوتھا لڑکا جوالا سنگھ غلہ و دیگر اشیاء کی تجارت میں پڑ گیا۔ یہ آنریری مجسٹریٹ تھا اور 1884ء میں مدت تک فوجداری اختیارات عمل میں لانے کے بعد اپنے اس عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔ یہ بھی پراونشل درباری تھا۔ اس کی وفات کے بعد تقریباً 635 روپیہ کی جاگیر اس کے بیٹوں سردار دیال سنگھ اور گوربخش سنگھ کو ملی جنہوں نے اپنی رہائش وزیر آباد میں ہی اختیار کر لی جہاں سر دیال سنگھ نمبردار ہے اور گوربخش سنگھ کا انتقال ہو چکا ہے۔

سردار گنڈا سنگھ کا بھائی ہری سنگھ 1886ء میں فوت ہوا۔

سردار دیال سنگھ کا بیٹا وساکھا سنگھ نائب تحصیلدار تھا مدت سے فوت ہو چکا ہے۔ اس کے بیٹوں میں سے دو یعنی جواہر سنگھ اور اقبال سنگھ تحصیلدار تھے۔ جواہر سنگھ فوت ہو چکا ہے اور اقبال سنگھ زندہ ہے۔ اس نے دوران ملازمت میں سرکار دولتمدار کی نہایت قابل قدر اور بیش

MashalBooks.com

بہا خدمات سرانجام دیں خصوصا جنگ عظیم کے دوران میں اس نے نہ صرف بحیثیت تحصیلدار بلکہ بحیثیت ایک رئیس ہونے کے بیش قیمت خدمات رنگروٹ بھرتی کرائے۔اس نے 1919ء کی شورش اور دوسری سکھوں کی کئی شورشوں کے دوران میں جو اس کی ملازمت کے عرصہ میں برپا ہوئیں نہایت اچھا کام کیا۔سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد سردار اقبال سنگھ ریاست پٹیالہ میں افسر مال مقرر ہو گیا ہے اس کے بیٹے اندر جیت سنگھ کو جو گورنمنٹ کالج کا گریجوایٹ ہے حال ہی میں شاہی کمیشن عطا ہوا ہے۔

سردار نراین سنگھ نلوہ

نرائن سنگھ نلوہ اور ان کا بیٹا گوردیال سنگھ رئیسان سکرچکیہ کے ملازم تھے۔ ہرداس سنگھ 1762ء کی لڑائی میں مارا گیا اور گوردیال سنگھ چڑھت سنگھ اور مہاں سنگھ کے ہمراہ ان کی تمام لڑائیوں میں شریک رہا اور اسے موضع بالو کے متصل شاہدرہ میں جاگیر میں ملا۔

ہری سنگھ بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرح گوجرانوالہ میں پیدا ہوا اور صرف سات برس ہی کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ اوائل ہی سے بڑا قابل تھا اور قصور کے محاصرہ 1807ء میں اس نے بڑی بہادری دکھائی جس سے رنجیت سنگھ نے اسے سردار بنا لیا۔1818ء میں یہ شہزادہ کھڑک سنگھ کے ہمراہ ملتان کی آخری لڑائی میں گیا جو فتح ہو گئی اور دوسرے سال جو فوج کشمیر پر بھیجی گئی اس کے ایک دستہ کا کمیدان مقرر ہوا۔

1823ء میں ٹیری کی لڑائی میں یہ سکھ فوج کے اس دستہ کا کمیدان تھا جو محمد اعظم خاں کی نشست و برخاست کی حفاظت پر لگا ہوا تھا اور مہاراجہ خود اس وقت دریائے کابل کے دوسری جانب یوسف زئی پٹھانوں سے لڑ رہا تھا۔

1827ء کے شروع میں سید احمد شاہ (شہید) نے تمام پر جوش یوسف زئی مسلمانوں کو سکھوں اور کافروں کے مقابلہ میں جہاد کے لیے اکسایا اور اس میں پشاور کے رئیسان بارک زئی بھی سید کے ساتھ شامل ہوئے۔ سردار ہری سنگھ کو حکم ہوا کہ 25000 جوانوں کے ساتھ مہاراجہ کی کمک لے کر وہاں پہنچ جانے تک سید کو دریائے سندھ کے عبور کرنے سے روکے رکھے جہاں اسے دشمن کی بے تعداد فوج نے گھیر لیا مگر بدھ سنگھ نے رئیسان پشاور کو سید کا ساتھ چھوڑ دینے پر آمادہ کر لیا اور اپنے مورچوں سے نکل کر دشمن کو ایسی شکست فاش دی کہ

سید مدت تک میدان جنگ میں آنے کے قابل نہ ہوا۔ جب رنجیت سنگھ اور ہری سنگھ بھی موقع پر پہنچ گئے تو ان کی ساری فوج نے پشاور کی طرف کوچ کر دیا جہاں پہنچ کر سکھوں نے لوٹ مار شروع کی۔ بالا حصار کا محل اور بہت سی بڑی بڑی عمارتیں مسمار اور مسجدیں شہید کر دی گئیں اور جلانے کے لیے درخت کاٹ لیے گئے۔ پشاور کا خراج بڑھا دیا گیا اور مہاراجہ اپنے ساتھ یار محمد خاں کے بیٹے کو بطور یرغمال لے آیا۔

12 مارچ 1833ء کے عہد نامہ کی رو سے جو شاہ شجاع کے ساتھ ہوا مہاراجہ کو پشاور' ڈیرہ جات اور ملتان دیئے گئے۔ شاہ شجاع کو یہ اختیار بالکل برائے نام تھا کہ سکھوں کو کوئی ایک چیز دے دے۔ اس عہد نامے کے فوراً بعد ہی سردار ہری سنگھ کو مع شہزادہ نونہال سنگھ زائد خراج مانگنے کے بہانہ پشاور بھیجا گیا مگر حقیقتاً اس سے شہر پر قبضہ کرنے کی غرض تھی۔ ہری سنگھ نے اپنے 8000 جوانوں کی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ پشاور پر قبضہ کر لیا۔

اس کامیابی کے بعد سردار ہری سنگھ سرحد کا سپہ سالار مقرر رہا۔

1836ء میں ہری سنگھ کو جمرود کے مقام پر درۂ خیبر کے دروازہ پر ایک ایسا قلعہ بنانے کا حکم ہوا کہ جس کی دیواروں پر سے مہاراجہ جلال آباد دیکھ سکے۔

اس لڑائی سے کچھ اچھے نتائج نہ نکلے۔ اس میں کلام نہیں کہ سکھوں کا ایک بڑا شجاع جرنیل مارا گیا مگر افغان بھی اپنی فتح سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیے بغیر پیچھے ہٹ گئے۔

ہری سنگھ نام آور سردار کے مرتے ہی اس کے کنبہ میں جائیداد اور جاگیر کی بابت جھگڑے شروع ہو گئے۔ نور پور' مٹھاٹوانہ' شیخو وال' کالر گڑھ' ہزارہ' خان پور' دھنا' کھٹک اور دیگر علاقوں میں مالیتی 852000 روپیہ سالانہ کی جاگیر تھی مگر اس جاگیر کے عوض اسے دو رسالے' ایک توپخانہ اور ایک شتری توپخانہ لڑائی کے لیے ہر وقت تیار رکھنا پڑتا تھا۔ جواہر سنگھ اور گوردت سنگھ اس کی پہلی بیوی کے اور ارجن سنگھ اور پنجاب سنگھ دوسری بیوی کے بطن سے تھے اور ان سوتیلے بھائیوں میں کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ ارجن سنگھ اور پنجاب سنگھ نے آنجہانی سردار کے مستحکم مکان واقع گوجرانوالہ پر (جس میں اب ڈپٹی کمشنر رہتے ہیں) قبضہ کر لیا اور جواہر سنگھ اور اس کا بھائی شہر گوجرانوالہ دبا بیٹھے۔ ان بھائیوں میں ایسا سخت جھگڑا ہوا کہ مہاراجہ نے جو ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتا تھا خزانہ پر کرنے کی غرض سے 19600 روپیہ کی جاگیر کے علاوہ ہری سنگھ کی تمام جائیداد اور جاگیر ضبط کر لی اور یہ جاگیر گوجرانوالہ 1838ء میں مسر

بیلی رام کو اور ہزارہ سردار تیج سنگھ کو جاگیر میں دیئے گئے۔

سردار جواہر سنگھ 1832ء میں اس فوج کا جو جہانگیرہ میں تھی کمیدان مقرر ہوا اور دو سال بعد پشاور میں لگایا گیا اور اپنے باپ کی وفات یعنی اپریل 1837ء تک افغانوں کی کئی لڑائیوں میں لڑتا رہا۔

اکتوبر 1848ء میں سردار ارجن سنگھ باغیوں کے ساتھ مل گیا۔ تقریباً 100 جوان لے کر یہ اپنے گوجرانوالہ کے مستحکم مکان میں آ گیا اور علانیہ سرکار کا مقابلہ کرنے لگا۔ دربار نے تھوڑی سی فوج اس کو لاہور پکڑ لانے کے لیے بھیجی مگر بے سود ثابت ہوئی۔ لیکن جب بریگیڈیر کیمپبل کے رسالے کا ایک دستہ اس کے مقابلے کو روانہ ہوا تو یہ بھاگ گیا۔ مکان کی فصیل مسمار کر دی گئی اور جو مال متاع اس میں ملا ضبط کر لیا گیا۔

سردار جواہر سنگھ کو جو باغیوں کا طرفدار تھا اور اگر طرف دار نہ بھی تھا تو بھی راجہ تیج سنگھ کا دشمن ضرور تھا گرفتار کر کے لاہور گلاب سنگھ کلال کے مکان میں نظر بند رکھا گیا مگر اس نے پہرے والوں کو گانٹھ لیا اور مع چھ سپاہیوں کے گوجرانوالہ کی طرف بھاگ گیا۔ مسٹر لیارام نے جو اس وقت گوجرانوالہ کا حاکم تھا جواہر سنگھ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر اس کا دوبارہ گرفتار ہونا مشکل تھا اور وہ شہر سے بھاگ کر راجہ شیر سنگھ کی فوج کے ساتھ جا ملا۔ جواہر سنگھ چیلیانوالہ اور گجرات کے مقامات پر انگریزوں کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑا اور یہی شخص تھا جس نے چیلیانوالہ کے مقام پر بے قاعدہ رسالے سے ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ جس سے انگریزوں کو تقریباً شکست ہی ہو گئی تھی۔

ان بھائیوں سے صرف پنجاب سنگھ ہی ایک ایسا شخص تھا جو اپنی سرکار کا خیر خواہ رہا اور فقط اسی کی جاگیر ضبطی سے بچ سکی۔ اس کا انتقال 1854ء میں ہوا۔

1857ء میں سردار جواہر سنگھ ہی پنجاب کے سرداروں میں پہلا شخص تھا جس کو چیف کمشنر نے ہندوستان میں خدمات انجام دینے کے لیے منتخب کیا۔ اس انتخاب یا بھروسہ کو اپنی عزت سمجھ کر جواہر سنگھ غدر کے ایام میں ایسی بہادری اور خیر خواہی سے لڑا کہ اس سے بہتر کسی اور نے ایسی بہادری نہ دکھائی۔ یہ دشمن کے ساتھ 18 لڑائیوں میں لڑا اور 1859ء کے اخیر میں اسے سالانہ جاگیر عطا ہوئی۔ اس جاگیر کے ملنے سے پہلے اس نے میدان جنگ میں نمایاں خدمت کے صلے میں آرڈر آف برٹش انڈیا کا تمغہ حاصل کیا۔ یہ 1862ء میں

گوجرانوالہ کا آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا۔ اور اپنی وفات یعنی 1877ء تک اس عہدے پر رہا۔

674 روپیہ کی جاگیر سردار ارجن سنگھ کے بیٹے اچھر سنگھ کو دوامی عطا ہوئی جس پر عملدر آمد گورنمنٹ نے 1884ء میں منظور کیا۔ سردار اچھر سنگھ پراونشل درباری اور گوجرانوالہ کا ذیلدار تھا۔ اس نے اوائل عمر میں قرض خواہوں سے تنگ آ کر ریاست بیکانیر میں ملازمت کر لی۔ اس کا اکلوتا بیٹا نرائن سنگھ اس کا جانشین ہوا۔ وہ اپنے باپ کی جگہ پراونشل درباری بنایا گیا ہے اور اسے موروثی خطاب سردار بھی عطا ہوا ہے۔ سردار نرائن سنگھ آنریری مجسٹریٹ ہے اور اپنے باپ کی جگہ ذیلدار بھی ہے۔

دیوان بال کرشن اکال گڑھیہ

ہوشناک رائے کھتری کا پوتا قریباً 1768ء سے سردار دل سنگھ رئیس اکال گڑھیہ کا ملازم تھا۔ یہ خود کوئی نامور آدمی نہ تھا بلکہ اس کا نام صرف اس کے منجھلے بیٹے ساون مل کی فہم وذکا اور پوتے مولراج کی بغاوت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے۔

ہوشناک رائے کا سب سے بڑا بیٹا نانک چند 1788ء میں دل سنگھ کے ہاں نوکر ہوا اور دل سنگھ کی وفات یعنی 1804ء تک اسی کی ملازمت میں رہا جب کہ اکال گڑھ جو مسل کا باجگزار علاقہ تھا بوجہ لاوارث ہونے کے رنجیت سنگھ کے ہاتھ آ گیا۔ نانک چند نے اس وقت اپنا وطن چھوڑ دیا اور دیوان محکم چند کی فوج میں داخل ہو گیا جس کے ماتحت اس نے معزز عہدوں پر ترقی پائی اور محکم چند کی وفات پر ملتان اور کشمیر کا لگان جمع کرنے کے لیے مقرر ہوا۔ اس کا اکلوتا بیٹا رتن چند 1830ء میں اس کی وفات سے ایک سال پہلے مر گیا اور اس کا پوتا رام چند اس کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ رام چند کی عمر اس وقت صرف بارہ سال کی تھی مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس پر خاص مہربانی فرما کر اسے اپنا مہر بردار بنا لیا۔ مہاراجہ کی وفات کے بعد اس نے عام معاملات میں دخل نہیں دیا اور اکال گڑھ میں رہ کر 2400 روپیہ پنشن لیتا رہا۔ رام چند اپنی فیاضی اور دانشمندی کی وجہ سے بہت مشہور ہو گیا۔ اس نے اچھرا متصل لاہور اور ننکانہ صاحب میں جو سری گورو بابا نانک صاحب کی وجہ سے متبرک تیرتھ ہے بڑے بڑے تالاب بنوائے۔ اس نے لاہور میں ایک دواخانہ غریبوں کو مفت دوا تقسیم کرنے کے لیے قائم کیا۔ امرتسر میں ایک سنسکرت سکول کھولا اور بنارس میں ایک سدابرت جاری کیا اور یہ اپنی عمر کے اخیر چار سال

بنارس ہی میں رہا اور وہیں فوت ہوا۔ یہ پراونشل درباری تھا اور اس کا بڑا بیٹا دریائی مل اکال گڑھ میونسپل کمیٹی کا پریذیڈنٹ بھی رہا۔ بعد میں اسے لوئر باری دوآب کالونی میں 5 مربعہ جات اراضی عطا ہوئے۔ اس کا انتقال 1925ء میں ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہنسراج ڈویژنل درباری بنایا گیا اور دیوان کا اعزازی خطاب بھی دیا گیا۔ دیوان ہنسراج نے پاکپتن میں تحصیلدار رہ کر اچھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور آج کل یہ اوکاڑہ میں لگا ہوا ہے۔

نانک چند کا بھائی گورمکھ رائے دیوان محکم چند کے ماتحت کا ایک افسر تھا۔ 1830ء میں دو لڑکے چھوڑ کر فوت ہوا۔ جن میں سے بڑا لڑکا دیوی دیال تھا جو اس وقت جب کہ اس کا چچا ساون مل ملتان کا ناظم تھا لاہور میں نظامت ملتان کی طرف سے ایجنٹ تھا۔ پھر 1849ء میں سارے دوابہ چج کا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور پنجاب کے الحاق تک اسی عہدے پر مامور رہا۔ 1862ء میں یہ رام نگر کا تحصیلدار مقرر ہوا مگر دوسرے ہی سال اس عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ 1862ء میں یہ اکال گڑھ اور رام نگر کا آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا اور اپنی وفات یعنی 1876ء تک 2300 روپیہ پنشن پاتا رہا۔ گورمکھ رائے کا دوسرا بیٹا رام سروپ مسلمان ہو گیا اور اپنا نام غلام محی الدین رکھا۔ دیوی دیال کا سب سے چھوٹا بیٹا سنت رام پنجاب میں منصف تھا۔ دیوی دیال کا پوتا منوہر لال خاندان کی اس شاخ کا بزرگ ڈویژنل درباری تھا۔ دیوی دیال کی اولاد میں سے چندر بھان ایم اے اور رام سرن بیرسٹر فوت ہو چکے ہیں اور منوہر لال کا بیٹا مہر چند لاہور میں ایڈووکیٹ ہے۔

ہوشناک رائے کا تیسرا لڑکا ساون مل بڑا مشہور ہوا۔ وہ 1788ء میں پیدا ہوا۔ اس نے سرکاری ملازمت اپنے بھائی نانک چند کے دفتر میں شروع کی اور 1820ء میں اسے بھائیا بدن ہزاروی ناظم ملتان کے ماتحت بمشاہرہ 250 روپیہ ماہوار میر محاسب مقرر کر کے ملتان بھیجا گیا۔ 1829ء میں اسے صوبے کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ وہ علاقہ ساون مل کے ماتحت تھا بہت بڑا تھا اور اس میں علاقہ جات ملتان، لیہ، ڈیرہ غازی خاں، خانگڑھ اور کچھ حصہ جھنگ کا شامل تھے۔ ساون مل کی تقرری پر یہ علاقہ قریباً ویران پڑا تھا اور ایک عرصہ تک یہاں لوٹ مار اور لڑائیاں ہوتی رہیں جن کی وجہ سے زندگی اور مال و اسباب غیر محفوظ تھے اور رعایا جو کبھی تعداد میں بے شمار اور متمول تھی نہایت کم اور مفلس ہو گئی تھی مگر اس کے دوران حکومت میں بڑا تغیر و تبدل پیدا ہو گیا۔ دیوان ساون مل نے لوگوں کو جو مفصلات کے باشندے تھے اراضیات

دے کر اور حفاظت کا ذمہ لے کر صوبہ میں آباد ہونے پر آمادہ کیا اور نہریں کھدوائیں (صرف ملتان میں 300 میل لمبی نہر کھدوائی گئی تھی)۔ تجارت کو خوب فروغ دیا اور حکومت بڑی دانائی اور نیک نیتی سے کی۔ یہ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ساون مل ان پٹھانوں سے جو پہلے ملتان کے حاکم تھے کچھ التفات نہ کرتا تھا اور چونکہ یہ خود تجارت پیشہ قوم سے تھا اس لیے ملک کے پرانے امراء سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بوجہ ہندو ہونے کے اپنی مسلمان رعایا پر اسے اعتماد نہ تھا اور نہ ہمدردی تھی اور یہ کہ انہی خیالات کی وجہ سے اس نے بہت سے پٹھان زمینداروں کو بے دخل کر کے ان کی اراضیات جاٹ زمینداروں کو دے دی تھیں مگر یہ بیانات کسی قدر مبالغہ آمیز ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ساون مل ہندوؤں سے ہمدردی کرتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پٹھانوں کی عمدہ خصائل کا معترف تھا اور ان ہی لوگوں میں سے اس کی فوج کے نامور اور شجاع افسر تھے۔

رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد دیوان کے دشمنوں نے اس کو تباہ کر دینے کی کوشش شروع کر دی۔ ان دشمنوں میں سے بڑے گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ راجگان جموں تھے جن میں اور دیوان میں ہمیشہ حسد اور سخت نفرت تھی۔ ستمبر 1840ء میں لاہور آیا اور تمام معاملات دوستانہ طور پر طے پا گئے اور وہ ملتان واپس چلا گیا۔

مارچ 1841ء میں مہاراجہ شیر سنگھ نے یہ ارادہ کیا کہ پرانی فسادی خالصہ رجمنٹوں کی جگہ نئی فوج بھرتی کی جائے چنانچہ ساون مل اور راجہ دھیان سنگھ کو نئی فوج بھرتی کرنے کا حکم دیا اس حکم کی تعمیل میں ساون مل نے بڑی مستعدی کے ساتھ مسلمان سپاہی بھرتی کرنے شروع کیے۔ اس سے اس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ دھیان سنگھ سے اپنا بچاؤ کرے۔

جنوری 1842ء میں مزاری بلوچ جو ہمیشہ سکھ ناظموں کو تکلیف دیتے رہتے تھے باغی ہو گئے اور اس امید پر روجھان پر آن پڑے کہ مدد پہنچنے سے پہلے اسے لوٹ لیں مگر ساون مل فوج لے کر ان کے مقابلہ کو گیا اور مزاریوں کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

ان سالوں میں دیوان ساون مل ملتان میں اپنی طاقت کو بڑھاتا رہا۔

وہ سلطنت جس کی بنا صرف ایک شخص (رنجیت سنگھ) کی قابلیت سے پڑی تھی زوال پذیر ہوتی جاتی تھی دیوان کی کوئی کوشش اسے تباہی سے بچا نہ سکتی تھی۔

16 ستمبر 1844ء کو دیوان کے صبح کے دربار میں ایک سپاہی کا جو چوری کرتا ہوا پکڑا گیا تھا مقدمہ پیش ہوا اور مزید تحقیقات کے لیے مجرم کو حوالات میں رکھنے کا حکم ہوا اور وہ ڈیوڑھی

میں زیر حراست رکھا گیا۔ جب دیوان ڈیوڑھی میں سے گزرا مجرم نے اسے گولی ماردی اور آخر کار 29 ستمبر 1844ء کو دیوان مرگیا۔ خالصہ ناظمان سرکار میں دیوان ساون مل سب سے زیادہ قابل گورنر تھا۔ لیکن وہ اپنے اختیارات کو بری طرح نہ استعمال کرتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس نے بہت سی دولت جمع کی اور اس کی وفات کے بعد اس کے کنبہ میں ڈیڑھ کروڑ روپیہ سے زیادہ آپس میں تقسیم ہوا۔ لیکن یہ روپیہ اس نے ظلم یا تشدد سے رعایا سے وصول نہیں کیا تھا۔ لوگوں کو اس کے ساتھ اس وجہ سے محبت تھی کہ اس کو کسی کی رعایت منظور نہ تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ایک کسان نے اس سے شکایت کی کہ کسی سردار نے اس کے کھیت میں گھوڑے چرنے کے لیے چھوڑ کر کھیت کو تباہ کر دیا ہے۔ ساون مل نے کسان سے کہا کہ وہ مجرم کو دربار میں پہچان لے۔ اس پر کسان نے دیوان کے بڑے بیٹے رامداس کی طرف اشارہ کیا اور رامداس نے مان لیا کہ واقعی کسان کی شکایت سچی ہے جس پر ساون مل نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ کسان نے رامداس کی رہائی کے لیے بہت التجا کی مگر اسے کئی دن تک قید میں رکھا گیا۔ اس سزا سے رامداس کی روح کو بڑا صدمہ ہوا اور وہ بیمار ہو گیا اور رہائی کے تھوڑا عرصہ بعد فوت ہو گیا۔

دیوان ساون مل کی جگہ اس کا بیٹا مولراج ناظم ملتان مقرر ہوا۔ ان زمانہ میں مولراج کی عمر تقریباً 30 سال کی تھی۔ یہ اپنے باپ کے ماتحت پہلے شجاع آباد کا کاردار اور بعد ازاں ضلع جھنگ کا کاردار رہا تھا۔ اس کے ظلم کی وجہ سے دونوں مقامات کے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے اور اگرچہ ملتان کی گورنری کے منصب پر پہنچ کر اس کی عادات میں اصلاح ہو گئی تھی تب بھی لوگ اس سے ہمیشہ ناراض ہی رہے۔

اس ملک میں یہ مسل مشہور تھی کہ ملتان میں ساون (بارش کا مہینہ) کی برکت ہے لیہ پر کرم (مہربانی) اور جھنگ میں مُولا نے ملک کو تباہ کر دیا مؤلا پنجاب میں ایک کیڑا ہوتا ہے جو غلے کو کھا جاتا ہے) یہ اشارے ساون مل ناظم ملتان اور اس کے تیسرے بیٹے کرم نرائن کاردار لیہ اور مولراج کاردار جھنگ کی طرف تھے۔

ہنوز مولراج کا پورا تسلط بھی نہ ہوا تھا کہ دربار لاہور نے یہ سن کر کہ ساون مل بے شمار دولت چھوڑ کر مرا ہے مولراج سے ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور نذرانہ یا خراج کے مانگا۔ اس وقت دس پلٹنیں جو ملتان کی تھیں ان میں سے 8 پلٹنیں تو مسلمانوں کی تھیں اور دو سکھوں کی۔

لاہور دیوان نے اس سے نذرانہ کا مطالبہ شروع کیا۔ مگر اس معاملہ میں ایک عرصہ تک خط وکتابت ہوتی رہی یہاں تک کہ مولراج کو یقین ہوگیا کہ سکھ فوج جموں سے واپس آ کر اس پر چڑھائی کرے گی اس لیے اٹھارہ لاکھ روپیہ دینے منظور کر لیے۔ لیکن اسی ماہ جس میں کہ یہ بات طے پائی تھی سردار جواہر سنگھ وزیر قتل ہوگیا اور ملک میں بے امنی اور بدنظمی پھیل گئی اور فوج خالصہ نے سرکار انگریزی کے خلاف ستلج کی جانب کوچ کر دیا۔ دوران لڑائی مولراج نے موعودہ نذرانہ ادا کرنے کی کوئی تجویز نہ کی اور پھر امن وامان ہو جانے پر دربار نے زر مطلوبہ کے وصول کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ مولراج کا پرانا دشمن راجہ لال سنگھ اب لاہور میں وزیر تھا۔ یہ امید تھی کہ دیوان کی جگہ اپنے بھائی بھگوان سنگھ کو مقرر کروا دے گا اسی بات کو مدنظر رکھ کر اس نے مطالبہ کے وصول کرنے کے لیے ملتان فوج بھیجنے پر نہایت اصرار کیا۔ اس وقت مولراج کا سرکار سے مقابلہ کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا اور جب مسر رلیا رام لاہور کی فوج لے کر بڑھا تو اس نے اپنی بہت سی فوج ملتان کی طرف ہٹالی۔ تاہم لیہ سے تین میل کے فاصلے پر دیوان کی کچھ غیر آئین فوج اور لاہور سے بڑھی ہوئی فوج کا مقابلہ ہوا۔ لاہور والی فوج ایک سخت لڑائی کے بعد مغلوب ہوگئی اور اس کا افسر اعلیٰ خزاں سنگھ چیالیہ قید کرلیا گیا۔

اس وقت بھی مولراج دربار کے ساتھ صلح کرنے کا خواہشمند تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ راجہ لال سنگھ سے رحم کی امید نہیں۔ اس نے میجر لارنس ریذیڈنٹ لاہور کی خدمت میں گزارش کی جن کے رسوخ کی وجہ سے دیوان کو لاکھٹکے لاہور آنے کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ وہ 9 اکتوبر 1846ء کو بمعہ دیوان دینا ناتھ جو ملتان سے اس کے ساتھ تھا لاہور پہنچ گیا۔ مولراج نے اس امر میں بہت کوشش کی کہ جتنا روپیہ اس سے مانگا گیا ہے اس سے کم لیا جائے اور آخیر نومبر میں ایک عہد نامہ تیار ہوا جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ دیوان اس روپیہ میں سے جو اس کی طرف واجب ہے اور جو فوراً ادا ہونا تھا آٹھ لاکھ روپیہ اس وقت ادا کرے اور باقی ماندہ بااقساط ادا کرتا رہے اور وہ اضلاع جن میں لیہ اور جھنگ کے حصے بھی شامل تھے اور جن پر سکھ فوج نے جو لاہور سے بھیجی گئی تھی قبضہ کرلیا تھا دربار کے ماتحت رکھے اور صوبہ کا باقی ماندہ دیوان کے پاس رہے جس کا وہ انیس لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتا رہے۔ ہر دو فریق اس انتظام سے مطمئن معلوم ہوتے تھے۔ اس لیے نومبر 1846ء کو مولراج ملتان واپس چلا آیا جہاں چند ماہ باطمینان تمام گزرے مگر ناظم اتنے عرصے تک کیونکر خاموش رہ سکتا تھا۔ صوبہ کا ایک حصہ

اس کے ہاتھ سے نکل ہی چکا تھا۔

اس لیے نومبر 1847ء میں دیوان پھر لاہور واپس آیا تا کہ عہد نامہ کی شرائط میں کچھ ترمیم کرائے اور یہ بھی فیصلہ کرے کہ اس کے خلاف کوئی شکایت نہ سنی جائے اس نے یہ بھی ارادہ کرلیا تھا کہ اگر اس کی درخواست منظور نہ کی گئی تو وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دے گا۔ مسٹر جے لارنس قائم مقام رزیڈنٹ نے اس کو منع کیا کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جو وہ مناسب جانے ویسا کرے۔ یہ تجویز سوچی گئی کہ وہ اپریل 1848ء میں استعفیٰ دے دے اور یہ کہ فی الحال دربار کو اس کے ارادہ کا پتہ نہ چلے اور یہ کہ دیوان کے استعفیٰ دینے سے دو تین مہینے پہلے دو انگریز افسر ملتان بھیجے جائیں جن کو دیوان وہاں کے حالات سے آ گاہ کرے اور یہی دونوں اس صوبہ کے منتظم مقرر ہوں۔

اس انتظام کے چند دن بعد دیوان ملتان چلا گیا۔ اپریل کے شروع میں ریذیڈنٹ نے یہ مناسب سمجھا کہ مولراج کے استعفیٰ دینے کے ارادے سے سرکار کو آ گاہ کر دے۔ دربار اور ریذیڈنٹ دونوں نے دیوان کو لکھا کہ اسے اب بھی اختیار ہے کہ وہ اپنے عہدہ پر بدستور قائم رہے مگر اس نے بیماری اور اپنے خاندانی تنازعات کی وجہ سے استعفیٰ دینے کی مکرر خواہش ظاہر کی چنانچہ دربار نے اس کا استعفیٰ منظور کرلیا۔ سردار کاہن سنگھ مان کو ناظم مقرر کیا گیا۔ مسٹر وانز ایگنیو صوبہ بنگال کے سولین کو صوبہ کا پولٹیکل ایجنٹ اور مسٹر اینڈرسن بمبئی احاطہ کی فوج کے لیفٹیننٹ کو ان کی نیابت میں مقرر کر کے یہ قرار پایا کہ سردار موصوف ان کے صلاح و مشورے سے کام کرے۔ یہ دونوں افسر ملتان روانہ ہوئے اور 17 اپریل کو وہاں پہنچ گئے اور دوسرے دن سردار کاہن سنگھ کے ساتھ مع اپنی ہمرکاب فوج کے شامل ہو گئے دیوان مولراج نے ان سے بڑی تہذیب کے ساتھ ملاقات کی اور یہ قرار پایا کہ دوسرے دن یہ دیوان کے ہمراہ قلعے میں جائیں۔ چنانچہ 19 تاریخ کی صبح کو یہ افسران مع دیوان اور گورکھوں کی دو کمپنیوں کے قلعے کے ملاحظے کے لیے روانہ ہوء مسٹر وانز ایگنیو صاحب نے گورکھوں کو قلعے کے ایک دروازے پر چھوڑ دیا اور دیوان کے ہمراہ جس نے ان کو چارج دینا تھا قلعہ کا ملاحظہ کرنے لگے۔ بعد ملاحظہ جب یہ لوگ دروازہ میں سے نکلنے لگے تو دیوان کے ایک سپاہی نے مسٹر ایگنیو کے نیزہ مارا اور گھوڑے سے گرا کر تلوار لے کر اس پر پل پڑا اور سخت زخمی کیا۔ لیفٹیننٹ اینڈرسن صاحب کا بھی یہی حال ہوا اور لوگ انہیں مردہ سمجھ کر زمین پر پڑا چھوڑ گئے

یہاں تک کہ گورکھا دستے نے ان کو زمین پر پڑا دیکھا اور اٹھا کر عید گاہ میں جو قلعے کے نزدیک ایک مضبوط عمارت تھی اور دونوں افسر ٹھہرے ہوئے تھے لے گئے اور وہیں مسٹر وانز ایگنیو بھی ان سے پہلے پہنچا دیئے گئے تھے۔ قلعہ کے دروازہ پر جس وقت ان افسروں پر یہ حملہ ہوا تو دیوان مولراج گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اسی دن پچھلے پہر سٹروانز ایگنیو صاحب بہادر نے اسے بلا بھیجا کہ وہ حاضر ہو کر اس کارروائی سے اپنی بے گناہی ثابت کرے لیکن وہ نہ آیا اور کہلا بھیجا کہ اس کی فوج اس کے آنے میں مزاحمت کرتی ہے۔ 20 تاریخ کی صبح کو قلعے میں سے عید گاہ پر گولہ باری شروع ہو گئی جس کا جواب اردلی سکھ فوج نے دیا مگر رات کو کرنیل ایشر سنگھ جو توپخانے کا کمیدان تھا بمعہ اپنی تمام سپاہ کے دشمن کے ساتھ جا ملا۔ اس کے بعد دشمن نے عید گاہ پر حملہ کر دیا مگر اب کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ بدنصیب انگریزی افسران سخت زخمی پڑے تھے اور ان کے سر ان کے زخمی جسموں سے کاٹ کر بڑے جوش کے ساتھ باغی دیوان کے پاس لے گئے۔

دیوان جانتا تھا کہ اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا اس لیے بڑی ہمت اور جرأت سے لڑائی کا انتظام کرنے لگا۔ اس نے اپنے قلعے کو مضبوط کر لیا اور بطور پیش بندی محاصرہ ہونے سے پہلے ہی سامان رسد کا ذخیرہ بہم پہنچا لیا اور انگریزی کمانڈر ان چیف نے موسم کے اچھا ہو جانے تک وہاں انگریزی فوج کو بھیجنا مناسب نہ جانا۔ اس طرح ریذیڈنٹ صاحب کو ناچار سکھ فوج بھیجنی پڑی۔ موسم گرما میں لیفٹیننٹ ایچ پی ایڈورڈ صاحب نے تھوڑی سی فوج سے جس میں نواب بہاولپور کی دی ہوئی امدادی فوج بھی تھی۔ مولراج کو روکے رکھا اور شیخ امام الدین خاں بھی جو سکھ جرنیلوں میں سے ایک تھا۔ انگریزی فوج اگست 1848ء میں ملتان پہنچ گئی۔ محاصرے کا توپخانہ 4 ستمبر کو ملتان پہنچ گیا اور 6 کو گولہ باری شروع کی۔ 14 ستمبر کو راجہ شیر سنگھ کے اپنی تمام فوج کے ساتھ باغی ہو جانے پر جنرل کو مجبوراً محاصرہ اٹھا لینا پڑا اور کمک کا انتظار کرنا پڑا۔ انگریزی فوج کے پاس کمک پہنچ گئی اور 27 دسمبر کو پھر قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔

ملتان میں کسی قدر سخت لڑائی کے بعد انگریزی فوج کو فتح نصیب ہوئی۔ 2 جنوری 1849ء کو اس نے شہر ملتان پر حملہ کیا اور اسے لے لیا اور 22 کو مولراج نے اپنی مرضی سے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کو لاہور لایا گیا (قتل) کا مقدمہ دائر کیا۔ جرم ثابت تھا اس لیے پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ لارڈ لہوزی گورنر جنرل نے ججوں کی سفارش پر بجائے سزائے موت

کے عبور دریائے شور کی سزا دی اور مولراج بحیثیت قیدی کلکتہ بھیجا گیا جہاں وہ دوسرے سال فوت ہو گیا۔ مولراج نہایت بدنیت تھا۔ اس کے مزاج میں کمینہ پن، طمع تھی اور یہ شکی تھا مگر اس دیوان نے ایک لڑکا ہری سنگھ چھوڑا جو 1848ء میں پیدا ہوا اور جس نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ یہ پراونشل درباری تھا۔ اس کو اس کی حین حیات کے لیے 1500 روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ چند سال تک یہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہا مگر بعد میں پنشن پا لی۔ اس کا انتقال 1903ء میں ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا دیوان بنسی لال خاندان کا سرکردہ بنایا گیا جسے 680 روپیہ سالانہ پولٹیکل پنشن ملتی تھی اور جو ایکٹ اسلحہ کی بعض دفعات سے مستثنیٰ تھا۔ وہ اکال گڑھ میونسپلٹی کا پریذیڈنٹ تھا۔ اکالی جتھوں کی گرفتاری میں پولیس کا ساتھ دے کر حکام مقامی کی بہت کچھ امداد کی۔ 1918ء میں اسے ضلع ملتان میں 5 مستطیل اراضی بطور جنڑی گرانٹ عطا ہوئے۔ دیوان بنسی لال 1929ء میں فوت ہوا اور اپنے پیچھے ایک بڑا کنبہ چھوڑا جس کی مالی حالت اچھی نہیں۔ خاندان کا موجودہ سرکردہ دیوان بال کرشن 1932ء میں اپنے باپ کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ یہ پراونشل درباری ہے اور اسے دیوان کا موروثی خطاب ملا ہوا ہے اور یہ نمبردار بھی ہے۔ آج کل یہ ریاست ہائے پنجاب کے آنریبل ریذیڈنٹ کے دفتر میں بطور منشی اور سپرنٹنڈنٹ کام کر رہا ہے اور اس کو حال ہی میں کارونیشن میڈل عطا ہوا ہے۔

ساون مل کا تیسرا لڑکا کرم نرائن ضلع لیہ میں اپنے باپ کا نائب تھا وہاں کی ملکی خدمات اس کے سپرد تھیں اور منکیرا کے مشہور قلعہ کا کمانڈر بھی تھا۔ اس کی مہربانی اور بے تعصبی کی وجہ سے لوگ اس سے بہت خوش تھے۔ ساون مل کی وفات کے بعد کرم نرائن اور اس کے بھائی مولراج میں سلوک نہ رہا جس نے 1847ء میں اسے اپنے گھر میں قید کر لیا۔ یہ دو مہینے تک قید رہا اور اس کے بعد اکال گڑھ میں آباد ہو گیا اور اپنے بھائی کی بغاوت میں کبھی شریک نہ ہوا۔

سردار رجونت سنگھ رئیس رڑیالہ

مشہور ہے کہ موضع رڑیالہ (ضلع گوجرانوالہ) سردار رجونت سنگھ کے ایک بزرگ چودھری تیج نے آباد کیا تھا۔ 1759ء کے قریب بھگت سنگھ (مورث اعلیٰ) سکھ ہو گیا اور اس نے اپنی لڑکی دیوی کی شادی ایک زبردست رئیس گوجر سنگھ بھنگی سے کر دی اس نے اس کو موموضع رڑیالہ بغیر کسی خدمت دینے کی شرط پر بطور جاگیر عطا کیا۔ گوجر سنگھ نے بھگت سنگھ کے

نوجوان لڑکوں سیوا سنگھ اور دیوا سنگھ کو بھی نوکر رکھ لیا اور ان کو نوشہرہ ضلع گجرات بطور جاگیر عطا کیا۔ سیوا سنگھ لڑائی میں مارا گیا اس کے بعد جاگیر گوجر سنگھ کے لڑکے صاحب سنگھ نے جو اپنے باپ کی جگہ بھنگی مسل کا کمیدان مقرر ہوا ضبط کر لی۔ موضع رڑیالہ البتہ دیوا سنگھ کے قبضے میں رہے۔ دیوا سنگھ کا بیٹا جودھ سنگھ ابھی 15 سال ہی کا تھا کہ سردار جودھ سنگھ سوریاں والے کی فوج میں بھرتی ہوا۔

1831ء میں جودھ سنگھ شہزادہ شیر سنگھ کے ہمراہ سید احمد (شہید) کے ساتھ لڑنے کے لیے گیا اور شہزادہ کی فتح ہوئی۔ 1834ء میں جودھ سنگھ راجہ ہیرا سنگھ کے ڈیرے میں ٹروپر مقرر ہوا۔ 1836ء میں کمیدان کے عہدے پر اس کی ترقی ہوئی اور اسی ڈیرے میں 1848ء تک رہا۔ رڑیالہ کی جاگیر جس کی آمدنی 12943 روپیہ تھی اس شرط پر تھی کہ دو سوار خدمت کے لیے دیئے جائیں۔ علاوہ ازیں 1848ء میں موضع کوٹلی ضلع گوجرانوالہ کی مزید جاگیر عطا ہوئی۔ ان ایام میں سردار جودھ سنگھ اپنی سرکار کی خدمات بڑی اچھی طرح انجام دیتا رہا۔ یہ دیوان حکم رائے کے ماتحت جو اس وقت ممدوٹ اور مکتسر کا حاکم تھا خدمات انجام دیتا رہا اور بعد ازاں ماجھے بھیجا گیا۔ ستلج کی لڑائی کے بعد جودھ سنگھ بمشاہرہ 3000 روپیہ جس میں اس کی جاگیر کی آمدنی بھی شامل تھی امرتسر میں عدالتی افسر مقرر کیا گیا اور 1849ء میں پنجاب کے الحاق کے بعد اسے امرتسر ہی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا اور دسمبر 1862ء تک جب کہ یہ سرکار کی ملازمت سے علیحدہ ہوا امرتسر ہی میں رہا۔

49-1848ء کے مفسدے میں سردار جودھ سنگھ سرکار کا خیر خواہ رہا۔ 1857ء میں مسٹر ایف کوپر کی معیت میں اس نے میانمیر کے باغیوں کا تعاقب کیا اور بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کام کیا۔ الحاق کے زمانے سے لے کر 1862ء کے شروع تک یہ دربار صاحب امرتسر کا منتظم رہا۔ جودھ سنگھ کی خدمات کے صلے میں گورنمنٹ اسے 1862ء میں ملازمت سے علیحدہ ہونے پر اس کی حین حیات تک پوری تنخواہ مبلغ 4300 روپیہ دیتی رہی۔ موضع رڑیالہ اور کوٹلی اس کی حین حیات تک بطور معافی واگزار ہوئے اور موضع کوٹلی بمعہ رڑیالہ کے دو چاہات اس کے ورثا کو دیئے گئے۔ اس کو رکھ شکر گڑھ میں 150 ایکڑ زمین بھی بطور عطیہ ملی۔ اگست 1864ء میں سردار جودھ سنگھ امرتسر میں فوت ہوا۔

جودھ سنگھ کا سب سے چھوٹا بھائی سردار مان سنگھ 25 سال کی عمر میں راجہ سچیت سنگھ کی

فوج میں داخل ہوا اور پشاور کی فتح اور ٹرانس انڈس کی لڑائی میں شامل رہا۔ اس کے بعد یہ راجہ ہیرا سنگھ کے بریگیڈ میں داخل ہوا۔ یہ مدکی فیروشاہ اور سبراؤں کے مقامات پر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑائی کے بعد لاہور میں 50 سواروں کے ایک دستے کا کمیدان ہو گیا۔ 1848ء میں اسے امرتسر بھیجا گیا۔ 1857ء میں کرنل آر لارنس کے ماتحت پولیس میں داخل ہوا اور 1857ء تک اسی میں رہا۔ غدر کے شروع ہوتے ہی یہ رسالہ کے تین دستوں کے ساتھ جن میں سے ایک نواب امام الدین خاں نے ایک راجہ تیج سنگھ نے اور تیسرا زیادہ خود مان سنگھ نے بھرتی کیے تھے دلی پہنچا اور میجر ہڈسن کو بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور تین شہزادگان کی گرفتاری اور پھانسی دینے میں امداد کی۔

مان سنگھ 1858ء کے موسم گرما میں برابر لڑتا رہا۔ اس لڑائی کی خدمات کے عوض میں اس نے آرڈر آف میرٹ حاصل کیا۔ 59-1858 میں اودھ کی لڑائی میں شریک ہوا اور بہت سے خطرناک موقعوں پر موجود رہا۔ مان سنگھ کی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے اسے 600 روپیہ سالانہ کی مالیت کی جاگیر اودھ میں اور 400 روپیہ سالانہ کی جاگیر پنجاب میں عطا کی۔

جودھ سنگھ کا دوسرا بیٹا ہرسا سنگھ اپنے چچا مان سنگھ کی طرح بنگال کے نویں رسالے میں رسالدار تھا۔ یہ اودھ کی آخری تمام بڑی لڑائیوں میں جن میں سلطان پور اور فیض آباد کی لڑائیاں بھی شامل ہیں بڑی بہادری کے ساتھ لڑا۔ اس کا انتقال 1860ء میں ہوا۔

اس کا بیٹا پرتاب سنگھ اپریل 1861ء میں پولیس میں صوبیدار بھرتی ہوا۔

سردار مان سنگھ 1877ء میں ملازمت سے علیحدہ ہوا اور امرتسر میں رہائش اختیار کی۔ 1879 میں یہ آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا اور اسی سال دربار صاحب کا منیجر مقرر کیا گیا۔ اس کو سی آئی ای کا خطاب ملا ہوا تھا اور یہ پراونشل درباری اور امرتسر کی میونسپل کمیٹی کا ممبر تھا۔

مان سنگھ 1892ء میں فوت ہوا اس کا سب سے بڑا بیٹا جواہر سنگھ اس کی جگہ پراونشل درباری بنا اور گوجرانوالہ کا ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔ جواہر سنگھ 1907ء میں فوت ہوا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا سردار رجونت سنگھ ذیلدار رڑیالہ چونکہ پراونشل درباری بنایا گیا ہے اس لیے اب خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔

لالہ گنڈا مل سرگباشی رئیس سودھرہ

لالہ گنڈا مل سودھرہ کے خاندان کا بزرگ دیانت رائے نادر شاہ فاتح کابل اور دہلی کی

ملازمت میں داخل ہوا۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ کے عہد حکومت میں دیانت رائے کے بیٹے گوتو مل کو کابل میں کوئی ملازمت نہ ملی اس لئے یہ ملازمت کی تلاش میں پنجاب چلا آیا اور موضع بھیرہ ضلع شاہ پور میں آباد ہو گیا۔ سردار گوجر سنگھ بھنگی کی ملازمت کر لی۔ یہ اپنی وفات تک گوجر سنگھ اور صاحب سنگھ کی ملازمت میں دیوان کے عہدے پر متعین رہا۔ اس کا بیٹا رام کور اس کی جگہ دیوان ہوا اور 1810ء تک جب کہ رنجیت سنگھ نے صاحب سنگھ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا اسی عہدہ پر سرفراز رہا۔ رام کور بوجہ ضعیف العمری ملازمت کے قابل نہ رہا تھا اس لیے اس نے اپنے تین لڑکوں کو لاہور میں نوکر کرا دیا۔ دیوان دھنپت رائے کو جو رام کور کے لڑکوں میں سب سے بڑا تھا مجیٹھہ' جگدیو کے مواضعات جاگیر میں ملے جس کا 1814ء میں سودھرہ کے اس علاقہ سے جس کی مالیت 21000 روپے تھی اور جو (ایک زمانہ میں) اس کے پرانے آقا کی ملکیت تھا تبادلہ کر دیا گیا اس کے بعد ماجھا کا علاقہ اس کے سپرد کیا گیا جہاں یہ چند سال تک رہا۔ منکیرہ اور کشمیر میں اچھی خدمات کیں۔ 1831ء میں دیوان دھنپت رائے کی وفات پر خاندان میں کل جاگیر 43500 روپیہ کی تھی جو علاوہ سودھرہ کی جاگیر کے جوان کو 78 سوار سرکار میں دینے کی شرط پر تھی باقی سب ضبط ہو گئیں۔ اس وقت دیوان دھنپت رائے اور نرائن داس کانگڑہ اور نور پور کے اضلاع کے کارداروں سے مال گزاری سرکار وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ دیوان دھنپت رائے کا انتقال 1856ء میں ہوا۔ حکم چند اور کشن چند نے سودھرہ میں رہائش اختیار کی جہاں موخر الذکر 1905ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا محکم چند اس سے پہلے 1901ء میں فوت ہو گیا تھا۔

دیوان بشن داس 1883ء میں لاولد فوت ہوا۔ یہ دس سال سے زیادہ وزیر آباد کا آنریری مجسٹریٹ رہا۔

اس وقت خاندان کا بزرگ دیوان دھنپت رائے مور گباشی کا لڑکا لالہ گنڈا مل ہے۔ یہ ڈویژنل درباری ہے اور پہلے تحصیلدار تھا۔ اسے 500 روپیہ سالانہ خاندانی پنشن اس کی حین حیات تک ملتی ہے۔ جھنڈا مل بھی اپنی وفات یعنی 1892ء تک اتنی ہی پنشن پاتا رہا۔ لالہ گنڈا مل کے خاندان میں وزیر چند نائب تحصیلدار تھا گیان چند کرنال سیٹلمنٹ میں قانونگو اور گنڈا مل کا پوتا گوری شنکر کانگڑہ میں سب انسپکٹر پولیس تھا۔

MashalBooks.com

دیوان بدری داس دگل

1635ء کے قریب شہنشاہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں بابا ہریا رام وزیر آباد میں آباد ہوا جس کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ شاہی گورنر وزیر خاں نے از سر نو آباد کیا تھا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ ہریا رام گورنر کا بہت عرصہ تک ملازم رہا اور جب اس کے لڑکے جوان ہو گئے تو اس نے دینا کو ترک کر دیا اور ایک اپنا پنتھ بنایا جو اب تک ہرملاپی کے نام سے مشہور ہے۔

ہریا کی اولاد میں پہلا شخص جو سکھوں کی ملازمت میں آیا کشن کور تھا۔ یہ شخص اس سردار گوربخش سنگھ وزیر آبادی کے ساتھیوں میں داخل ہوا جس کو سردار چڑھت سنگھ کا دوست اور خیر خواہ کہا جاتا تھا۔ کشن کور کا بیٹا شیو دیال رئیس سکر چکیہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ جب رنجیت سنگھ نے دھنی کا علاقہ فتح کیا تو شیو دیال کو وہاں کا منتظم مقرر کر دیا اور بوجہ پیرانہ سالی شیو دیال نے اپنے لڑکے شنکر داس اور کنھیا لال کو دربار میں ملازم کرا دیا اور خود علیحدہ ہو کر وزیر آباد چلا آیا۔

شنکر داس 1832ء میں فوت ہوا۔ جب پنڈ دادنخاں کی نمک کی کانیں راجہ گلاب سنگھ والیے جموں کو دی گئیں تو اس کا بھائی کنھیا لال اس کے ماتحت ان کانوں کا مینیجر مقرر کیا گیا اور اس کو اور اس کے بڑے بیٹے رتن چند کو الحاق کے زمانہ تک نمک کی آمدنی میں سے روپیہ بطور وظیفہ ملتا رہا۔ رتن چند 1831ء سے 1849ء تک دربار منشی کے عہدہ پر رہا۔ یہ اور اس کا بھائی ٹھاکر داس دربار میں معزز رہے۔ رتن چند ابھی نو عمر ہی تھا کہ مہاراجہ کی مہر اس کے سپرد کی گئی اور مدت تک اسی کی تحویل میں رہی اور اس کے متعلق جو مقررہ حقوق تھے وہ اس کو ملتے رہے بعد ازاں یہ گھوڑ چڑھا خاص میں کمیدان ہو گیا اور کچھ عرصہ کے لیے اس کا بھائی ٹھاکر داس تحویل دار مہر مقرر ہوا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں رتن چند اور ٹھاکر داس دونوں بھائی لاہور میں مختلف عہدوں پر سرفراز رہے۔

49-1848ء میں رتن چند پر کسی قدر شبہ ہو جانے کی وجہ سے علاوہ ان دو باغات کے جن میں سے ایک لاہور میں تھا اور دوسرا وزیر آباد میں اس کی تمام جاگیر ضبط ہو گئی (بعد ازاں) یہ جاگیر نسلاً بعد نسلاً واگزار ہو گئی اور نیز اس کی حین حیات کے لیے 3600 روپیہ کی پنشن دی گئی۔

MashalBooks.com

رتن چند کا انتقال 1857ء میں دولڑکے منوہر لال اور نرنجن داس چھوڑ کر ہوا۔ منوہر لال تحصیلدار تھا اور اپنے باپ کی جگہ ڈویژنل درباری بنا دیا گیا تھا اور نرنجن داس ریاست بیکانیر میں ملازم تھا۔ منوہر لال کے دولڑکے آتما رام اور سنت رام ہیں جنہوں نے اپنے بہنوئی جگن ناتھ پوری بیرسٹرایٹ لاء سیالکوٹ کی زیر سرپرستی تعلیم پائی۔ ان دونوں بھائیوں کے نام تحصیلات وزیر آباد اور لاہور کی کچھ جاگیر ہے۔ ان میں سے بڑا یعنی آتما رام پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہے اور آج کل چیف انجینیئر ناردرن کمانڈ راولپنڈی کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہے۔ چھوٹا لڑکا سنت رام گورنمنٹ ہند کے محکمہ ملٹری اکاؤنٹ میں ملازم ہوا۔

ٹھاکر داس کا بڑا بیٹا کرم چند پشاور کے بندوبست میں کچھ عرصہ بطور منصرم ملازم رہا اور 1904ء میں تین لڑکے چھوڑ کر فوت ہوا جن میں سے سب سے بڑا دھنپت رائے ریاست جموں میں نائب تحصیلدار تھا جہاں وہ اپنی وفات یعنی 1927 تک مقیم رہا۔ کرم چند کا دوسرا بیٹا ڈاکٹر کل بوشن جو ایل آر سی پی اینڈ ایس (ایڈ بنرا) اور ڈی پی ایچ لنڈن) ہے۔ 1912ء سے سرینگر میں ہیلتھ افسر ہے اور اس کا بھائی ہری چند وزیر آباد میں وکالت کرتا ہے۔ کرم چند کا بھائی کشن گوپال تحصیل دار تھا اور اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے پر مذہبی افکار میں مشغول ہو گیا اور اس نے بہت سی مذہبی کتابیں لکھی ہیں۔ کرم چند کا ایک دوسرا بھائی سکندر لال وزیر آباد میں بارسوخ آدمی تھا جہاں اس نے وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہائی سکول قائم کیا جو اب ایم بی ہائی سکول وزیر آباد کہلاتا ہے۔ اس کا بیٹا راجندر لال شکر گڑھ میں تحصیلدار ہے اور ہری گوپال کا لڑکا نتائی گوپال جو پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہے کوئٹہ میں ملازم ہے۔ راجندر لال اور اس کے بھائی ہری گوپال کو ضلع منٹگمری میں 5 مربعہ جات اراضی بطور جنتری گرانٹ ملے ہوئے ہیں۔

رتن چند کا سب سے چھوٹا بیٹا بھائی نند گوپال 1840ء میں خالصہ گورنمنٹ میں دربار منشی ہوا۔ الحاق کے بعد نند گوپال سرکار (انگریزی) کی ملازمت میں لیا گیا۔ پہلے پہل اسے گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کا کوتوال مقرر کیا گیا اور بعد ازاں پہلے وزیر آباد کا اور پھر موگا کا تحصیلدار ہو گیا۔ اس کے پوتوں بدری داس اور حکومت رائے کے پاس تقریباً 1000 گھماؤں اراضی بہت سی سکنی جائیداد کے علاوہ ہے جو وزیر آباد، گوجرانوالہ اور لاہور میں واقع ہے۔ بدری داس ریاست جموں میں نائب تحصیلدار تھا اور اس نے اس عہدہ سے

MashalBooks.com

سبکدوش ہونے کے وقت سے آج تک جنگ عظیم کے دوران میں اوراس کے بعد پنجاب کی شورشوں کے وقت گورنمنٹ کی اچھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہ ڈویژنل درباری' آنریری مجسٹریٹ اور نامزدشدہ میونسپل کمشنر ہے۔ اس کے دولڑکے ہیں جن میں سے بڑا لابھ چند ایڈ بنرگ یونیورسٹی کا ایم اے بی ایس سی (زراعت) اور بیرسٹرایٹ لاء ہے اور گوجرانوالہ میں وکالت کرتا ہے اور چھوٹا لڑکا کیشب چندر پنجاب یونیورسٹی کا پاس شدہ وکیل ہے۔ بدری داس کا چھوٹا بھائی کرنل ڈاکٹر حکومت رائے انڈین میڈیکل سروس کا ایک افسر ہے اور اس کی ملازمت خاص طور پر شاندار رہی ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں یہ بہت سی لڑائیوں میں شامل رہا اور اسے ملٹری کراس تمغہ ملا ہوا ہے۔ لڑائی کے اختتام پر یہ پنجاب میں سول سرجن مقرر کیا گیا اور اس کے بعد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں پروفیسر ہوگیا۔ 1935ء میں یہ ترقی پا کر انسپکٹر جنرل سول ہسپتال پنجاب ہوا اور بعدازاں دہلی میں انڈین میڈیکل سروس کا ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوا۔

دیوان ہربنس سنگھ رئیس حافظ آباد

دیوان ہربنس سنگھ رئیس حافظ آباد کا بزرگ لچھی رام معزز کپور کھتری 1740ء کے قریب لاہور چھوڑ کر حافظ آباد چلا گیا جہاں اس نے شادی کر لی اور وہیں آباد ہوگیا۔ اس خاندان میں سب سے پہلا شخص جس نے سکھ سرکار کی ملازمت اختیار کی گوردت سنگھ تھا۔ اس کی شادی دیوان ساون مل ناظم ملتان کے بڑے بھائی لالہ نانک چند کی ایک لڑکی سے ہوئی جس کے بطن سے دولڑکے تھے۔ جن میں سے ایک ہرسکھ رائے تھا۔

گوردت کے بھائی رام رنگ کی شادی دیوان ساون مل کے دوسرے بھائی لالہ گورمکھ رائے کی لڑکی سے ہوئی اور یہ اپنے اس رشتہ دار کے ماتحت پہلے کاردار اور بعدازاں بمشاہرہ 1800 روپیہ سالانہ کمیدان ہوا۔ ایک بھائی رام رکھا مل جس کا انتقال 1883ء میں ہوا ساون مل کے ماتحت کاردار تھا۔

ہرسکھ رائے 1833ء میں ملتان گیا جہاں دیوان ساون مل نے اس کو عدالتی جج مقرر کیا اور اس کے بعد ہی فوراً اس کو ایک فوجی عہدہ مل گیا مگر یہاں یہ صرف دو ہی سال رہا تھا کہ اس نے رخصت نہ ملنے پر ناراض ہو کر ملازمت ترک کر دی اور لاہور چلا آیا۔ 1836ء میں راجہ دھیان سنگھ کی مہربانی کی وجہ سے اسے دربار میں ایک معقول عہدہ مل گیا۔

جب راجہ لال سنگھ کو اختیارات ملے تو ہرسکھ رائے پر نظر التفات کی گئی اور اس کو جرنیل مقرر کیا گیا اور اس بریگیڈ کی کمان ملی جو کبھی کسی مفسدہ میں اس کی مدد کرے گا۔ نیز اس کو پٹی کا جو لاہور کی جنوب مغربی حد پر واقع ہے کاردار مقرر کیا گیا باوجودیکہ اس کے مخالفوں نے اس کی مخالفت بھی کی اور کہا کہ جس علاقہ کو تباہ کرانا منظور ہو تو وہاں ہرسکھ رائے کو بھیج دینا ہی کافی ہے۔ جرنیل (ہرسکھ رائے) اس کا بھائی رام داس پٹی میں خدمات دیوان انجام دیتا رہا اور ہرسکھ رائے لاہور میں متعین رہا۔ یہاں تک کہ سال کے اخیر میں راجہ لال سنگھ مورد عتاب ہوا اور اس کے ساتھ ہی ہرسکھ رائے بھی معزول ہو گیا۔

ملتان کے 1848ء کے مفسدہ کے بعد ہی کرنل ایچ لارنس نے اپنی خواہش سے ہرسکھ رائے کو بمشاہرہ 4310 روپیہ سالانہ پر دوبارہ کاردار مقرر کر کے ماجھے بھیجا۔ ہرسکھ رائے اپنے فرائض منصبی نہایت خیرخواہی سے انجام دیتا رہا اور اس نازک وقت میں اس نے بڑی سرگرمی سے قابل وقعت خدمات انجام دیں۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر اس کی 1700 روپیہ کی جاگیر اس کی حین حیات کے لیے واگزار ہوئی اور اسے 428 روپیہ کا ایک خاص وظیفہ دیا گیا اور تحصیل دار مقرر کیا گیا۔ اس عہدہ پر یہ 1865ء تک رہا۔

ہرسکھ رائے کا بڑا لڑکا جیون داس 1887ء میں فوت ہوا۔ لالہ کرپارام ڈویژنل درباری تھا اور اس کی جگہ خاندان کے باقی اراکین سے اوپر تھی۔ اس کا انتقال 1919ء میں ہوا۔

سردار جیون داس کا بیٹا دیوان ہری کشن خاندان کا دوسرا معزز رکن ہے۔ یہ گوجرانوالہ کی ڈسٹرکٹ وار لیگ کا ممبر رہا ہے۔

جنرل ہرسکھ رائے کا چچازاد بھائی لالہ رام دیال حافظ آباد کا نمبردار اور ذیلدار ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر اور ڈویژنل درباری تھا۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا لالہ سائیں داس جانشین ہوا جس نے صدر قانونگو اور تحصیلدار کے عہدہ سے پنشن پائی۔ لالہ سائیں داس بھی ذیلدار ڈویژنل درباری تھا۔ لالہ سائیں داس کا بیٹا لالہ سری ناتھ اپنی وفات تک نائب تحصیلدار رہا۔

لالہ سری ناتھ مالک اراضیات کئی مواضعات کا نمبر دار' ذیلدار' ڈویژنل درباری' آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر تھا۔ اس نے جنگ عظیم کے دوران میں بہت سے رنگروٹ بھرتی کرائے اور مختلف جنگی فنڈوں میں دریا دلی سے چندے دیئے۔ لالہ سری ناتھ کا انتقال

1931ء میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا لڑکا ہربنس سنگھ جانشین ہوا جو کچھ عرصہ کے لیے ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھا اور اب ڈویژنل درباری اور دو مواضعات کا نمبردار ہے۔ اس نے جارج پنجم آنجہانی کی سلور جوبلی کی یادگار میں حافظ آباد میں ایک دروازہ تعمیر کرایا اور اب یہ اس خاندان کا سرکردہ ہے۔ اس کا لڑکا لالہ نرسنگھ داس حافظ آباد کا نمبردار اور ذیلدار، ڈسٹرکٹ درباری اور حافظ آباد کی میونسپلٹی کا وائس پریذیڈنٹ ہے۔

رائے بہادر سردار امریک سنگھ حسن والہ رئیس رام نگر

رام سنگھ حسن والہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک کھتری کا بیٹا ابھی بچہ ہی تھا کہ سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے پاس ملازم ہوا۔ اپنی تھوڑی سی زندگی میں مہاں سنگھ رام سنگھ کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتا رہا اور اس کو بہت سی جاگیر دی۔ 1813ء میں رام سنگھ نے اپنے دو بڑے لڑکوں گورمکھ سنگھ اور سکھا سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل کرایا اور اس کے چند سال بعد دونوں چھوٹے لڑکے عطر سنگھ اور پرتاب سنگھ گھوڑ چڑھا کلاں میں ملازم ہو گئے۔ سردار رام سنگھ ایک لایق سپاہی تھا اور اس نے مع اپنے بیٹوں کے کشمیر، ملتان، مانکیر، پشاور اور بنوں کی لڑائیوں میں خدمات انجام دیں۔ اس نے 95 سال کی عمر میں وفات پائی۔

رام سنگھ کی وفات پر اس کی جاگیر کا بہت سا حصہ ضبط ہو گیا مگر اس کے تین بیٹوں گورمکھ سنگھ، سکھا سنگھ اور عطر سنگھ کو علیٰ قدر مراتب کی جاگیریں ملیں۔ بغاوت 1848ء کے شروع ہونے پر خاندان کے بہت سے لوگ باغیوں کے ساتھ مل گئے اور گجا سنگھ اور سردول سنگھ چیلیانوالہ کے مقام پر مارے گئے۔ اس (بغاوت میں شریک ہونے) کی وجہ سے جاگیر ضبط ہو گئی۔

1857ء میں عطر سنگھ کا بیٹا بھاگ سنگھ سرکار انگریزی کی ملازمت میں جمعدار بھرتی ہوا اور ہندوستان بھیجا گیا جہاں وہ لڑائی کے ختم ہونے پر فوج کی تخفیف میں آنے تک اچھی خدمات کرتا رہا۔

بھاگ سنگھ موضع رام سنگھ موضع رام نگر ضلع گوجرانوالہ کا ذیلدار اور اعلیٰ نمبردار تھا۔ اس کا بیٹا امریک سنگھ کچھ عرصہ برہما پولیس میں صوبیدار رہا اور بعد ازاں محکمہ ٹھگی ڈکیتی کا اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ہو گیا۔ ملازمت سے علیحدہ ہونے پر اسے رائے بہادر کا خطاب اور چناب نہر پر 25 مربعے اراضی ملی۔ یہ ڈویژنل درباری اور آج کل بزرگ خاندان ہے۔ عطر سنگھ کا سب

MashalBooks.com

سے چھوٹا بیٹا خوشحال سنگھ قسمت راولپنڈی میں تحصیلدار تھا۔

کرم الٰہی چٹھہ

چٹھے مسلمانوں کی ایک بڑی قوم ہیں جو ضلع گوجرانوالہ کے پرگنہ حافظ آباد میں آباد جہاں ان کے 78 دیہات ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ دراصل چوہان راجپوت ہیں اور ضلع دہلی سے نقل مکان کر کے پنجاب میں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سب سے پہلے گاگو نامی ایک شخص نے تقریباً 1600ء میں مذہب اسلام قبول کیا اور اس کی قوم کے باقی اشخاص نے بعدازاں اس کی تقلید کی۔ نور محمد 1704ء میں پیدا ہوا۔ جب یہ جوان ہوا تو راجہ رنجیت دیو والیے جموں اور رئیسان ملتان نے اس سے دوستی کرنی چاہی کیونکہ چٹھے اب بہت طاقتور ہو گئے تھے اور نور محمد کو انہوں نے اپنا سردار مان لیا تھا۔ جب نور محمد بڑھا ہو گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا احمد خاں جو ایک بہادر اور لایق سپاہی تھا چٹھوں کو لڑائی پر لے جاتا رہا۔ اس قوم کے بڑے دشمن گوجرانوالہ کے رئیسان سکر چکیہ تھے جو ہمیشہ اپنے علاقوں کو بڑھانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ سردار چڑھت سنگھ کے زمانہ میں چٹھے اپنے علاقے کو سنبھالتے رہے اور 1865ء میں احمد خاں نے بھنگیوں کی مشہور توپ چڑھت سنگھ نے گوجرانوالہ میں رکھی تھی چھین لی۔ اس واقعہ کے بعد ہی احمد خاں اور اس کے بھائی پیر محمد خاں میں جھگڑا شروع ہو گیا اور یہ دونوں کچھ عرصہ آپس میں لڑتے رہے۔ آخر کار پیر محمد نے گوجر سنگھ اور صاحب سنگھ بھنگی سے مدد مانگی جنھوں نے احمد خاں کو ایک مشورے میں بلا کر گرفتار کر لیا اور پانی دیئے بغیر رکھا یہاں تک کہ اس نے بھنگیوں والی توپ دینے کا اقرار کر لیا جس کو وہ گجرات کے قلعہ میں لے گئے۔

احمد شاہ درانی کے والیسرائے میر منو نے چند ماہ تک منچر کے قلعہ کا محاصرہ رکھا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی تو شہنشاہ نے خود پنجاب پر چڑھائی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شہنشاہ نے چٹھا سرداروں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا اور ان کو ان کے علاقوں پر مستقل کر دیا۔ چٹھوں کا دشمن سردار چڑھت سنگھ 1774ء میں فوت ہوا اور اس کے بعد ہی نور محمد اور اس کے بیٹے پیر محمد کا بھی انتقال ہو گیا۔

غلام محمد کی اس وقت سے جس وقت سے کہ وہ اپنے باپ کا جانشین ہوا سکر چکیہ سرداران سے دشمنی شروع ہو گئی۔ چڑھت سنگھ کا بیٹا سردار مہاں سنگھ اور غلام محمد دونوں قابل

اور بہادر آدمی تھے۔ ایک عرصہ تک چھٹے بڑے بااقتدار آدمی رہے اور مہاں سنگھ کو کئی مواقع پر شکست دی۔ مہاں سنگھ نے ایک دفعہ جوکیاں کا جو غلام محمد کے چچا میاں خاں کے قبضہ میں تھا محاصرہ کیا اور ایک سخت لڑائی کے بعد طرفین صلح کر لینے پر راضی ہو گئے مگر مہاں سنگھ نے میاں خاں کو غافل پا کر پکڑ لیا اور قید کر کے اپنے ساتھ لے آیا اور توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیا۔ آخر کار 1790ء میں مہاں سنگھ بڑا زبردست ہو گیا اور اپنی تمام فوجیں جمع کر کے منچر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چھ مہینہ سے زیادہ عرصہ تک رہا اور غلام محمد نے یہ دیکھ کر کہ وہ اب قلعہ منچر کو زیادہ عرصہ تک بچا نہیں سکتا اس شرط پر شکست مان لی کہ اسے بلا خوف وخطر مکہ معظمہ جانے کی اجازت مل جائے۔ مہاں سنگھ نے حلف دے دیا مگر حلف دینے کے بعد ہی اس کے کسی سپاہی نے اس کے حکم سے یا اس کے ایما سے بہادر چٹھہ سردار کے سر میں گولی مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر مہاں سنگھ نے منچر کو لوٹ لینے کا حکم دے دیا اور چٹھوں کے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گیا۔

غلام محمد کا لڑکا جان محمد کابل کی طرف بھاگ گیا۔ اور پھر 1797ء میں شاہ زمان کے ہمراہ واپس آیا اور افغانوں کی مدد سے اپنے چناب کے علاقوں پر قابض ہو گیا مگر جب شاہ زمان افغانستان واپس چلا گیا تو رنجیت سنگھ نے چٹھوں کے زور کو ہمیشہ کے لیے توڑ دینے کے ارادہ سے رسول نگر پر حملہ کیا۔ ان لوگوں نے جو رسول نگر میں محصور ہو گئے تھے رنجیت سنگھ کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر آخر کار جان محمد ایک توپ کے گولے سے مارا گیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔

رسول نگر کے فتح ہو جانے کے بعد خاندان کی تاریخ میں کوئی بات قابل بیان نہیں کیونکہ جان محمد کے بیٹوں کو رنجیت سنگھ نے تھوڑی سی جاگیر دے دی تھی اور وہ سکھوں کے غیر آئین رسالہ میں ملازم ہو گئے تھے۔ اس خاندان کے کئی آدمیوں نے 1848ء اور 1857ء کے دونوں موقعوں پر سرکار انگریزی کی خدمات انجام دیں۔ قادر بخش اور بہرام خاں کے بھائی کے پوتے کرم الٰہی کے پاس 90 روپیہ سالانہ آمدنی کی تھوڑی سی معافی ہے۔ اس کی احمد نگر میں 1200 گھماؤں اراضی ہے اور لائلپور میں مختلف دکانیں اور مکانات ہیں جن سب کی آمدنی تقریباً 5200 روپیہ سالانہ ہے۔ یہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر' احمد نگر ضلع گوجرانوالہ کا ذیلدار اور ڈویژنل درباری ہے۔ اس کے بیٹے ناصر الدین نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے اور

تحصیلدار کا منظور شدہ امیدوار ہے۔1937ء میں ایم ایل اے منتخب ہو گیا تھا۔

فی زمانہ چٹھہ جاگیرداران میں صرف جان بخش کی اولاد مویشی کی چوری کے لیے مشہور ہے۔ جان بخش 1794ء میں اپنی قوم کے دشمن سردار مہاں سنگھ کے ساتھ جو اس کے موضع گاجر گولا پر چڑھ آیا تھا اور بہت سی دولت لوٹ کر لے گیا تھا ایک لڑائی میں مارا گیا۔ جب رنجیت سنگھ اپنے باپ کا جانشین ہوا تو جان بخش کا لڑکا خدا بخش اور اس کے لڑکے رنجیت سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو 12000 کی مالیت کی جاگیر عطا کی گئی اور گھوڑ چڑھوں میں ملازم رکھے گئے۔ خدا بخش نے مہاراجہ کے ساتھ قصور' ملتان' مانکیرا' کشمیر اور پشاور کی تمام بڑی بڑی لڑائیوں میں خدمات کر کے اپنی بہادری کی وجہ سے بڑی ناموری حاصل کی۔ اس خاندان کا وساکھا سنگھ کاردار قاریاں آباد سے جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے کوٹ جان بخش' گاجر گولا اور دو اور مواضعات کی جاگیر کے علاوہ ان کی ساری جاگیر ضبط ہو گئی اور 2500 روپیہ کی نقد پنشن ان کے نام جاری رہی۔

49-1848ء کے مفسدوں میں خدا بخش اپنی سرکار کا وفادار رہا اور اس کے دو پوتے غلام حیدر اور شمس الدین قاریاں آباد کے تھانہ دار اور نائب تھانہ دار مقرر کیے گئے۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر گاجر گولا جو 1500 کی مالیت کا تھا خدا بخش کی حین حیات کے لیے واگزار ہوا۔ خدا بخش کا انتقال 1857ء میں ہوا اور دو تہائی جاگیر ضبط ہو گئی باقی ایک تہائی اس کے ورثا کے نام نسلاً بعد نسلاً رہی۔ گاجر گولا اور اس کے گردونواح کی 2700 ایکڑ اراضی ان کے قبضہ میں ہے۔

دیوان برج لال رئیس ایمن آباد

دیوان برج لال کا خاندان تمام شمالی ہندوستان میں اس وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہے کہ اس کے بہت سے اراکین کے ریاست جموں وکشمیر میں مدتوں سے نہایت گہرے تعلقات چلے آتے ہیں۔ یہ لوگ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد حکومت کے شروع سے لے کر 1917ء میں دیوان امرناتھ کی وفات تک دیوان یا وزیر اعظم کے عہدوں پر سرفراز چلے آئے ہیں۔

خاندان کی تاریخ رائے اگرسین رئیس بیکانیر سے شروع ہوتی ہے جو شہنشاہ بابر کا پیشکار

یا سکرٹری تھا۔ یہ شخص شہنشاہ مذکور کے ساتھ پنجاب کے دورے میں آیا اور ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کے قانونگو کھتریوں میں شادی کر کے یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ دیوان امرناتھ کے پردادا کا باپ بشن داس مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ سردار مہاں سنگھ سکر چکیہ کے ہاں بطور منشی ملازم ہوا۔ اس کا بیٹا امیر چند علاقہ بیوال میں راجہ کا کارکن مقرر ہوا۔ 1836ء میں وہ فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا دیوان جوالا سہائے مقرر ہوا جو تقریباً تیس سال تک مہاراجہ کا وزیر خاص رہا تھا اور جس نے بوجہ مختار کل ہونے کے سرکار انگریزی کی بڑی بڑی خدمات کی تھیں۔ ایام غدر میں اس کی وفادارانہ خدمات کا وائسرائے نے خاص طور پر اعتراف کیا۔ جوالا سہائے کو 1875ء میں سی ایس آئی کا خطاب ملا۔ اس کا بیٹا دیوان کرپارام اپنی وفات تک جو 1878ء میں ہوئی دیوان کے عہدہ پر متعین رہا۔ یہ شخص علوم مشرقیہ کا خاصا ماہر تھا۔ اس نے کئی ایک فارسی کتابیں بھی لکھی تھیں جن میں تاریخ کشمیر اور گلاب نامہ یعنی تاریخ مہاراجہ گلاب سنگھ بھی شامل ہیں۔ یہ اپنے باپ کی نسبت اصلاح کا زیادہ حامی تھا۔ مگر 44 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ کرپارام کی جگہ اس کا بیٹا اننت رام دیوان مقرر ہوا اور دس سال تک اس عہدے پر رہا۔ اس کو ایک دماغی بیماری ہو گئی جس کی وجہ سے 1885ء میں مجبوراً دیوان کے عہدے سے استعفیٰ دینا پڑا اور اس کی جگہ اس کا چچا زاد بھائی گوبند سہائے پسر دیوان نہال چند مقرر ہوا۔

اس موقع پر پہلے امر چند کے چھوٹے بیٹے دیوان ہری چند اور دیوان نہال چند کا ذکر کرنا ضرور ملی ہے۔ جب غدر ہوا تو دیوان ہری چند بنوں کی کنٹنجنٹ فوج کا جس میں ایک رسالہ چار پلٹنیں اور ایک توپخانہ تھا افسر مقرر کیا گیا اور دہلی بھیجا گیا۔ دیوان نہال چند کئی سال تک اپنے بھائی جوالا سہائے کے ماتحت بہ حیثیت نائب کے کام کرتا رہا۔ 1855ء میں یہ ریاست کی طرف سے معتمد خاص متعین ہوا۔ 1857ء میں اپنے بھائی کی وفات کی خبر پا کر یہ فوراً دہلی چلا گیا اور جموں کنٹنجنٹ کی کمان خود لے لی اور بعد ازاں اس نے نواب جھجر کے مقدمہ میں جو اس پر مفسدہ میں شامل ہونے کے وجہ سے کیا گیا تھا بڑی مفید خدمات انجام دیں۔ اس کا انتقال 1872ء میں ہوا۔ اس کا لڑکا دیوان گوبند سہائے اوائل عمر ہی سے دربار جموں میں ملازم تھا۔ 1872ء میں یہ اپنے باپ کی جگہ معتمد خاص مقرر ہو کر لیفٹیننٹ گورنر کی خدمت میں متعین کیا گیا اور 1872ء میں گورنر جنرل کی خدمت میں ریاست کی طرف سے معتمد خاص

MashalBooks.com

مقرر ہوا۔ اس عہدہ پر خاص خاص خدمات کے صلہ میں اس کو لارڈ لٹن کے عہد حکومت میں تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں 1500 ایکڑ اراضی زرعی اراضی عطا ہوئی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ موجودہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کی گدی نشینی کے بعد ہی 1885ء میں دیوان مقرر کیا گیا مگر اس کے بعد ہی اس کو موقوف کر دیا گیا اور یہ عہدہ اس کے تایا زاد بھائی دیوان لچھمن داس برادر خورد دیوان جوالا سہائے کو دے دیا گیا مگر دیوان لچھمنداس بھی 1888ء میں یک لخت موقوف کر دیا گیا۔

اس خاندان کی بڑی شاخ کا بزرگ دیوان امرناتھ تھا جو 1893ء میں گورنر جموں مقرر کیا گیا اور 1910ء میں اسے پرائم منسٹر بنایا گیا اور اس عہدہ پر یہ اپنی وفات یعنی 1917ء تک فائز رہا۔ امرناتھ کے قبضہ میں گوجرانوالہ اور گردونواح کے اضلاع میں 10 ہزار ایکڑ سے زیادہ اراضی تھی اور دیوان امرناتھ نے اپنے وطن یعنی ایمن آباد میں ایک ہائی سکول اور اس کا بورڈنگ ہاؤس اور ایک ڈسپنسری بنانے میں بہت کچھ روپیہ خرچ کیا۔ اس کے بیٹے بدری ناتھ نے ٹرینیٹی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی اور بیرسٹری پاس کی اور نیز گلاسکو یونیورسٹی کی ایل ایل ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ہندوستان واپس آنے پر اسے ہز ہائی نس مہاراجہ پرتاب سنگھ کا پرائیویٹ سکرٹری مقرر کیا گیا مگر یہ 1919ء میں ہیضہ کی بیماری سے نرینہ اولاد چھوڑے بغیر فوت ہو گیا۔

دیوان لچھمن داس کا بیٹا دیوان شیوناتھ بھی ایمن آباد اور اس کے گردونواح میں ایک بڑا زمیندار تھا۔ لچھمن داس کی کشمیر کی جاگیر کا حصہ 1888ء میں اس کے عہدہ سے برطرف ہونے پر ضبط ہو گیا تھا مگر جب پھر مہاراجہ صاحب بہادر اس پر مہربان ہوئے تو انہوں نے یہ حصہ اس کے نام بحال کرایا اور اب یہ اس کے پوتے دھنپت رائے کے نام ہے۔ ریاست کشمیر میں دیوان دھنپت رائے کا سلسلۂ ملازمت بڑا شاندار رہا گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا۔ 1912ء میں اسے ریاست نے اپنے ہاں وزیر وزارت مقرر کر لیا۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے بہت سے رنگروٹ اور مختلف فنڈوں میں گرانقدر رقوم دے کر سرکار کی بیش قیمت خدمات سرانجام دیں 1903ء دیوان دھنپت رائے کو صوبہ جموں کا گورنر مقرر کیا گیا۔

برطانوی ہندوستان میں اس خاندان کی چھوٹی شاخ کا سب سے مشہور و معروف رکن

دیوان گوبند سہائے تھا جس کے قبضہ میں ضلع گوجرانوالہ کی 11000 ایکڑ سے زیادہ اراضی تھی۔ اس کا بیٹا دیوان لکھ پت رائے مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کا سکرٹری تھا جو بعد میں تحصیلدار بنادیا گیااور پھر گلگت کے گورنرکاوزیروزارت بنادیا گیا۔

دیوان لکھ پت رائے نے دولڑکے برج لال اور دولت رام چھوڑے جن میں سے اولذکراب ایمن آباد کے دیوان خاندان کا سرکردہ ہے۔ انگلینڈ سے زراعت کی تعلیم حاصل کرنے اور پھر بیرسٹر بننے کے بعد دیوان برج لال 1915ء میں ہندوستان واپس آیااوراس وقت سے لےکراب تک اپنی جائیداد کا انتظام کررہاہےاوراس کا بھائی دولت رام خاندان کے کاروبار میں مصروف ہے اور یہ دونوں اکٹھے رہتے ہیں دیوان برج لال 12 سال سے میونسپل کمیٹی ایمن آباد کا پریذیڈنٹ چلا آتا ہےاورآنریری مجسٹریٹ بھی ہے۔1935ء میں اسے سلور جوبلی میڈل عطا ہوا۔

گنگا بشن رئیس ایمن آباد

گنگا بشن خاندان نند اکھتری جس کا موجودہ بزرگ خاندان گنگا بشن ہے کسی قدر پرانا ہے۔ سب سے پہلا شخص اجرسین جس کا کسی قدر حال معلوم ہوا ہے بابر بادشاہ کے عہد حکومت میں تھا اور وہ بادشاہ کے ہمرکاب ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ میں آیا یہاں کے ایک متمول عہدہ دار کی لڑکی سے شادی کرلی اور خاندان کے اقبال کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بیٹے لکھو کواس کے خسر دیوی دتا نے متبنٰے کرلیا تھا۔ سکھوں نے سردار چڑھت سنگھ کے ماتحت اس حصہ ملک پر یورش کی تواس خاندان کے قبضہ سے بہت سی دولت نکل گئی مگر فاتح (سردار) نے ان کوتین مواضعات کوٹلی دیانت، رائے پوراور رفیع پور میں کچھ حصے دے دیئے اور رنجیت سنگھ نے اپنے زمانہ میں اس خاندان کے کئی آدمی اپنی ملازمت میں لے لیے۔ ان میں صرف کرم چندایک ایسا شخص تھا جو کسی قدر باوقعت ہوا۔

راجہ دھیان سنگھ نے اسے اپنی ملازمت میں رکھ کر جاگیر کے انتظام کے لیے بھمبر بھیج دیا۔ دھیان سنگھ کی وفات کے بعد کرم چند ہزارہ میں راجہ گلاب سنگھ کے ماتحت ملازم رہااور جب راجہ نے ہزارہ کا مناور کے علاقہ سے تبادلہ کرلیا تو کرم چند پشاور چلا آیا۔1846ء میں اس کے لاہور آنے سے انکار کرنے پراس کے مواضعات میں سے دوموضع کوٹلی مذہیاں اور

سلیمان ضبط ہو گئے۔

کرم چند وہاں کچھ خوش نہ رہا کیونکہ مہاراجہ کے دربار کا سب سے بڑا ایجنٹ جوالا سہائے جو بعدازاں وزیراعظم ہو گیا اس کا دشمن تھا۔ کرم چند اور جوالا سہائے دونوں کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اور ان دونوں میں مدت سے جھگڑا چلا آتا تھا۔ جوالا سہائے نے اپنی ماں کے اس جھگڑے کو جاری رکھا اور یہ الزام لگا کر کہ کرم چند نے بہت سا غبن کیا ہے اس کو قید کروایا۔ جب 1857ء کا غدر شروع ہوا تو کرم چند لاہور میں راجہ جواہر سنگھ کی کچھ فوج کا کمیدان تھا۔ اس کو حکم ہوا کہ جنرل وان کورٹ لینڈ کیساتھ شریک ہو جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی خیرخواہی اور بہادری کے صلے میں اس کو ایمن آباد اور اس کے قرب وجوار میں 3177 روپیہ کی جاگیر عطا کی گئی جس میں سے 1200 روپیہ کی جاگیر اس کے بعد اس کے بیٹے کو ملنی قرار پائی۔ دیوان گوجرانوالہ میں 9 سال تک آنریری مجسٹریٹ رہا اور اپنے بیٹے موہن لال کو اپنی جگہ مقرر کرانے کی وجہ سے خود استعفیٰ دے دیا۔ 1884ء میں دیوان کی وفات پر اس کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ صرف ناگری، پورن پور اور راج پور کی جاگیر رہ گئی جس کی آمدنی 1200 روپیہ سالانہ تھی اور جو دیوان کے بڑے لڑکے سنت رام کے نام واگزار ہوئی جس کے قبضہ میں چک دنی چند تحصیل گوجرانوالہ میں 160 گھماؤں اراضی بھی تھی۔ سنت رام اور اس کے سب سے چھوٹے بھائی گنگا بشن کو مہاراجہ جموں کی ملازمت میں فی کس 1800 روپیہ سالانہ ملتے تھے۔

سنت رام اور موہن لال دونوں بھائی ضلع گوجرانوالہ کے پراونشل درباری تھے۔ سنت رام 1899ء میں فوت ہوا۔

دیوان کرم چند کے سب سے چھوٹے بیٹے گنگا بشن کو خاندان کا موجودہ بزرگ خیال کرنا چاہیئے۔ یہ اب ریاست جموں کی ملازمت سے علیحدہ ہو گیا ہے اور ایمن آباد میں رہتا ہے۔ وہاں اس کی بہت سی جائیداد ہے مگر اس میں سے بہت غیر آباد پڑی ہے۔

آج کل اس خاندان میں کوئی درباری نہیں۔

جے سنگھ چمنی

چمنی خاندان میں رام سنگھ گنڈی بوجائی کھتری پہلا شخص تھا جس نے سکھ مذہب اختیار

کیا۔ یہ بھیرہ ضلع شاہ پور کو چھوڑ کر گوجرانوالہ آیا جہاں سردار چڑھت سنگھ کی ملازمت میں بطور سوار بھرتی ہوا۔ رام سنگھ بھولا کڑیالہ کے مقام پر ایک لڑائی میں مارا گیا اور ایک نابالغ لڑکا حکما سنگھ چھوڑا۔ جب یہ (حکما سنگھ) ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوا تو رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو گیا اور اس کے بعد ہی قصور کی 1807ء کی لڑائی میں جس میں یہ سخت زخمی ہوا بڑا نام پیدا کیا۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہمراہ پٹھانکوٹ اور سیالکوٹ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور سیالکوٹ کے مقام پر ایسی بہادری اور مستعدی دکھائی کہ مہاراجہ نے اسے گلے سے لگا لیا اور تعجب سے کہا کہ ایسے چمنا (چھوٹے قد والا) سے آدمی نے ان آدمیوں کے مقابلے میں جو اس سے قد میں دگنے ہیں زیادہ بہادری دکھائی۔

حکما سنگھ کو اس کی خدمات کے صلہ میں 60000 روپیہ کی جاگیر اگوکی اور روڑاس میں دی گئی۔

1814ء میں یار محمد نے خیر آباد کے لوگوں کی مدد سے سکھوں کو اٹک سے نکال دیا۔ حکما سنگھ نے شام بھنڈاری اور دو ہزار بے قاعدہ فوج سے یار محمد پر حملہ کیا اور اس کا بہت نقصان کر کے اس کو سندھ پار بھگا دیا اور وہ لوٹ کا مال جو افغانوں نے جمع کر رکھا تھا چھین لیا۔

1818ء حکما سنگھ اٹک اور ہزارہ کے اضلاع کا ناظم مقرر کیا گیا اور اس نے بھائی مکھن سنگھ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مکھن سنگھ کسی قدر تیز مزاج آدمی تھا اور ایک گستاخانہ چٹھی کی وجہ سے طاقتور ترین سردار محمد خاں نے اپنی قوم کو جمع کر کے سکھوں کی فوج پر حملہ کیا جو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دی گئی۔ ان لوگوں میں جو قتل ہوئے مکھن سنگھ بھی تھا۔ یہ منحوس خبر حکما سنگھ کو پہنچا دی گئی جس نے اپنے دوست کا بدلہ لینے کے لیے کوچ کر دیا۔ ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں کوئی بھی کامیابی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حکما سنگھ اٹک واپس چلا گیا۔ حکما سنگھ کی اس کارروائی سے مہاراجہ نہایت ناخوش ہوا۔ حکما سنگھ پر مہاراجہ کی ناراضگی کا ایک اور باعث یہ بھی تھا کہ حکما سنگھ نے اپنے ذاتی عناد کی وجہ سے سید خاں نامی ایک متمول رئیس کو جو مہاراجہ سے آشتی رکھتا تھا پھانسی دے دی تھی۔ ان الزامات کی وجہ سے حکما سنگھ پر 25000 روپیہ جرمانہ کیا گیا اور اس کو ہزارہ سے تبدیل کر کے 1819ء میں اس کی جگہ دیوان رام دیال کو متعین کیا گیا۔

حکما سنگھ ایک بڑا اچھا سپاہی تھا۔ اس کی وفات پر خاندان میں جھگڑے ہو جانے کی وجہ سے تمام جاگیر ضبط ہو گئی۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے شیر سنگھ کو جو سردار جھنڈا سنگھ بتالیہ کی

MashalBooks.com

ہمشیرہ سے بیاہا گیا تھا پانچ سو روپیہ ماہوار پر ایک سو سوار کا کمیدان مقرر کیا گیا اور امر سنگھ اور مہر سنگھ علے الترتیب 778 روپیہ اور 1440 روپیہ سالانہ پر کمیدان مقرر ہوئے۔

شیر سنگھ سبراؤں کے مقام پر مارا گیا اور اس کے بیٹے لہنا سنگھ کو ضلع سیالکوٹ میں 1149 روپیہ کی جاگیر بھی عطا ہوئی۔ یہ گوجرانوالہ میں رہا کرتا تھا اور وہاں 1872ء سے لے کر اپنی وفات کے زمانہ تک آنریری مجسٹریٹ رہا۔ یہ میونسپل کمیٹی کا پریذیڈنٹ بھی تھا۔

لہنا سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا جے سنگھ خاندان کا موجودہ بزرگ ہے اور پولیس میں ملازم ہے۔

سردار لہنا سنگھ کے چچا امر سنگھ کے پاس حین حیات کے لیے گھر جاکھ ضلع گوجرانوالہ میں ایک چاہ کی معافی تھی جس کی مالیت 75 روپیہ سالانہ تھی۔ یہ معافی امر سنگھ کو ایام غدر میں اودھ کی نمایاں خدمات کے صلہ میں ملی اس کا سب سے بڑا لڑکا بہادر سنگھ 1859ء میں اپنی فوج یعنے انیسویں رسالہ کے ساتھ چین کی طرف جاتا ہوا بحری سفر میں فوت ہو گیا۔ امر سنگھ کا دوسرا بیٹا سوداگر سنگھ فقیر ہو گیا اور تیسرا جھنڈا سنگھ کچہری ضلع گوجرانوالہ میں کلرک تھا۔

سردار لہنا سنگھ اور رام سنگھ پراونشل درباری تھے مگر آج کل اس خاندان میں ایک بھی درباری نہیں ہے۔ اس خاندان کے قبضہ میں اب بہت تھوڑی زمین ہے یعنی صرف 80 گھماؤں سیالکوٹ میں اور اسی قدر گوجرانوالہ میں جو جے سنگھ اور اس کے بھائیوں کے قبضہ میں ہے۔ لہنا سنگھ کی لڑکی کی شادی باداسر کھیم سنگھ بیدی سور گباشی مرحوم کے سی آئی ای رئیس کلر ضلع راولپنڈی کے ایک لڑکے سے ہوئی۔

دھرم سنگھ رئیس گھر جاکھ

شام سنگھ موضع گھر جاکھ متصل گوجرانوالہ میں ایک ساہوکار تھا۔ اس کے دو بیٹوں میں سے بڑے بیٹے گلاب سنگھ نے اپنے باپ کا پیشہ اختیار کیا مگر چھوٹا بیٹا پنجاب سنگھ 30 روپیہ ماہوار پر سردار فتح سنگھ کالیاں والے کی فوج میں سوار ہو گیا۔ سردار فتح سنگھ کی وفات کے بعد اس کے جانشین دل سنگھ نہرنا سے ناراض ہو کر رنجیت سنگھ کے پاس چلا آیا جس نے اسے ایک رجمنٹ میں بھرتی کر لیا۔ 1818ء میں ملتان کی دوسری لڑائی کے بعد پنجاب سنگھ کو 125 سوار خدمات پر دینے کی شرط پر 50000 روپیہ کی مالیت کی جاگیر عطا ہوئی۔ اس کی وفات پر اس کا اکلوتا بیٹا کاہن سنگھ صرف 15 سال کی عمر کا تھا۔ جب یہ جوان ہوا تو مہاراجہ نے اسے

500 سواروں کا کمیدان مقرر کر کے مکھڈ اور پنڈی گھیب میں بھیجا اور 15000 کی جاگیر اس کے نام کر دی۔ مکھڈ اور پنڈی گھیب میں یہ 9 سال تک رہا۔ اس کے بعد یہ سردار ہری سنگھ نلوہ کے ہمراہیوں میں ہو گیا اور اپنے نئے آقا کے ہمراہ بہت سی مہمات پر گیا۔ پھر سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ کے پاس چلا گیا۔ اس کے لڑکے لہنا سنگھ کی شادی اس کے پرانے افسر سردار ہری سنگھ کی لڑکی سے ہوئی جو اپنے داماد کو 1837ء میں پشاور کی آخری اور تباہ کن لڑائی میں اپنے ساتھ لے گیا جس میں ہری سنگھ مارا گیا۔ نونہال سنگھ کی حین حیات تک اور مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں دیوان کاہن سنگھ اور اس کے تین بیٹوں پر خاص مہربانی رہی اور ان کو فوجی عہدے دیئے گئے۔ 1846ء میں دیوان کاہن سنگھ ستلج کی لڑائی میں گولی لگ جانے سے مارا گیا اور دربار (خالصہ) نے اس خاندان کو خدامات کے صلہ میں گھر جاکھ اور ڈھولن وال میں 2910 روپیہ کی جاگیر عطا کی۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر یہ جاگیر ضبط ہو گئی اور اس کے عوض میں فتح سنگھ کو 600 روپیہ کی اور لہنا سنگھ کو 360 روپیہ کی نقد پنشنیں دی گئیں اور کاہن سنگھ کی بیوہ کو بھی 360 روپیہ کی پنشن ملی۔

سردار فتح سنگھ 1869ء میں گوجرانوالہ کا آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور اپنی وفات تک جو 1881ء میں واقع ہوئی اسی عہدے پر ممتاز رہا۔ سردار سنت سنگھ جو پراونشل درباری تھا اپنے باپ کی جگہ خاندان کا بزرگ ہوا اور 1895ء میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا نرندر سنگھ جس کا انتقال 1904ء میں ہوا اس کا جانشین ہوا۔ سردار سنت سنگھ کا بھائی دھرم سنگھ اب خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ایک زمانہ میں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھا اور اب پنشن پاتا ہے۔ ہرنام سنگھ کا سب سے بڑا لڑکا گورکھ سنگھ ریاست جموں میں ڈویژنل انجینیر ہے۔

سردار لہنا سنگھ گوجرانوالہ میں رہا کرتا تھا اور 1893ء میں اس کی وفات پر اس کی نصف پنشن ضبط ہو گئی اور باقی نصف اس کی بیوہ مائی چاند کور کو مل گئی۔ اس خاندان کے اراکین کھتری سکھ ہیں۔ ان کا وطن گھر جاکھ ہے جو گوجرانوالہ کے وراچ جاٹوں نے آباد کیا تھا۔

الحاق کے بعد سے اس ضلع میں ترقی کی رفتار مسلسل رہی۔ جی ٹی روڈ اور 74-1871ء میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کی تعمیر کے باعث مواصلات میں بہتری آئی۔ وزیر آباد سے سیالکوٹ (1885ء) اور شورکوٹ (96-1894ء) تک ریلوے کی برانچ لائنیں بچھائی گئیں

اور سڑکیں خصوصاً وزیر آباد سے سیالکوٹ اور گوجرانوالہ سے سیالکوٹ اور حافظ آباد کے لیے سڑکیں بچھائی گئیں۔ لاہور اور سرگودھا کے درمیان براستہ پنڈی بھٹیاں سڑک بنی تو نئی منڈیاں قائم ہوئیں۔تجارتی مراکز سے رابطے بنے' چنانچہ زرعی اجناس کی پیداوار کوتقویت ملی۔1888ء میں نہر لوئر چناب کے باعث حافظ آباد تحصیل میں سرکاری اور غیر سرکاری اراضی زیر کاشت آئی پھر 1912ء میں نہر اپر چناب اس ضلع میں خوشحال کا زبردست مژدہ لے کر آئی۔ یہ خطہ بڑا غیر اہم تھا مگر نہروں کے بعد یہ علاقہ صوبے کے انتہائی خوشحال اور اہم علاقوں میں شمار ہونے لگا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران (بشمول شیخوپورہ) ضلع کی خدمت بڑی اچھی رہیں۔ جیسے ہی جنگ شروع ہوئی۔ضلع کی طرف سے تیس ہزار سات سوبیس روپے کا حصہ انڈین امپیریل ریلیف فنڈ میں ڈالا گیا۔ 1915ء میں ہوائی جہاز خریدنے کے فنڈ میں بائیس ہزار چار سو اکتالیس روپے دیئے گئے۔اس سے گوجرانوالہ نام کا جہاز خریدا گیا۔ پانچ ہزار پچاس روپے' سولجرز کمفرٹ فنڈ میں دیئے گئے۔1917ء میں لالہ امرناتھ (اب رائے صاحب اور ایم بی ای) نے گوجرانوالہ ریڈ کراس سوسائٹی قائم کی امرناتھ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔1918ء میں سوسائٹی کو عارضی طور پر ڈسٹرکٹ وار لیگ میں مدغم کر دیا گیا۔سوسائٹی نے زیادہ تر دیہات سے فنڈ اکٹھا کیا اور یہ اکتالیس ہزار سات سو اٹھارہ روپے تھا۔ پورے صوبے میں اس سوسائٹی کو پہلی حیثیت حاصل ہوئی۔ضلع کی طرف سے موٹر ایمبولینس لانچ (نام: لیڈی اوڈ وائر) بیس ہزار روپے سے خرید کر عراق بھیجی گئی۔ ڈپٹی کمشنر ڈبلیو ایس ہملٹن کی بیوی کیتھلن ہملٹن کے نام پر ایمبولینس کار گیارہ ہزار روپے میں خریدی گئی۔سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن اور برٹش ریڈ کراس سوسائٹی کو وار ڈے فنڈ میں 18,357 روپے ڈسٹرکٹ وار لیگ کو 45,664 روپے' سولجرز کلب کو 38,980 ملٹری ڈریسرز کلاس فنڈ کو 13596 روپے اور جنرل اخراجات کے لیے پانچ ہزار روپے دیئے۔اس کے علاوہ بھی خاصا مالی چندہ دیا۔1917ء میں جنگ کے پہلے قرضے میں 11,21,815 اور 1918ء میں سیکنڈ وار لون میں 980402 روپے دیئے اور 1919ء میں فتح کا جشن بڑے شاندار طریقے سے منایا گیا۔

جہاں تک بھرتی کا معاملہ ہے اس ضلع کا ریکارڈ اچھا ہے۔ یکم جنوری 1917ء کو اس ضلع کے فوجی 2810 تھے۔ان میں 2473 لڑاکے اور باقی 337 معاون۔یعنی ضلع میں ہر 56 افراد

میں سے ایک فوج میں تھا۔ ان میں 1983ء سکھ' 687 پنجابی مسلمان' 30 ہندو اور 110 ہندوستانی عیسائی تھے۔ 30 نومبر 1918ء کو جب بھرتی بند کی گئی تو ضلع سے 13,200 افراد فوج میں تھے۔ 11,100 لڑاکا اور 2100 معاون یعنی ہر بارہ افراد میں سے ایک فوج میں تھا۔ ان میں 4,900 سکھ' 6700 پنجابی مسلمان' 950 ہندو اور 650 ہندوستانی عیسائی تھے۔ نومبر 1917ء تک تعداد چار ہزار سے کم تھی۔ مگر دسمبر 1917ء سے مارچ 1918ء تک یہ تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔ کسی ضلع کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس نے مسلسل چار مہینے تک ہر ماہ ایک ہزار رنگروٹ بھرتی کرائے ہوں۔ ان کے علاوہ جبل لیبر کور میں 198' انڈین ڈیفنس فورس میں 98' فیلڈ پوسٹ آفس میں 44 اور میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں 166 کا تعلق اس ضلع سے تھا۔

مزید تفصیلات امرناتھ ایم اے ایل ایل بی' ایم بی ای ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے لکھے پمفلٹ History of the war services of Gujranwala district میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لالہ امرناتھ نے ضلع میں جنگی سرگرمیوں کو بڑا فروغ دیا۔ مگر زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ جنگ کے بعد ضلع کا اعلیٰ ریکارڈ خراب کر دیا گیا۔ ضلع امرتسر میں 14,15,16 اپریل 1919ء کو شدید سیاسی فساد پھوٹ پڑا۔ اس کے فوراً بعد گوجرانوالہ' وزیر آباد' حافظ آباد' اکال گڑھ چوہڑکانہ اور سانگلہ وغیرہ میں (جواب ضلع شیخوپورہ میں ہیں) بھی ایسی ہی صورت حال پیدا ہو گئی۔ مواصلات (تار' ٹیلی فون) کے تار کاٹ دیئے گئے۔ گوجرانوالہ اور حافظ آباد میں برطانوی افسروں کو مار کرنے سے روکا گیا۔ وزیر آباد میں سکاچ مشن کے سربراہ گراہم بیلی کا گھر جلایا گیا۔ گوجرانوالہ میں تحصیل اور ڈسٹرکٹ کورٹ' پوسٹ آفس' چرچ' ریلوے سٹیشن اور ڈاک بنگلہ جلا دیا گیا۔ فوجی دستوں کے پہنچنے میں دیر تھی۔ اس لیے گوجرانوالہ میں ہوائی جہاز بھیجا گیا (جس نے اجتماعات پر فضا سے گولیاں چلائیں) کل گیارہ آدمی ہلاک اور 27 زخمی ہوئے۔ وقتی طور پر مارشل لاء لگا دیا گیا۔ چونکہ یہ واقعات حال ہی میں ہوئے اس لیے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں تاہم ان کی تفصیل ڈس آرڈر انکوائری کمیٹی رپورٹ 1920ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔ البتہ یہاں یہ اضافہ کرنا بجا ہو گا کہ ہنگامہ زیادہ تر شہروں میں مقیم سیاسی ذہن رکھنے والے لوگوں تک محدود رہا جبکہ گاؤں میں رہنے والوں نے جنگ کے دوران بہت اچھے رویے کا ثبوت دیا۔

ضلع کے لوگ خصوصاً پڑھے لکھے اور قصبوں میں رہنے والے اچھے سیاسی ذہین کے

MashalBooks.com

مالک ہیں اور لاہوریوں اور امرتسریوں کی طرح ہی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں' تاہم یہاں مختلف سیاسی تحریکوں پر گفتگو کی ضرورت نہیں۔

جنگ کے بعد کی گئی سیاسی اصلاحات کے مطابق گوجرانوالہ کی مندرجہ ذیل حد بندیاں ہیں۔اے' کونسل آف سٹیٹ۔

ا۔پنجاب (غیر مسلم) ۲۔پنجاب (سکھ) ۳۔مشرقی پنجاب (مسلم)۔

ب۔لجسلیٹو اسمبلی۔ ا۔ ویسٹ پنجاب (غیر مسلم) ویسٹ سنٹرل پنجاب (مسلم) ویسٹ پنجاب (سکھ) ۴۔پنجاب لینڈ ہولڈرز۔

ج: پنجاب لجسیٹیو کونسل: ا۔ گوجرانوالہ (مسلم) ۲۔ راولپنڈی ڈویژن اور گوجرانوالہ (سکھ) ۳۔ شمال مغربی قصبات (غیر مسلم) ۴۔ راولپنڈی ڈویژن اور لاہور ڈویژن (شمالی)۔ (غیر مسلم)۔ ۵۔ مشرقی اور مغربی مرکزی قصبات (مسلم) ۶۔سکھ شہری۔ ۷۔ پنجاب لینڈ ہولڈرز (جنرل) ۸۔ سکھ لینڈ ہولڈرز۔ ۹۔ مسلم لینڈ ہولڈرز ۱۰۔ پنجاب یونیورسٹی۔ ۱۱۔ پنجاب چیمبر آف کامرس اینڈ ٹریڈ ایسوسی ایشنز۔اور ۱۲۔ پنجاب انڈسٹریز۔

ابھی تک ضلع سے کوئی شخص کونسل آف سٹیٹ میں منتخب نہیں ہوا۔ مرحوم خان صاحب' راجہ محمد اکرام اللہ خان 1920ء میں حلقہ نمبر 4 سے لجسیٹیو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

ضلع سے مندرجہ ذیل افراد پنجاب لجسیٹیو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ 1920ء۔ چودھری عطاء اللہ خان تارڑ ذیلدار کولوتارڑ (حلقہ نمبر 1)

1923ء: خان بہادر چودھری کرم الٰہی (چٹھہ) ایم بی ای۔احمد نگر (حلقہ 1)

1926ء: چودھری علی احمد چیمہ۔وزیرآباد۔ (حلقہ 1)

1926ء: بھائی نرائن سنگھ بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ گوجرانوالہ (نمبر 2)

1930ء: خان بہادر (اب جسٹس) دین محمد ایم اے ایل ایل بی گوجرانوالہ (نمبر 5)

1930ء: خان صاحب چودھری ریاست علی چٹھہ بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ (نمبر 1)

1926ء: اور 1930ء: لابھ سنگھ ایم اے ایل ایل بی (کینٹب) بارایٹ لاء (نمبر 4)

1920ء اور 1930ء سر گوکل چند نارنگ کینٹب ایم اے پی ایچ ڈی (نمبر 3)

1935ء: سردار منگل سنگھ مان کوٹ شیرا (نمبر 2)

آخری چار صاحبان اس وقت کونسل کے رکن ہیں اور ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ کچھ

MashalBooks.com

عرصہ سے بلدیات کے وزیر ہیں۔1935ء میں 6. مئی کو سارے ضلع کے لوگوں نے بادشاہ اور ملکہ کی سلور جوبلی بڑی دھوم دھام سے منائی اور آل انڈیا فنڈ میں 54 ہزار کا چندہ دیا۔ فنڈ ریڈ کراس سوسائٹی، لیڈی ڈفرن فنڈ، سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن اور سولجرز بینڈ بینویلنٹ فنڈ کے لیے دیا گیا۔ ضلع کے متعدد سرکاری اور غیر سرکاری افراد کو سلور جوبلی میڈل دیا گیا۔

☆☆☆

MashalBooks.com

اہم شہر اور قصبے

ضلع کا ہیڈکوارٹر گوجرانوالہ، لاہور اور پشاور والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ ریلوے سٹیشن دو ہیں۔ گوجرانوالہ ٹاؤن اور گوجرانوالہ اس وقت اول الذکر مسافروں اور دوسرا سامان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ موخر الذکر ابھی ابھی بنایا گیا ہے اور یہاں سے شیخوپورہ اور سیالکوٹ یا حافظ آباد کو برانچ لائنیں بنائی جاسکتی ہیں۔ گوجرانوالہ سے جی ٹی روڈ بھی گزرتی ہے۔ لاہور سے فاصلہ 42 میل ہے۔ سڑک اور ریل کے لحاظ سے شہر ضلع کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ یہاں سے مشرقی سرحد سادھوکی اور مغربی سرحد وزیرآباد تک فاصلہ برابر ہے یعنی 20 میل۔ ہموار میدان میں واقع ہے اس سے نکاسی آب میں مشکل پیش آتی ہے۔ بہت زرخیز ہے اور سرسبز اردگرد پھلوں کے بہت سے باغات ہیں۔ کبھی شہر کے اردگرد فصیل تھی جس میں گیارہ دروازے تھے۔ بہر کیف شہر میں وسعت آنے کے بعد فصیل ختم ہوگئی ہے۔ 1931ء میں آبادی 58716 ہے جبکہ 1921ء میں 38739 تھی۔ موٹروں اور لاریوں کے ذریعے آمدورفت کافی ہے۔ اس لیے گوجرانوالہ لاہور کا مضافات بن گیا ہے۔ آب وہوا خوشگوار ہے اس لیے موسم کے لحاظ سے اچھا ہے۔ نہر اپر چناب شہر سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ اس لیے نہر کے کنارے سیر وتفریح اور میلے ہوتے ہیں۔ سیم کی وجہ سے نہر سے آبپاشی ترک کردی گئی ہے۔ مگر اب بجلی آگئی ہے اور دستی نلکوں اور عام کنوؤں کے علاوہ موٹروں سے چلنے والے ٹیوب ویل بھی ہیں۔ شہر میں عدالتیں، چرچ، قبرستان، پولیس لائن، تحصیل، ہندو ہائی سکول، ڈسٹرکٹ بورڈ آفس، پولیس آفس، جیل، نہری دفاتر، میونسپل ہسپتال، امپیریل بنک آف انڈیا (ریزرو بنک آف انڈیا) ریسٹ ہاؤس، ہیڈکوارٹر میں متعین افسروں کے مکانات، امریکی یو پی مشن کالونی، بجلی گھر، کچھ کارخانے اور ڈاکٹر چارلس کا آئی ہسپتال ہے۔ بنگلوں میں بہت

MashalBooks.com

سے ہندوستانی مقیم ہیں' ریلوے لائن سے ملحق زمین پر مکانات بن گئے ہیں۔ جن میں دیسی لوگ رہتے ہیں۔ مگر یہ بنگلہ نما گھر نہیں۔ یہاں ڈسٹرکٹ بورڈ کا باغ بھی ہے جس میں گوجرانوالہ کلب اور رائے بہادر لبھو رام کا کلب ہے۔ گوجرانوالہ کے جنوب میں فوج کی کیمپ گراؤنڈ ہے' صدر پولیس سٹیشن' گورنمنٹ ہائی سکول' مہاں سنگھ گارڈن (اس میں ایسٹ کورٹ کلب اور مرکز صحت قائم ہے)۔ شہر میں اسلامیہ ہائی سکول' گورنمنٹ ہائی سکول فار گرلز' خالصہ انٹرمیڈیٹ کالج' میونسپل کمیٹی کا زنانہ ہسپتال' مشنریوں کے متعدد ادارے گورنمنٹ انڈسٹریل سکول' پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے دفاتر اور سینما وغیرہ ہیں۔ تعمیراتی اعتبار سے قابل ذکر عمارت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ مہاں سنگھ کی سمادھ ہے اور مہاں سنگھ باغ میں بارہ دری۔ اس کے ساتھ ہی ایک بلند گنبد ہے جس میں خود مہاراجہ کی کچھ راکھ رکھی گئی ہے۔ جہاں تک شہر کی تاریخ کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ اسے گوجروں نے بسایا تھا۔ یہ خانہ بدوش چرواہے تھے۔ انہیں اٹھارہ نسل پہلے امرتسر سے آنے والے سانسی جاٹوں نے نکال دیا تھا اور انہوں نے اس کے نواح میں گیارہ دیہات آباد کیے۔ گوجرانوالہ کے بانی کا نام خان تھا جس نے اس کا نام خان پور رکھا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ یہ بھی بدل گیا اور پرانا نام چلتا رہا۔ مغلوں کے عہد میں اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ آئین اکبری میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا مگر یہ سکر چکیہ خاندان کے عروج کے ساتھ ہی معروف ہوتا گیا۔ جب رنجیت کو عروج ملا تو اس گاؤں کی قسمت بھی چمکی اور یہ شہر بن گیا۔ تاہم اس کی پرانی تاریخ کے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں سوائے اس بات کے کہ یہ ہم نسبتاً نو تعمیر شہر ہے اور اس کو ساری اہمیت رنجیت سنگھ اس کے والد مہان سنگھ اور دادا چڑھت سنگھ کے دم سے حاصل ہوئی۔ یہی ان کا صدر مقام تھا۔ رنجیت سنگھ گوجرانوالہ میں پیدا ہوا اور لاہور پر قبضہ (1799ء) اور عروج حاصل کرنے سے پہلے گوجرانوالہ ہی اس کا مرکز تھا۔ بعض کے دعوے ہیں کہ رنجیت سنگھ ریاست جنیدہ میں بدرو خان کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔ تاہم مؤرخین اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ شہر کی بڑی بڑی گلیوں میں بڑے بڑے گھر اور حویلیاں ہیں جن کا طرز تعمیر سکھوں کا ہے۔

گوجرانوالہ دوسرے درجے کی میونسپل کمیٹی ہے۔ جو 63-1862ء میں تشکیل دی گئی۔ کمیٹی شہریوں کی ضرورت بخوبی پورا کرتی ہے۔ سڑکیں اچھی ہیں' گلیوں میں بجلی کی روشنی اور چھڑکاؤ کا اہتمام ہے۔ شہر میں بڑی تیزی سے توسیع ہوئی اس لیے آب نکاسی کے بہتر انتظام

MashalBooks.com

کی ضرورت ہے۔ شہر تجارت کا مرکز ہے۔ جہاں آس پاس سے غلہ' چاول' گڑ' شکر' تیل وغیرہ اکٹھا یا ذخیرہ ہوتا ہے۔ دراصل یہ برآمد کا بڑا مرکز ہے۔ ضلع کی ضرورت سے زیادہ پیداوار دوسرے ضلعوں کو دریائی ذریعے سے باہر بھیجی جاتی ہے اور قلت کے زمانے میں یہ چیزیں درآمد کی جاتی ہیں۔ پیتل اور تانبے کے برتن' آہنی الماریاں' المونیم کے برتن' کنوؤں کی آہنی چرخیاں اور نلکے بنائے جاتے ہیں۔ کئی بنک بھی ہیں امپیریل بنک آف انڈیا' (ریزرو بنک) لائڈ بنک کے علاوہ پرائیویٹ بنک اور قرضے دینے والے افراد بھی بڑے اچھے کمہار بھی ہیں جو بڑے اچھے برتن بناتے ہیں۔ دوسرے اداروں میں بنچ' ڈسپنسری بڑی اچھی عمارت ہیں۔ میونسپل دفاتر ہیں اور سٹی پولیس سٹیشن ہے۔ مہاں سنگھ کے باغ کی بارہ دری میں کرنل ہیرنگٹن کے نام پر لائبریری اور ریڈنگ روم ہے۔ لائبریری کے ساتھ ایک عجائب گھر بھی بنایا گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر مسٹر ایسٹ کورٹ کے نام پر گھنٹہ گھر (کلاک) بھی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کچھ اور پرائیویٹ اور میونسپل سکول بھی ہیں۔ گوجرانوالہ میں امریکی یورپی مشن کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے جس کے بارے میں اس کے خزانچی نے مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی ہیں:۔

''یونائیٹڈ پریس بائٹیرین چرچ آف نارتھ امریکہ کے سیالکوٹ مشن نے ریورنیڈ جے ایس بارڈی ڈی کی ہدایت کے تحت 1863ء میں گوجرانوالہ شہر میں کام شروع کیا۔ اس وقت اس چرچ کا گوجرانوالہ میں غیر ملکی سٹاف چودہ افراد پر مشتمل ہے۔ آٹھ خواتین' تین منسٹرز اور تین عام کارکن۔ کام شہر اور شہر کے نواح میں کیا جاتا ہے۔ مشن کے لڑکوں کے بیس پرائمری سکول' لڑکیوں کا ایک مڈل سکول' ایک انڈسٹریل سکول اور تھیولاجیکل ٹریننگ سکول (مذہبی تربیت کا ادارہ) جو مقامی نوجوانوں کو پادری کی تربیت دیتا ہے۔ مشن کا زیادہ تر (تمام تر نہیں) کام نچلے طبقوں میں ہو رہا ہے۔ عیسائی آبادی 19,700 افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے 8,600 چرچ آتے ہیں (چرچ کے رکن ہیں) عیسائی آبادی نے 34-1933ء میں اپنے کاموں' معاملات اور عمارتوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور انتظام کے لیے تقریباً 3,300/ روپے دیئے۔

''یہ ادارہ 1867ء میں شروع کیا گیا تھا اور اپریل 1929ء تک کام کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے ایک ہائی سکول کی حیثیت سے بے مثال کام کیا۔ رائے بہادر بی چیٹرجی جس کے طالب علموں نے پنجاب میں لیڈروں کی حیثیت سے بڑا نام کمایا اور مزید طالب علم اس منصب پر فائز ہونے والے ہیں۔ رائے بہادر کا 1928ء میں انتقال ہو گیا۔ اور امریکہ سے کم

فنڈ آنے کے باعث عملے میں تخفیف کی گئی۔

ایک زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں اس اولین سکول نے بڑا زبردست کردار ادا کیا' اوراس کے زیرِ اہتمام شہر میں گیارہ شاخیں کام کر رہی تھیں۔ جب لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم کو پسند کیا جانے لگا تو مختلف مذہبی برادریوں نے لڑکیوں کے سکول کھولنے شروع کر دیئے اور مشن نے آہستہ آہستہ اپنے سکول بند کرنے شروع کر دیئے۔ تاہم اصل ادارہ قائم رہا اور اس نے 68 برس تک تعلیم کو فروغ دیا۔ اس سکول سے بالواسطہ یا براہ راست جن معزز افراد کا نام وابستہ ہے ان میں مس آرائے میکلوشامل ہے جو 85 برس کی عمر میں مارچ 1935ء ریٹائر ہوئی اس نے گوجرانوالہ میں خواتین کی تعلیم و تدریس میں پچپن برس صرف کیے۔ ان خدمات کے صلے میں میونسپل کمیٹی نے اس کے گھر کے سامنے والی سڑک کا نام میکلو روڈ رکھ دیا۔ ہندوستان میں خدمات سرانجام دینے پر اسے قیصر ہند گولڈ میڈل بھی دیا گیا۔ اس وقت یہاں گرلز مڈل سکول میں طالبات کی تعداد یہ ہے۔

عیسائی	48
ہندو	45
مسلمان	35
سکھ	34

اس سال اس سکول کے اخراجات 5,100 روپے تھے جس میں مقامی میونسپل کمیٹی کی طرف سے 1924 روپے کی گرانٹ بھی شامل ہے۔ تعلیمی ادارے اور عیسائیت کے فروغ یا لوگوں کو عیسائی بنانے کے سلسلے میں امریکن مشن نے شہر اور نواح میں بڑا نام پایا ہے۔ ریورنڈ ٹی بی میکی نے یہاں اس مشن کے تحت بیس برس کام کیا اور لوگوں میں اتنا مقبول تھا کہ یہاں کے بوڑھے اب بھی اسے یاد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر میکی نے لوگوں میں جس قدر محبت اور مقبولیت حاصل کی ایسی کا مقبولیت شاید ہی کسی غیر ملکی نے حاصل ہو۔ اس ضمن میں ایک اور قابل ذکر نام ریونڈ جیون مل ہے۔ اعلیٰ ذات کا ہندو جو عیسائی ہو گیا اور اس نے یہاں عیسائیوں کی فلاح و بہبود کے لیے پچاس سال تک انتھک کام کیا۔ یہاں کے عیسائی انتہائی نچلے اور کچلے ہوئے طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔

گزشتہ سالوں میں اس ادارے میں غیر معمولی وسعت ہوئی۔ اور اس میں اتنے

امکانات نظر آتے ہیں کہ یہاں کے تربیت یافتہ طالب علم سائنٹفک تربیت پانے کے بعد ہندوستان کے معاشی مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کریں گے اور نئے صنعتی دور کے ہندوستان میں جو بہت قریب آرہا ہے اہم مقام حاصل کریں گے۔"

ضلع میں ایک (رومن) کیتھولک مشن ہے جس کے دو بیلجیئن پادری انچارج ہیں۔ یہ شہر سے حافظ آباد کی طرف دو میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ مشن 1915ء میں قائم ہوا اس نے حافظ آباد' ایمن آباد' سِرکا کولا' چیمہ' مغل اور اکبر میں اپنے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔

ایمن آباد

ایمن آباد گوجرانوالہ سے جنوب مشرق میں گوجرانوالہ امرتسر روڈ پر آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسی نام کا ریلوے سٹیشن سے جس سے اس کا فاصلہ دو میل کا ہے۔ اس فاصلے کی بناء پر اس کی منڈی کی حیثیت زوال پذیر ہے اور منڈی کا مونکے میں بن گئی ہے جو ایمن آباد کی قیمت پر بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ دوسرے درجے کی میونسپل کمیٹی ہے۔ 1931ء میں آبادی 7,321 افراد کی تھی۔ تھانہ کامونکے میں ہے اور یہاں اس کی چوکی ہے۔ پنجاب کے اس حصے میں ایمن آباد قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ جس کی طویل اور دلچسپ تاریخ ہے یہ شہر دراصل پورے پنجاب کی تاریخ کی تلخیص یا اجمال سمجھا جاتا ہے اس شہر کا بانی سیالکوٹ کا راجپوت راجہ سالباہن (سلوان) تھا۔ پنجاب کا پرانا شہر سید پور تھا۔ جسے سولہویں صدی میں شیر شاہ افغان (سوری) نے تباہ کر دیا اور اس کی جگہ نیا شہر شیر گڑھ آباد کیا جو موجودہ شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے اور اب بھی اس کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہمایوں کے ایک جرنیل ایمن بیگ نے اس شہر کے گرد محاصرہ ڈال دیا اور اکبر بادشاہ کے حکم کے تحت اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور پھر اس کے ملبے سے یہ شہر ایمن آباد آباد کیا جو اب تک سبھی یلغاروں سے بچا ہوا ہے۔ مغلوں کے زمانے میں نندہ کھتری خاندان یہاں آکر آباد ہوا۔ دیوانوں کے اس خاندان میں سے جموں وکشمیر کے بہت سے وزیراعظم بنے۔ سید' قاضی' ککے زئی' ورک' کھتری' اروڑے اور سدھ لوگ بعد میں اس وقت آکر آباد ہوتے رہے جب جب ان قبائل کو اہمیت حاصل ہوئی اب ان لوگوں کی بھی شہر میں جائداد ہے۔ ڈاکٹر سر گوکل چند کی کتاب Transformation of Sikhism میں سے مندرجہ ذیل اقتباس آج کے حالات

میں دلچسپی کا حامل ہے:

''1738ء میں سکھ بے روک ٹوک گھومتے پھرتے تھے' پھر کوئی دو ہزار سکھ ایمن آباد میں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے نواحی مواضعات میں محصول لگانا شروع کر دیا تب حکومت ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک روز ایک دیہاتی یہاں سے تین میل گھکرام میں ایمن آباد کے فوجدار دیوان جسپت رائے کے پاس حاضر ہوا اور شکایت کی کہ اس کے گاؤں پر دو ہزار سکھوں نے حملہ کیا' اسکی بھیڑ بکریوں کا پورا گلہ لے گئے اور اب انہیں ایمن آباد کے پاس روڑی صاحب (گوردوارہ) میں کاٹ کر کھا رہے ہیں۔ دیوان نے سکھوں کو علاقے سے نکل جانے کا حکم بھیجا مگر سکھوں نے جانے سے انکار کر دیا۔

دیوان نے ان پر حملہ کر دیا' سخت لڑائی ہوئی۔ لڑائی کے دوران ایک سکھ رنگریٹا سنگھ دیوان کے ہاتھی کی دم پکڑ کر ہودے تک جا پہنچا۔ دیوان کا سر کاٹا اور اسے لے کر بھاگ نکلا۔ دیوان کے مرنے کے بعد مغل فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ سکھوں نے پانچ سو روپے کے عوض دیوان کا سر باوا کرپا رام کو واپس کر دیا جس نے دیوان کے جسد خاکی کی آخری رسومات ادا کیں۔

دیوان جسپت رائے کے بھائی دیوان لکھپت رائے نے بھائی کی موت کا سنا تو وہ بپھر گیا۔'' سکھ مذہب کا بانی بلا شبہ ایک کھتری تھا۔'' اس نے کہا ''لیکن میں جب تک اس کا نام (بابا نانک کا نام) صفحہ ہستی سے ختم نہیں کروں گا۔ اس وقت تک خود کو کھتری نہیں کہوں گا۔'' چنانچہ وہ انتقام لینے کے لیے خود گورنر کے ساتھ سکھوں کے تعاقب میں نکل پڑا اور جموں کے نواح میں انہیں زبردست شکست دی۔ وہ بہت سے سکھوں کو قید کر کے لاہور لے آیا۔ ان کے لمبے لمبے بال کاٹ دیئے اور دہلی دروازے کے سامنے ان تمام سکھوں کو سر عام قتل کر دیا۔ اس قتل عام کے مقام کو اب شہید گنج کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اعلان جاری ہوا کہ جو کوئی گووند (گوبند) کا نام لے گا۔ اس کا پیٹ چاک کر دیا جائے گا۔''

1760ء میں سردار چڑھت سنگھ نے مغلوں کو یہاں سے نکال دیا۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں یہ شہر جموں برادران کے راجہ دھیان سنگھ کو جاگیر میں دے دیا گیا۔ اسی حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے دیوانوں کو کشمیر جموں وکشمیر میں کیسے بار حاصل ہوا۔ اب اس شہر کا اہم مقام سکھ گوردوارہ روڑی صاحب ہے۔ روڑی صاحب کو بابا نانک کی سخت کوش زندگی سے جوڑا جاتا ہے اور اس کا بڑا ادب اور احترام کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بابا نانک یہاں

روڑی پر سوتے رہے تھے۔ اس روڑی کے کچھ ٹکڑے اب بھی بیساکھی (اپریل) اور دیوالی (اکتوبر) کے موقع پر عقیدت مندوں کی زیارت کے لیے دکھائے جاتے ہیں۔ ان مواقع پر ڈسٹرکٹ بورڈ مویشیوں کا میلہ بھی لگاتا ہے۔ ایمن آباد میں بعض اچھے باغات ہیں' جموں و کشمیر کے دو وزرائے اعظم دیوان لچھمن داس اور دیوان امرناتھ سی آئی ای کی قصبے میں خاصی جائیداد ہے اور جاگیر بھی ہے۔ دیوان بہادر امرناتھ کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لیے اس کی جائیداد کی وارث اس کی بیوہ دیوانی دریا وتی ہے۔ وہ عزت مآب رائے بہادر رام سرن داس سی آئی ای اور رکن کونسل آف سٹیٹ لاہور کی بیٹی ہے۔ دیوان لچھمن داس کی جائیداد کا وارث اس کا پوتا دیوان دھنپت رائے ہے۔ دیوانوں نے یہاں کئی خوبصورت عمارتیں تعمیر کی ہیں۔ اس کے علاوہ ہسپتال ڈاک و تار گھر' ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو پرائیویٹ ہائی سکول اور میونسپل کمیٹی کا دفتر ہے۔ جموں و کشمیر کے مہاراجہ کے تین وزرائے اعظم سورگباشی جوالا سہائے' اننت رام اور گوبند سہائے بھی ایمن آباد میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ دیوان جوالا سہائے کو معافی والا ایک باغ ملا تھا تو اس نے ضلع کے افسران کے استعمال کے لیے یہاں ایک بنگلہ تعمیر کرایا۔ ان دنوں اس خاندان کا سربراہ دیوان برج لال اور اس کا بھائی دیوان دولت رام ہے۔ دولت رام کی جائیداد کورٹ آف وارڈز میں لے لی گئی ہے' ان کے کزن دیوان کا نام اقبال ناتھ ہے۔ ایمن آباد میں مسلم فن تعمیر کے کھنڈر بھی موجود ہیں۔

کاموکے

کاموکے جی ٹی روڈ پر گوجرانوالہ سے 14 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ریلوے سٹیشن' تھانہ ریسٹ ہاؤس مڈل سکول اور فوج کے قیام کے لیے گراؤنڈ بھی ہے۔ یہ شہر تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ منڈی میں دوکانوں کے لیے اپنی اراضی فروخت کرتا رہتا ہے۔ علاقے میں چاول کی کاشت بہت ہوتی ہے' چاول چھڑنے کی کچھ فیکٹریاں بھی ہیں۔ بعض بنکوں کی شاخیں قائم ہو گئی ہیں۔ میونسپل ادارہ ابھی تک قائم نہیں ہوا تاہم معاملہ زیر غور ہے۔

قلعہ دیدار سنگھ

گوجرانوالہ سے حافظ آباد جانے والی سڑک پر دس میل کے فاصلے پر ہے۔ گزشتہ صدی کے نصف میں دیدار سنگھ نے یہ قصبہ آباد کیا۔ اسی کے نام پر چل رہا ہے۔ دیدار سنگھ ماجھا کے

MashalBooks.com

علاقے کا سدھو تھا اور چڑھت سنگھ کا ساتھی تھا' ڈیوڑھی کے وڑائچوں میں اس نے شادی کی اور انہی سے یہ زمین حاصل کی۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 3,815 افراد پر مشتمل ہے۔ گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے درمیان ریلوے لائن بچھائے جانے کے امکان کے باعث قصبہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے کہ ایک دن ریلوے سٹیشن بن جائیگا۔ ایک پرائیویٹ منڈی بھی بن گئی ہے۔ آبادی کے درمیان اچھی پکی سڑک بنا دی گئی ہے جس کے دونوں کناروں پر دکانیں کھل گئی ہیں۔ یہی یہاں کا مین بازار ہے۔ ایک ریسٹ ہاؤس' تھانہ' ہسپتال اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ہائی سکول ہے۔ قلعہ کے ساڑھے چار میل شمال مشرق میں پنپاکھ کے کھنڈرات ہیں۔ پنپاکھ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ راجہ سلوان (سالباہن) کی دوسری بیوی لونا (پورن بھگت کی سوتیلی کی ماں) یہاں پیدا ہوئی تھی۔ لونا کے ساتھ ہی پورن بھگت کا قصہ منسوب ہے۔ اس قصبے کا تعلق رہتک کے قریب واقع مندر بوہڑ سے بھی جوڑا جاتا ہے۔ بو کے مہنت کو کن پھٹے جوگیوں میں بڑا مقام حاصل ہے اور سیالکوٹ ضلع سے اس کا تعلق یوں بھی ہے کہ مشہور راجہ رسالو رانی لونا کا بیٹا تھا۔

نوشہرہ ورکاں

گوجرانوالہ سے اٹھارہ میل دور کچی سڑک پر واقع نوشہرہ ورکاں بڑا گاؤں ہے۔ نہر کی پٹڑی کے راستے اس کا فاصلہ 25 میل ہے۔ سکھوں کی آبادی کے درمیان میں ہے اور اہم مقام ہے۔ یہاں نائب تحصیلدار تعین ہے۔ اس کے علاوہ تھانہ' ہسپتال' ڈنگر ہسپتال اور مڈل سکول ہے یہاں تک پکی سڑک بنانے کی ضرورت ہے۔ جس سے جرائم پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ جرائم بہت ہیں اور یہاں غیر قانونی طور پر شراب بھی کشید کی جاتی ہے۔ قریبی ریسٹ ہاؤس بڈورتہ میں (نہر) تین میل کے فاصلے پر ہے۔ پنچایت بھی ہے اور 1931ء میں آبادی 1980ء افراد کی تھی۔

تلونڈی راہ والی

گوجرانوالہ سے پانچ میل کے فاصلے پر جی ٹی روڈ پر واقع خاصا بڑا گاؤں ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ حال ہی میں چینی کا کارخانہ لگایا گیا ہے۔ نہر کا ریسٹ ہاؤس ہے۔ آبادی 1931ء میں 1947 تھی۔

MashalBooks.com

وزیرآباد

گوجرانوالہ کے بعد دوسرا اہم شہر وزیرآباد ہے۔ گوجرانوالہ سے شمال مغرب میں 21 میل کے فاصلے پر۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 20,707 ہے۔ دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر دو میل کے فاصلے پر ہے۔ شمال مغرب میں نالہ پلکھو بہتا ہے۔ مغرب کی طرف نارتھ ویسٹرن ریلوے اور لاہور پشاور والی جی ٹی روڈ گزرتی ہے۔ یکم جنوری 1884ء کو یہاں سے سیالکوٹ تک ریلوے برانچ قائم کر دی گئی جو 1892ء میں جموں تک بڑھادی گئی۔ اسی سال لائل پور اور خانیوال تک براستہ حافظ آباد ریلوے کھل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں وزیر خان نے یہ شہر بسایا تھا۔ تاہم اس کو اہمیت گوجرانوالہ کے بعد کے زمانے میں ملی۔ تاریخ میں پہلی بار اس کا ذکر اس وقت آیا جب چڑھت سنگھ کے ملازم گوربخش سنگھ بھنگی نے اس پر قبضہ کیا' اس وقت چڑھت سنگھ نے ضلع کے شمال میں بھی اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ گوربخش سنگھ کے خاندان کے بارے میں پہلے بھی حوالہ آچکا ہے۔ رنجیت سنگھ نے 1809ء میں گوربخش سنگھ کے خاندان کے علاقے کو ریاست میں شامل کرلیا۔ وزیرآباد سوہدرہ کا ضمنی قصبہ تھا۔ مگر رنجیت سنگھ کے زمانے میں جنرل اوی ٹیبائل کا ہیڈکوارٹر بن گیا۔ سوہدرہ پرگنہ تھا اور وزیرآباد اس کا حصہ اور پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ جنرل اوی ٹیبائل نے شہر کو نیا روپ دیا اور اس کو متوازی الاضلاع کی شکل دی اس کے گرد فصیل تھی۔ درمیان میں ایک بالکل سیدھا لمبا چوڑا بازار سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ اس بازار میں زاویہ قائم پر گلیاں (یا گلے بنائے گئے) یہ بھی سیدھی اور خاصی کھلی ہیں۔ اس شہر میں مقامی شہروں کی آڑی ترچھی بھول بھلیاں والی گلیاں اور کوچے نظر نہیں آتے۔ اس علاقے پر بالادستی حاصل کرنے کی کشمکش میں کئی قبائل آئے اور غائب ہو گئے الحاق کے موقع پر جن کا اس شہر پر قبضہ تھا انہیں اس کا مالک مان لیا گیا۔ تاہم زیادہ مالکان چیمے' قاضی (جو قریشی ہونے کے دعویدار ہیں) ارائیں' کھتری' برہمن اور اروڑے تھے۔ سیالکوٹی دروازے میں تحصیلدار کی رہائش ہے۔ اوی ٹیبائل کی رہائش نالہ پلکھو پر بڑی خوبصورتی عمارت سمن برج میں تھی اب اس پر کیپٹن محمد عبداللہ خان کا قبضہ ہے جو وزیرآباد کے راجہ خاندان کا سربراہ ہے۔ وزیرآباد کچھ عرصہ پورے ضلع کا ہیڈکوارٹر بھی رہا۔ اس

زمانے میں ضلع میں گوجرانوالہ کے کے علاوہ شیخوپورہ' سیالکوٹ کے اضلاع اور لاہور اور گورداسپور کے کچھ علاقے بھی اس میں شامل تھے۔ 1852ء میں اسے توڑ دیا گیا اور وزیر آباد کو سب کلکٹر کا ہیڈ کوارٹر بنا دیا گیا۔ جب یہاں پر نارتھ ریلوے اور دریائے چناب پر پل کی تعمیر شروع ہوئی تو وزیر آباد میں یورپین انجینئروں اور دوسرے ملازموں کی کئی کالونیاں آباد ہوئیں۔ کبھی وزیر آباد سے چھ میل مغرب میں فوج کی چھاؤنی بھی تھی۔ مگر آب و ہوا مضر صحت ہونے کی بناء پر یہ چھاؤنی 1855ء میں سیالکوٹ منتقل کر دی گئی۔ شمالی سٹیٹ ریلوے اور سیالکوٹ برانچ کے کھلنے کے باعث شہر کی تجارت کو بڑا نقصان ہوا۔ تاہم جب خانیوال تک ریل چلی تو ایک بار پھر کچھ گمشدہ خوشحالی واپس آ گئی۔ دریائے چناب پر الیگزینڈر برج کا ہندوستان میں بنائے گئے طویل ترین پلوں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن 1892ء میں اسے چھوٹا کر دیا گیا۔ اس کی 61 کوٹھیاں تھیں۔ صرف 28 رہ گئیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی اگست 1892ء میں چناب میں زبردست سیلاب آیا۔ حفاظتی بند ٹوٹ گیا اور شہر اور نواح میں سیلاب سے بڑا نقصان ہوا۔ اب نالہ پلکھو پر بھی ریل اور سڑک کا پل ہے۔ وزیر آباد کی میونسپل کمیٹی 1866ء میں قائم کی گئی تھی۔ دوسرے درجے کی ہے۔ یہاں عمارتی لکڑی کا خاصا کاروبار ہے۔ دریائے چناب کے ذریعے جموں کے علاقے اکھنور سے لکڑی آتی ہے۔ وزیر آباد میں ریاست کشمیر اور محکمہ جنگلات اور بعض نجی فرموں کے بڑے بڑے گودام ہیں۔ وزیر آباد میں جنگلات کا ڈپٹی کنزرویٹر مقرر ہے۔ وزیر آباد والے لوہا' فولاد اور لوہے کی چھوٹی اشیاء مثلاً چاقو' پیپر کٹر بنانے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ ملحقہ قصبہ نظام آباد جنگ کے ہتھیار اور بندوقیں تیار کرنے میں پورے پنجاب میں جواب نہیں رکھتا۔ کھال اور چمڑے کی تجارت خاصی ہے۔ وزیر آباد اور حافظ آباد دونوں میں چمڑا صاف کرنے کے کارخانے ہیں۔ شہر میں ہسپتال' ڈاکخانہ' تارگھر' تحصیل' سب ٹریژری مویشیوں کا ہسپتال' سٹی اور صدر تھانے ریلوے لائن اور جی ٹی روڈ کے ساتھ فوج کا پڑاؤ ہے۔ دو ریسٹ ہاؤس ایک فارسٹ بنگلہ اور ریلوے سٹیشن جس سے ملحقہ عملہ کے لیے مکانات' سکاچ مشن ہائی سکول' میونسپل ہائی سکول' ہندو ہائی سکول اور دوسرے سکول ہیں۔ سب جج کی عدالت' سب رجسٹرار کا دفتر' آنریری مجسٹریٹوں کی عدالت' ٹیلی فون ایکسچینج بھی ہے اور تحصیل میں ٹیلی فون کنکشن۔

MashalBooks.com

شہر دریا کے قریب نسبتاً نشیب میں ہے۔ آب و ہوا صحت مند نہیں۔ ریلوے کی حفاظتی تعمیرات کے باعث پلکھو نالہ نکاسی آب میں مزید رخنہ اندازی کرتا ہے۔ صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے ایک سکیم پر غور ہو رہا ہے۔ ہر سال بیساکھی کا میلہ ہوتا ہے جو خاصا بڑا اور اہم ہے۔

وزیر آباد میں سکاچ مشن بھی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر سیالکوٹ میں ہے۔ 1895ء سے ٹی گراہم بیلی' ڈاکٹر آف لٹریچر نے چارج سنبھال رکھا تھا۔ مشن ہائی سکول کے انتظام اور ضلع میں مذہبی امور نمٹانے کے علاوہ' ڈاکٹر بیلی نے ماہر لسانیات کے حوالے سے اہم خدمات انجام دیں اور ہندوستانی زبانوں پر متعدد کتابیں چھاپیں۔ 1919ء کے ہنگاموں میں ان کا گھر نذر آتش کر دیا گیا اور وہ 24 سال خدمات سرانجام دینے کے بعد واپس سکاٹ لینڈ چلے گئے۔ 1926ء میں دوبارہ یہ گھر تعمیر کیا گیا جس میں ان کا جانشین مقیم ہے۔ ہائی سکول 1913ء میں قائم کیا گیا۔ بڑا اچھا ادارہ ہے مگر دو اور سکول قائم ہو گئے ہیں اس لیے اسے نقصان پہنچے گا۔

دھونکل (دھرونکل)

وزیر آباد سے تین میل کے فاصلے پر واقع اس قصبے کی 1931ء میں آبادی 2492 تھی۔ ریلوے سٹیشن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی کے عہد میں راجہ دھریکل نے یہ گاؤں آباد کیا تھا۔ بیسیویں صدی میں لکھ داتا کے نام سے معروف سخی سرور سلطان نے جن کا مزار نگاہا (ڈیرہ غازی خان) میں ہے یہاں قیام کیا تھا اور پانی کی ندی بہانے (یا چشمہ نکالنے کا) کا معجزہ دکھایا تھا۔ اس کا پانی کوڑھ کے مرض کو ٹھیک کرتا ہے۔ اس لیے گاؤں میں بہت سے کوڑھی پائے جاتے ہیں۔ سخی سرور کے مکان پر شاہجہاں کے عہد میں مسجد تیار کی گئی۔ کنواں بھی بہت بہتر اور خوبصورت بنا دیا گیا۔ یہاں جون جولائی میں ایک میلہ لگتا ہے جو ایک مہینہ جاری رہتا ہے۔ پنجاب کے نواحی اضلاع اور ریاست جموں و کشمیر سے کوئی دس ہزار زائرین آتے۔ 1934ء میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسر نے جو اعداد و شمار اکٹھے کیے ان کے مطابق بارہ سو زائرین آئے۔ اس کمی کی وجہ تعلیم اور روشنی عام ہونا ہو سکتی ہے۔ زیارت گاہ سے ہونے والی آمدنی' 28 کنوؤں کے مالکوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اگر کنوئیں کا مالک بدل جائے تو نیا مالک اس آمدنی میں حصہ دار ہوتا ہے۔

MashalBooks.com

نظام آباد

(دیکھیں وزیر آباد والا حصہ) وزیر آباد کے قریب ایک گاؤں' ڈسٹرکٹ بورڈ نے صفائی کا انتظام سنبھال رکھا ہے۔ اس بناء پر ٹیکس بھی وصول کرتا ہے۔ اس کے باوجود حالت خراب ہی ہے۔ پنچایت قائم کی جائے گی یا سمال ٹاؤن کمیٹی بنائی جائے گی' 1931ء میں آبادی 2408 تھی۔

گکھڑ

جی ٹی روڈ پر گوجرانوالہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ اہم جگہ گورنمنٹ نارمل سکول ہے جو دو ضلعوں کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ بڑا اچھا ادارہ ہے۔ اس کے ساتھ ایک فارم بھی ہے۔ فوج کے لیے پڑاؤ' دیہی ڈسپنسری' ریسٹ ہاؤس' سرائے' دو گرلز سکول' ڈاکخانہ اور تار گھر اور ایک مڈل سکول۔ 1931ء میں آبادی 4714 تھی۔

خانکی

یہاں لوئر چناب کینال کا ہیڈ ورکس ہے۔ ایگزیکٹو انجینئر اور سب ڈویژنل آفیسروں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ محکمہ انہار کا بہت ہی اچھا ریسٹ ہاؤس ہے۔ 1931ء میں آبادی 1075 تھی۔

بدوکے گوسائیں

گوجرانوالہ سے آٹھ میل اور جی ٹی روڈ سے مغرب میں ایک میل دور بڑا گاؤں ہے۔ اس مقدس مذہبی مقام پر سالانہ میلہ لگتا ہے۔ اچھا مڈل سکول ہے۔ 1931ء میں آبادی 2529 تھی۔ ریٹائرڈ سب جج پنڈت نیشی رام نے اس کا حال لکھا؟

1468ء میں بدوکے سے چند میل دور چھوٹے سے گاؤں ترگڑی میں ایک بوڑھا برہمن بابا سائیں داس رہتا تھا۔ نیکی' تقویٰ اور روحانی کمالات کی وجہ سے بڑا مشہور تھا۔ اچھے برہمن کی طرح اس نے خیر خیرات پر زندگی گزارنے سے انکار کیا اور گائیں کا ایک گلہ رکھتا تھا جنہیں بدوکے کے آس پاس چرایا کرتا۔ جب ریوڑ چر رہا ہوتا وہ پاس ایک تالاب کے کنارے مراقبے میں چلا جاتا۔ ایک روز بابا اسی حالت میں بیٹھا تھا' ایک سادھو آیا اس نے کہا بھوکا ہوں دودھ دو۔ بابا جی نے کہا ان کی کوئی بھی گائے ان دنوں دودھیلی نہیں ہے۔ سادھو

نے کہا کسی بھی گائے کو لے لو اور دودھ دھو لو۔ بابا جی نے بغیر تاخیر کے ایک گائے کو پکڑا اسکا دودھ نکل آیا جو اس نے سادھو کو پیش کر دیا۔ سادھو نے دودھ پینے کے بعد کہا ''مانگ کیا مانگتا ہے۔'' بابا جی نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اسے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ سادھو کے بار بار اصرار کرنے پر بابا جی نے کہا کہ اسے سادھو جیسا ہی ایک بیٹا چاہیئے۔ سادھو نے شرط لگائی کہ تم بیٹے کی شادی نہیں کرو گے تو پھر میں تمہارے گھر پیدا ہو جاؤں گا اور کچھ عرصہ تمہارے ساتھ ہی رہوں گا'' یہ کہہ کر سادھو غائب ہو گیا۔

چنانچہ 1504ء کے جولائی کے مہینے میں عظیم رام نند پیدا ہوا۔ بچے نے اوائل عمر میں مذہبی کمالات کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ سات برس کی عمر میں اس نے باپ کا ریوڑ چرانا شروع کر دیا۔ باپ اس وقت بدو کے میں منتقل ہو چکا تھا۔ بچے کے روحانی کمالات کا چرچا ہوا اور وہ گاہے بگاہے ان کا مظاہرہ کرتا رہتا۔ وہ اپنے ریوڑ کو دوسروں کے کھیتوں میں چرا کر ان کی فصلیں تباہ کر دیا کرتا مگر جب مالک شکایت کرتے تو بابا گوسائیں انہیں لے کر موقع پر پہنچتا تو دیکھتا کہ فصلوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ شروع میں تو لوگ ان باتوں پر حیرت زدہ رہ جاتے مگر جلد ہی لوگوں کو یقین ہو گیا کہ رام نند کوئی معمولی بچہ نہیں۔ انہوں نے اسے اوتار جان کر عزت و تکریم شروع کر دی۔

وقت گزرتا رہا رام نند بارہ برس کا ہو گیا۔ بابا سائیں داس نے بیٹے کی شادی کا فیصلہ کر لیا اور نواحی گاؤں کے برہمن کی بیٹی کو منظور کر لیا۔ بچے نے احتجاج کیا مگر سائیں نے نہیں سنا۔ ظاہر ہے بابا نے بہت عرصہ پہلے سادھو سے جو وعدہ کیا تھا بھول گیا۔ شادی کی تقریب کے موقع پر لڑکا لاٹھی لے کر تالاب میں نہانے کے لیے گیا وہ تالاب میں داخل ہوا اور پھر غائب ہو گیا جس کا والدین اور پورے گاؤں والوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ لڑکا تالاب کے کنارے اپنی لاٹھی چھوڑ گیا۔ گاؤں والوں نے اسے تالاب اور اس کے پاس ڈھونڈے کی بڑی کوشش کی مگر بے سود۔ بعد میں یہ لاٹھی بیر کا تناور درخت بن گئی۔ اور زائرین اس کی پوجا کرتے ہیں۔ رام نند کی ماں تالاب کے پاس آ کر گمشدہ بیٹے کی موت پر بین کیا کرتی' وہ پاگل سی ہو گئی تھی۔ مگر ایک روز لڑکا سامنے آ گیا۔ اس نے حیرت زدہ ماں سے کہا کہ وہ اس کے بین برداشت نہیں کر سکا وہ اسے اسی تالاب کے کنارے خفیہ جگہ پر ملنے آیا کریگا۔ بشرطیکہ یہ راز راز ہی رہے۔ کچھ عرصہ وہ مقررہ جگہ پر ماں سے آ کر ملتا رہا۔ مگر اس کی ماں نے اس کا ذکر

MashalBooks.com

اپنے رشتہ داروں سے کر دیا تو لڑکا پھر غائب ہوگیا۔ جس تالاب میں لڑکا غائب ہوا تھا وہ پوتر بن گیا اور وہاں قریب ہی ایک مندر بنا دیا گیا۔ بچے کے ماننے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوتا گیا اور تالاب زیارت گاہ بن گیا اب ہزاروں ہندو خصوصاً براہمن اس روز یہاں اکٹھے ہوتے ہیں جس روز لڑکا غائب ہوا تھا اور مندر میں بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ موجودہ مندر اور پکا تالاب 1865ء میں ریاست کشمیر کے دیوان کرپا رام نے تعمیر کرایا۔ بابا سائیں داس کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کو ہندو روحانی گورو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بدو کے گوسائیں میں رہتے ہیں اور ان کے ماننے والے سارے پنجاب اور نواحی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آج کل گدی نشین مہنت رام نرائن ہے۔ سالانہ میلہ بیساکھ میں قمری سن کی چودہ تاریخ کو ہوتا ہے۔ لیکن عقیدت مند ہر مہینے کی چاند کی چودھویں پر اظہار عقیدت کے لیے آتے ہیں۔ بیر کے مقدس درخت کی زیارت کرتے ہیں۔

رام نگر

رام نگر وزیر آباد کے مغرب میں سیالکوٹ ملتان روڈ پر بائیس میل کے فاصلے پر دریا کے قریب ہے۔ وزیر آباد سے براستہ سارو کے وہاں تک کچی سڑک جاتی ہے۔ تاہم اگرچہ سیدھا نہیں مگر آسان راستہ خانکی سے ہو کر جاتا ہے۔ اکال گڑھ سے رام نگر تک سڑک پختہ ہے۔ قصبے میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا مڈل سکول کچھ لڑکیوں کے سکول ہیں۔ ڈسپنسری اور تھانہ اکال گڑھ پولیس کی یہاں پر چوکی ہے۔ دریا کے کنارے ایک خوبصورت باغ میں بہت ہی نفیس اور دلکش بارہ دری ہے' یہ شہر سے نصف میل کے فاصلے پر ہے اب دورے پر آنے والے سرکاری حکام استعمال کرتے ہیں۔ یہ بارہ دری رنجیت سنگھ نے بنوائی تھی اور گرمیوں کے موسم میں اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ رام نگر لاہور اور پشاور کے درمیان پرانی فوجی گزرگاہ پر واقع ہے۔ جب جمرود میں رنجیت سنگھ کے جرنیل ہری سنگھ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا تو اس کی خبر اسے یہاں ملی تھی۔ یہاں کشتیوں کا پتن ہے جو ڈسٹرکٹ بورڈ کے زیر انتظام ہے۔ رام نگر کا اصلی نام رسول نگر ہے اور اسے چٹھوں کے سردار نور محمد نے دو سو سال قبل آباد کیا تھا۔ ان کے زمانے میں رسولنگر نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور بہت اہمیت حاصل کر گیا۔ 1799ء میں رنجیت سنگھ نے اس پر حملہ کیا' غلام محمد چٹھہ نے جو چٹھوں کا سردار تھا' بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر ہار گیا

اور رسول نگر پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے اس کا نام رام نگر رکھ دیا۔ لاہور میں رکھی مشہور زمہ زمہ توپ مغل دریا پار لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کہ رام نگر کے قریب دریا میں ڈوب گئی۔ اس پر بھنگی سکھوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر رنجیت سنگھ نے اس پر قبضہ کیا۔ رام نگر کے ایک تباہ شدہ دروازے کا نام توپ والا ہے۔ دریائی راستے سے ہونے والی تجارت میں کمی اور ریلوے لائن بچھنے کا بھی اس پر تباہ کن اثر ہوا۔ اس کے قریب اکال گڑھ کا ریلوے سٹیشن ہے۔ اب رام نگر کی کوئی تجارتی اہمیت نہی رہی' گلاب شاہ کے نام سے ایک مزار ہے۔ جس پر جون میں میلہ لگتا ہے۔ ہندوؤں کی تپسوی نام کی سمادھ ہے جہاں پر مارچ میں میلہ لگتا ہے۔ اور نواحی دیہات کے شیعہ محرم کا ماتم بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔ چٹھوں کے عروج کے زمانے میں جو اعلیٰ درجے کی عمارتیں بنائی گئی تھیں اب بھی موجود ہیں۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 4768 افراد پر مشتمل ہے۔

نومبر 1848ء میں دریا کے کنارے رام نگر کے قریب لارڈ گف کی فوج کا پہلی بار مقابلہ شیر سنگھ کی فوج سے ہوا تھا۔ سکھ دریا کے دونوں کناروں پر مورچے جمائے بیٹھے تھے تا کہ لاہور سے شمال کی طرف جانے والی گف کی فوج کو روک لیں۔ 22 نومبر کی صبح جنرل کریٹن کی سرکردگی میں ہارس آرٹلری کے تین دستوں نے سکھوں کی پوزیشن پر حملہ کر دیا سکھ چناب کے کنارے سے ہٹ گئے تو گھڑسواروں اور توپ خانے سے ان کا تعاقب کیا گیا۔ انگریزوں نے صورتحال کا صحیح اندازہ نہیں لگایا اور کچھ توپیں ریتلے نالوں میں پھنس گئیں جن پر سکھوں نے قبضہ کر لیا۔ کرنل ہیولاک نے 14 لائٹ ڈریگون کے ذریعے یہ توپیں واپس لینے کے لیے زوردار حملہ کیا مگر ناکام ہوا۔ اس میں بہادر کمانڈر بھی مارا گیا۔ جنرل کریٹن بھی اس حملے میں مارا گیا۔ کل 26 فوجی مارے گئے اور 59 زخمی ہوئے۔ جو افسر اس لڑائی میں مارے گئے وہ بارہ دری میں دفن کیے گئے۔ رام نگر کے پاس سے دریا عبور کرنے کی کوشش ناکام ہوئی تو جنرل تھیک ویل کی سرکردگی میں آدھی فوج وزیرآباد سے دریا کو عبور کرنے کیلئے بھیجی گئی تا کہ سکھوں پر شمالی کنارے سے حملہ کیا جائے۔ چنانچہ سکھوں نے پیچھے جہلم کی طرف ہٹنا شروع کر دیا۔ لارڈ گف نے 3 دسمبر کو دریا عبور کیا۔ تھیک ویل کی فوج سے ملاپ کیا اور سکھوں کا تعاقب کیا جنھوں نے ضلع گجرات میں

چیلیانوالہ کے مقام پر مضبوط پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ جہاں 13 جنوری 1849ء کو بڑی خونریز مگر غیر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔

سوہدرہ: وزیر آباد سے مشرق کی جانب پانچ میل کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے ایک قدیم قصبہ ہے۔ محمود غزنوی کے چہیتے ایاز نے آباد کیا تھا اور اس کا نام سودرہ اس لیے پڑ گیا کہ کبھی یہاں سو دروازے ہوا کرتے تھے۔ ایاز کے بعد اس پر زوال آ گیا مگر شاہجہاں کے زمانے میں مغل گورنر نواب علی مردان نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ دریا سے نہر نکالی، بہت شاندار باغ لگایا اور بیٹے کے نام پر اس کا نام ابراہیم گڑھ رکھ دیا۔ باغ کا نام نولکھا تھا اس لیے کہ اس پر نو لاکھ روپے کا خرچ آیا تھا۔ جب وزیر آباد سیالکوٹ کے درمیان ریل کی پٹڑی بچھائی گئی تو باغ ختم کر دیا گیا' عمارتی ملبہ پٹڑی کے کام آیا اور اراضی زمینداروں کو دیدی گئی۔ مغلوں کے عہد میں سوہدرہ بڑا خوشحال اور امیر شہر تھا۔ پرگنہ کا صدر مقام تھا۔ آمدنی بارہ لاکھ تھی۔ یہاں مغل عمارتوں کے بہت سے کھنڈر موجود ہیں۔ مغلوں کے زوال کے بعد اس پر گجرات کے صاحب سنگھ بھنگی نے قبضہ کر لیا۔ 1790ء میں مہاں سنگھ نے اس پر دغا اور دھونس سے قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ناکامی کے باعث جلدی اس کی موت واقع ہوگئی۔

رنجیت سنگھ کامیاب رہا۔ اس کے زمانے میں قصبہ اور نواحی علاقے گجرات کے برہمن خاندان کے دیوانوں کو بطور جاگیر دیئے گئے۔ الحاق پر جاگیر تو ضبط کر لی گئی مگر اس کی جگہ اس خاندان کو پنشن دی گئی۔ وہ بھی ختم ہوگئی ہے۔ علاقے میں مالکان میں چیمے جاٹ اور ارائیں ہیں۔ بااثر لوگوں میں چوپڑہ گوت کے کھتری ہیں جو انگلشیہ سرکار یا جموں کشمیر میں ملازمت کرتے ہیں۔ قاضیوں کے بہت سے معزز خاندان بھی ہیں جن میں سے کئی ایک سرکار کی ملازمت میں ہیں۔

تجارت ککے زئیوں کے پاس ہے' انہیں مسلمان کلال کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد شراب کشید کرنے کا کام چھوڑ دیا۔ بڑے ہوشیار تاجر ہیں۔ وہ دہلی' بمبئی وغیرہ سے درآمد شدہ کپڑا خریدتے ہیں اور پورے ہندوستان' بنگال اور دیسی ریاستوں میں بیچتے ہیں۔ یعنی پٹھانوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ انہوں نے اس طرح بہت پیسہ بنایا اور اب کچھ

نے زمینیں بھی خریدنا شروع کر دی ہیں۔ وزیرآباد کی قربت کی وجہ سے سوہدرہ میں تجارت زیادہ نہیں رہی۔ سوہدرہ ریلوے سٹیشن قصبے سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس علاقے میں پرانی اینٹیں بہت ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہر کس حد تک پھیلا ہوا تھا۔ قصبہ نسبتاً اونچی جگہ پر ہے اور بہت اچھے فرش والا بازار شمال سے جنوب کی طرف ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کا مڈل سکول اور کچھ سکول لڑکیوں کے۔ دو اچھے باغ ہیں جو دیوانوں کی ملکیت ہیں۔ سوہدرہ نام پر ایک پتن بھی ہے جس کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈ سیالکوٹ کے پاس ہے۔ 1886ء میں سوہدرہ میونسپلٹی ختم کر دی گئی تھی اور 1894ء میں اسے سمال ٹاؤن کے حساب سے نوٹیفائیڈ ایریا قرار دے دیا گیا۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 4712 تھی۔

اکال گڑھ

پختہ عمارتوں والا بڑا قصبہ ہے جس کی 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 5483 ہے جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ چوپڑہ گوت کے کھتریوں کا بڑا مسکن رہا جن میں سکھوں کے بڑے کامیاب گورنر دیوان ساون مل اور دیوان مولراج شامل ہیں۔ مول راج نے بغاوت کی تھی' ان کے علاوہ دیوان رام چند کے خاندان کے لوگ آج بھی اس شہر میں موجود ہیں۔ یہ وزیرآباد سے جانب مغرب 23 میل کے فاصلے پر ہے۔ دھان پیدا کرنے والے علاقے کے مرکز میں ہونے کے باعث تجارتی اہمیت حاصل کر رہا ہے۔ چاول چھڑنے کے بہت سے کارخانے ہیں اور چاول برآمد بھی کیا جاتا ہے۔ نہر اور ریلوے سٹیشن کے باعث یہاں خوشحالی آئی۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے اور دو میل دور نہر گزرتی ہے۔ اس میں بہت سے اعلیٰ مکانات اور باغات بھی ہیں جو دیوانوں کی ملکیت ہیں۔ بڑی گلیاں پختہ ہیں' بعض عمارتیں بہت بڑی بڑی ہیں۔ گورنمنٹ ہائی سکول اور لڑکیوں اور لڑکوں کے کئی پرائمری سکول' تھانہ' ڈسپنسری اور ضلعی افسروں کے لیے ریسٹ ہاؤس =140 سال پہلے غلام محمد چٹھہ کے بیٹے علی محمد چٹھہ نے آباد کیا تھا' غلام نور محمد نے رام نگر (رسول نگر) کی بنیاد رکھی تھی' بانی کے نام پر اسے علی پور کہا جاتا ہے مہان سنگھ کے ہاتھوں چٹھوں کی شکست کے بعد یہ قصبہ چڑھت سنگھ کے بہنوئی سردار دل سنگھ کو دے دیا گیا جس کے زمانے میں اس کا نام اکال گڑھ رکھ دیا گیا۔ ابتداء میں دل سنگھ کا رنجیت سنگھ پر بڑا اثر تھا مگر 1800 میں جھگڑا ہو گیا۔

کرل سنگھ کوقید کر کے اکال گڑھ پر حملہ کیا گیا۔ تین مہینے تک محاصرہ کیا گیا مگر ناکام۔ دل سنگھ کی زندگی میں رنجیت سنگھ اس پر قبضہ نہ کر سکا۔ اس کی موت 1804ء میں ہوئی۔ تب اس کے قبضے میں آیا۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں ملتان کے گورنر ساون مل کے حوالے سے خاندان کا نام روشن ہوا۔ اس نے بڑا اعتماد اور پوزیشن حاصل کی مگر اس کے بیٹے کی بغاوت کے بعد ناکام و نامراد ہو کر یہ خاندان یہاں سے نکل گیا۔ ملتان کی بغاوت کے بعد ہی انگریزوں کو مکمل فتح اور الحاق ہوا۔ الحاق پر دیوان مولراج اور اس کے بھائیوں کی جاگیر ضبط کر لی گئی مگر بعد میں لاکھوں روپے کی مالیت کی جائیداد واگزار کر دی گئی۔ پہلے بندوبست میں چٹھوں نے حصہ لینے سے انکار کر دیا اس لیے جو زمین جس کے قبضے میں تھی اسے ہی اس کا مالک بنا دیا گیا مگر 1856ء میں چٹھوں نے مقدمہ بازی کی اور افتادہ اراضی پر انہیں حق ملکیت حاصل ہو گیا۔ یہ اراضی وسیع ہے۔

پنڈی بھٹیاں

حافظ آباد تحصیل کے انتہائی مغرب میں واقع پنڈی بھٹیاں کو تجارتی اہمیت حاصل ہے۔ یہ لاہور سے شاہ پور اور بنوں جانے والی سڑک پر لاہور سے 70 میل اور گوجرانوالہ سے 57 میل کے فاصلے پر ہے۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 4478 نفوس پر مشتمل ہے۔ چناب کے دوسرے کنارے پر ضلع شاہ پور کی سرحد سے سات میل کے فاصلے پر لاہور اور سرگودھا کی پکی سڑک پر واقع ہے۔ قریبی ریلوے سٹیشن سکھیکی ہے۔ یہاں ڈسپنسری، تھانہ، سرائے، فوج کے لیے پڑاؤ، ڈاکخانہ اور تار گھر، گورنمنٹ ہائی سکول، لڑکوں لڑکیوں کے لیے کئی سکول اور ریسٹ ہاؤس ہے۔ قصبے کا نام بھٹی قبیلے کے حوالے سے ہے۔ بھٹی قبیلے کا مرکز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھٹنیر یا راجپوتانہ سے آنے والے جلال بھٹی نے اکبر کے زمانے میں اسے آباد کیا تھا۔ بھٹیوں کے 80 کے قریب گاؤں ہیں جن میں اسی بھٹی کی آل اولاد رہتی ہے۔ جلال بھٹی کی چھ نسلیں مسلسل اس علاقے میں موجود رہیں۔ وہ بہت بڑے علاقے پر حاکم رہے جو جنوب مشرق میں گجیانہ تک پھیلا ہوا تھا۔ گزشتہ صدی کے آخر میں رنجیت سنگھ نے ضلع کے مسلمان قبائل کے خلاف کشاکش میں بھٹیوں سے بھی لوہا لے لیا۔ انہوں نے بڑی بہادری سے بڑے عرصے تک مقابلہ کیا۔

رنجیت سنگھ نے پہلے بھٹیوں کے دوسرے اہم علاقہ جلال پور بھٹیاں پر قبضہ کرلیا اور 1802ء میں پنڈی بھٹیاں کا محاصرہ کرلیا۔ بعض سخت لڑائیوں کے بعد رنجیت سنگھ نے بھٹی سرداروں پر غلبہ پالیا جنہوں نے جھنگ کے سیالوں کے پاس پناہ حاصل کی۔ کئی سالوں بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے رحمت خان بھٹی کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ سکھوں اور انگریزوں کی پہلی اور دوسری لڑائی میں رحمت خان اور اس کے قبیلے نے انگریزوں کو امداد دی۔ گورو مہاراج سنگھ کی گرفتاری اور رام نگر' چیلیانوالہ اور گجرات کی لڑائیوں میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ الحاق کے بعد خاندان کو نہ صرف پنڈی بھٹیاں اور جلال پور میں بحال کیا گیا بلکہ جتنے گاؤں انہوں نے آباد کیے تھے ان میں سے اکثر انہیں واپس دے دیئے۔ غدر کے دوران رحمت خان بھٹی اور اس کے رشتہ داروں نے گوگیرہ کی بغاوت میں انگریزوں کی مدد کی۔ انعامات اور جاگیر حاصل کی۔ پنڈی بھٹیاں میونسپل کمیٹی تھا مگر 1890ء میں یہ درجہ ختم کر دیا گیا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ماتحت کر دیا گیا۔

پنڈی بھٹیاں میں گھی' تمباکو' دھاگے زرعی اجناس اور کابلی یا افغان پھلوں کی تجارت ہوتی ہے۔ یہاں کے موچی گھوڑوں کی بہترین کاٹھیاں اور اونٹوں کے کجاوے بناتے ہیں۔ یہاں تجارت اور قرض دینے کے سلسلے میں اروڑہ برادری بڑی مضبوط حیثیت کی مالک ہے۔ ان میں سے ایک دو تو ضلع کے امیر ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ جب سے افتادہ اراضی کو زیر کاشت لایا گیا ہے مقامی پیداوار میں بھی اور اسی حوالے سے تجارتی سرگرمیوں میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے۔ یہاں ایک بزرگ میاں خیر محمد نون کا مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مزار 1175ء میں میاں محمد یار بھٹی نے تعمیر کرایا تھا۔ عمارت بہت اچھی ہے۔ شاہ پور (تب اس میں اضلاع سرگودھا اور خوشاب شامل تھے۔) کے نون خاندان نے (جو خود کو بھٹی کہتے ہیں) بھی اس مزار میں دلچسپی ظاہر کی اور ایک بار اس مزار کی مرمت بھی کرائی۔

حافظ آباد

1931ء کی مردم شماری کے مطابق حافظ آباد شہر کی آبادی 14431 ہے۔ اہم مقام ہے کیونکہ تحصیلدار' سب جج اور غیر سرکاری سب رجسٹرار کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کی بنیاد ایک شخص حافظ نے رکھی تھی جو شہنشاہ اکبر کا بڑا پسندیدہ تھا۔ حافظ لاہور سے کپور اور چوپڑا گوت کے

کھتری لے کر آیا انہیں یہ دائمی حقوق دیئے۔ جب افغانوں کے حملے شروع ہوئے تو شہر ویران ہو گیا۔ لوگ پناہ کی تلاش میں آس پاس کے دیہات میں نکل گئے یا انہوں نے اپنی پکی بستیوں میں ڈیرہ کر لیا۔ ایسی نو دس بستیاں اب بھی ہیں۔ ان بستیوں کے مالکان زیادہ تر کپور کھتری ہیں۔ 1868ء کے بعد آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے' پھر نہروں کے ذریعے علاقے کی سیرابی' وزیر آباد سے لائل پور اور خانیوال والی ریلوے سروس کے اجراء کے باعث یہ سارا علاقہ بڑا خوشحال ہو گیا ہے۔ حافظ آباد اس علاقے کے عین مرکز میں ہے جہاں خاصی تجارتی سرگرمیاں ہیں۔ کئی بنکوں نے اپنی شاخیں کھول لی ہیں۔ شہر میں بجلی بھی ابھی آئی ہے۔ شہر کا اپنا بجلی گھر ہے۔ شہر میں تحصیل' سب ٹریژری' سب جج اور آنریری مجسٹریٹوں کی عدالتیں' سرکاری ہسپتال' تھانہ' ڈاکخانہ اور تار گھر' ریلوے سٹیشن' ریسٹ ہاؤس دو ہائی سکول اور لڑکیوں اور لڑکوں کے متعدد دوسرے سکول ہیں۔ نہر لوئر چناب کی بڑی شاخ حافظ آباد سے تین میل کے فاصلے سے گزرتی ہے۔ یہاں 1884ء میں میونسپل کمیٹی ختم کر دی گئی تھی' نومبر 84ء میں ''نوٹیفائیڈ ایریا'' پھر 1891ء میں سمال ٹاؤن اور 1935ء میں اسے پھر میونسپلٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ گوجرانوالہ سے حافظ آباد تک پکی سڑک ہے اور دونوں شہروں کے درمیان کچھ عرصے تک ریلوے بھی شروع ہو جائے گی۔ شہر پھیل رہا ہے تاہم شہر پرانا ہے اور اس کا ذکر آئین اکبری میں موجود ہے۔

جلال پور بھٹیاں

بڑا گاؤں ہے۔ حافظ آباد سے اٹھارہ میل شمال مغرب میں 1931ء کی مردم شماری کے مطابق آباد 2142 نفوس۔ یہاں تھانہ' مڈل سکول' لڑکیوں کا سکول اور ہسپتال ہے۔ 1884ء میں میونسپلٹی ختم کر دی گئی تھی۔ پرانے شہر کے کھنڈر شہر سے دو میل مغرب میں موجود ہیں۔ قدیم جلال پور (جلال پور کہنہ) موجودہ جلال پور سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ موجودہ گاؤں پنڈی بھٹیاں کے بھٹیوں نے آباد کیا تھا' یہ جلال پور کہنہ کے قریب ہے اور اس کا نام انہوں نے اس کے بانی کے نام پر کوٹ محمد پور رکھا تھا۔ جب 1802ء میں سکھوں نے جلال پور اور پنڈی سے بھٹیوں کو نکال دیا تو یہاں ارائیوں اور کھتریوں نے قبضہ کر لیا۔ بھٹی سردار نے دولت برطانیہ کی جو خدمات سرانجام دی تھیں اور جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے اعتراف

MashalBooks.com

کے طور پر انہیں ریذیڈنٹ کے اسسٹنٹ مسٹر کاکس نے کہا کہ اگر وہ لے سکیں تو اپنے پرانے مواضعات کا قبضہ لے سکتے ہیں۔ کچھ کھتریوں نے بھٹیوں کی مزاحمت کی۔ جس پر کچھ مارے بھی گئے۔ اس لڑائی کے بعد وہ بھاگ گئے اور بھٹیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہاں کے بہت سے کھتری سرکار کی ملازمت میں ہیں۔ یہاں غلے اور کپڑے کی تجارت ہوتی ہے۔ ایک بستی کھوجوں کی ہے جو کھالوں، چمڑے اور ہڈیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ یہ اشیاء یورپ کو برآمد کرنے کے لیے بندرگارہ کو بھیجی جاتی ہیں۔

☆☆☆

MashalBooks.com

ضلع شیخوپورہ

(اب تک شیخوپورہ ضلع کا کوئی گزٹیئر نہیں چھپا کیونکہ آج اس میں شامل مختلف علاقے کبھی مختلف اضلاع لاہور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' جھنگ' چناب کالونی (لائل پور' فیصل آباد) کا حصہ تھے۔ یہ ضلع 1919ء میں بنایا گیا تھا تاکہ دوسرے اضلاع پر انتظامی بوجھ کو کم کیا جاسکے۔ اس لیے ضلع کے حوالے سے کچھ ذکر ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ جو زیادہ تر معروف خاندانوں سے متعلق تھا' ایک آدھ تاریخی مقام کا ذکر بھی آگیا مگر بدقسمتی یہ کہ آج تک اس ضلع کا کوئی بھی قابل ذکر گزٹیئر تیار نہیں کیا گیا۔ تاہم 1998 میں مردم شماری اور خانہ شماری کے حوالے سے جو ضلعی رپورٹ مارچ 2000ء میں انگریزی میں چھاپی گئی اس کے کچھ مطلوبہ حصوں کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہر طور بہتر ہوتا ہے۔ مدیر)

ضلع کا نام اس کے صدر مقام کے نام پر رکھا گیا ہے اور یہ نام اس کی بنیاد رکھنے والے شہنشاہ جہانگیر کا تھا' جو اس کے والد شہنشاہ اکبر نے رکھا تھا' دراصل اکبر کو یہ بیٹا ایک صوفی بزرگ شیخ سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل ملا تھا' اس لیے بیٹے کا نام سلیم رکھا اور عرفیت شیخو کر دی۔ ان دنوں شیخوپورہ کے علاقے میں جنگلی جانوروں کا خاصا شکار میسر تھا۔ جہانگیر اور اس سے پہلے کے حاکم بھی یہاں شکار کیلیے آیا کرتے تھے۔ ایک زمانے میں اس علاقے میں (راوی کے دائیں کنارے) شیر بھی پایا جاتا تھا اور اس کا شکار کیا بھی گیا تھا۔

شیخوپورہ کو الگ ضلع 1919ء میں بنایا گیا' بعد میں سیالکوٹ' لاہور اور فیصل آباد کے اضلاع کے بہت سے علاقے اس میں شامل کیے گئے۔ 1922ء میں شیخوپورہ میں ضلعی عمارتیں مکمل ہوئیں تو ہیڈکوارٹر یہاں منتقل کیا گیا۔ شیخوپورہ میں جنڈیالہ شیر خان کے مقام پر سید وارث شاہ پیدا ہوئے جنہوں نے روحانی فیض بھی عام کیا اور ہیر رانجھے کی داستان بھی لکھی۔

MashalBooks.com

جسے پنجابی ادب میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ ان کے علاوہ ضلع کی دوسری روحانی شخصیات میں حضرت شیر محمد شرق پوری' حضرت دیوان بابا نولکھ ہزاری اور پیر بہار شاہ شامل ہیں۔اس ضلع میں سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک بھی پیدا ہوئے۔

آثار قدیمہ: سانگلہ والا ٹبہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔تکون کے دو اضلاع کی صورت میں' تیسرے خط کی طرف کھلی جگہ ہے۔شمال میں بلندی 69 میٹر ہے جبکہ شمال مشرق میں بلندی صرف 49 میٹر ہے۔ سارے علاقے میں اینٹوں کے ڈھیر کھنڈر کی صورت میں ملتے ہیں۔ یہ اینٹیں بڑے سائز یعنی 15x9x3 انچ کی ہیں۔گزشتہ تیس برس میں بہت سی اینٹیں یہاں سے اٹھالی گئی ہیں۔تقریباً چار ہزار کے قریب اینٹیں دس کلومیٹر دور شمال کے گاؤں مڑھ میں لے جائی گئیں۔ پھر اتنی ہی تعداد میں اینٹیں پہاڑی کی چوٹی پر برج بنانے کے کام آئیں جس پر سے علاقے کا سروے کیا گیا۔ پہاڑی کا گھیر (زمین پر گھیر) ایک طرف 518 سے لے کر 549 میٹر ہے جو 1.6 کلومیٹر کے دائرے پر مشتمل ہے۔سکندر یونانی کے حملے کے وقت یہاں خاصی بڑی جھیل تھی جو پہاڑی سے آنے والی مٹی سے بھر گئی۔ پہاڑی کے شمال مشرق میں دو بڑی عمارتوں کے آثار تھے۔ان میں مزید بڑے سائز (17x11x31 انچ) کی اینٹیں جنرل کننگھم نے مطالعہ کے لیے حاصل کی تھیں۔ سکالا کا برہمنی زمانے کا ذکر مہا بھارت سے لیا گیا تھا۔ مہابھارت کے حوالے سے سکالا مدرا یا مدرا دیس کا صدر مقام تھا'اسے درتی کھاس یا سکی کھاس بھی کہا گیا ہے۔ جو دریائے ایراوتی' (راوی) کے مغرب میں نالہ اپاگا کے کنارے آباد تھا۔اسرور اور سانگلہ کے پاس اب نالہ ایک بالکل خشک ہے مگر 39 کلومیٹر اوپر کی طرف ڈھاکا والا تک اس میں یقیناً پانی ہوا کرتا تھا۔اسرور شاہجہاں کے زمانے تک ایک اہم مقام رہا جہاں شہنشاہ کا بیٹا دارا شکوہ شکار کھیلنے آیا کرتا اور اس نے اسرور سے اپنی شکار گاہ تک ایک نہر نکالی جسے ایک یا جھلری نہر کہا جاتا۔چینی سیاح ہیون سانگ 630 عیسویں میں سکالا میں آیا اس وقت تک شہر کے در و دیوار ڈھے چکے تھے مگر بنیادیں اب بھی موجود تھیں۔ ان کھنڈروں کے عین درمیان میں پرانے شہر کی ایک چھوٹی سے بستی بھی موجود تھی۔ بدھوں کی ایک عبادت گاہ بھی تھی۔ جس میں سو کے قریب بدھ پجاری موجود تھے۔اور دو سٹوپے بھی تھے جن میں ایک بادشاہ اشوک نے بنوایا تھا۔شاہ کوٹ میں بھی ایک

MashalBooks.com

بڑے قلعے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جس کے تین اطراف میں پہاڑیاں تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ قلعہ ہمایوں کے عہد میں ایک پٹھان عبدی خان نے تعمیر کرایا تھا۔ اور اسی کے نام پر اس قصبے کو عبدی آباد کیا جاتا تھا۔

ضلع میں پرانی بستیوں کے کھنڈر اور پھر ان کھنڈروں پر بنائے گئے نئے دیہات کی کثرت سے اور پھر جوگے کوٹ اور نو بہار ایسے کھنڈروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بستیاں بسی اور اجڑی ہیں اور پھر ان اجڑی بنیادوں پر بڑی بستیاں بس جاتیں اور یوں یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس بات کو اس صورت میں بھی تقویت ملتی ہے کہ اکثر ان بستیوں کے ناموں کا ان لوگوں اور قبیلوں سے کوئی تعلق نہیں بنتا جو آج یہاں آباد ہیں یا جن کے آباؤ واجداد یہاں آ کر آباد ہوئے تھے' بعض ٹیلوں اور دیہات کے نام ایسے ہیں کہ ہمیں کشاں کشاں قدیم تاریخ کے زمانے میں لے جاتے ہیں۔ گاؤں بلار میں سر کپ سے منسوب قلعہ اس حکمران کی یاد دلاتا ہے جو دشمنوں کے ساتھ سر کی بازی لگا کر جواء کھیلا کرتا۔ اسی طرح امبا سے خاصی دور واقع سرکھ کا قلعہ ہے' قریب ہی رنسی کا مقام ہے۔ پھر کا پی' یا کپی' کالپی اور کندیوں (کن دیوی) کے مقامات ہیں جن سے بہت سی داستانیں منسوب ہیں۔

تاریخی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانگلہ' سکالا پنجاب کا دارالحکومت تھا جہاں سکندر کو زندگی کی بہت مشکل جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد کے زمانے میں 630ء میں چینی سیاح ہیون سانگ اس علاقے میں آیا۔ اس وقت اسرور (دوسرا نام مسرور بھی تھا نزد خانقاہ ڈوگراں) ایک سلطنت کا صدر مقام تھا جو دریائے سندھ سے لے کر دریائے بیاس تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہیون سانگ نے اس جگہ کا نام سی کیا بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ سندھ اور بیاس کے درمیان پھیلی وسیع سلطنت کا صدر مقام ہے۔ یہ مملکت پہاڑوں کے دامن (شمال میں جموں سے شروع ہو کر ملتان کے نیچے پانچ دریاؤں کے اتصال تک پھیلی ہوئی تھی۔ معروف برطانوی ماہر آثار قدیمہ اور مؤرخ جنرل کننگھم نے آج کے اسرور کے قریب موجود کھنڈروں کو اسی شہر سے منسوب کیا تھا۔ تاہم عوامی روایات اس ضمن میں خاموش ہیں لیکن لوگ کہتے ہیں کہ اس شہر کا نام ''ادم نگر یا اودانگری تھا اور اکبر کے زمانے تک یہی نام چلتے رہے' اکبر کے زمانے میں اگھا شاہ ڈوگر نے یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی پرانے ٹیلے کے اوپر موجود

ہے۔شہر کے قدیم ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہاں کے کھنڈروں میں موجود اینٹوں کا سائز بہت بڑا (18x10x3 انچ) ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک بارشوں کے بعد کھنڈروں سے انڈوستھین عہد کے سکے بھی بڑی تعداد میں مل جایا کرتے تھے۔اس طرح اس کی تاریخ ایک صدی قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔

ہیون سانگ کے عہد کے اس شہر سی کیا یا ٹکی کی تاریخ کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس کے مقابلے میں لاہور نے بہت اہمیت حاصل کر لی تھی۔سکندر کے حملے کے بعد طویل عرصے تک اس علاقے (بار) کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے کا مقدر اور شکل وصورت کئی بار بدلی ہوگی۔ یہ علاقہ کم ازکم جزوی طور پر زرعی تھا مگر پھر یہ صرف چراگاہ بن کر رہ گیا۔ بعد کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ راوی چناب کے درمیان اس علاقے میں مختلف قبائل میں کچھ ایسے تنازعے چلتے رہے ہوں گے کہ جن کے سبب یہ علاقے جنگل بنتے گئے اور ان کی پرانی حیثیت تبدیل ہوتی رہی۔

مسلمانوں کے عہد میں راوی اور چناب کے درمیانی علاقوں کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں سے دو ساہوملی یا ساہوملہی (اب تحصیل فیروز والا میں) اور شیخوپورہ کے نام سے تھے۔ممکن ہے ساہوملہی کے حلقہ میں کچھ وہ علاقے بھی شامل ہوں جو لاہور سے متعلق تھے۔ آئین اکبری میں ساہوملہی کو ایک محال لکھا گیا ہے۔شیخوپورہ کا شہر جہانگیر کے زمانے میں آباد کیا گیا۔لاہور اور پشاور کے درمیان واقع ہونے کے باعث یہ افغانوں کے حملوں کی براہ راست زد میں آتا رہا پھر سکھوں کے عہد میں اقتدار کی کشمکش میں بھی یہ علاقہ نشانہ بنتا رہا۔

تحصیل شیخوپورہ میں مغلوں کے عہد میں بار کے علاقوں پر ہندو ہنجر اور جگ یا جاگ جاٹوں کا قبضہ رہا۔اس علاقے میں موجود بہت سے کھنڈروں اور ٹیلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کبھی خاصی بڑی بڑی بستیاں آباد تھیں مگر جب مرکزی اقتدار کمزور ہوا تو طاقتور مسلم قبائل کھرلوں اور بھٹیوں نے انہیں اکثر علاقوں سے نکال دیا اور اس کے بعد ان کے پاس صرف گنتی کے گاؤں رہ گئے۔

پنڈی بھٹیاں سے شاہ کوٹ تک بار پر بھٹیوں کا غلبہ تھا۔بھٹی راوی بالا کے کھرلوں اور ورکوں کے دیرینہ دشمن تھے۔ دشمنی کی وجہ بار پر قبضے کے دعوے تھے۔ایک مرحلے پر ان تینوں قبائل میں معاہدہ ہوا جس کے مطابق شاہ کوٹ کو اپنے اپنے علاقے کی سرحد مان لیا گیا اور

اس معاہدہ کی خوشی میں تین کنوئیں کھدوائے گئے جو ابھی موجود ہیں۔ زمین پر قبضہ کرنے کی کشاکش میں لڑاکے سکھ ورک قبیلے نے تحصیل کے ان بے شمار دیہات سے بھٹیوں کو نکال دیا جو انہوں نے ہنجرا قبیلے سے چھینے تھے۔ مغلوں کے زوال خصوصاً اورنگ زیب کی موت کے بعد سکھوں کی مسلوں کے عروج کے ساتھ تقریباً اٹھارہویں صدی کے نصف سے ضلع میں شدید بدامنی اور افراتفری کا راج رہا۔ شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کے باعث علاقے کی خوشحالی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ بھٹیوں نے سکھوں کے مقابلے میں اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے کچھ عرصہ خاصی جدوجہد کی اور رنجیت سنگھ کی فوج کے خلاف بھی گوریلا جنگ کرتے رہے۔ 1799ء میں رنجیت سنگھ بہت بڑی فوج لے کر اس علاقے میں آیا تو بھٹیوں نے زبردست مزاحمت کی‘ اگرچہ میدانوں میں بھٹی ہار گئے مگر انہوں نے جلال پور اور پنڈی بھٹیاں میں قلعہ بند ہو کر بھی لڑائی جاری رکھی تاہم 1801ء میں سکھ طوفان کی طرح آئے‘ بھٹیوں کے اکثر سردار مارے گئے‘ جو بچ گئے وہ جھنگ کے سیالوں کے پاس پناہ لینے چلے گئے۔ انہیں خلاف قانون قرار دیکر ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ جب دوسری سکھ جنگ میں سکھوں کی طاقت ٹوٹ گئی 1849ء میں انگریزوں نے پنجاب کا الحاق کر لیا تو بھٹی واپس آ گئے اور انہیں ان کی جائیدادیں واگزار کر دی گئیں۔

انگریزوں نے جب نویافت صوبہ کی تقسیم کی تو رچنا دوآب کے بالائی حصہ کو ایک ضلع بنا دیا گیا اس میں گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے موجودہ اضلاع شامل تھے یہ ضلع جموں سے جھنگ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا عارضی ہیڈ کوارٹر پہلے شیخوپورہ کو اور پھر کچھ تھوڑے عرصہ کے لیے وزیر آباد کو بنایا گیا۔ 52-1851ء میں اس بڑے ضلع کو دو ضلعوں سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ گوجرانوالہ کا ضلع راوی اور چناب کے درمیانی علاقہ پر مشتمل تھا۔ جس کی چار تحصیلیں تھیں۔ گوجرانوالہ‘ رام نگر‘ حافظ آباد اور شیخوپورہ۔ 1856ء کے باقاعدہ سیٹلمنٹ کے بعد تحصیل شیخوپورہ کے متعدد دیہات ضلع لاہور کو منتقل کر دیئے گئے اور تحصیل بھی ختم کر دی گئی۔ 1892ء میں حافظ آباد تحصیل کو دولخت کر دیا گیا اور خانقاہ ڈوگراں کو الگ تحصیل بنا دیا گیا۔

برادری اور قبیلے

MashalBooks.com

ضلع کے بڑے بڑے قبیلے ہیں۔ جاٹ‘ ورک‘ چیمے‘ چٹھے‘ تارڑ‘ ہنجرا‘ کھوکھر‘ پٹھان‘ ڈوگر‘ گوجر‘ راجپوت‘ بھٹی‘ سید‘ ارائیں‘ قریشی‘ واہگہ‘ مان اور کھرل وغیرہ۔

☆☆☆

MashalBooks.com

میلے اور تیوہار

بیساکھی کا میلہ موسمی ہے' بیساکھ کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے اور ہر شہر اور قصبے میں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے میلوں میں خانقاہ ڈوگراں کا میلہ یکم ساون کو ہوتا ہے۔ یہ میلہ خانقاہ ڈوگراں میں حاجی دیوان کے بہت بڑے مزار پر ہوتا ہے۔ حاجی دیوان اکبر اعظم کے عہد میں ہوئے۔

شاہ کوٹ میں حضرت ابوالخیر نولکھ ہزاری کا بہت بڑا میلہ 11۔ چیت کو ہوتا ہے۔ جس میں بہت سے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

شیخو پورہ میں نوبہار شاہ کے مزار پر میلہ لگتا ہے۔ نوبہار شاہ کی یاد میں شیخوپورہ' فتح ریحان اور چکرالی (تحصیل فیروز والا) میں یادگار عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ نوبہار شاہ مجذوب تھے۔ 25 برس فتح ریحان میں رہے۔ 1921ء میں چکرالی چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ جیٹھ کے مہینے کی آخری جمعرات کو عرس ہوتا ہے۔ شرق پور میں ایک نامور روحانی بزرگ حضرت شیر محمد کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ جنڈیالہ شیر خان میں پنجابی کے صوفی شاعر پیر وارث شاہ کا عرس ہوتا ہے۔ ننکانہ صاحب سکھوں کا بہت بڑا متبرک مقام ہے۔ یہاں گردوارہ جنم استھان ہے۔ جو اس جگہ پر بنایا گیا ہے جہاں بابا نانک پیدا ہوئے تھے۔ پانچ سو برس سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ گورونانک کے بیٹے بابا لکشمی چند نے یہاں کچی سادھ بنائی تھی۔ ڈیڑھ سو سال بعد دیوان کوڑامل نے کچی سمادھی کی جگہ پکا گوردوارہ بنا دیا۔ ہر سال 21 فروری کو بابا نانک کے حوالے سے میلہ لگتا ہے۔ اس موقع پر ہندوستان سے ہزاروں سکھ گوردوارہ کے درشن کے لیے آتے ہیں۔

MashalBooks.com

اہم مقامات

تاریخی، سیاحتی اور تعمیری اعتبار سے ضلع کا سب سے اہم مقام ہرن مینار ہے۔ جو لاہور سے 45 اور شیخوپورہ سے 5 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا مینار 33 میٹر بلند، نو میٹر چوڑا ہے۔ جس میں 125 سیڑھیاں ہیں۔ روایت ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے بڑے خوبصورت اور دل پسند ہرن منس راج کی یاد میں تعمیر کرایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ منس راج بڑا لڑاکا بھی تھا اور جنگلی ہرنوں کے شکار میں شاہ کا بڑا مددگار تھا۔ ہرن مینار کے ساتھ بہت بڑا تالاب ہے۔ جہانگیر 350 برس قبل تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے ٹھہرنے کے لیے ایک عمارت تالاب کے درمیان تعمیر کرائی۔ جسے بارہ دری کہتے ہیں۔ یہ مقام بادشاہ کی آرام گاہ بھی اور شکار کا کیمپ بھی تھا۔ 275 میٹر لمبے اور 174 میٹر چوڑے تالاب میں اب مچھلیاں پالی جاتی ہیں۔ اب اس مقام پر پکنک منائی جاتی ہے اور مچھلی کے شکاریوں کے لیے بھی بڑی پرکشش جگہ ہے۔ ضلع میں سب سے بڑی تفریح گاہ یہی ہے۔ غیر ملکی سیاح بھی خاصی تعداد میں اسے دیکھنے آتے ہیں۔

قلعہ شیخوپورہ

قلعہ شہر کے نواح میں واقع ہے۔ یہ بھی مغل یادگاہ ہے۔ جہانگیر نے اسے 1619ء میں تعمیر کرایا تھا۔ دوسرے مغل حکمرانوں کی طرح جہانگیر بھی شکار کا دلدادہ تھا اور ان دنوں شیخوپورہ کے نواح میں بہت شکار تھا۔ جہانگیر وہاں بڑی باقاعدگی سے جایا کرتا تھا۔ قلعہ سکندر معین نامی امیر نے تعمیر کروایا تھا۔ جہانگیر کی آرام گاہ کے لیے اینٹوں اور چونے کے مصالحے سے۔ یہ عمارت بلند و بالا ہے۔ صدر دروازہ بہت بڑا ہے اور بلندی پر ہے۔ بنیاد یا کرسی بہت اونچی ہے۔ اندر داخل ہوں تو بہت بڑا برآمدہ ہے۔ اصل عمارت اور صحن اس کے عقب میں ہیں۔ برآمدے کے اندر سے سیڑھیاں چڑھ کر صحن میں جایا جاتا ہے۔ برآمدے کے ساتھ دمدمے کے قریب ملازمین کے کوارٹر ہیں۔ دائیں طرف چند قدم آگے تین منزلہ سمر ہاؤس ہے جس کی آخری اوپر والی چھت اب باقی نہیں رہی۔

سمر ہاؤس چھوٹا سا خوبصورت محل ہے۔ اس کی اندرونی بیرونی دروازوں پر رنگین تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ پھولدار نقش و نگار کے ساتھ ہرنوں کے شکار کی تصویریں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ پرندوں، جانوروں، عورتوں اور مردوں کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ نیز سرخ، نیلا

اور قرمزی رنگ نمایاں ہے۔ یہ نقش اتنے گہرے اور تابدار تھے کہ نابکار گردش زمانہ بھی ان کو نہ مٹا سکی۔ یہ نقش و نگار اور دمدمے جہانگیر کے مزاج کی شوکت اور نرمی کے عکاس ہیں۔ سمر ہاؤس کے دروازے ٹیک وڈ سے بنائے گئے ہیں ان پر خوبصورت چوب کاری ہوئی ہے۔

صحن بہت کشادہ ہے۔ جس سے قلعے کے دامن میں پھیلتے پھولتے شیخوپور شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ صحن میں ایک بہت گہرا کنواں بھی ہے۔ مگر اب اس کا کوئی استعمال نہیں۔ قلعے کے ہر کونے پر پہریداروں کے لیے گنبد نما برج بھی ہیں (جنہیں چھتری بھی کہا جاتا ہے)

قلعہ کی ملکیت دس بدست بدلتی رہی ہے۔ ایک زمانے میں یہ سکھوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے سمر ہاؤس میں اینٹوں سے ایک بدنما عمارت بھی بنا دی۔ اس عمارت میں نہ حسن ہے نہ شوکت۔ سکھوں کے بعد یہ انگریزوں کے قبضے میں آیا تو انہوں نے بھی اسے مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا (ایک بار مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوی اور پرنس دلیپ سنگھ کی ماں رانی جنداں کو اس میں قید بھی رکھا گیا)

مزار وارث شاہ

مزار شیخوپورہ سے 15 کلومیٹر دور جنڈیالہ شیر خان میں بنایا گیا ہے۔ وارث شاہ پنجابی کے بڑے معروف شاعر ہیں جنہوں نے ہیر رانجھے کی رومانوی داستان شعروں میں لکھی جو پورے پنجاب کی بڑی مرغوب شاعری ہے۔

ننکانہ صاحب

شیخوپورہ سے پچاس کلومیٹر دور ننکانہ صاحب میں بابا گورونانک پیدا ہوئے تھے۔ (اب ننکانہ صاحب کو ضلع بنا دیا گیا ہے) سال پیدائش 1469ء بکرمی بنے۔ علاقہ کے بڑے زمیندار رائے بلار بھٹی نے بابا کے نام بہت سی زمین کر دی۔ بابا کے نام پر ہی اس کا نام ننکانہ صاحب رکھا گیا (اس سے پہلے اس کا نام تلونڈی رائے بلار تھا) گورداروں کے لیے وقف اراضی اس وقت غیر مسلم اوقاف کی تحویل میں ہے۔ جسے گوردواروں کی دیکھ بھال مرمت وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ 1919ء میں اسے شیخوپورہ ضلع کی تحصیل بنایا گیا یہاں سکھوں کے بہت سے گوردوارے ہیں۔ جن میں مال جی' جنم استھان' تمبو صاحب نمایاں ہیں۔

MashalBooks.com

گوردوارہ سچا سودا

یہ گوردوارہ قصبہ فاروق آباد کے پاس ہے (یہاں پر بابا نانک نے وہ ساری رقم درویشوں پر خرچ کر دی تھی جوان کے والد نے انہیں کاروبار کرنے کے لیے دی تھی۔ نانک نے اس کو سچا سودا قرار دیا تھا۔) سکھ یاتری یہاں بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ فاروق آباد سے پہلے اس کا نام سچا سودا تھا۔

ضلع کے بڑے بڑے قصبے یہ ہیں۔ نارنگ منڈی' مرید کے' کالا شاہ کاکو' فیروز والا (شاہدرہ) شرق پور' مانگٹانوالہ' مانانوالہ' شاہ کوٹ' فیروز وٹواں' وار برٹن' سید والا' بڑا گھر' شروع شروع میں انگریزوں نے سید والا میں چھوٹی چھاؤنی بھی بنائی تھی۔

اسمبلیوں میں سیاسی نمائندگی عموماً کھرل' ورک' بھٹی' چٹھے' ارائیں اور پٹھان کرتے ہیں۔

☆☆☆

MashalBooks.com

سیالکوٹ

☆ تاریخ

☆ اہم شہر اور مقامات

MashalBooks.com

MashalBooks.com

سیالکوٹ

سکالا (اب سیالکوٹ شہر) آخری ویدزمانے میں (براہدرانیا کا اپنیشد) مدرالوگوں کا دارالحکومت تھا۔ دوآب کا نام سکالڈ وپا یا جزیرہ سکالا تھا۔ یہ سرزمین دو دریاؤں بھاگا (چناب) اور ایراوتی (راوی) کے درمیان واقع ہے۔ یونانی اسمیڈیمنس خاندان کے بادشاہوں کے صدر مقاموں میں سے یہ ایک صدر مقام تھا اور بادشاہ منیندر (ملندا) رہتا بھی یہیں تھا۔ ہنوں کے حملے کے بعد پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ طورامانا اور اس کے بیٹے مہراکلا کا صدر مقام بنا رہا۔

سرالیگزینڈر کننگھم نے آرکیولاجیکل سروے رپورٹ نمبر2 حصہ 21`22 اور نمبر 14 حصہ 47-44 میں سیالکوٹ کی قدامت پر اظہار خیال کیا ہے۔اس کی ابتدائی تاریخ کے تاروپود راجہ سالباہن یا سالواہن کی روایات سے جڑے ہوئے ہیں۔ راجہ سالباہن اس کا بیٹا راجہ رسالو اور اس کا دشمن راجہ ہوڈی پنجاب کے قصے کہانیوں میں بے انتہا مشہور ہیں۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ شروع میں یہ علاقہ گھنے جنگلوں اور بنجر میدانوں سے پٹا پڑا تھا اور یہاں صرف خانہ بدوش چرواہے رہا کرتے تھے۔انہیں یاہار اور ٹریکہا جاتا جو دریا کے کنارے جون یعنی چٹائیوں سے بنائی گئی جھگیوں میں رہتے۔ تعداد میں یہ قبائل بہت سے تھے اور مضبوط بھی۔سکندر کی پورس سے لڑائی کے کچھ عرصہ بعد پورے صوبے حتیٰ کہ ہندوستان کے دور افتادہ علاقوں سے بھی بہت سے لوگ یہاں آگئے۔ ان میں راجپوتانے کے راجہ راچوڑو کے تین مشہور بیٹے شون، ہن اور دل بھی شامل تھے۔ راجہ راچوڑورائے کا صدر مقام اجین اور اندور میں تھا۔آنے والوں نے مقامی لوگوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔انہوں نے زراعت اور آبپاشی کے لیے کنوؤں کے استعمال کا طریقہ یہاں مقامی لوگوں میں متعارف

کروایا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ باقی علاقوں سے تقریباً پانچ لاکھ لڑاکا رضا کار یہاں آئے تھے۔ان میں سے ساڑھے تین لاکھ نے زراعت پر اتنی محنت اور توجہ سے کام کیا کہ صرف اڑھائی سو سال بعد ہی لاہور سے ملتان، قصور اور سیالکوٹ تک سارے جنگل صاف کر دیئے گئے تھے۔ نئے آباد کاروں کو مقامی لوگوں نے بھی مدد دی۔ان مقامی لوگوں کو دوآبہ چج (جہلم چناب) اور سندھ ساگر میں کہی جاتا جبکہ رچنا میں جھون اور پچادھ اور باری دوآب میں بھلر، مان اور ہیر کہا جاتا۔ بکر ماجیت کے عہد میں پنجاب میں طاقتور قبیلہ شون دل تھا مگر یہ قبیلہ مقامی لوگوں سے شادی بیاہ نہیں کرتا تھا اور انہیں کم حیثیت سمجھ کر انہیں گھوز، گھوٹ باگا (سنسکرت میں یوتا) یا جیسے آج کل جاٹ کہا جاتا ہے۔آج بھی ہندوؤں کے زرعی علاقوں کے عین درمیان میں یہ کہا جاتا ہے کہ جاٹوں کی بھی صرف ڑھائی گوتیں خالص جاٹ رہ گئی ہیں۔بھلر، مان اور آخری ہیر آدھی۔ باقی سارے کے سارے اصلاً راجپوت ہیں تاہم وہ دن تو گزر گئے اب ان نسلوں کے آثار اور شواہد بھی کم رہ گئے ہیں ۔ نیناں کوٹ کے نواح اور جموں کے پہاڑوں کے قریب اب بھی جھون قبیلہ پایا جاتا ہے اور یہ بات بھی ٹھوس بنیاد پر سوچی جاسکتی ہے کہ ہندل قبیلہ جس کے ضلع سیالکوٹ میں متعدد گاؤں ہیں دراصل راجپوتانے سے آنے والوں کی اولاد ہے۔

اب ضلع میں بڑے بڑے قبیلے یہ ہیں

باجوے جو غالباً ملتان کی طرف سے آئے۔اعوان جو کہتے ہیں کہ غزنی سے آئے تھے۔ گھمن وسطی ہندوستان کے علاقے مکیالہ سے۔سندھوا اودھ سے اور سلیر یا راجپوت اوپر کی پہاڑیوں سے اترے تھے۔ان قبائل کے پاس پورے ضلع کے آٹھ سو کے قریب گاؤں اور اراضی ہے جو پورے ضلع کی ایک تہائی سے زائد بنتی ہے۔ان میں سے صرف اعوان دعویدار ہیں کہ وہ شروع سے ہی مسلمان ہیں۔ پھر منہاس ہیں جن کا شجرہ نسب جموں کے راجوں شہزادوں سے ملتا ہے۔ پھر باجوے ہیں جن کے نام بجوات کا علاقہ ہے یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ یہ دونوں قبیلے اصلاً راجپوت ہیں اور ان کے آباؤ اجداد بھی ایک ہیں۔منہاس ورکوں کے ساتھ اور باجو باجوں کے ساتھ جبکہ اب ان دونوں کو جاٹ کہا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی اصل راجپوت ہے۔

قدامت کے لحاظ سے سیالکوٹ (سابق سلکوٹ) اور پسرور (پرسرور) اہم شہر ہیں۔

پسرور شہر کے اردگرد جاٹ باجوں کے گاؤں ہیں ان کا پہلا بزرگ کھولو پہلے پنوانا میں آباد ہوا تھا اس کے چھ بیٹے تھے جنہوں نے بھاگووال، روڑکی، خانووالی، چونڈہ، نارووال اور پسرور آباد کیے۔ منکاہ نے پسرور بسایا تھا۔ روایت ہے کہ مغلوں کے عروج کے زمانے میں ایک فقیر سید جلال کی خانقاہ کی زیارت کرنے آیا۔ منکاہ نے اس زمانے کی روایت کے مطابق ایک روپیہ اس کی نذر کیا۔ مگر فقیر بڑا ناراض ہوا اور نذر وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ فقیر نے اپنی راہ لی مگر وہ مقامی لوگوں کے مہذب ہونے کو نہ بھلا سکا۔ بارہ برس بعد وہی فقیر ہمایوں کے روپ میں یہاں آیا۔ اس نے منکاہ کو بلایا اور اسے پرگنہ پسرور کا حاکم بنا دیا چنانچہ منکاہ نے شہر بسایا اور ہر قبیلے اور ذات کے تاجروں کو یہاں لاکر بسایا۔ منکاہ کی موت پر اس کا بیٹا کمسن تھا اس لیے نارو (اس کے بھائی) کے بیٹے فتح مند نے انتظام چلایا اور خود بھی دہلی گیا، اکبر بادشاہ نے اس کو عزت و تکریم سے نوازا۔

سیالکوٹ کے بارے میں ہمارے پاس ایسی معلومات ہیں جو بتاتی ہیں کہ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد راجہ سل یا سلانے رکھی جو پانڈو قبیلے سے تھا۔ چنانچہ شہر کا نام سلکوٹ ہو گیا۔ یہ پانچ ہزار پہلے کا ذکر ہے اس کے بعد بارہ سو سال تک یہی خاندان سیالکوٹ پر حکمران رہا۔ اس کے بعد ایک خوفناک سیلاب آیا اور سارا علاقہ تباہ ہو گیا۔ اگلے ہزار برس یہ علاقہ اسی حالت میں مکمل طور پر غیر آباد رہا۔ سیالکوٹ کا دوبارہ تذکرہ اس وقت ملتا ہے جب یہ کشمیر کا حصہ بن جاتا ہے اور راجہ سوم دت پورے سو سال امن و امان کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ یہی زمانہ تھا جب بکرماجیت اجین کا حاکم تھا۔ راجہ سالواہن نے قلعہ تعمیر کیا اور سیالکوٹ کو راجدھانی بنایا۔

ایک عجب قصہ یہاں مشہور ہے کہ ایک کھترانی نالہ ایک میں نہا رہی تھی کہ اسے باشک ناگ نے دیکھ لیا۔ اس پر عاشق ہوا اس کھترانی کے بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام سالوان رکھا گیا جو اس باشک ناگ کی مدد سے بڑا ثروت مند اور مضبوط حاکم بنا۔ اس قصے کے ذریعے دراصل پہاڑی علاقے میں ناگ پوجا کی روایت سے تعلق بنتا ہے اور یقیناً بہت ہی پرانے زمانوں کا قصہ ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ بکرماجیت سیالکوٹ آیا بھی تھا مگر سالوان اسے ملنے یا اس کا استقبال کرنے نہیں گیا اس لیے ان میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں بکرماجیت مارا گیا۔ راجہ

سالواہن نے فتح کی خوشی میں بکرماجیت کا سال ختم کر کے ساکا کا نظام شروع کردیا اس کا ذکر اور حوالہ آج کل بھی ملتا ہے اس طرح سمپت کا سال 1916 ساکا کا 1779 بنتا ہے۔راجہ سالباہن کے دو بیٹے تھے۔ پورن بھگت اور رسالو۔ پورن فقیر بن گیا تھا اس سے پہلے اس کا باپ اس سے اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اسے کنوئیں میں پھنکوا دیا۔آج اس جگہ کو پورن والا کھوہ کہتے ہیں۔پانی بڑا ٹھنڈا ہوتا ہے اور اس کے دھونے سے زخم اور جلدی امراض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ نئے چاند کی ہر پہلی اتوار کو یہاں بے اولاد زائر عورتیں اولاد کی دعا کرنے آتی ہیں۔

راجہ رسالو نے ان ابتدائی زمانوں میں زیادہ ہی کارکردگی دکھا کر بڑا نام پیدا کیا۔کہا جاتا ہے کہ 360ء میں راجہ ہودی (جو گکھڑوں کا سردار بتایا جاتا ہے) نے دریائے اٹک کے کنارے کالاباغ اور اٹک قلعے کے درمیان ایک سلطنت قائم کی تھی۔اس نے جہلم دریا کی مغربی جانب کا تمام علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔اس طرح اس نے راجہ رسالو سے بھی معاہدہ کرلیا اور اس سے وعدہ لے لیا کہ اپنی بیٹی کا بیاہ اس سے کردے گا۔راجہ رسالو نے وعدہ پورا نہیں کیا تو راجہ ہودی نے سیدھا سیالکوٹ پر حملہ کردیا۔راجہ رسالو میدان جنگ میں راجہ ہودی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھا اس لیے وہ قلعہ بند ہوگیا۔راجہ ہودی نے چھ ماہ تک ہر تدبیر آزمائی مگر قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ چنانچہ اس نے فتح کا ارادہ ترک کردیا اور پورے ملک میں لوٹ مار کرنے لگا اس نے شن دل اور جاٹوں کو جو پہلے فرار ہوگئے تھے مغلوب کرلیا اور ان کو لے کر سانگ سفرہ (لاہور سے چودہ میل جنوب مشرق میں ایک بڑا گاؤں اور سکندر کے زمانے کا مشہور مقام سانگلہ) میں آ گیا۔ دریں اثناء راجہ رسالو کی بیٹی شادی کے لیے بے تاب تھی اس لیے اس نے راجہ ہودی سے نامہ و پیام شروع کردیا اور پھر وہ راجہ ہودی کے ساتھ جاملی۔راجہ ہودی اسے اور اپنی فوج کو لے کر لاہور کے قریب لوم یالم کے مقام پر آ گیا۔ بڑی جھک جھک اور تلخیوں کے بعد دونوں حکمرانوں میں جھگڑا ختم ہوا جس جگہ یہ جھگڑا ختم ہوا اس کا نام سارنگ تھا چنانچہ رسالو کی بیٹی اور راجے ہودی کی ملکہ کا نام بھی سارنگ ہی پڑ گیا۔ سارنگ یا سارنگڑی کے کھنڈر اب بھی ماجھا کے علاقہ میں لاہور سے بارہ میل شمال مشرق میں سوریاں کے پاس موجود ہیں۔اس کے بعد دونوں راجے دوست بن گئے اور راجہ ہودی اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اپنا سارا مفتوحہ علاقہ راجہ رسالو کے لے پالک بیٹے راجہ کرم کو دے دیا

اور اسے ''مائلی ملک'' (مالک الملک؟) کا خطاب دیا۔ اس معاہدہ کے تحت سارنگڑی کے ملحقہ اور نواحی علاقے سیا خاندان کو دے دیئے گئے۔ 400ء میں راجہ رسالو کا انتقال ہوا تو اس کے بعد پورن کی بددعا سے اس علاقے میں اگلے تین سو برس خوفناک تباہی آئی۔ بڑے قحط پڑے اور علاقہ مسلسل لوٹ مار کا نشانہ بنا رہا۔ 790ء میں راجہ نیروت نے یوسف زئیوں کی مدد سے بہت بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور قلعہ اور سیالکوٹ کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے سارنگڑی پر بھی حملہ کیا اور پرکاہ تک نہیں چھوڑا۔ اس طویل عرصہ بعد تک سیالکوٹ کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ صرف ایک بات کی خبر ہے کہ یہ شہر جموں کے راجہ برہم دیو کے قبضے میں رہا پہلے یہ جموں والے راجے کو خراج ادا کرتا تھا پھر دونوں کے لاہور میں نامزد صوبیدار کو مالیہ ادا کرتا۔

1184ء میں شہاب الدین غوری نے پنجاب پر حملہ کیا جہاں آخری غزنوی بادشاہ کی حکومت تھی۔ غوری لاہور کو تو نہ جھکا سکا مگر باقی سارے علاقوں کو جی بھر کو لوٹا اور پھر سیالکوٹ کے قلعے کی مرمت کی اسے مضبوط بنایا اور اس میں اپنی فوج چھوڑ کر واپس غزنی چلا گیا تو لاہور کے سلطان خسرو ملک نے گکھڑوں کی مدد سے سیالکوٹ کا محاصرہ کر لیا مگر اسے قابو نہ کر سکا تاہم کچھ عرصہ کے بعد قلعہ فتح ہوا۔ اس ضمن میں سوہدرہ کے پتن یا گھاٹ کا بھی تذکرہ موجود ہے لگتا ہے کہ پرانے زمانوں میں دریائے چناب پر سوہدرہ بہت بڑا گھاٹ تھا۔

1399ء میں امیر تیمور دہلی سے واپس پلٹا تو وہ پہاڑوں کے سائے میں سفر کرتا جموں پر قابض ہوا مہاراجہ کو گرفتار کیا اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ یقیناً اس نے اس سفر میں سیالکوٹ کا چکر بھی لگایا ہوگا۔

1520ء بابر سیالکوٹ کے راستے ہندوستان گیا۔ کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہوا اس لیے لوگ قتل عام سے بچ گئے۔

1524ء میں خسرو کوکلتاش کو سیالکوٹ کا گورنر مقرر کیا بابر نے پنجاب پر پورا غلبہ اس وقت پایا جب 1525ء میں دریائے سندھ سے بڑھتا جوگیوں کے ٹلہ بالناتھ کے نیچے سے گزرتا جہلم کو عبور کر گیا یہاں اس نے سید طوفان اور لاجین کو پوری برق رفتاری سے لاہور کی طرف بھیج دیا کہ لڑائی نہیں کرنی۔ ان دونوں کو الگ الگ راستے پر بھیجا اور کہا کہ سیالکوٹ یا پسرور میں ملاپ کریں وہ خود بھی پہاڑیوں ساتھ ساتھ سیالکوٹ کی سمت بڑھا جہاں وہ 14 ربیع

MashalBooks.com

الاول کو پہنچا۔ اس کی ترک فوج نے اس سے دریائے چناب کے کنارے ملنا تھا مگر ان پر جاٹوں اور گوجروں نے حملہ کر دیا۔ بابر نے ان کو کڑی سزائیں دیں۔ اب بابر کو اپنی بکھرے ہوئے دستوں کو اکٹھا کرنے میں بڑی مشکلات پیش آ رہی تھیں چغتائی کے کہنے کے مطابق اس نے شالم اور نور بیگ کو لاہور میں بیگوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں سے دشمن کی پوزیشن کے بارے میں خبر لائیں اور یہ بتائیں کہ ان سب کا اس کے ساتھ ملاپ کب اور کہاں ہو سکتا ہے۔ لاہور میں اس کے جو دستے تھے ان میں سے چند سیالکوٹ اس کے پاس پہنچ گئے۔ وہ پسرور کی طرف بڑھا دوسرے کمانڈر بھی اسے وہاں آن ملے۔ یہاں سے وہ کلانور کی طرف روانہ ہوا پھر اس نے حسوان دون میں ملوٹ کا محاصرہ کر لیا۔

اکبر کے زمانے میں (چناب کے کنارے بجوات کے علاقے کو چھوڑ کر) باقی علاقہ یا ضلع رچن آباد سرکار کہلاتا جو صوبہ لاہور میں تھا۔ مالیہ کا طریقہ یہ تھا کہ مزروعہ زمین پر فی بیگھ کے حساب سے مالی تشخیص کر دی جاتی۔ ضلع میں مالیہ وصول کرنے کیلیے اعلیٰ افسر تعینات ہوتے جبکہ پرگنہ میں ایک قانون گو ہوتا جو زمین کی پیمائش مالیہ وغیرہ کا ریکارڈ رکھتا اس کے علاوہ باہمی تنازعات کے فیصلے بھی وہی کرتا۔ شاہجہان کے زمانے میں معروف انجینئر علی مردان خان سیالکوٹ کا حاکم تھا۔ اس کا طریق حکمرانی سراہا گیا۔ وہ نقد مالیہ کا مطالبہ کرتا۔ موسم یا فصل کی حالت کے حوالے سے نقد ادائیگی کا حکم بھی تبدیل کر دیتا اور مالیہ کی بجائے ان سے نہریں کھدوانے کا اور دوسرے کام لے لیا کرتا۔ اس زمانے میں مالیہ وصول کرنے کا کوئی ریکارڈ نہیں۔

شاہجہان ہی کے زمانے میں شہزادہ مراد بخش کی سرکردگی میں مغل فوج کابل سے واپس آئی تو اس نے سیالکوٹ پٹھان کوٹ والا راستہ اختیار کیا جس سے لگتا کہ سکندر اور چینی سیاحوں کے زمانے میں بھی یہی سڑک استعمال ہوتی تھی۔

محمد شاہ کے راج کے خاتمے پر جب مغلوں پر بڑا زوال آیا ہوا تھا ان دور افتادہ علاقوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ گویا یہاں ہر طرف خلفشار اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ سیالکوٹ پر ایک طاقتور پٹھان خاندان نے قبضہ کر لیا جبکہ پہاڑ کے دامن کے علاقے راجہ رنجیت دیو نے ہتھیا لیے۔ ظفروال پسرور اور ڈسکہ لاہور کے ماتحت تھے مگر انہیں نوائی یا تپوں میں تقسیم کر دیا بعد میں انہیں تعلقہ کہا جانے لگا۔ اس مرحلے (1748) پر احمد شاہ ابدالی کابل

MashalBooks.com

سے مزید فوج لے کر میر منو کو سزا دینے کے خیال سے حملہ آور ہوا۔ میر منو نے سرہند میں احمد شاہ ابدالی کے پہلے حملے میں اس کے ارادوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ میر منو نے جب دیکھا کہ اسے دہلی سے کمک نہیں آئی تو اس نے احمد شاہ ابدالی سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ ایک معاہدہ کے تحت چار اضلاع گجرات، سیالکوٹ، پسرور، اورنگ آباد ابدالی کو دے دیئے گئے۔ احمد شاہ ابدالی کو شکایت ہوئی کہ ان اضلاع کی آمدنی اس تک نہیں پہنچ رہی تو اس نے 1751ء میں یلغار کی۔ گجرات تک آیا جہاں سے لاہور پیغام بھیجا اور مالیہ طلب کیا مگر لاہور نے انکار کر دیا۔ ابدالی لاہور تک بڑھ آیا جہاں جالندھر دوآب کے آدینہ بیگ خان اور ملتان کے کوڑا مل کی مشترکہ فوج نے شاہدرہ میں احمد شاہ ابدالی کی فوج سے جنگ کی۔ احمد شاہ ابدالی کا پلہ بھاری رہا۔ اس نے پنجاب اور سرہند میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اپنے بیٹے تیمور کو لاہور کا حاکم بنا کر واپس چلا گیا۔

اس زمانے میں پہاڑوں سے ملحقہ علاقوں پر دو راجے کرپال دیو اور رنجیت دیو حاکم تھے۔ اول الذکر کا صدر مقام باؤ کا قلعہ تھا جبکہ نالہ توی کے مغرب کا علاقہ موخر الذکر کے پاس تھا۔ رنجیت دیو نے بڑی چالاکی سے اپنے عزیزوں میں یہ مشہور کر دیا کہ اس پر دہلی سے رقم کی وصولی کیلیے بڑی یورش ہونے والی ہے اس لیے وہ سب اس کے ساتھ پہاڑ پر آ جائیں۔ پھر اس نے دہلی کو سفارت بھیجی اور دہلی نے اسے کرپال دیو کی ریاست پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی۔ اس وقت سے رنجیت دیو دہلی دربار کے تابع ہو گیا اور اس نے اپنی ریاست میں توسیع کا کام جاری رکھا اور سرحد وسیع کر کے روڑاس اور پٹھان والی تعلقہ تک لے آیا۔ جب درانی لاہور پر حملہ آور ہوا اس بدنیت پہاڑی راجے نے اس کے قریب ہونے اور کوئی معاہدہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی آخر درانی نے اس کی بات مان لی۔ کہا جاتا ہے کہ جب درانی متھرا فتح کر کے واپس آیا تو اس نے ظفروال، سنکھترہ اور اورنگ آباد راجے کو تحفے کے طور پر دے دیئے۔ پرگنہ میں بہت بڑا تعلقہ چونڈہ کا ہے (جس کا ایک نام مغلوں کے زمانے میں سنکھترہ شاہ پور لطیف تھا) یہ 84 ہزار بیگھ پر پھیلا ہوا ہے۔ چونڈہ (چار ڈنڈاں) سے نکلا ہے کہ یہ مزید چار حصوں میں تقسیم تھا۔ ڈورا، کندراہ، ڈگراہ اور ریکی۔ یہ خاصا قدیم مقام ہے اس کی بنیاد نانک نے رکھی تھی جو باجوہ آبادی کے بانی کالو کا بیٹا تھا۔ اس قبیلے کا ایک سردار رحمت خان بڑا امیر کبیر اور اثر و رسوخ والا تھا اس نے یہاں قلعہ بنایا وہ ابھی اسے مضبوط اور موثر بنا

رہا تھا کہ رنجیت دیو نے اس پر یک دم حملہ کر دیا اور چونڈہ کو اپنی ریاست میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک مرحلے پر رنجیت دیو مشکل میں تھا اور لاہور میں خان بہادر کی قید میں تھا تو ٹکریا کے ایک قاتل راجپوت پرتھو قذاق نے راجہ کے ایجنٹ چھجو خان سے چوبارہ کا تعلقہ چھین لیا۔ پرتھو نے قلعہ پر قبضہ کیا چھجو خان کو مار دیا اور سلہریوں کو زیر نگیں کر کے یہاں ایک چھوٹا قلعہ (گڑھی) اور بارہ دری بنا دی۔ تب سے اس کا نام گڑھی چوبارہ ہے۔

اس نے جتو کے میں آباد تمام منہاسوں کو قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رنجیت دیو کو پہنچی وہ خود راجپوت تھا اور اسی قبیلے سے تھا تو اس نے پرتھو پر حملہ کر دیا اور اسے چاروا کے نزدیک شکست دی اور چوبارہ پھر اپنی ملکیت میں شامل کر لیا۔

اس طریقے سے وہ 1773ء تک اپنے علاقے میں توسیع کرتا رہا اور اس کا حکم چجد وآب کے مقام ڈنگہ سے لے کر دریائے چناب پر کلووال تک اور پھر رڑاس سے سنگھترہ، منڈو خیل اور شکر گڑھ پرگنہ تک چلتا تھا۔

تاہم اس کی ریاست میں سیالکوٹ شہر اور پرگنہ شامل نہیں تھے۔ اس پر ایک طاقتور پٹھان خاندان کا قبضہ اس وقت تک رہا جب تک سکھوں نے آپس میں اتحاد کر کے ملک کو لوٹنے، نام بنانے اور اقتدار حاصل کرنے کا گر نہیں سیکھ لیا اور پھر ایک بڑی ریاست قائم کرنا ان کا مقدر ہو گیا۔

رنجیت دیو نے پہاڑوں کے دامن والے جو علاقے اپنی ریاست میں شامل کیے وہاں اس کا طریق حکمرانی مغلوں کے منصفانہ طرز حکمرانی کے مقابلے میں بڑا اکھڑ اور سخت تھا۔ راجپوت فصل پر مالیہ ایک خاص شرح تک جنس کی صورت میں وصول کرتے جسے بولی یا باؤلی کہا جاتا۔ یہ شرح ایک تہائی اور بعض اوقات ایک چوتھائی ہوتی۔ پھر ہاؤس ٹیکس گھڑا وار وبھی لگا دیا گیا جس پر لوگ بہت تنگ ہوئے۔ ناپ تول سے بھی کام لیا جاتا کوئی ریکارڈ نہ رکھا جاتا سوائے اس کے جس کا گاؤں کے اندرونی معاملات سے تعلق ہوتا۔ امن وامان برقرار رکھنے کے لیے نئے افسر رکھے گئے مگر مالیہ وغیرہ زیادہ تر قبائل کے سربراہوں اور مقامی طور پر تقسیم کاروں کے ذریعے وصول کیا جاتا۔ اراضی پر ملکیت راجے کی تھی وہ جب چاہے جسے چاہے دیدے۔ زمین پر کاشتکار کو کسی وقت ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں بھیجا جا سکتا تھا اور ریونیو ایجنٹ (کاردار) اپنی من مرضی سے جسے چاہتے زمین کاشت کے لیے دے دیتے۔

MashalBooks.com

اس وقت درانی کا اثر ورسوخ تقریباً ختم ہوگیا تھا اور سکھ اپنے آپ کو منظّم کر رہے تھے۔ دوسکھ لیڈروں جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ نے پٹھانوں سے سیالکوٹ چھین لیا۔ یہ بھنگی مسل کے معروف گلاب سنگھ بازی والا کے ساتھی تھے۔اس کے بعد یہ چار سرداروں کو دے دیا گیا۔نتھا سنگھ شاہد موہر سنگھ اٹاری والاؑ صاحب سنگھ عینا نوالہ اور جروار سنگھ گھمن جو علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کر کے رہتے اور قلعہ ان کے مشترکہ قبضے میں تھا۔اب رنجیت دیو کا اپنے بڑے بیٹے برج راج دیو سے جھگڑا ہوگیا رنجیت دیو اپنا جانشین برج راج دیو کے بھائی مہاں دلیلو کو بنانا چاہتا تھا۔ برج راج دیو نے باپ کے خلاف بغاوت کردی اور مدد کے لیے سردار چکر سکیہ سردار چڑھت سنگھ (جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دادا تھا) سے رابطہ کیا اور اس کے عوض اسے سالانہ بھاری خراج دینے کا وعدہ کیا۔ چڑھت سنگھ کو رنجیت دیو سے پرانی پرخاش بھی تھی۔ پھر پیش کش بھی پرکشش تھی' اس نے جے سنگھ کنجاہیا کو بھی ساتھ ملایا اور نالہ بسنتر پر رنجیت دیو کی ریاست کے عین سامنے آگیا۔ یہاں رنجیت دیو کی فوج سے مقابلہ ہوا جسے جھنڈا سنگھ بھنگی کی حمایت بھی حاصل تھی۔لڑائی ابھی تھوڑی ہی ہوئی تھی کہ چڑھت سنگھ مارا گیا۔ جے سنگھ نے چڑھت سنگھ کے بیٹے مہاں سنگھ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور پہاڑی راجہ کا پگ بدل دوست بن گیا۔

اب پنجاب میں ایک نیا دور شروع ہو رہا تھا۔1770ء میں دو غیر معمولی اور حیران کن واقعات ہوئے۔ راجہ رنجیت دیو اسی سال مرا اور رنجیت سنگھ اسی سال پیدا ہوا۔ یوں لگا کہ پہاڑی شیروں کی پسپائی اور میدان کے شیروں کا عروج شروع ہو رہا ہے۔تاہم میدان کے شیروں کے ابھرنے کے ساتھ ہی انتہائی منحوس نشانات بھی نظر آنے لگے ایسے کہ جن سے حکومتیں اور سلطنتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔آبادی تباہ ہو جاتی ہے اور یہ تھے انتہائی خوفناک قحط۔اس ضلع کے لوگ اس قحط کو "سن چالیس" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔1783ء تک مسلسل تین برس میں پورے ملک میں بھوک اور موت کی حکمرانی تھی اور ہزاروں لوگ کشمیر کو ہجرت کر گئے۔

مگر ان آفات نے مہاں سنگھ کا درخشاں مستقبل کی طرف جانے والا راستہ نہیں روکا۔ یہی راستہ اسکے بیٹے کے لیے بن رہا تھا۔اسے کہا گیا کہ اس دوآب کے جنوبی حصے کو لوٹا جا سکتا ہے وہاں خاصا مال ہے مگر رنجیت دیو کی موت اس کے بعد اس کے بیٹے برج راج دیو کی

MashalBooks.com

حکومت میں لاقانونیت' خلفشار اور بے اطمینانی کی خبریں سن کر اس نے سوچا کہ یہاں کود پڑنے کا بہترین موقع ہے۔ 1784ء میں فوج لے کر پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا۔ برج راج کے لیے مہاں سنگھ کا مقابلہ کرنا مشکل کام تھا اس لیے وہ فرار ہوگیا اور تری کوٹی دیوی (تین چوٹیوں والی) میں چلا گیا۔ یہ چوٹیاں صاف دن میں سیالکوٹ سے نظر آتی ہیں۔ سکھ لیڈر نے جموں کو تہس نہس کر دیا۔ پورے علاقے کو خوب لوٹا اور بے شمار دولت اور ساز وسامان لے کر واپس چلا گیا۔

اسی زمانے سے پہاڑی راجوں کے برے دن آگئے۔ بھنگی سرداروں نے کہا کہ جموں کا راجہ کمزور ہوگیا ہے تو انہوں نے روز روز اس کی ریاست کی سرحدوں پر دھاوے بولنا شروع کر دیئے۔ ریاست کے تعلقہ چپراڑ پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔ جموں کے راجے نے بعد میں مذاکرات کیے تو اس میں سیالکوٹ پر قبضہ کرنے والے سرداروں نے چپڑاڑ کے عوض راجے سے پچیس ہزار روپے ٹھگ لئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک موقع پر رنجیت دیو کو مجبور کر کے بھنگی مثل کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپیہ لیا گیا تھا۔ اس طرح سکھ مضبوط ہوتے گئے ان کو روکنے کیلیے برج راج دیو نے زور دار کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ رمال میں ایک بڑی جنگ ہوئی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس گاؤں میں ایک لوح (سادھ) بھی موجود ہے جس پر لکھا ہے کہ برج راج دیو یہاں مارا گیا تھا اور اس کی فوجیں ہار گئی تھیں۔ یہ جنگ بڑی فیصلہ کن رہی کیونکہ اس کے بعد سکھوں کا عروج شروع ہوگیا اور یہاں اس علاقے میں جموں سے صرف 25 میل کے فاصلے پر سکھوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ رنجیت دیو کے زمانے میں جس قدر علاقے اس کی ریاست میں شامل کیے گئے تھے ان سب پر ایک دم سکھوں نے قبضہ کر لیا اور مال غنیمت سرداروں اور سپاہیوں میں تقسیم ہوگیا۔

یہ نسبتاً غریب سا خاندان تھا جو مستقبل کا لیڈر بننے والا تھا اور بڑی جلدی بادشاہت قائم کرنے والا تھا۔ ان سکھ راہزنوں نے مختصر مدت میں بڑی لوٹ مار کی تھی ان کا ڈیرہ گوجرانوالہ میں تھا۔ اس ضلع (سیالکوٹ) میں ان کے قبضے میں صرف دو تعلقے سندھاوالا اور تیغا منڈیالہ مگر اس ایک لیڈر میں دانش' ذہانت اور عمل کی ایسی زبردست آمیزش ہوئی کہ اس نے بیس سال (1790-1810) کے عرصے میں یا تو اس ضلع کے ہر حصے کو فتح کر لیا یا اپنے حق میں ضبط کر لیا اور پورا ضلع اس کے قبضے میں آگیا۔

MashalBooks.com

اگر چہ اس مسل کے اندر ایک دوسرے کے بارے میں بڑے شبہات پائے جاتے تھے مگر ان کی ہوس نے شاید ان کی کامیابی میں اور رنجیت سنگھ کو شیر بادشاہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پچھلے سارے مالی نظام کی ساری خوبیوں کو ختم کر کے ملک کو سیاسی خطوں جنہیں تعلقے کہا جاتا ہے میں تقسیم کر دیا گیا۔

اب مختصراً یہ بیان کرنا باقی ہے کہ رنجیت سنگھ نے اس ضلع کو کس طور اپنی ریاست میں ضم کیا۔ اس نے تین جنگیں لڑیں اور مخالف مسل نے ہار مان کر سب کچھ اس کے پاؤں میں رکھ دیا۔ 91-1790ء میں اس نے گجرات کے گوجر سنگھ سے سوہدرہ چھین لیا اور گوجر سنگھ لڑائی میں مارا گیا۔ اپنی فتوحات میں توسیع کرنے کیلیے اس نے گنپت رائے کو گھوینکی بھیجا۔ اس نے قلعہ کو لوٹا اور بھنگیوں کے مقبوضات میں پہلی بار راستہ بنالیا۔ جب سدھ سنگھ ڈوڈیا مر گیا تو اس سے اگلے سال جاکے اور بھوپال والا پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسی طرح 1807ء میں نر سنگھ (چمیاری) مرا تو پسرور اور نواح میں تیرہ تعلقے اپنی ریاست میں شامل کر لئے۔ ان ضبطیوں کو دیکھ کر سیالکوٹ کے سرداروں نے اکٹھے ہو کر مزاحمت کا سوچا جس کے بعد (لاہور سے) دیوان محکم چند کو بھاری فوج دے کر سیالکوٹ بھیجا گیا۔ شہر اور قلعے میں چار سرداروں نے جم کر مقابلہ کیا مگر شہر اور قلعہ دونوں رنجیت سنگھ کے قبضے میں آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اٹاری کی جنگ دونوں فریقوں کے لیے بڑی مہلک ثابت ہوئی۔ یہ انیس دن تک جاری رہی تاہم فائدہ بڑا ہوا اور مزید کوئی انیس بیس تعلقے فاتح کی ریاست میں شامل کر لیے گئے۔ اس کے دو سال بعد جود سنگھ (وزیر آبادیا) مر گیا۔ اس کے پاس جاگیر تھی اس کے بیٹے گنڈا سنگھ نے جب مطلوبہ مالیہ ادا نہ کیا تو اس کے عوض چار تعلقے گھڑتل' گوجرہ' مترانوالی اور تلونڈی موسیٰ خان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگلے برس گجرات پر قبضہ کیا گیا۔ صاحب سنگھ بھاگ کر دیوا بٹالہ (آج کی سرحد کے پار جموں کا علاقہ) چلا گیا۔ یہاں ویسے ہی مفرور' بدمعاش اور اشتہاری مجرم پناہ لیتے ہیں۔ تاہم رنجیت سنگھ نے صاحب سنگھ کو بلا لیا اور اسے بجوات کی جاگیر دے دی۔ اب صرف ایک آخری کوشش اور معاملہ رہ گیا تھا اور وہ تھا ڈسکہ کے ندھان سنگھ ہتو کا جس نے دربار کا جواب نہیں دیا۔ چنانچہ فوج ڈسکے بھیجی گئی۔ ہتو کے پاؤں بالکل اکھڑ گئے اور یہ تعلقہ بھی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ پتہ چلا کہ ندھان سنگھ کو اہلوو الیہ سرداروں نے پناہ دے رکھی ہے چنانچہ بھاگ سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا اور بیٹے سوبھا سنگھ کے ہمراہ لاہور لایا گیا۔ کچھ عرصہ بھاگ سنگھ سے بڑا

اچھا سلوک کیا گیا گو اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی اور مزید دس تعلقے خالصہ (سکھ ریاست) کا حصہ بن گئے۔

یوں رنجیت سنگھ پورے ضلعے کا آقا بن گیا۔ بہرحال رنجیت سنگھ کے قبضے کی ابتداء میں یہ تعلقے پیداواری لحاظ سے کچھ بہتر نہ تھے مگر جیسے جیسے ان سے وابستہ لوگ یا سابق مالکان مرتے گئے یا انہوں نے بدلحاظی یا نافرمانی کی تو اس سے رنجیت سنگھ اور اس کی حکومت کو تقویت ملتی گئی۔ دونوں صورتوں میں مالی نتائج ایک برابر تھے۔ مالیہ یا ٹیکس وصول کرنے کا ہر سردار کا اپنا الگ طریقہ تھا۔ ادائیگی کا طریقہ بٹائی یا باؤلی کا تھا جس میں ہر سردار کے حصے کی شرح الگ الگ تھی اور حالات کے مطابق مختلف۔ اس کا حصہ ایک چوتھائی سے نصف تک ہوتا۔ کاشتکار کی لاگت الگ سے نکالی جاتی یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ یا بیس فیصد کاشتکار کا ہوتا باقی تقسیم حکومت یا مالک اور کاشتکار میں ہوتی۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں ضلع کے مختلف حصوں میں اراضی ٹھیکیداروں کو لیز پر بھی دی جاتی۔ ان میں بعض معروف نام بھی شامل ہیں۔ ڈوگرے، گلاب سنگھ، سچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ۔ موخرالذکر دو ڈوگروں نے بعض اوقات ادائیگی کی نقد یا جنس میں بھی تبدیلی کرالی اور نقد کی صورت میں جنس کی منڈی کی قیمت کے مطابق مالیہ یا حکومت کا حصہ ادا کیا۔

بہرطور ان میں سے کسی نے بھی واضح قسم کا مالیہ کا نظام نہیں رکھا۔ اس ضمن میں پہلی کوشش 37-1831ء میں جنرل ایوی ٹیبائل نے کی جسے ان ابتدائی سالوں میں اس ضلع کے بہت بڑے حصے کا انتظام سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے نظام کے تحت گاؤں کے سربراہوں کے نام ایک مخصوص مدت تک نقد لیز پر زمین دی جانے لگی مگر جب انگریزوں کی حکومت نے پہلا مالیاتی بندوبست شروع کیا تو پتہ چلا کہ مالیہ کی تشخیص انتہائی غیر مصدقہ اعداد و شمار پر کی جاتی ہے اور بہت ہی کم گاؤں ایسے تھے جو لیز میں مقرر کی گئی رقم پوری کی پوری ادا کر سکتے۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں 145 دیہات جاگیرداروں کو دے دیئے گئے اور ان دیہات سے 95390 روپے سالانہ کا مالیہ وصول ہوتا تھا ان میں سے بڑے جاگیردار تھے بوتالیہ کے راجہ تیج سنگھ اور سردار جھنڈا سنگھ، راجہ تیج سنگھ کے پاس 117 گاؤں تھے کچھ ضلع سیالکوٹ اور بجوات میں تھے۔

گزشتہ سو برسوں میں جو کچھ ہوا اس کے چار حصے ہیں اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

MashalBooks.com

پہلے تو مغلوں کے حملے پھر راجپوتوں کا اقتدار پھر سکھوں کے زور کے باعث پہاڑی راجوں کا زوال اور پھر سکھوں کی دولت مشترکہ جو تباہ شدہ کھنڈروں کے اندر سے ایک قوم کا جنم ثابت ہوئی اور جس کے سبب سکھ بادشاہت قائم ہوگئی۔

رنجیت سنگھ کی وفات پر لاہور میں ریجنسی بن گئی تھی اور اس کے بنانے میں برطانوی اثر ورسوخ اور صلاح مشورہ بھی شامل تھا۔ معاملات کو نظم وضبط میں لانے کیلیے انگریز افسر مقرر کیے گئے۔ چنانچہ ابتدائی اقدامات یہ تھے کہ خالصہ (اراضی) کو جاگیرداری اراضی سے وصولی کی خاطر الگ کیا گیا پھر منصفانہ مالیہ کے لیے نقدی کے اصول کی بناء پر تشخیص کے طریقہ پر معاملہ کی چھان بین پوری کی گئی اور جب برطانوی حکومت نے صوبے کا الحاق کیا تو بدھ سنگھ (چیمہ) اور جھنڈا سنگھ (کلاس والیا) کے خاندان ہی پرانے خاندانوں میں سے صاحب جاگیر رہ گئے تھے اور جب یہ پتہ چلا کہ ان دونوں خاندانوں نے ہمارے خلاف دوسری سکھ لڑائی میں حصہ لیا تھا تو 1849 میں ان کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔

پنجاب میوٹنی رپورٹ اور اس زمانے کے دوسرے ریکارڈ اور چشم دید گواہوں کے مطبوعہ بیانات سے سیالکوٹ میں غدر کا ماجرہ یہ رہا: 10 مئی 1857 میں میرٹھ میں ہونے والی بغاوت کی خبر جب سیالکوٹ پہنچی تو یہاں ہاؤس آرٹلری کا کمانڈر کرنل ڈیوس کا ایک بیٹری فیلڈ آرٹلری اس میں خاصی تعداد میں دیسی سپاہی بھی تھے کمانڈر تھا کیپٹن بورچئر کرنل کیمپ بیل کے زیر کمان 52 ویں لائٹ انفنٹری اور کرنل فارقو ہرسن کے زیر کمان 46 ویں نیٹو انفنٹری۔ اسلحہ ڈپو میں 27 یورپین اور 65 دیسی فوجی تھے۔ سٹیشن کا کمانڈر بریگیڈیئر جنرل برنڈ تھا۔ دیسی کیولری سٹیشن کے مغرب اور جنوب میں کانونٹ کے قریب تھی۔ برطانوی توپ خانہ اور انفنٹری کی بیرکیں وہیں پر تھیں جہاں آج کل ہیں۔ دو دیسی پیدل رجمنٹیں وہاں پر تھیں جہاں ان دنوں برطانوی گھوڑ سوار بیرکیں ہیں۔ سول اور پولیس لائنز وہاں پر تھیں جہاں اب سکاچ مشن اور امریکی مشنری یتیم خانہ ہے۔ جیل، عدالتیں اور خزانہ وہیں پر تھا جہاں اب موجود ہے۔

13 مئی کو میاں میر میں پر باغی سپاہیوں سے ہتھیار لینے کی خبر جب سیالکوٹ پہنچی تو اس نے بڑی تشویش پیدا کی۔ توپیں برطانوی کیولری بیرکوں میں منتقل کر دی گئیں۔ 20 مئی کو حکم ملا کہ تمام موجود برطانوی دستے متحرک فوج کے ساتھ شامل ہو کر دہلی پہنچیں۔ پانچ روز بعد وہ وزیرآباد روانہ ہوئے اپنے ساتھ 35 ویں دیسی پیدل اور 9 ویں بنگال کیولری کا لیفٹ ونگ

بھی لے لیا۔ یہ لوگ بڑی فوج سے جا ملے جو بریگیڈیئر جنرل نیول چیمبرلین کے زیر کمان وزیرآباد میں جمع تھی۔ یہ مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ یوں سیالکوٹ سٹیشن سے سارے یورپی افسر اور سپاہی چلے گئے۔ چند ایک سپاہی ہسپتال میں رہ گئے۔ دیسی فوج میں سے جو باقی رہ گئے اس میں دو دستے 9ویں بنگال کیولری جن میں زیادہ تر ہندوستانی مسلمان تھے اور ساری 46ویں نیٹو انفنٹری ساری کی ساری ہندوستانی۔ انہوں نے باغیوں سے اپنی ہمدردی کو چھپایا نہیں تھا مگر ان سے ہتھیار رکھوانے کا وقت گزر چکا تھا جنرل برانڈ نے سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ جو چالیس کے قریب یورپی مرد اور بچے اور عورتیں رہ گئے ہیں وہ بغاوت ہو جانے کی صورت میں فوجی جیل میں اکٹھے ہو جائیں بعد میں اس مقصد کے لیے سیالکوٹ کے پرانے قلعے کا انتخاب کیا گیا جہاں حال میں بھرتی کیے گئے سکھ نوجوانوں کی سکھلائی ہو رہی تھی۔ انہیں دہلی بھیجنے سے پہلے پنجاب رجمنٹ میں شامل کیا جانا تھا۔ امریکن مشنری کے تین خاندان 11 جون کو روانہ ہوئے اور 13 جون کی صبح لاہور اور گوجرانوالہ پہنچے۔ ان خاندانوں کے علاوہ کوئی سفید فام باشندہ محفوظ جگہ کی تلاش میں سیالکوٹ سے نہیں نکلا۔ 9 جولائی کی صبح چار بجے تمام دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ ہی سول انتظام معطل کر دیا گیا۔ کرنل کیمپ بیل اور کیولری کے افسر سب سے پہلے موقع پر پہنچے اور جان خطرے میں ڈال کر امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ باغیوں نے انہیں ہلاک کرنے سے گریز کیا مگر انہیں وہاں سے جانے پر مجبور کر دیا۔ کرنل کیمپ بیل اور اس کی بیوی قلعے میں پہنچے باغیوں کا کئی میل تک تعاقب کیا گیا تا آنکہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے کہا جاتا ہے کہ 46ویں نیٹو انفنٹری نے کیولری سے ایک شام پہلے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے افسروں کی جان بخش دے گی۔ خیر معاملہ جو بھی تھا انفنٹری وفادار رہی اور اس نے اپنی ڈیوٹی نہیں چھوڑی جب افسران سے بات چیت کرنے کے لیے پہنچے اس وقت وہ بالکل نہتے تھے کیونکہ ان کے ملازموں نے ایک رات پہلے ہی ان کا اسلحہ ادھر ادھر کر دیا تھا۔ رجمنٹ نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے سے گریز کیا اور افسروں کو رجمنٹل کوارٹر گارڈ میں حفاظت کی خاطر سے بند کر دیا جہاں بڑے چاک و چوبند جوانوں نے دن بھر ان کی حفاظت کی۔ کرنل فرقوہرسن اور کیپٹن کال فیلڈ کو بار بار یہ پیش کش کی گئی کہ اگر وہ باغیوں کے ساتھ مل جائیں تو انہیں علی الترتیب دو ہزار اور ایک ہزار روپے تنخواہ دی جائے گی اور گرمیوں کے موسم میں چھ مہینے کی رخصت بھی۔ آخر کار شام کو جب باغی چلے گئے تو ان

افسروں کو رہا کر دیا گیا اور وہ بغیر کسی روک ٹوک کے قلعے میں پہنچ گئے۔

جب سارے سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا گیا تو بہت سے باغی جیل گئے اور تین سو قیدیوں کو رہا کرالیا اور پھر ان کی مدد سے خزانہ لوٹا اور عدالتوں کو آگ لگا دی۔ گھوڑسوار دستے کچھ زیادہ ہی خون کے پیاسے تھے۔ وہ ساری چھاؤنی میں دندناتے پھرے کہ جہاں کہیں کوئی یورپی مل جائے اسے قتل کر دیں۔ جرنیل ابھی جاگا ہی تھا اور چائے پی رہا تھا کہ اسے بریگیڈ میجر کیپٹن بشپ نے بغاوت کی خبر پہنچائی۔ اس نے گھوڑا تیار کرنے کو کہا وردی پہن کر اس پر بیٹھا ہی تھا کہ باغی سواروں کی ایک پارٹی پہنچ گئی۔ جرنیل ان کے پاس گیا انہیں اپنی ڈیوٹی پر آنے کو کہا مگر پیچھے سے کسی نے اس پر گولی چلا دی۔ جرنیل نے ابھی اپنا پستول نکالا ہی تھا کہ اس کے خانساماں نے جو ان واقعات میں بڑا اہم بندہ بن گیا تھا گھوڑا پکڑا اور گولی چلانے والے پر حملہ کر دیا اس کے ہتھیار چھینے اور اسی بندوق کے بٹ سے اس کا جبڑا توڑ دیا اگرچہ ابھی جرنیل میں گھوڑے پر سوار ہونے کی ہمت نہ تھی پھر بھی وہ قلعے کی طرف چل پڑا اور قلعہ میں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ کیپٹن بشپ اور اس کی بیوی قلعے کی طرف جا رہے تھے کچھ لوگ ان کا تعاقب کر رہے تھے کہ اس جگہ جہاں اب ریلوے سٹیشن ہے وہ گڑھے میں جا پڑے۔ کیپٹن بشپ کو گولی ماری گئی وہ مر گیا گو اس کی بیوی پیدل دوڑ کر قلعے تک پہنچ گئی۔ سپرنٹنڈنگ سرجن ڈاکٹر گراہم اپنی بیٹی کے ساتھ ایک پرانی بگھی میں قلعے کی طرف جا رہا تھا جب ان کو باغی سواروں نے شدید زخمی کر دیا جو اس سے پہلے جرنیل پر حملے میں شریک تھے۔ خوش قسمتی سے بگھی کا گھوڑا دوسری طرف مڑ کر بھاگا اور اس گھر میں آ کر ٹھہر گیا جہاں اب برٹش کیولری کا میس ہے۔ کچھ یورپی باشندے علی الصبح اپنے خاندانوں کے ساتھ اس گھر میں آ گئے تھے۔ مس گراہم کے ساتھ ان سولہ افراد نے کوئلے کے گودام میں چھپ کر سارا دن گزارا۔ اس علاقے میں باہر کی طرف واقع ایک گھر میں ایک انتہائی وفادار کشمیری چوکیدار نے ان کی حفاظت کی۔ اس چوکیدار کو بعد میں انعام دیا گیا۔ یہ سب لوگ شام کو قلعے میں پہنچ گئے۔ گراہم نام کے ایک اور ڈاکٹر کو جو میڈیکل سٹور کیپر تھا قلعے کی طرف جاتے ہوئے گولی ماردی گئی جبکہ اس کی بیوی بچ گئی۔ بغاوت ہونے سے ایک دن پہلے چرچ آف سکاٹ لینڈ کی مشنری کے ریورنڈ مسٹر بوئل اور ریورنڈ ہنٹر اور ان کے بچے اسسٹنٹ کمشنر لیفٹیننٹ (اب میجر جنرل) میکموہن کی دعوت پر سول لائنز کے علاقے میں چلے گئے تھے۔

بغاوت کی صبح ہنٹر خاندان صبح صبح ریس کورس اور جیل کے راستے قلعے کی طرف جانے لگا مگر بدقسمتی سے اس وقت تک جیل ٹوٹ گئی تھی اور ایک پوربی جیل وارڈر نے جو باغیوں کا سرخیل تھا گروپ کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ ہنٹر کو گولی ماری اور پھر اس کی بیوی اور بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ شخص بعد میں جموں کی طرف بھاگ گیا اور 1862ء تک گرفتار نہ ہو سکا۔ 1862ء میں وہ جموں شہر کے آس پاس رہ رہا تھا کہ اس کا سراغ مل گیا جب اسے پکڑنے کیلیے پارٹی پہنچی تو اس نے مزاحمت کی چنانچہ اسے مار دیا گیا۔ اس کی نعش شناخت وغیرہ کیلیے سیالکوٹ بھیجی گئی اور حیرت کی بات کہ جن لوگوں کو اس نے مارا تھا انہیں کے گھر کے نواح میں اسے دفن کیا گیا۔ آج بھی اس قبر کو شہید کی قبر سمجھا جاتا ہے۔ اس پر روشنی کی جاتی ہے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے مگر زیادہ تر طوائفوں کی طرف سے۔ ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے چپڑاسیوں کے انچارج جمعدار نے بھی مشنریوں کو ہلاک کرنے میں حصہ لیا تھا۔ اسے کیپٹن لارنس نے پھانسی دی۔ اس بغاوت کے دوران کسی اور عورت یا بچے کو نقصان نہیں پہنچایا گیا اور انہیں نواحی دیہات کے لوگوں اور بعض شہریوں نے بچایا۔ گھوڑ سوار دستے کے تین سواروں نے تو کچھ یورپی بچوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر بچا لیا اور جب باغی چلے گئے تو یہ بچے لے کر قلعے کو آ گئے۔ کیتھولک پادری اس صبح سب پہلے کالونٹ میں گئے اور وہاں بے یارومددگار عورتوں اور بچوں کی سارا دن بڑی دلیری کے ساتھ حفاظت کی۔ یہ گرجا بھی تباہ کر دیا گیا مگر یہاں موجود کسی کو بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا اور یہ سبھی سہ پہر کو بحفاظت قلعے میں پہنچ گئے۔

ڈپٹی کمشنر بیمار تھا اسے چارپائی پر ڈال کر قلعے لایا گیا۔ اس پر شناخت چھپانے کے لیے کپڑا ڈالا گیا تھا۔ اس طرح سول انتظامی ذمہ داری لیفٹیننٹ میکمون پر آ پڑی جس نے 9 جولائی کے ان واقعات میں بڑی ثابت قدمی جرات اور ہوش وحواس کا مظاہرہ کیا۔ اگلی صبح جب باغی اس کے باغ میں گھس آئے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا پولیس لائنز پہنچا تھانہ اس کے گھر کے عقب میں تھا۔ وہاں اس وقت کوئی سو کے قریب آدمی تھے جو زیادہ تر پوربیئے تھے انہوں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان میں بارہ سکھ رنگروٹ تھے جنہوں نے اس کی حفاظت کی۔ پھر پادری اور ہنٹر کی طرف گیا مگر بدقسمتی سے وہ پہلے ہی جا چکے تھے۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ جیل کے ہنگامے کو خود حل کرنا ممکن نہیں تو ایک دوسرے راستے سے قلعے کو چلا گیا۔ انفنٹری اور کیولری کے باغیوں نے شام پانچ بجے کے قریب گورداسپور جانے

MashalBooks.com

والی سڑک پر مارچ شروع کردیا۔ بعض سرحد عبور کر کے جموں کے علاقے میں چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد ان کا تعاقب سر میکموہن نے کیا اور مہاراجہ کے افسروں کی مدد سے زیادہ تر باغیوں کو گرفتار کرلیا۔ میکموہن اور کیپٹن ایڈمز اسسٹنٹ کمشنر گورداسپور کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلا اور اکثریت کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ سیالکوٹ کی بغاوت کی خبر 9 جولائی کی شام کو لاہور پہنچ گئی۔ جنرل جان نکلسن کو حکم ملا کہ وہ دہلی کی طرف مارچ ملتوی کر کے سیالکوٹ کے باغیوں کو روکے۔ وہ امرتسر میں تھا اسے یہ حکم 10 جولائی کی رات کو ملا چنانچہ اس کی فوج نے فوراً بٹالہ کی طرف کوچ کیا جو 12 جولائی کی صبح دریائے راوی کے تریمو گھاٹ پر پہنچی جہاں باغی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ آپریشن فوراً شروع کیا گیا اور تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا۔ جس کے بعد برطانوی سپاہ سے کہا گیا کہ وہ بندوقوں پر سنگینیں چڑھا کر حملہ کریں۔ باغی پسپا ہو کر بھاگنے لگے۔ یہ فوج وہاں دو دن رکی اس عرصے میں زیادہ سے زیادہ مفرور باغیوں کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ پھر 15 جولائی کو دہلی کی طرف سفر شروع ہوا۔

سیالکوٹ سے باغیوں کے روانہ ہونے کے بعد اگلی صبح دیر تک چھاؤنی کے گھر اور جائیداد سب کچھ غیر محفوظ تھا۔ اردگرد کے دیہاتی آئے اور جو شے جس کے ہاتھ لگی وہ لوٹ لے گیا۔ یورپینوں کے گھر اور پارسیوں کی دکانیں جلا دی گئیں۔ عدالت اور جیل کو تو پہلے ہی کیولری والوں اور قیدیوں نے تباہ کر دیا تھا۔ تاہم کسی دوسری سرکاری یا نجی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ اور اگر پہنچا بھی تو معمولی صدر بازار کو جزوی طور پر لوٹ لیا گیا۔ مگر یہاں مسلمانوں کی دکانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا گیا۔ 10 جولائی کی صبح 9 بجے سر میکموہن نے سکھ پہریداروں کی معیت میں چھاؤنی کا چکر لگایا اور جلدی ہی اسے چوروں سے پاک کردیا۔ ان میں سے چوبیس کو موقع واردات پر گولی مار دی گئی۔ اس کے بعد ایک فرمان جاری کیا گیا کہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر لوٹا ہوا مال واپس نہ کیا گیا تو چھاؤنی کے نواح کے دیہات کے نمبرداروں کو پھانسی دے دی جائے گی اس اعلان کا بڑا اثر ہوا اور ہر نوع کا لوٹا مال بڑی سرعت سے واپس آنے لگا۔

11 جولائی کو لاہور میں پولیس کے کیپٹن لارنس (بعد میں سر آرسی لارنس) کو حکم ملا کہ وہ گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن کرپس کو ساتھ لے کر سیالکوٹ جائے اور جن لوگوں نے باغیوں کا ساتھ دیا یا جنہوں نے چھاؤنی میں لوٹ مار کی ان پر مقدمے چلائیں اور سزا دیں یہ

MashalBooks.com

دونوں افسر 12 جولائی کی صبح کو سیالکوٹ پہنچ گئے انہوں نے تفصیلی تحقیقات کیں۔ کیپٹن لارنس نے 18 جولائی کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ گھوڑ سوار پولیس کے رسالدار' جیل گارڈ کے انچارج صوبیدار اور جیل کے داروغہ کو مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد پندرہ منٹ کے اندر پھانسی لگا دی گئی۔ ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے چپڑاسیوں کے انچارج جمعدار کو بھی گرفتار کیا گیا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔ جن دیہاتیوں نے لوٹ مار کی تھی ان کو جرمانوں کی سزا دی گئی۔

قلعہ میں پناہ گزین لوگ 20 جولائی کو واپس اپنے گھروں کو آئے جو یورپی باشندے مارے گئے تھے ان کی لاشیں قلعے کی دیوار کے سائے میں ایک قطعہ زمین میں دفن کی گئیں اب اس کے اردگرد جنگلہ لگا دیا گیا ہے اور اس پر ایک معمول تنخواہ دار چوکیدار بھی متعین کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

اہم شہر اور مقامات

میونسپل شہر سیالکوٹ نالہ ایک کے شمالی کنارے پر جموں کی پہاڑیوں کے جنوب میں ایک نسبتاً اونچی تکون پر واقع ہے۔ شہر کی کوئی فصیل نہیں ہے۔ شہر کے شمال میں ایک قلعے کی باقیات ہیں۔ یہ شہر کی سب سے اونچی جگہ ہے جہاں سے ارگرد کے درختوں' باغوں اور فصلوں کا بھرپور نظارہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدھ میل دور چھاؤنی بھی نظر آتی ہے جس کے پس منظر میں سلسلہ کوہ ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ شہر خاصا پھیلا ہوا ہے اور روز بروز توسیع ہو رہی ہے۔ آبادی مشرق و مغرب دونوں طرف پھیل رہی ہے۔ مغرب میں واقع محلّہ میانہ پورہ اور مشرق میں رنگ پورہ کا محلّہ بڑے معروف اور اہم ہیں۔ رنگ پورہ میں سیالکوٹ کا مشہور کاغذ بنایا جاتا ہے۔ شہر کے شمال مشرق میں نصف میل کے فاصلے پر سول سرکاری عمارتیں' کچہری' خزانہ جیل خانہ اور پولیس لائنز ہیں۔

سیالکوٹ خاصا خوبصورت خوش تعمیر اور صاف ستھرا شہر ہے۔ بڑی گلیاں چوڑی اور کھلی ہیں یا فرش بندی ہوئی ہے یا تارکول سے بنائی گئی ہیں۔ دونوں طرف نکاسی آب کا بہتر انتظام ہے۔ گزشتہ سالوں میں فرش بندی اور نکاسی آب کی حالت بہت بہتر ہوئی ہے۔ بڑی سڑکیں یا گلیاں ہیں کنک منڈی والی جو شمال سے جنوب کے رخ پر ہے۔

شرقاً غرباً پھیلا بڑا بازار ہے کنک منڈی اجناس کے لیے ہے جبکہ مین بازار میں کپڑے' پھل' زیورات وغیرہ کی دکانیں ہیں۔ شہر اونچائی پر ہے اس لیے صفائی کے انتظامات بہتر ہیں اور ایک وجہ یہ بھی قدرتی کہ نکاس کے لیے جنوب مشرق میں نالہ ایک موجود ہے پانی کی سپلائی کے لیے واٹر ورکس ہے۔ تاریخی اہمیت کی عمارتیں اور عبادت گاہیں یا بارگاہیں ہیں قلعہ جو غدر کے دوران یورپی باشندوں کے لیے پناہ گاہ بنا اس کی بنیاد بلندی پر دائرے کی شکل

MashalBooks.com

میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قلعہ راجہ سلوان (سالباہن) نے بنوایا تھا۔1866ء میں اسے جزوی طور پر توڑ دیا گیا تھا۔ اس ٹیلے کے دامن میں ایک چھوٹے سے قطع میں غدر کے زمانے میں مارے جانے والے یورپی باشندوں کا قبرستان ہے۔ راجہ تیج سنگھ نے ایک گوردوارہ بنایا ہے جس کا کلس شہر میں چاروں طرف سے نظر آتا ہے۔ گوردوارہ کے ساتھ مسافروں کے لیے آرام گاہ ہے جو راجہ نے بنائی اور اسی کے پیسوں سے چل رہی ہے۔ سکھوں کے پہلے گورو بابا نانک کے حوالے سے ایک گوردوارہ بیر بابا نانک کے نام سے ہے۔ سکھوں کی نظر میں اس کی بہت تکریم ہے اور بیساکھی (اپریل) پر یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ دربار باؤلی صاحب ایک چھتی ہوئی ہے باؤلی ہے جہاں بابا نانک افغانستان کے سفر کے بعد آکر رکے تھے۔ یہ بھی متبرک مقام ہے یہاں آنے والے مسافروں کی خاطر تواضع گرنتھی یا مہنت کرتا ہے۔ مسلمانوں کی عمارتوں میں امام علی الحق کا روضہ ہے اسے امام صاحب کہتے ہیں اور خاصا پرانا تعمیر ہوا ہوا ہے۔ عمارت بڑی مضبوط اور شاندار ہے کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت شاہ دولہ نے تعمیر کرائی تھی اور یہاں محرم میں ایک بڑی تقریب ہوتی ہے۔ میانہ پورہ نواحی محلّہ ہے۔ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر مولوی عبدالحکیم کا مقبرہ ہے۔ مولوی عبدالحکیم اورنگزیب کے عہد میں بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ استاد کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کی۔ جنوب مغرب میں ایک بہت بڑا تالاب جہاں لوگ تفریح کے لیے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ تالاب مولوی عبدالحکیم نے تعمیر کرایا تھا۔ بہت عرصہ خستہ حالت میں رہا۔ غدر کے فوراً بعد حکومت کی مالی مدد کے ساتھ شہر کے لوگوں نے اس کی مرمت وغیرہ کی۔ شمال مشرق میں شہر سے باہر اینٹوں سے بنا ایک بڑا تالاب ہے۔ امرتسر' لاہور' گورداسپور اور گوجرانوالہ سے آنے والی ساری سڑکیں نالہ ایک کے پل پر ملتی ہیں۔ یہ شاہ دولہ کے بنائے مشہور پلوں میں شمار ہوتا ہے۔ طرز تعمیر اور بذات خود تعمیر بہت پرانی اور بڑی مضبوط ہے۔ اس میں حال ہی میں توسیع کی گئی ہے اور نئی ڈاٹ بنائی گئی ہے۔ ریلوے سٹیشن شہر کے شمال میں اور قلعہ کے قریب ہے۔

سیالکوٹ شہر کی پرانی تاریخ دبیز اندھیروں میں ہے گو یہ بات یقینی ہے کہ یہ پنجاب کے انتہائی قدیم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ روایت کے مطابق سب سے پہلے اسے راجہ سال یا شال نے آباد کیا اور مہابھارت میں لکھا ہے کہ وہ پانڈو شہزادوں کا ماموں تھا۔ دوسرے اس کا بانی راجہ سلوان یا سالواہن کو قرار دیتے ہیں جسے وکرم (بکرم) جیت بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مشہور

افسانوی ہیرو راجہ رسالو کا باپ تھا۔ موخرالذکر قصے کی تائید جنرل کننگھم بھی کرتا ہے جس کے خیال کے مطابق سالواہن یادیو شہزادہ کا بیٹا تھا جسے گاجی پور یا گجی پور (کننگھم کے نزدیک آج گاجی پور کا شہر راولپنڈی کے نام سے آباد ہے) کے علاقے سے انڈو سیتھین حملہ آوروں نے بے دخل کیا تھا اس کا باپ حملہ آوروں کی مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا تو پھر نوجوان شہزادے نے سالواہن پور میں اپنی مملکت کا نیا صدر مقام بنایا جسے عموماً سیالکوٹ ہی گردانا جاتا ہے۔ اسی سالواہن نے بعد کے زمانے 78ء میں کھروڑ یا کہروڑ کے مقام پر انڈو سیتھین حملہ آوروں کو شکست دی۔ یہی وہ سال ہے جب اس فتح کی خوشی میں ساکا سن کا نظام شروع کیا گیا اگر متذکرہ بالا قصہ درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ 65ء یا 70ء کے آس پاس شہر سیالکوٹ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اسی سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ راجہ رسالو باپ کا جانشین کب بنا تھا۔ راجہ رسالو پنجاب کی بے شمار مہموں کا مرکزی کردار ہے۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ راجہ رسالو کا پایہ تخت سیالکوٹ ہی تھا مگر اپنے عہد حکومت کے آخر میں اس کی لڑائی راجہ ہودی سے ہوئی جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ گکھڑ تھا۔ راجہ ہوڈی نے راجہ رسالو کو شکست دی اور اسے مجبور کیا کہ اپنی بیٹی شارن کی شادی اس سے کردے جو نرینہ اولاد سے محروم راجہ رسالو کے مرنے کے بعد تخت کی وارث ہوئی۔ مسٹر پرینسپ نے ایک اور قصہ درج کیا ہے جس کے مطابق کہا جاتا ہے کہ راجہ رسالو کی موت کے بعد اس کی سلطنت کو اس کے بھائی پورن بھگت کی بددعا لگ گئی۔ (پورن فقیر بن گیا تھا) اس کے بعد تین سو سال تک یہ سرزمین قحط اور دوسری قدرتی آفات اور لوٹ مار کا نشانہ بنی رہی۔ اس کے بعد سیالکوٹ کا ذکر اس وقت آتا ہے جب اس پر جموں کے راجپوت شہزادوں کا قبضہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ 700 سمبت یا 643ء میں ہوا۔ مغل شہنشاہوں کے زمانے میں یہاں محال (مالیہ کا ہیڈ کوارٹر) تھا اس کے بعد کا حال شروع میں سکھوں اور انگریزوں کے درج حالات میں دیکھیں۔

مانا جاتا ہے کہ موجودہ قلعہ دراصل راجہ سالواہن کے زمانے ہی کی تعمیر ہے مگر حال ہی میں کچھ کھدائی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تعمیر ایک ہزار سال سے زیادہ پرانی نہیں۔ تعمیر کا کام چونے سے نہیں ہوا اینٹیں اصل حالت میں ہیں۔ قلعے کی بیرونی دیواریں بھی پرانی عمارتوں سے حاصل کردہ اینٹ روڑے سے بنی ہوئی ہیں اور یہ سارا قلعہ ہی دراصل ایک پرانے شہر کے ملبے سے

بنایا گیا ہے۔اس شہر کی پرانی عمارتیں گر گر کر ڈھیر ہو گئیں اور اسی بلند ڈھیر پر قلعہ بنایا گیا جو شہر کی نشیبی گلیوں سے تیس فٹ اونچا ہے۔شہر کے ارد گرد ایسے ٹیلے اور بھی ہیں۔قلعہ ایک مربع کی شکل میں بنا ہوا ہے اور ستر ستر فٹ کے فاصلے پر برج بنے ہوئے ہیں۔کھدائی کے وقت سب سے زیادہ توجہ طلب پرانے ٹوٹے ہوئے گرم حمام تھے۔ان کے پائپ پختہ تھے اور دیواریں مکمل طور پر سلامت ہیں۔پرانے قلعے کی مسمار ہونے والی دیواروں کے پاس سرکاری محکموں کی نئی عمارتیں بن گئی ہیں اور آخری برج بھی ڈھا دیا گیا ہے۔انگریزوں کی یادداشت میں یہ قلعہ یوں بھی یاد رہے گا کہ غدر کے زمانے میں اس جگہ چند یورپی باشندوں نے پناہ حاصل کی تھی جبکہ اس کے ساتھ ہی نیچے وہ لوگ دفن ہیں جو باغیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ڈسکہ

ڈسکہ کا قصبہ ڈسکہ کلاں کہلاتا ہے اور شہر سیالکوٹ سے جنوب مغرب کی طرف سولہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔کوٹ ڈسکہ اس کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ہے دونوں کے درمیان گوجرانوالہ جانے والی سڑک پڑتی ہے۔ڈسکہ پرانا قصبہ ہے گو اس کی تاریخ معلوم نہیں۔قانون گو کے پاس جو ریکارڈ اور کاغذات ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شاہجہان کے زمانے میں آباد ہوا اور اس کا اصل نام شاہجہان آباد تھا۔روایت کے مطابق مندرانوالہ کا ایک ہندو جاٹ موجا تھا جو پانچ سو سال پہلے یہاں آباد ہو گیا تھا۔یہ زمین داس قبیلہ یا برادری کی تھی۔داس سے ڈسکہ بن گیا۔ایک دوسرا قصہ یہ ہے کہ ڈسکہ، سیالکوٹ، پسرور، گوجرانوالہ اور وزیرآباد کے درمیان دس دس کوس کے فاصلہ پر ہے اس طرح دس کوس کی بناء پر ڈسکہ نام پڑ گیا۔افغانوں کے حملے کے دوران یہ قصبہ اجڑ گیا اور لوگ خوف کے مارے نواحی کچا قلعہ کوٹ ڈسکہ میں پناہ گیر ہو گئے۔سکھوں کا راج آیا تو موجا کی اولاد میں سے ایک شخص دیس راج نے اسے پھر آباد کیا۔تاہم سکھوں کے زمانے میں ڈسکہ سے آنے والے لوگوں نے کوٹ ڈسکہ میں ہی قیام کیا کیونکہ یہاں قلعہ تھا اور جو لوگ سکھوں کی زیادتیوں سے بچنا چاہتے تھے وہ بھی کوٹ ڈسکہ میں آ گئے۔

پسرور

ضلع سیالکوٹ میں شہر سیالکوٹ کے بعد دوسرا اہم شہر پسرور ہے اگرچہ قدیم ہے مگر رو بہ

زوال سیالکوٹ سے امرتسر کی طرف جانے والی سڑک پر جنوب میں سولہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ زیادہ تر مکان پکی اینٹوں کے ہیں۔ بہت سے مالک سکھ ہیں ان کے علاوہ مقامی ممتاز لوگوں کی ملکیت ہیں۔ شہر کی فصیل کوئی نہیں۔ زیادہ تر گلیاں اینٹوں سے پختہ بنائی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر اکبر بادشاہ کے زمانے میں باجوہ جاٹ مٹیکہ (منکاہ) نے آباد کیا تھا جو بندو کا بیٹا تھا۔ مٹیکہ کا پروہت یا گورو پرس رام ذات کا برہمن تھا مٹیکہ نے مرتے وقت یہ آبادی اپنے گورو کو دے دی جس نے اس کا نام پرسرور رکھ دیا جو بگڑ کر پسرور بن گیا۔

کسی زمانے میں یہ شہر وسیع بھی تھا اور اہمیت کا حامل بھی۔ شہر کے اندر اور باہر کے آثار سے لگتا ہے کہ کبھی یہ خاصا خوشحال تھا ان آثار میں ایک بہت بڑا تالاب بھی ہے جو جہانگیر کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ اب یہاں پانی نالہ ڈیک سے نکال کر لایا جاتا ہے۔ دارا شکوہ نے اس مقصد کے لیے ایک نہر کھدوائی تھی۔ اس نہر اور اس پر شاہ دولہ کے بنائے گئے پل کے آثار اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایک بڑا مزار مسلمان ولی میاں برخوردار کا ہے جس پر محرم کے مہینے میں ماننے والے اکٹھے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مزار امام علی الحق نے بنوایا تھا جن کا اپنا مزار سیالکوٹ شہر میں ہے۔ شہر کے شمال میں ایک قبر ہے جس کا نام مہر مانگا کی ماڑی ہے۔ یہ قبر ایک ٹیلے پر ہے اور باجوے اس کی بہت تکریم کرتے ہیں۔ شادی کے موقع پر تقریباً سارے ہی باجوے اس قبر پر حاضری دیتے ہیں۔

قلعہ سوبھا سنگھ

قلعہ سوبھا سنگھ پسرور کے مشرق میں چھ میل کے فاصلے پر نالہ ڈیک کے بائیں کنارے پر خاصا بڑا قصبہ ہے اور بڑے ٹیلے پر قائم ہے اور خاصا خوش منظر بھی۔ زیادہ تر گھر پکی اینٹ کے ہیں اور اکثر گلیوں میں بھی اینٹوں کا فرش ہے۔ کوئی ایک سو سال قبل سردار بھاگ سنگھ نے اسے آباد کیا تھا اس نے مٹی کا قلعہ بنایا اور اس کا نام اپنے ایک بیٹے سوبھا سنگھ کے نام پر رکھا۔ تاہم اس کو قلعہ صوبہ سنگھ سے غلط ملط نہ کیا جائے وہ بھی اسی تحصیل میں جنوب میں 15 میل کے فاصلے پر نالہ ڈیک کے کنارے واقع ہے۔

ظفروال

ظفروال کا قصبہ سیالکوٹ کے مشرق میں 26 میل کے فاصلے پر نالہ ڈیک کے بائیں

کنارے، ڈلہوزی کے نیچے واقع چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو جانے والی سڑک پر ہے۔ لاہور سے جموں جانے والی بڑی سڑک قصبے کے مشرق سے گزرتی ہے۔ روایت کے مطابق اس قصبہ کو باجوہ جاٹ جعفر خان نے کوئی چار سو سال پہلے آباد کیا تھا مگر آج کل دیونی راجپوت علاقے کے مالک ہیں۔

یہاں پر پرانے آثار کوئی نہیں ہیں ہاں مشہور گانے والا مایارام بھگت رہا کرتا تھا وہ کچھ عرصہ پہلے مر گیا۔ قصبہ روایتی طرز کے مطابق بنا ہوا ہے زیادہ تر مکان کچے ہیں۔ چند ایک بڑے مکان پختہ اینٹوں سے بنائے گئے ہیں اور ایک بازار ہے جس کے دونوں طرف دکانیں ہیں۔

نارووال

نارووال رعیہ سے دس میل کے فاصلے پر تحصیل رعیہ میں ہی واقع ہے۔ لاہور سے جموں جانے والی سڑک پاس سے گزرتی ہے۔ نشیبی علاقہ میں ہے اور آب و ہوا خراب ہے۔ تحصیل رعیہ میں صرف یہی ایک قصبہ کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ پہلے یہ تحصیل کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا مگر 1867ء میں موضع رعیہ کو یہ حیثیت دے دی گئی۔ ریل شروع ہونے سے نارووال کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور لگتا ہے اس میں خاصی توسیع ہو گی۔ یہاں دو ہائی سکول اور دو ہسپتال ہیں یہاں زیادہ تر مالکی سکھ باجوہ جاٹوں کی ہے مگر کھوجوں کا بڑا مضبوط تاجر قبیلہ بھی موجود ہے۔

☆☆☆

ممتاز خاندان

بلونت سنگھ سندھو:

کہتے ہیں کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ایک شخص حسین نامی سندھو جاٹ تھا جس نے تقریباً 1500 میں موضع حسن والہ ضلع گوجرانوالہ میں آباد کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ موضع سرانوالی (سروں کی جگہ) تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں اس نے اس جگہ آباد کیا تھا۔ موضع سرانوالی اس خاندان کے قبضے سے نکل گیا اور درگا جو پہلے پہل سکھ ہوا افلاس کی وجہ سے ضلع سیالکوٹ چھوڑ کر گورداسپور چلا گیا۔ جہاں یہ سردار جمیل سنگھ فتح گڑھیئے کی فوج میں سوار بھرتی ہوا۔ اس کا بیٹا لال سنگھ اس کا جانشین ہوا اور چونکہ کسی قدر قابلیت کا آدمی تھا اس وجہ سے ترقی کر کے سوسواروں پر سردار ہو گیا۔

لال سنگھ کی دختر ایشر کور ضلع سیالکوٹ میں بڑی خوبصورت مشہور تھی اور 1815ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ اس طرف سفر کر رہا تھا تو لال سنگھ نے دختر مذکور اس کی خدمت میں پیش کی جو لاہور کے شاہی زنان خانے میں بھیج دی گئی مگر دو مہینے بعد رنجیت سنگھ نے ایشر کور کو اپنے بیٹے شہزادہ کھڑک سنگھ کے پاس بھیج دیا جس نے امرتسر میں چادر ڈالنے کی رسم ادا کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ لال سنگھ تو اس واقعہ کے فوراً بعد مر گیا مگر اس کے نوجوان بیٹے منگی سنگھ نے اس شاہی رشتہ داری سے فائدہ اٹھایا۔ وہ ایک ہوشیار نوجوان تھا اس لیے دربار میں بڑی جلدی ہر دل عزیز ہو گیا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ نے علاقہ چونیاں ضلع لاہور کا انتظام سپرد کیا۔ اس نے اس خدمت کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ منگل سنگھ کو اس کا پرانا خاندانی موضع سرانوالی بھی جواب تک سردار شام سنگھ اٹاری والے کے قبضہ میں تھا پھر مل گیا۔ چند سال تک منگل سنگھ

خوب منہ چڑھا رہا۔ مگر 1834ء میں سردار چیت سنگھ باجوا جس کی شادی سردار منگل سنگھ کی بھتیجی چاندکور سے ہوئی تھی اور جس کو خود منگل سنگھ نے کھڑک سنگھ کی خدمت میں پیش کیا تھا شہزادہ کے تمام کاروبار کا مینیجر بجائے منگل سنگھ مقرر ہو گیا۔

چیت سنگھ کی ترقی اس کی تباہی کا باعث ہوئی۔ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں یہ شہزادہ کھڑک سنگھ کا بڑا معتمد تھا اور اس کے اختیارات بہت زیادہ تھے۔ کیونکہ کھڑک سنگھ ایک کمزور طبیعت آدمی تھا اور ایک معتمد اسے جس چال چاہتا تھا چلا لیتا تھا مگر رنجیت سنگھ کی وفات اور کھڑک سنگھ کی تخت نشینی کے بعد وہ سرداران جن کی رشک کی آگ بھڑکانے کا باعث چیت سنگھ ہوا اس کے مار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور یہ بدنصیب منظور نظر ظاہری طور پر محل شاہی میں اور اپنے آقا مہاراجہ کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا۔

1834ء میں جب چیت سنگھ پر ابتدا میں عنایت کی نظر ہوئی تو سردار منگل سنگھ کو ضلع ڈیرہ غازی خاں میں وحشی قوم مزاری کے درست رکھنے کے لیے بھیجا گیا۔

منگل سنگھ کو اس وقت یہ امید تھی کہ اس موقع پر اسے بھی کچھ اور اختیارات مل جائیں گے۔ سردار چیت سنگھ کی بیخ کنی۔ ہوئی تو منگل سنگھ بتدریج بہت گر گیا۔ کچھ عرصہ بعد مہاراجہ شیر سنگھ نے 37000 روپیہ کی جاگیر کے علاوہ منگل سنگھ کی تمام جدی جاگیر ضبط کر لی۔ سردار منگل سنگھ نے کھڑک سنگھ کی وفات کے بعد پالیٹکس میں کبھی دخل نہیں دیا اور اس ضبطی کی وجہ یہ تھی کہ یہ جاگیر لال سنگھ نے اپنے چچازاد بھائی مسر چند کو دے دی۔ اس نقصان کی کسی قدر تلافی کی غرض سے میجر لارنس ریذیڈنٹ نے سردار منگل سنگھ کو دوابہ رچنا کا عدالتی یا (چیف جسٹس) مقرر کرادیا۔ اس عہدہ پر اس نے کچھ قابل اطمینان خدمات نہیں کیں۔ جب 1848 میں مفسدہ برپا ہوا تو یہ وزیرآباد میں تھا اور جاٹوں کی نگرانی اس کے سپرد ہوئی۔ اس کو راجہ شیر سنگھ قید کر کے لے گیا اور رام نگر کی لڑائی سے پہلے تک اس کو قید ہی میں رکھا جب کہ یہ کسی نہ کسی طرح بھاگ کر میجر نکلسن بہادر سے آ ملا اور لڑائی کے اختتام تک ان کے ماتحت رہا۔ حکام کو سردار منگل سنگھ کی حالت مشتبہ معلوم ہوئی اور الحاق کے بعد صرف 12000 روپیہ کی ایک نقد پنشن اس کی حین حیات تک کے لیے دی گئی۔ سردار منگل سنگھ جون 1868ء میں فوت ہوا۔

اس کا اکلوتا بیٹا رچھپال سنگھ جسے اپنے باپ کی جگہ سردار کا خطاب ملا اور پراونشل درباری بنایا گیا 1884ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا پریذیڈنٹ نامزد ہوا۔ یہ پہلا دیسی تھا جو

گورنمنٹ کی ملازمت میں نہ ہونے پر بھی ایسے عہدے پر مقرر ہوا۔ اسی سال اس کو 250 مواضعات کا آنریری مجسٹریٹ کر کے دیوانی اور فوجداری کے اختیارات دیئے گئے اور اس نے اپنی کچہری سرانوالی میں رکھی اور 18 سال تک اس عہدے کے کام کو نہایت خوبی سے سرانجام دیتا رہا اور 1902ء میں استعفا دینے پر اس کا بیٹا سردار شیو دیو سنگھ اس کی جگہ مقرر کر دیا۔

سردار رچھپال سنگھ 1907ء میں فوت ہوا اور اس کے بیٹے سردار شیو دیو سنگھ کو سردار کا خطاب دیا گیا اور پراونشل درباریوں میں خاندانی جگہ عطا کی گئی۔ اپنی وفات یعنی 1930ء تک ڈسکہ کے سنٹرل کوآپریٹو بنک کا پریذیڈنٹ رہا۔ اس نے تین لڑکے بلونت سنگھ' بھگونت سنگھ اور جگجیت سنگھ چھوڑے۔ سب سے بڑا لڑکا بلونت سنگھ ڈسکہ کے سنٹرل کوآپریٹو بنک کا پریذیڈنٹ ہے۔

سردار حاکم سنگھ سندھو رئیس وڈالہ

ضلع لاہور اور امرتسر میں سندھوؤں کے بیشمار مواضعات ہیں۔ گورداسپور میں بہت سے ہیں' نوے گوجرانوالہ میں ہیں' پچاس سیالکوٹ اور چند گجرات میں ہیں۔

سندھو پہلے پہل پرگنہ ترنتارن ضلع امرتسر میں آباد ہوا۔ اس کی وفات کے ایک عرصہ بعد اس کی اولاد میں سے ایک شخص موچل نامی ہوا جو وہاں سے سیالکوٹ میں آبسا۔ جہاں ڈسکہ کے پاس اس نے ایک موضع آباد کیا جس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ چند پشتوں کے بعد اس کی اولاد میں سے ایک شخص گاجو نے موچل کے پاس ہی ایک اور موضع آباد کیا جس کا نام بوجہ خاندان بھر میں سب سے بڑے ہونے کے وڈالا (پنجابی لفظ وڈا بمعنی بڑا) رکھا۔

پہلے پہل اس خاندان نے مغلوں کے عروج کے زمانے میں ترقی کی جب کہ ایک شخص درگا مل کو مفصلات کے گاؤں کا چودھری بنایا گیا۔ یہ چودھراہٹ خاندان میں موروثی تھی۔ اپنے وقت پر اس کا پوتا اس عہدے پر مامور ہوا اور یہ اس قوم کی شاخ میں پہلا شخص تھا جس نے سکھ مذہب اختیار کیا۔ دیوان سنگھ مرتے دم تک شاہان مغلیہ کا تابعدار رہا۔

دیوان سنگھ کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد اس کے بیٹے سردار مہتاب سنگھ نے یہ دیکھ کر کہ پرانی سلطنت مغلیہ زوال پر ہے اپنے لیے کوئی نئی تجویز سوچنے کا ارادہ کیا۔ چھوٹتے ہی

اس نے 82 مواضعات کا لگان جو اس کی نگرانی میں تھے دبا لیا اور اس طرح وڈالے میں اپنی طاقت بڑھانے لگا۔ اس نے مع اپنی فوج کے بھنگی مسل کے دو سرداروں سردار گنڈا سنگھ اور سردار جھنڈا سنگھ کے پاس اپنی خدمات پیش کیں۔ ان سرداروں نے اس کو ان مواضعات کا لگان وصول کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی عرصے میں اس کے تیسرے بیٹے سلطان سنگھ کی شادی سردار بھاگی سنگھ ملودھ کی ایک رشتہ دار سے ہوگئی۔ اس رشتہ اور ان تعلقات کے گھمنڈ پر جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے والد مہاں سنگھ سے ہو گئے تھے اس نے اپنی طاقت کو بہت جلد بڑھا لیا اور بڑا با اقتدار ہو گیا۔ سردار مہتاب سنگھ نے خود اپنی طرف سے سازشیں کرنی شروع کر دیں۔ اس پر مہاں سنگھ کو شبہ ہو گیا جس نے مہتاب سنگھ کو کسی خاندانی تقریب پر گوجرانوالہ بلا لیا اور قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ وڈالہ فتح کرنے کے لیے ایک بڑی فوج بھیجی گئی مگر مہتاب سنگھ کے چار لڑکوں نے نہایت سخت مقابلہ کیا۔

اس سے پہلے شام سنگھ اور ندھان سنگھ میں سخت دشمنی تھی۔ ندھان سنگھ وڈالہ اور موچل کا مالک بن بیٹھا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اس کو 1809ء میں ڈسکہ کے مقام پر ایک سخت لڑائی میں شکست دی۔ ندھان سنگھ کشمیر بھاگ گیا اور وڈالہ کھڑک سنگھ کے حوالے کیا گیا۔ ان دونوں ندھان سنگھ اور ٹیک سنگھ چچا بھتیجا نے عطا محمد خاں ناظم کشمیر کی ملازمت کر لی۔

1813ء میں دیوان محکم چند اور فتح خاں نے عطا محمد کو کشمیر سے نکال دیا۔ اس موقع پر ٹیک سنگھ دیوان کی طرف ہو گیا اور اس کی لاہور واپسی پر اس کے ہمراہ آیا جہاں مہاراجہ نے اسے ہوشیار پور میں تین مواضعات کے حقوق مالکانہ عطا کیے۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ان مواضعات کے انتظام کے لیے متعین کیا اور خود نوکری پر اٹک چلا گیا۔ اس وقت سے اپنی وفات یعنی 1844ء تک یہ عموماً کسی نہ کسی ایسی چھوٹی موٹی لڑائی میں شریک رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نسل میں جس قدر جانبازی اور چستی و چالاکی تھی وہ صرف سردار شام سنگھ کی اولاد کو ورثہ میں ملی۔

سردار صاحب سنگھ اپنے بڑے بھائی کی طرح ایک سپاہی تھا اور (رسالہ) بڑا گھوڑ چڑھا میں ملازم تھا مگر اس کو ناموری حاصل کرنے کے وہ ذرائع نصیب نہ ہوئے جیسے کہ ٹیک سنگھ کو ملے۔ اس کا انتقال 1881ء میں ہوا۔

جوالا سنگھ اور موہن سنگھ اپنے باپ کے ساتھ تھے جب کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ وہاں

کے ناظم جرنیل مہاں سنگھ نے جوالا سنگھ کے گزارے کا انتظام کر دیا اور موہن سنگھ کو شیر دل رجمنٹ میں کوئی عہدہ مل گیا۔ اس وقت جوالا سنگھ بال بال بچ گیا۔ سکھوں کی دوسری لڑائی میں اس کے باغی ہو جانے کی وجہ سے یہ جائیداد بھی ضبط ہو گئی۔ سردار جوالا سنگھ پانچ سال کا ایک لڑکا چھوڑ کر 1883ء میں فوت ہو گیا۔

موہن سنگھ کو شیر دل رجمنٹ میں عہدہ اس وقت ملا۔ جب کہ وہ دس سال کا تھا۔ یہ رجمنٹ میں 1855ء تک ملازم رہا۔ میرٹھ میں غدر شروع ہونے پر اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ ایام بغاوت میں اپنی بہادری کی وجہ سے اس نے بڑا نام پیدا کیا اور باغیوں کے ساتھ بذات خود لڑ کر دو دفعہ سخت زخمی ہوا۔ اس کی خدمات کے صلے میں اسے پنشن اور موچل کے دو کنوئیں دیئے گئے۔

صاحب سنگھ کی وفات پر گورنمنٹ نے اس کی جاگیر کا تین چوتھائی حصہ ضبط کر لیا اور باقی ماندہ چوتھائی حصہ اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوا۔ بڑے بیٹے منگل سنگھ نے سرکاری ملازمت نہیں کی مگر ہمیشہ افسران ضلع کے ساتھ وفاداری کا برتاؤ کیا۔ اس کا انتقال 1892ء میں ہوا۔ اس کے دو بیٹے فوج میں داخل تھے۔ گوپال سنگھ بنگال کے بارھویں رسالے میں جمعدار تھا اور سندر سنگھ نمبر 18 (پی ڈبلیو او) ٹوانہ رسالے میں رسالدار اور وردی میجر ہے۔ منگل سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا ایشر سنگھ وڈالے کا ذیلدار ہے۔ صاحب سنگھ کے دوسرے بیٹے بھگیل سنگھ نے نہایت اچھی خدمات کیں۔ جب مئی 1857ء میں غدر ہوا تو بھگیل سنگھ حسب الطلب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر مع 200 آدمیوں کے سیالکوٹ آیا اور پولیس میں صوبیدار مقرر کیا گیا اور سیالکوٹ میں اپنے آدمیوں کو ایک مہینے تک قواعد وغیرہ سکھائی اور ان میں سے بہت کو دہلی بھیجنے کے بعد اور رنگروٹ بھرتی کرنے وڈالے واپس آیا۔ ابھی یہ وہاں ہی تھا کہ اس نے 9 جولائی کی چھاؤنیوں کی بغاوت کی بابت سنا اور فوراً ہی اکیلا سیالکوٹ کو روانہ ہوا اور کسی قدر دقت کے ساتھ قلعہ میں پہنچ گیا۔ یہ لیفٹیننٹ میکموہن صاحب بہادر کے ہمراہ بھکھو چک گیا اور ضلع سیالکوٹ کے بگڑے ہوئے مواضعات کی حفاظت کرنے میں بڑی امداد دی۔ بعد ایک سال کے یہ اودھ کی فوجی پولیس میں داخل ہوا اور 1861ء میں تخفیف میں آ جانے کی وجہ سے پنجاب میں پولیس انسپکٹر مقرر کیا گیا۔ 1877ء میں اسے جزیرہ انڈمان کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور وہاں پہنچنے کے بعد ہی فوراً جوڈیشنل اور پولیٹیکل کاموں کے

علاوہ جزیرہ کی پولیس اس کے سپرد کی گئی۔ یہ پراونشل درباری تھا۔1884ء میں ایک معقول پنشن پر یہ ملازمت سے سبکدوش ہوا۔ رائے بہادری کا خطاب وائسرائے صاحب بہادر سے عطا ہوا۔اس کی 125روپیہ کی تو موروثی جاگیر کی آمدنی تھی۔220ایکڑ اراضی وڈالے میں اور دو سواسی ایکڑ رکھ پیار ضلع لاہور میں عطا ہوئی۔200روپیہ ماہوار پنشن تھی اور500ایکڑ زمین ضلع گوجرانوالہ میں عطا ہوئی۔اس کا انتقال1908ء میں ہوا۔

بھگیل سنگھ کا بڑا لڑکا ٹھاکر سنگھ 1874ء میں انڈمان میں نوکر ہوا اور اپنے باپ کے پنشن لینے پر یہ پولیس میں انسپکٹر ہوگیا۔1880ء میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔اس نے دو لڑکے چھوڑے۔ بڑا سوہن سنگھ پنجاب کے پانچویں رسالے میں رسالدار تھا۔اس کے بعد پہلے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور پھر پنجاب گورنمنٹ کا میر منشی ہوگیا۔اس کا انتقال1908ء میں ہوا۔ اس کا چھوٹا بھائی ہیرا سنگھ رسالہ نمبر30 میں رسالدار ہے۔

رائے بہادر بھگیل سنگھ کا پس ماندہ لڑکا حاکم سنگھ بنگال کے اٹھارھویں رسالے میں براہ راست افسر بھرتی ہوا۔اور کابل کی گزشتہ لڑائی میں اپنی رجمنٹ کے ساتھ خدمات انجام دیتا رہا۔ بعدازاں برہما کی پولیس بٹالین میں صوبیدار ہوگیا۔جس عہدے سے اسے پنشن ہوئی۔ یہ اب آنریری مجسٹریٹ اور سول جج ہے۔اور اپنے باپ کی وفات کے بعد سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔

سردار رندھیر سنگھ کلاس باجوہ

اندھیرا سنگھ کلاس باجو کا مورث جس کے نام پر باجوا جاٹوں کی اس شاخ کا نام مشہور ہے ایک شخص کلاس نامی تھا جس کے حالات معدوم ہیں۔ یہ ایک مسمی مانگا کا بیٹا تھا جس کی مڑھی مناگا کی مڑھی کے نام سے پسرور کے منظروں سے ایک منظرگاہ ہے اور قوم باجوا دونوں ہندوؤں یا مسلمانوں کے لیے ایک متبرک جگہ ہے۔ان باجوہ جاٹوں کی بیاہ شادی کی ابتدائی رسومات اسی مقام پر ادا ہوتی تھیں۔ کیونکہ تمام باجوں کے مسکن (اس جگہ سے) اس قدر دور نہیں ہیں کہ تمام کنبے کے جمع ہونے میں کوئی وجہ مانع ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ کلاس نے پسرور چھوڑ کر ایک اور موضع آباد کیا جس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ یہ موضع اب کلال والے کے نام سے مشہور ہے جو اصلی نام کا بگڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے

MashalBooks.com

اس اعلیٰ پرانے خاندان کی اصلیت کا پتہ نہیں چلتا۔ کلاس کے دو بیٹے امی شاہ اور پٹی تھے۔

ہری سنگھ بھنگی رئیس کے ہاں چونکہ کوئی بیٹا نہ تھا اس لیے اس نے دیوان سنگھ باجوہ کو متبنیٰ کر لیا اور تقریباً 1740ء میں فوت ہوا اور اس کی تمام جاگیر کا وارث قرار پایا۔ دیوان سنگھ اس ورثہ کے نصف حصے ہی کو سنبھال سکا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا اور چند ہی سال بعد سرکار خالصہ نے دھنا سنگھ کو اس کا جانشین قرار دے دیا۔ دھنا سنگھ پہلے ہی ہری سنگھ کی ملازمت میں بہادری کے جوہر دکھا چکا تھا۔ اور بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی مان سنگھ کی اسی سردار کی ملازمت میں جان جاتی رہی۔

جب بھنگی مسل نے پٹھانوں اور راجپوتوں سے سیالکوٹ کا علاقہ چھین کر مختلف جاگیروں میں تقسیم کر لیا تو کلال والہ (جو اس وقت اسی نام سے مشہور تھا) پنواناں چھوہارا اور مہاراجہ، دھنا سنگھ کے حصے میں آئے۔ 1803ء میں اس کی وفات پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دھنا سنگھ کے بیٹے جودھ سنگھ کو جانشین سردار تسلیم کیا۔ مگر مہاراجہ نے اپنی ذاتی جاگیریں بڑھانے کے لیے اس بہانہ سے حملہ کیا کہ اول الذکر نے مہاراجہ کے پرانے دشمن صاحب سنگھ گجراتیے کے ساتھ کچھ تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ جودھ سنگھ نے تین سال تک مقابلہ کیا اور آخر کار اسے مجبوراً اطاعت قبول کرنی پڑی اور پھر یہ مہاراجہ کا بڑا باوقار درباری ہو گیا۔ یہاں تک کہ 1816ء میں مہاراجہ نے اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی شادی جودھ سنگھ کی اکلوتی بیٹی کھیم کور سے کر دی۔ صاحب سنگھ نے اس رشتہ کے روکنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ جس کی وجہ سے اس کے اپنے اقتدار میں اس بنا پر کمی آتی تھی کہ اس نے خود رنجیت سنگھ کی خالہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ 1816ء ہی میں جودھ سنگھ کا انتقال ہو گیا اور چونکہ دربار خالصہ میں اس کی بیوہ اور اس کی لڑکی کا رسوخ تھا اس وجہ سے سردار چندا سنگھ خاندانی جائیداد اور جاگیر کا وارث قرار دیا گیا۔

چندا سنگھ اور اس کے بڑے بھائی گوردت سنگھ نے 1848ء میں کچھ زور پکڑ لیا اور خاص کلاس والہ میں قلعہ بندی کی مگر انگریزی فوج نے ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دی۔ گوردت سنگھ اور چندا سنگھ کو کچھ نہیں ملا۔ اور اولالذکر پنجاب کے الحاق کے بعد ہی فوراً مر گیا۔ چندا سنگھ دھنا سنگھ کی باقی ماندہ جاگیروں کے انتظام میں مصروف رہا اور 1867ء میں فوت ہو گیا۔

اس کا اکلوتا بیٹا بھگوان سنگھ خاندان کی اس شاخ کا بزرگ قرار پایا۔ یہ دیہاتی شرفا کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اپنی وفات سے کچھ پہلے جو 1886ء میں واقع ہوئی چند سال تک

آنریری مجسٹریٹ رہا۔

بھگوان سنگھ کا اکلوتا بیٹا سردار رگھبیر سنگھ اپنے باپ کی جگہ خاندان کا بزرگ ہوا۔ اس نے ایچی سن کالج میں تعلیم پائی اور 1898ء میں فوت ہوا۔ اس کا اکلوتا بیٹا رندھیر سنگھ خاندان کا موجودہ بزرگ ہے اور ایچی سن کالج میں تعلیم پا رہا ہے۔

سردار اوتار سنگھ باجوا سرگباشی رئیس کلاس والا

سردار اوتار سنگھ اگرچہ خاندان باجوا کی اس بڑی شاخ کو چھوٹی شاخ کے بعد عروج حاصل ہوا اور اس طرح چھوٹی شاخ کے لوگ موروثی رئیس بن گئے لیکن اس (بڑی) شاخ کے معززین کے پاس مصدقہ تاریخ آج تک موجود ہے۔ جس میں اعلیٰ درجہ کے واقعات درج ہیں۔

اس خاندان کا پہلا شخص جس کے صحیح حالات معلوم سکے ہیں سردار خوشحال سنگھ تھا جو معلوم ہوتا ہے کہ علم دوست تھا۔ اس کو مجبوراً قلم چھوڑ کر تلوار اس لیے سنبھالنی پڑی کہ اس کے بھائی نے جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ مہاں سنگھ سے آخری شکست کھالی تو خوشحال سنگھ نے صاحب سنگھ گجراتیے کی نوکری کر لی اور اپنے آپ کو اس کا سچا خیر خواہ ثابت کیا۔

جب رنجیت سنگھ نے چھوٹے چھوٹے سرداروں کو پورے طور سے مغلوب کر لیا تو خوشحال سنگھ نے اس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے پرانے وطن میں چلا گیا۔ جہاں اس کا نام اب تک عزت سے لیا جاتا ہے۔ وہیں اس کا انتقال 1833ء میں ہوا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادری کا بڑا مداح تھا خواہ یہ اس کے دشمن ہی سے کیوں نہ ظہور میں آئے۔ وہ بوڑھے سردار کے درپے ہوا کہ وہ اپنے دونوں لڑکوں کو جو واقعی اس کے انتخاب کے قابل تھے اس کی ملازمت میں دے دیئے۔ چنانچہ سردار کا بڑا لڑکا گلاب سنگھ توپخانے کا جمعدار مقرر ہوا اور سرکار انگریزی کے خلاف خوب لڑا۔ صوبہ پنجاب کے الحاق کے موقع پر گلاب سنگھ نے اپنی جائیداد واقع کلاس والہ کے انتظام کے لیے نوکری ترک کر دی مگر اس گوشہ نشینی کی زندگی سے بہت جلد اکتا گیا اور اپنے بھتیجے کرنیل جیون سنگھ کے پاس جو ایک رسالہ کا رسالدار تھا چلا گیا اور اسی کے ساتھ ایام غدر میں خدمات کرتا رہا۔ غدر میں اس نے قابل قدر خدمات کیں اور اس کے تین سال بعد ایک بڑی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

گلاب سنگھ کا چھوٹا بھائی دولا سنگھ رنجیت سنگھ کی فوج میں رسالہ کا ایک بڑا مشہور افسر ہوا

ہے۔ 1857ء میں اس کا کلاس والہ میں انتقال ہو گیا اور اس نے چھ لڑکے چھوڑے۔ سب سے بڑا لڑکا جیون سنگھ ایک مشہور آدمی تھا۔ پہلے پہل یہ کشمیر کی لڑائی میں گیا جہاں زخمی ہوا۔ اس کی بہادری کے سبب سے جو اس نے ٹانک میں دکھائی یہ دوبارہ کشمیر فوجی خدمات انجام دینے کے لیے گیا جہاں اس لڑائی میں جس میں راجہ گوہر مان کو شکست ہوئی اس کا چھوٹا بھائی سردار کشن سنگھ مارا گیا۔ سکھوں کی دوسری لڑائی میں معمر سردار (جیون سنگھ) ہر طرح سرکار کا وفادار رہا اور اپنی وفاداری کے کئی ثبوت دیئے۔ الحاق کے موقع پر شیر دل پلٹن سرکار انگریزی نے لے لی اور اب یہ 19 پنجاب انفنٹری کے نام سے مشہور ہے۔ جیون سنگھ کو کرنیل کا عہدہ دے کر اس پلٹن کے کمیدان کی حیثیت میں رکھا گیا۔ اس کو تین سو روپیہ ماہوار کا ذاتی وظیفہ ان خدمات کے عوض عطا کیا گیا جن کی تعریف بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کی ایک چٹھی میں مندرجہ ذیل الفاظ میں درج ہے:

''پنجاب میں صرف یہ ایک ہی سکھ افسر ہے جو نہ صرف خود اپنی سرکار کا وفادار رہا بلکہ جس نے اپنی قابلیت اور برتاؤ سے اپنی پلٹن کو بھی وفادار رکھا۔'' اس نے ایک دن سنا کہ گورے شراب کے نشہ میں بازار میں شرارت کر رہے ہیں یہ وہاں گیا اور ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی بارکو جو قلعہ گوبند گڑھ میں تھیں واپس چلے جائیں۔ ان میں سے ایک نے تلوار لے کر جو ایک دکان میں پڑی تھی معمر سردار کی گردن پر وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کی وفات کی بابت لکھا ''اس کی موت سے سلطنت اور ملک کو بہت نقصان پہنچا اور اس کی خدمات قابل قدر ہیں۔'' کمانڈر انچیف نے سردار کی موت کے افسوس پر ایک خاص جنرل آرڈر شائع کیا۔

کرنیل جیون سنگھ کا دوسرا بھائی سردار شام سنگھ جو کھڑک سنگھ کے ماتحت ایک رسالہ میں افسر تھا ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ سردار فتح سنگھ اپنے بھائی کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد شیر دل رجمنٹ میں داخل ہوا۔ اس نے غدر کے ایام میں نمایاں خدمات کیں۔

سردار کاہن سنگھ نے جنرل ایوی ٹیبا کے ماتحت سلسلۂ ملازمت شروع کیا۔ ستلج کی لڑائی میں شیر دل رجمنٹ کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا۔ یہ لاہور جیل کی گارد کا افسر تھا اور 49-1848ء میں جو قیدیوں نے بلوہ کیا اس کو اس نے فرو کیا اور 1876ء میں فوت ہو گیا۔

ان چھ بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھائی سردار ایشر سنگھ کو کرنیل جیون سنگھ نے ہی فوجی کام سکھایا تھا اور چونکہ یہ اپنے خاندانی رجمنٹ (شیر دل) میں افسر تھا اور اسی عہدہ سے

19 پنجاب انفنٹری میں صوبیدار ہوگیا۔اس پلٹن کے ساتھ اس نے ایام غدر میں خدمات کیں اور ان خدمات کے صلہ میں جو اس نے دہلی میں انجام دیں اسے تمغہ آرڈر آف میرٹ عطا ہوا۔ یہ 1863ء میں دل کی بیماری سے فوت ہوا اور ایک لڑکا بسنت سنگھ چھوڑا جو بعد ازاں پنجاب میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھا۔

کرنیل جیون سنگھ نے دو لڑکے چھوڑے۔ بڑا لڑکا سردار سنت سنگھ ابھی کم سن ہی تھا کہ پہلے پہل پشاور کی لڑائی میں مارا گیا۔ جب کرنیل جیون سنگھ مارا گیا تو وائسرائے نے اسے خاص طور پر جنرل جان نکلسن کا جو اس وقت بنوں کی سرحد پر امن قائم کرنے کے لیے مامور تھے نایب مقرر کر کے بھیجا۔غدر کے شروع ہونے پر سنت سنگھ کو اس کے باپ کی پرانی رجمنٹ کے 200 جوانوں کی علیحدہ کمان دی گئی اور کانگڑہ میں بلا ماتحتی کسی اور افسر کے خدمات انجام دینے کے لیے بھیجا گیا۔

سنت سنگھ کے چھوٹے بھائی سردار جگت سنگھ نے بھی اپنے باپ کی طرح بہت سی اعلیٰ خدمات کیں۔ وہ 1838ء میں پیدا ہوا اور ابھی نوعمر ہی تھا کہ سر جان لارنس نے 1857ء میں اس خاندان سے دہلی کے لیے رنگروٹ مانگے۔ جگت سنگھ 120 جوان لے کر فوراً کانگڑہ چلا گیا اور 29 پنجاب انفنٹری میں صوبیدار بنایا گیا۔ گو جوان ہی تھا مگر ایام غدر میں اسے صوبیدار میجر کا عہدہ دیا گیا اور اسی عہدہ پر 1882ء میں جب کہ یہ ملازمت سے علیحدہ ہوا متعین رہا۔

نوکری سے علیحدہ ہو کر جگت سنگھ نے کلاس والہ میں رہائش اختیار کر لی اور اپنی قابلیت اور ذاتی رسوخ کی وجہ سے ڈسٹرکٹ بورڈ کا پریذیڈنٹ مقرر ہو گیا اور کام نہایت قابلیت سے سرانجام دیتا رہا۔اس کی اولاد میں پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

سردار جگت سنگھ پراونشل درباری بھی تھا اور اسے سردار بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔ 1893ء میں بصلۂ خدمات پریذیڈنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ سیالکوٹ آنریری مجسٹریٹ اور سول جج اس کو خطاب سی آئی ای عطا ہوا۔

اس کا انتقال 1903ء میں ہوا اور اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا سردار اوتار سنگھ جو پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا جانشین ہوا۔

☆☆☆

MashalBooks.com

امرتسر

1914-15ء

☆ تاریخ

☆ خاندان

MashalBooks.com

MashalBooks.com

تاریخ

ضلع امرتسر میں کوئی خاص تعمیراتی آثار نہیں پائے جاتے۔امرتسر شہر نسبتاً جدید شہر ہے اور ترنتارن اور جنڈیالہ کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔مسلمانوں کے عہد کے چند آثار ضرور قابل ذکر ہیں اور یہ ہیں شاہی کاروان سرائیں جو امانت خان، نور دین، نورنگ آباد اور فتح آباد میں قائم ہیں۔ساری کی ساری تحصیل ترنتارن میں واقع ہیں۔یہ لاہور اور دہلی کے درمیان قدیمی سڑک پر تعمیر کی گئی تھیں۔سڑک اٹاری کے قریب ضلع امرتسر میں داخل ہوتی ہے۔متذکرہ مقامات سے گزرتی گوئندوال کے قریب دریائے بیاس تک پہنچتی ہے۔ان سراؤں کی باقیات بھی کم ہی رہ گئی ہیں۔ان کے صدر دروازے موجود ہیں۔مگر وہ بھی شدید انحطاط کا شکار ہیں۔سراؤں کے اندر واقع زمین پر کاشتکاروں نے گھر اور دیہی دکانداروں نے دکانیں بنالی ہیں۔بعض صدر دروازوں پر اب بھی روغنی اور منقش ٹائلیں موجود ہیں اور ان کے علاوہ منہدم ہوتی ہوئی کچھ دیواریں کھڑی ہیں کچھ کوس مینار باقی ہیں جو فاصلوں پر موجود ہیں۔سرائے امانت خان اور سرائے فتح آباد کے آس پاس مسلمانوں کے روایتی مزار بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔تحصیل اجنالہ میں لِلّہ افغاناں اور تحصیل امرتسر میں دو بڑے بڑے ٹیلے یا تھیہ موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں اچھے بھلے قصبے ہوتے تھے۔کچھ سال گزرے ایک ہوشیار پارسی سوداگر نے لِلّہ افغاناں میں کھدائی شروع کی تھی جہاں سے اسے کچھ منقش اشیاء بھی ملی تھیں مگر اس کام میں منافع نظر نہ آیا تو اس نے یہ کام چھوڑ دیا۔دوسرے ٹیلے کو ایک ٹھیکیدار نے روڑی بنانے کے لیے استعمال کیا جو روڑی پٹھان کوٹ کو جانے والی ریل کی پٹڑی بچھانے کے لیے فراہم کرتا تھا مگر جب دیہاتیوں نے دیکھا کہ اس کام میں یافت ہے اور برآمد ہونے والا سامان قابل فروخت ہے تو انہوں نے ٹھیکیدار

MashalBooks.com

کو کام کرنے سے روک دیا۔

تعمیراتی اعتبار سے اہم سکھوں کے گوردوارے ہیں جو امرتسر، ترن تارن، کھدور صاحب، گوئندوال اور رام داس میں واقع ہیں۔ مگر ان کو بنے بھی تین سو سال سے زیادہ مدت نہیں ہوئی۔ ان میں تعمیراتی حسن تو ایسا نہیں مگر مذہبی لحاظ سے تعظیم کے قابل ہیں اور متبرک سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ یہاں ہمیں یہ کہنا ہے کہ امرتسر کا گوردوارہ یا دربار صاحب ایک بہت بڑے تالاب میں واقع ہے۔ تالاب تک سنگ بستہ سیڑھیاں اترتی ہیں۔ سنگ مرمر سے بنی ایک نسبتاً اونچی فرش گاہ بھی ہے جو گوردوارے تک جاتی ہے۔ اس کی بیرونی سطح پر تانبے پر ملمع کیا گیا ہے اور اندرونی جانب خوبصورت رنگ برنگ پچی کاری کی گئی ہے۔

ترن تارن کے تالاب کی بھی یہی صورت ہے مگر وہاں گوردوارہ تالاب کے درمیان میں نہیں بلکہ کنارے پر ہے۔ اس پر بھی بڑا تابناک ملمع کیا گیا ہے۔ امرتسر کے مقابلے میں یہ عبادت گاہ بہت چھوٹی ہے۔ اس پر ایک بہت اونچا مینار بنایا گیا ہے جو دن کی روشنی میں دس میل سے بھی نظر آ جاتا ہے۔ باقی جن گوردواروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کو مکانوں اور دکانوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ امرتسر اور ترن تارن کے گوردواروں پر تو بہت مہنگا اور تابناک ملمع کیا گیا ہے مگر ان گوردواروں میں وہ رنگ ڈھنگ نظر نہیں آتا۔ عمارت کے اندر بھی آرائش بہت کم ہے۔ دوسری قابل ذکر عمارتوں میں بابا اٹل کا مینار ہے جو چھٹے گورو ہرگوبند کے بیٹے کی سمادھی پر بنایا گیا ہے۔ یہ مینار بھی دربار صاحب اور شہر کی دیواروں سے ملحق گوبند گڑھ کے قلعہ سے زیادہ دور نہیں۔ یہ مینار راجہ رنجیت سنگھ نے 1809ء میں تعمیر کرایا تھا۔

پنجاب کے اس زرخیز دوآبے کی تاریخی اہمیت سکھ مذہب اور سکھوں کے اقتدار سے شروع ہوتی ہے ہندوؤں کے عہد میں ضلع امرتسر میں سرہند یا لاہور ایسے کسی مشہور شہر کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں ملتا جو کسی حکومت کا صدر مقام رہا ہو۔ غالباً یہ علاقہ ہمیشہ سلطنت لاہور کے زیر سایہ زرعی حیثیت کا حامل رہا۔ آج کے مالک کسان حسباً نسباً جاٹ ہیں۔

جاٹوں کی اصلیت اور منبع کا سوال ہمیشہ ایک متنازعہ امر رہا ہے اور رہے گا۔ جنرل کننگھم کا کہنا ہے کہ اس علاقے کے ہندستھین فاتحین کے دو قبائل جاٹ اور مید یا ماد ہیں اور یہ کہ دوسری صدی قبل مسیح کے آخر میں یہ لوگ دریائے آمو کے جنوبی علاقوں سے ترک سکونت

MashalBooks.com

کر کے یہاں آئے تھے۔ یونانی حملہ آوروں کے مورخوں نے کہیں ان کا ذکر نہیں کیا کہ یہ پنجاب میں پائے گئے ہوں۔ جنرل کننگھم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان دونوں قبائل نے سندھ اور وادی سندھ میں استحکام حاصل کر لیا تھا۔ جبکہ مید بالائی پنجاب میں آئے قبضہ کیا اور یہاں سے سندھ کی طرف گئے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ پنجاب میں پھیل گئے۔ بعض دوسرے محققین کا خیال ہے کہ جاٹ جیسلمیر اور راجپوتانہ سے نکل کر آہستہ آہستہ پنجاب پر قابض ہوئے تھے۔ بہرطور یہ معاملہ عہدِ عتیق کے ماہرین کا ہے اس لیے یہاں اس کے مزید تذکرے کی ضرورت نہیں خود ان لوگوں میں یہ روایت عام ہے کہ وہ اصلاً راجپوت ہیں اور مغرب کی بجائے مشرق کی طرف سے آئے تھے۔

یہ معاملہ تو جو کچھ ہے وہ ہے 1023ء میں سلطان محمود نے لاہور اور پنجاب میں مستقل طور پر مسلم اقتدار قائم کر دیا۔ اس وقت سے لے کر سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے تک ضلع امرتسر صوبہ لاہور کا ہی حصہ رہا اور مغل گورنر لاہور سے اس پر حکومت کرتا رہا۔ ضلع اس راستے پر واقع ہے جو مسلمان حملہ آور فوجیں استعمال کرتی رہی تھیں۔ اس لیے ہر حملہ میں اس کے لٹنے اور مار دھاڑ کا نشانہ بننے کا غالب امکان تھا مگر چونکہ یہاں کوئی مالدار شہر نہیں تھے اس لیے امکان ہے کہ گردونواح کے شہروں اور بستیوں کے مقابلے میں اس ضلع میں کم لوٹ مار ہوئی ہوگی۔ حملہ آور بھی لاہور پر قبضہ کے بعد سرہند اور دہلی کی طرف دھاوا بولتے رہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اس علاقے میں بڑے بڑے کھنڈر اور اجڑے دیہات کے تھیہ نہیں پائے جاتے جیسا کہ امرتسر کے مغرب میں واقع اضلاع میں ان کی بہتات ہے۔

مرکزی پنجاب کے اس حصے میں گیارہویں صدی سے پندرہویں صدی تک کوئی خاص تاریخی واقعات نہیں ہوئے۔ پندرہویں صدی کے نصف کے فوراً بعد سکھ مذہب کے بانی اور پہلے گورونانک ضلع لاہور کے گاؤں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ نانک کے والد کھتری ذات کے چھوٹے سے تاجر تھے۔ نانک اوائل عمر میں ہی گیان دھیان میں لگ گئے اور پھر تقریباً سارے ہندوستان میں گھومتے پھرتے رہے۔ ان کا انتقال ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں (ڈیرہ بابا نانک) میں ہوا جس کا نام ان کے نام پر پڑ گیا۔1539ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ بہت سی تحریریں چھوڑ گئے جو سکھ مت کے اصول وضوابط پر مشتمل ہیں۔ انہیں

MashalBooks.com

میں ان کے پیروکاروں کے حلقوں کا بھی تذکرہ ہے۔ نانک صرف مذہبی مصلح تھے۔ انہوں نے خود کسی قسم کی الوہی صفات کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ یہ کہ یہ تحریریں آسمان سے اتری ہیں۔ کننگھم نے کتاب سکھوں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ نانک کی تعلیم مذہبی اور اخلاق اصلاح کے لیے تھی۔ غالباً ان کے سامنے معاشرتی بہتری یا سیاسی اقتدار کا کوئی واضح تصور بھی نہیں تھا۔ ضلع امرتسر میں صرف دو مقامات ویروال اور رامداس کی ان سے کچھ وابستگی ہے باقی کسی مقام کی نہیں۔ ویروال کے بہت سے لوگ ان کے پیروکار ہو گئے جبکہ رام داس والا گوردوارہ ان کے ایک ماننے والے صاحب بڈھا نے تعمیر کرایا تھا۔ دوسرے گورو کا نام انگد تھا جو نانک کے بہت ہی قریبی پیروکار تھے۔ جنہیں بابا نانک کی وفات پر سکھوں نے سکھ مت کا گورو تسلیم کرلیا چنانچہ وہ اس مت کی تبلیغ مرتے دم تک کرتے رہے۔ ان کا انتقال کھدور صاحب میں ہوا جو ترن تارن تحصیل کے جنوب میں واقع بڑی بستی ہے۔ یہاں ان کے نام پر ایک گوردوارہ اور تالاب قائم کیا گیا جس کے لیے حکومت کی طرف سے جاگیر بھی دی گئی۔ ان کے بارے میں مزید معلومات کوئی نہیں ان کے مرنے کے بعد ان کے ایک قریبی مرید امرداس کو گورو بنایا گیا۔ امرداس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ انہوں نے سکھوں کو نانک کے بیٹے کے بنائے اداسی فرقے سے الگ کردیا اداسی فرقے کے بہت سے لوگ ترک دنیا کرتے ہوئے راہبانیت اختیار کرتے ہیں۔ امرداس کا نام تحصیل ترن تارن کے گاؤں گووندوال سے وابستہ ہے جو کھدور صاحب کے قریب واقع ہے۔ امرداس گووندوال میں ہی رہے اور وہیں انتقال کیا۔ یہاں بھی گوردوارہ ہے جس کا نام باؤلی صاحب ہے۔ یہاں تالاب بنانے کی جگہ نہیں تھی اس لیے باؤلی کے اوپر گوردوارہ بنایا گیا۔ رابطہ کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ اسی باعث اس کا نام باؤلی صاحب پڑ گیا۔ امرداس کے جانشین گورورام داس بنے۔ وہ چوتھے گورو تھے اور انہوں نے ہی اکبر بادشاہ سے وہ زمین حاصل کی جہاں اب امرتسر قائم ہے۔ اس زمین کے عین درمیان انہوں نے تالاب اور گوردوارہ کی عمارت بنانا شروع کی۔ مگر یہ ان کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی وہ اپنے سسر اور گورو کے بعد سات سال زندہ رہے۔ اس کے بعد گورو ارجن آئے جنہوں نے پہلے ترن تارن اور پھر امرتسر میں اپنا مرکز بنایا۔ انہوں نے تالاب مکمل کرایا اور پھر اس مقدس تالاب کے آس پاس بستی بسنے لگی۔ گورو ارجن اپنے پیشروں کے برعکس بڑے منتظم تھے۔ پہلے والے گورو اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر تبلیغ

کے لیے سفر میں رہتے تھے مگر نانک کے مذہب پر قوم استوار کرنے پر توجہ نہ تھی۔ گوروارجن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیش روں کی تحریریں اکٹھی کیں انہیں ترتیب دیا۔ پھر سکھ مت کے ماننے والوں سے ایک قسم کا ٹیکس یا چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا اور مختلف علاقوں میں اپنے پیروکاروں سے یہ ہدیہ وصول کرنے کے لیے نمائندے مقرر کیے ۔ گوروارجن کے پیش رو تو گیان دھیان میں محو رہا کرتے تھے مگر بقول کننگھم گوروارجن نے ہم مذہب لوگوں کو باہر کے علاقوں میں سفر اور تجارت کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے ساتھ مذہب کی تبلیغ کی۔ گوروارجن خود بھی معروف اور خوشحال تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صوبہ لاہور کے ایک اعلیٰ افسر چنداشاہ (چندولال) کی بے عزتی بھی کردی تھی۔ ایک یہ وجہ دوسرے سیاسی طور پر کسی کا ساتھ دینے کی بناء پر شہنشاہ جہانگیر نے انہیں سیاسی عزائم رکھنے کی بناء پر قید کرلیا تھا کہا جاتا ہے کہ قید کے باعث جلد ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔ وہ 1606ء میں مر گئے۔

جب ارجن نے گدی سنبھالی تھی سکھ لوگوں کی صورتحال اور تھی جب وہ مرے تو سکھوں کی حالت بہت تبدیل کر گئے۔ ان کی سرکردگی میں بابا نانک کے افکار اور عقائد بہت تیزی سے پھیلے پھر ان کے چھٹے گورو ہرگوبند کے زمانے میں بھی سکھ مت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ گوروارجن کی تعلیمات ثمر آور ثابت ہوئیں۔ اب روحانیت کے ساتھ دنیاوی امور پر بھی توجہ دی جانے لگی جس کی بناء پر مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ ہرگوبند ایک قدم آگے گئے اب وہ بیک وقت ایک روحانی اور عسکری رہنما تھے۔ انہیں اپنے باپ کا انتقام بھی لینا تھا جس کے لیے انہوں نے مسلح گروہ اور گھڑسوار بھی بنانے شروع کردیئے جو ہر لحظہ کسی بھی کارروائی کے لیے تیار ہوتے۔ کننگھم نے لکھا ہے کہ سکھوں میں ایسی تحریک پیدا کی کہ انہیں عام ہندو فرقوں سے بالکل الگ کردیا۔ اب سکھوں کے لیے صرف عبادات اور روحانیت میں مصروف رہنے کا یہ مطلب بھی تھا کہ وہ خود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں یعنی وہ صرف مراقبے یا روحانیت کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

اگرچہ ہرگوبند مسلمان بادشاہ کے برائے نام ملازم بھی تھے مگر ان کی آزادہ روی کی بناء پر ان کا لاہور کے حاکموں سے تنازع شروع ہوگیا۔ انہیں قلعہ گوالیار میں قید کردیا گیا مگر ان کے پیروکار امرتسر کے نزدیک کشمیر کی طرف جانے والی شاہی فوج سے بھڑ گئے۔ ہرگوبند کا

MashalBooks.com

انتقال 1645ء میں ہوا ان کے بعد ہر رائے اور ہرکشن گدی نشین ہوئے ان دونوں کا امرتسر کے مقابلے میں ضلع لاہور سے زیادہ تعلق رہا۔ نویں گورو تیغ بہادر تھے۔ وہ ہرگوبند کے پیروکاروں کے ساتھ ضلع امرتسر میں بابا بوکالا میں مقیم ہوئے جو کھدور صاحب اور گوئندوال سے زیادہ دور نہ تھا۔ تیغ بہادر اپنے والد ہرگوبند کی طرح مذہبی مصلح کم اور عسکری لیڈر زیادہ تھے چنانچہ انہیں بغاوت کے جرم میں بادشاہ اورنگزیب نے دہلی میں مروا ڈالا۔ تیغ بہادر کا ایک ہی بیٹا تھا اس کی عمر اس وقت پندرہ برس تھی گوبند سنگھ دسویں اور آخری گورو تھے وہ کئی برس تک گوشہ گمنامی میں پڑے رہے اور پھر سکھوں کے بہت بڑے رہنما کی صورت میں سامنے آئے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ انہیں دو مقاصد حاصل کرنے ہیں۔ ایک تو انہیں اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا ہے دوسرے سکھوں کو اورنگزیب کے زمانے کی کٹڑ اور ظالم مسلمان حکومت سے آزاد کرانا ہے۔ اس زمانے میں سکھوں نے خود کو خالصہ (یعنی آزاد) کہلوانا شروع کیا جس کا یہ مطلب بھی تھا وہ منتخب روزگار قوم ہیں۔ گورو نے سکھوں سے کہا کہ انہیں ہر صورت اپنے عقیدے کی پیروی اور اپنے گورو کی اطاعت کرنی ہے۔ گورو گوبند نے ہی پاہل کی رسم کا آغاز کیا۔ یہ دراصل عقیدے پر حلف اٹھانے کی رسم ہے اور ہر سکھ کے لیے یہ رسم ادا کرنی لازم قرار پائی۔ انہوں نے بت پرستی کی سخت مخالفت کی اور سکھوں میں بتوں کے خلاف شدید نفرت پیدا کی اور کہا کہ صرف مذہبی کتاب کی پرستش یا احترام کیا جائے گا اور پانچ کے اختیار کیے جائیں گے۔ یعنی بال نہیں کٹوائے جائیں گے، نام کے ساتھ سنگھ لازمی حصہ ہوگا اور لوہے کی کرپان اور کڑے لازمی پہنے جائیں گے۔ مگر جب تک اورنگزیب کی حکومت مضبوط رہی گورو گوبند سنگھ کو بہت کم کامیابی حاصل ہوئی۔ گورو کے خلاف شاہی فوج بھیجی گئی جس نے گورو کے پیروکاروں کو منتشر کر دیا اور خود گورو کو بھی ضلع ہوشیار پور میں آنند پور کا مرکز چھوڑنا پڑا۔ گورو نے بٹھنڈہ تک کے جنگلوں میں اپنا اثر قائم کر رکھا تھا۔ 1707ء میں اورنگزیب کا انتقال ہوا تو گورو کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ گوبند سنگھ نے اپنی فوج اکٹھی کی اور بادشاہ کی موت کے بعد خلفشار کی جو کیفیت تھی اس میں دریائے ستلج تک چلے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خالصہ کا نام بہت بلند کر جاتے مگر 1708ء میں انہیں دریائے گوداوری کے کنارے نادیر میں قتل کر دیا گیا۔

گورو گوبند سنگھ کی جگہ بندہ بیراگی نے لی جو گورو کا بڑا پسندیدہ نائب تھا۔ سکھوں نے

MashalBooks.com

بندہ بیراگی کی قیادت میں جمع ہونا شروع کیا۔ بندہ نے اپنا مرکز گورداسپور میں بنایا اور ایک مدت تک مسلمان فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا اور اپنی آزادانہ حیثیت کو برقرار رکھا مگر آخر کار کشمیر کے گورنر عبدالصمد خان نے اسے قید کرلیا اور 1716ء میں دہلی میں اسے قتل کر دیا گیا۔

انتہا پسند بندہ بیراگی کے خاتمے کے بعد سکھوں کی جو صورتحال ہوئی اس کا کننگھم نے یوں ذکر کیا ہے۔ ''بندہ بیراگی کی موت کے بعد سکھوں کی پکڑ دھکڑ جاری رہی۔ جنگوں میں ان کا بہت نقصان ہوا اور ان کی حالت بڑی پتلی ہوگئی۔ جو پکڑے جاتے یا تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا یا انہیں عقیدہ یا مذہب تبدیل کرنا پڑتا۔ سکھوں کے سروں کی قیمت لگا دی گئی تھی اور ان کے خلاف ایسے ایسے انتقامی اقدامات کیے گئے کہ ان میں سے بہت سے سکھوں نے ہندومت اختیار کرلیا۔ بہت سے سکھوں نے مت کی ظاہرہ صورت یعنی پانچ ککے بھی چھوڑ دیئے۔ جو زیادہ راسخ العقیدہ تھے انہوں نے یا تو پہاڑیوں میں پناہ لے لی یا دریائے ستلج کے جنوب میں واقع جنگلوں میں جا چھپے اور بہت دیر تک تاریخ میں سکھوں کا نام غائب ہوگیا۔

یوں دو صدی بعد سکھ عقیدے نے اپنی جگہ بنائی۔ سکھی اصولوں کو اختیار کیا اور دنیا میں نام پایا۔ نانک نے اپنے پیروکاروں کو ہندوؤں کی بت پرستی اور مسلمانوں کے اوہام سے دور رکھنے کا کام کیا تھا اور انہیں مذہبی اور اخلاقی پاکیزگی کی بنیادوں پر ایک آزاد حیثیت دلوائی تھی۔ امرداس نے اپنی برادری کو راہبانیت سے بچایا ارجن نے اپنے روز افزوں پیروکاروں کو ایک تحریری ضابطہ اور تنظیم دی۔ ہرگوبند نے انہیں مسلح کیا اور فوجی نظام دیا۔ گوبند سنگھ نے انہیں ایک منفرد سیاسی وجود دیا اور انہیں معاشرتی اور سیاسی طور پر آزادی حاصل کرنے کی تحریک دی۔

1737ء میں مرہٹہ پیشوا' باجی راؤ فوج لے کر دہلی پر آ دھمکا۔ دو برس بعد نادر شاہ نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اس صورت میں سکھوں نے اپنے موروثی دشمنوں کو مصائب میں گھرے دیکھ کر موقع سے فائدہ اٹھایا۔ چھوٹے چھوٹے مسلح گروپوں نے ایرانی فوج کے بھٹک یا بچھڑ جانے والے سپاہیوں کو لوٹا۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں اہل دولت کو بھی لوٹا۔ لیکن ان کا کوئی مرکزی رہنما نہیں تھا اس لیے جب بیرونی حملہ آور واپس گئے تو لاہور کے وائسرائے ذکریا خان نے بڑی آسانی سے انہیں زیر کرلیا۔ تاہم اب انہوں نے

چھپ چھپ کر بھیس بدل کر امرتسر میں آنے کے بجائے کھلم کھلا عبادت کرنا شروع کردی۔
نادر شاہ کو 1747ء میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ احمد شاہ ابدالی نے لے لی وہ اسی سال فوج لے کر پنجاب پر حملہ آور ہوا اور لاہور کے گورنر شاہ نواز خان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ احمد شاہ سرہند سے آگے نہ جاسکا وہاں سے اسے واپس لوٹنا پڑا اور میر منو لاہور کا گورنر بن گیا۔ سکھوں نے امرتسر میں رام رونی کے نام سے ایک قلعہ بنالیا تھا انہوں نے میر منو کے لیے مشکلات پیدا کرنا شروع کر دیں۔ تاہم میر منو نے بڑی آسانی سے انہیں دبا دیا اور ان کے قلعہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ پھر احمد شاہ کا دوسرا حملہ شروع ہوا جو سکھوں کی سرکشی کے لیے اشارہ ثابت ہوا ان دنوں سکھوں نے امرتسر کے اردگرد علاقہ پر اپنا تسلط جمالیا تھا مگر میر منو کے حکم کے تحت ادینہ بیگ نے ان کو شکست دے دی۔ اس زمانے میں سکھ لیڈر نمایاں ہونے لگے۔
ان میں جسا سنگھ کلال اور جسا سنگھ ترکھان شامل تھے۔ انہوں نے امرتسر میں قلعہ رام رونی پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ تاہم دہلی سے ان کی سرکوبی کے لیے شہزادہ تیمور کو بھیجا گیا اس نے سکھوں کو بہت دبایا امرتسر کی عمارت کو گرا دیا گیا اور ملبہ متبرک تالاب میں پھینکا گیا۔ تالاب کی بے حرمتی کے باعث سکھ اکٹھے ہوئے اور جسا سنگھ کلال کی سربراہی میں انہوں نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے امداد کیلیے مرہٹوں کو بلایا ادھر احمد شاہ جو افغان فوج لاہور میں چھوڑ گیا تھا سکھوں نے ان سے لاہور خالی کرالیا۔ پھر افراتفری پھیل گئی۔ احمد شاہ واپس آیا۔ پانی پت میں 1761ء میں مرہٹوں کو آخری شکست دی گئی۔ لاہور افغانوں کے قبضے میں رہا۔ دہلی خاندان کی حکومت کمزور ہونے لگی اور انہیں سکھوں کی بغاوت سے واسطہ پڑ گیا۔ سکھوں کو کچھ کامیابیاں ہوئیں۔ سکھ خالصہ امرتسر میں اکٹھے ہوئے۔ مقدس تالاب میں اشنان کیا اور پھر مصروف کار ہوگئے مگر بندہ بیراگی کے پکڑے جانے کے موقع پر انہیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ان سے بھی بڑا نقصان ان کا اس وقت ہوا جب احمد شاہ اپنے نائبین کی حمایت میں 1762ء میں حملہ آور ہوا اور لدھیانہ میں سکھوں کو جالیا اور سکھوں کے خلاف خوفناک جنگ کی۔ جنگ کی شدت اور سکھوں کو ہونے والے نقصان کی بناء پر اس جنگ کا نام گلوگلاؤ پڑ گیا جس کا مطلب ہے المناک شکست۔ واپسی پر احمد شاہ امرتسر سے گزرا۔ گوردوارہ کو مسمار کیا اور متبرک تالاب کے اندر گائیں ذبح کرائیں اور اس طرح اس کے تقدس کو پامال کیا۔
تاہم گوردوارہ پر یہ آخری یلغار تھی۔ 1764ء میں یہ دوبارہ تعمیر کیا گیا اور خالصہ فوج نے

MashalBooks.com

اسی سال دیوالی کے موقع پر تالاب کے پاس تہوار منایا۔اب خود سکھوں کے اندر تقسیم کا عمل شروع ہوا اور مخالف مسلیں بن گئیں۔ان میں سے بہت ساری مسلوں کا مرکز امرتسر بنا اور انہوں نے جفاکش سکھوں پر مشتمل اپنی اپنی فوج بنانا شروع کردی انہوں نے اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف کے انتشار کے زمانے میں ضلع کے مختلف علاقوں میں قبضے جما رکھے تھے۔بھنگی، رام گڑھیئے، اہلو والیے اور کنہیا یا کاہنیہ مسلیں امرتسر میں قائم تھیں ان میں سے بھنگی سب سے پہلے نمایاں ہوئے۔ان کا کیا قبضہ امرتسر اور لاہور سے لے کر شمال میں دریائے جہلم کے کناروں کے ساتھ ساتھ تھا۔کنہیا امرتسر اور پہاڑوں کے درمیانی علاقے میں مضبوط تھے۔اہلو والیے جالندھر دوآبے میں تگڑے تھے اور ماجھے کی ترن تارن اور قصور کی تحصیلیں بھی ان کے زیرنگیں تھیں۔

رام گڑھیوں کا ستلج کے جنوب میں واقع میدانی علاقوں پر بھی قبضہ تھا اور کچھ گورداسپور کے علاقے بھی ان کے قبضے میں تھے۔اس مسل کا نام قلعہ رام رونی کے حوالے سے پڑا جو امرتسر کے مقدس تالاب کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا۔چنانچہ اس کا نام رام گڑھ (رام یا خدا کا قلعہ) رکھا گیا۔یہ نام جسا سنگھ ترکھان نے رکھا تھا۔اسی حوالے سے سکھ ترکھان آج تک خود کو ترکھان کہلانے کے بجائے فخر کے ساتھ رام گڑھیے کہلواتے ہیں۔ان میں سکھ جاٹوں والی تمام عسکری اور سول صفات موجود تھیں۔یہاں اکالیوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ یہ انتہا پسندوں کا گروہ تھا جو امرتسر دربار کی حفاظت پر مامور تھا۔فارغ اوقات میں وہ ہمسائیوں میں مذہبی رورعایت کے بغیر لوٹ مار کا کام بھی کرتے تھے۔وہ پیشہ ور سپاہی بن گئے تھے اور پھر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں سکھ فوج کا حصہ بن گئے تاہم ان کا اکھڑ پن اور متلون مزاجی مشہور تھی۔

ان مسلوں کے عروج کی داستان رقم کرنا بڑا مشکل کام ہے اور نہ ہی ان کے عروج و زوال کا کوئی زیادہ اثر تاریخ پر پڑا۔بھنگی مسل کا سربراہ جسا سنگھ تھا کنہیا مسل نے جے سنگھ کی سرکردگی میں بھنگی مسل کی طاقت کو روک لیا۔جے سنگھ کے اتحادیوں میں سکرچکیہ مسل بھی تھی جس کا سربراہ مہاراجہ کا دادا چڑھت سنگھ تھا۔تاہم بھنگیوں کے پاس اب بھی لاہور اور امرتسر کا قبضہ تھا۔اس کے بعد ان کا زیادہ تر ذکر ملتان کی طرف رہا۔اہلو والیے اور کنہیئے اکٹھے ہوئے اور انہوں نے رام گڑھیوں سے ستلج کے علاقے چھین لیے رام گڑھیئے حصار کی طرف چلے

گئے سکر چکیہ مسل کا سردار اب مہاں سنگھ بن گیا تھا اسے کنہیا مسل کے جے سنگھ کی سرپرستی حاصل تھی تاہم انہوں نے جلدی ہی کنہیا مسل سے علیحدہ ہو کر رام گڑھیوں کا ساتھ دیا اور پھر کنہیا مسل کو شکست دی۔ رام گڑھیوں نے ستلج کے ساتھ کے جو علاقے چھوڑے تھے ان پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ اس کے بعد ہمیں سکر چکیہ اور کنہیا مسلوں میں اتحاد کی خبر ملتی ہے۔ یہ اتحاد زیادہ دیر تک رہا۔ مہاں سنگھ مر گیا تو اس کا بیٹا رنجیت سنگھ اس کا جانشین ہوا اس نے جے سنگھ کنہیا کی بیوہ بہو مائی سدا کور کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس وقت سدا کور کی سربراہی میں کنہیا مسل بڑی مضبوط ہو گئی تھی۔ رنجیت سنگھ کو ان سے بڑی تقویت ملی۔ 1801ء میں رنجیت سنگھ نے بھنگیوں سے لاہور چھین لیا اب بھنگیوں کے پاس کوئی قابل سردار نہیں رہا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اہلووالیہ مسل کے فتح سنگھ سے دوستی اور اتحاد کر لیا۔ رنجیت سنگھ کی فتح سنگھ سے ترن تارن میں ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ پگڑی بدل دوست بن گئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے بھنگیوں کو امرتسر سے بھی بے دخل کر دیا اور پھر قدم بقدم دوسری مسلوں کے مخالف عناصر پر غلبہ پا کر اس نے لاہور میں اپنی بادشاہت قائم کر لی۔

رنجیت سنگھ کی 1809ء میں امرتسر میں ہی میٹکاف سے ملاقات ہوئی جہاں ایک عہد نامہ پر دستخط کیے گئے جس کے مطابق انگریزوں نے رنجیت سنگھ کو ستلج پار کے ان علاقوں کا حاکم تسلیم کر لیا جن پر اس کا قبضہ تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ ستلج کے مشرقی کنارے کے علاقوں کی ریاستوں سے کوئی سروکار نہیں رکھے گا یعنی انہیں اپنی ریاست کا حصہ نہیں بنائے گا۔ اس معاہدہ میں اسے لاہور کا راجہ رنجیت سنگھ کہا گیا۔ اسی سال اس نے امرتسر میں قلعہ کی تعمیر مکمل کی اور اس کا نام گوبند گڑھ رکھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے اقتدار کو استحکام دینا شروع کیا اور وہ پنجاب کا کلی حکمران بن گیا۔ کننگھم کے الفاظ میں ''اس نے اس سرزمین سے اتنا کچھ حاصل کیا جتنا یہ زمین دے سکتی تھی۔ سوداگروں سے اتنا کچھ حاصل کیا جو وہ اپنا منافع بچا کر دے سکتے تھے۔ اس نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کے گروہ توڑ دیئے۔ سکھ کاشتکاروں کو برائے نام مالیہ لگایا۔ کوئی مقامی افسر خالصہ فوج کے کسی رکن پر دباؤ ڈالنے کی جرات نہ کرتا۔ اور اگر یہ افسر مالیہ کی وصولی میں کاشتکاروں پر سختی کرتا اور کاشتکار مزاحمت کرتے تو انہیں فوج کی مدد دینے کی بجائے تبدیل کر دیا جاتا۔ یہ بات جزوی طور پر صحیح ہے۔ ہمارے خیال میں مالیہ اور دوسری تشخیص کم نہیں تھی مگر یہ جنس کی صورت میں ادا کی جاتی تھی اس لیے کسانوں کے لیے مالیہ ادا نہ کرنے کی وقتاً فوقتاً

MashalBooks.com

گنجائش نکل آتی تھی۔ حکومت کی طرف سے سربراہوں کے لیے انعامات بھی رکھے گئے تھے جس سے یہ سربراہ فیض یاب ہوتے مگر انعام میں بڑی قباحتیں تھیں۔

سلطنت کے مرکزی علاقوں میں سکھوں کے انداز حکمرانی کے بارے میں سرڈینزل ابٹسن نے 1881ء کی اعداد وشمار کی رپورٹ میں کننگھم سے مختلف رائے دی ہے۔ ابٹسن کہتا ہے ''مرکز اور جنوب مغرب میں سکھ حکمرانی مضبوط اور منصفانہ تھی مگر ابتداء میں مسلوں کے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد طریق کار منظم قسم کے قتل وغارت گری کا تھا۔ مگر جیسے جیسے سکھ مضبوط ہوئے قومی شعور جاگا تو پھر کم از کم ذاتی مفادات کے حوالے سے ہی انہوں نے معتدل قسم کی حکمرانی قائم کی۔ چونکہ سارے کے سارے سکھ ہی سپاہی بن گئے تھے اس لیے ان کی نیت یہی ہوتی کہ ہندو اور مسلمان کاشتکاروں سے اتنا زیادہ مال حاصل کریں کہ وہ زمین چھوڑنے پر مجبور نہ ہوجائیں۔ راجپوتوں نے اپنی اونچی ذات کا تقدس بچانے کے لیے سکھوں کی فوج میں شامل ہونے سے انکار کردیا تھا اس لیے وہ سکھوں کی نفرت اور ظلم کا خاص نشانہ بنے۔ چنانچہ ان میں سے جن کے بارے میں دولت مند یا با اثر ہونے کا خیال ہوا ان کو بے رحمی سے پیس کر رکھ دیا گیا۔ سکھوں نے زراعت کو ہر ممکن ترقی اور توسیع دی لیکن یہ ایسا نظام تھا جس میں کاشتکاروں کے لیے بہت ہی کم کشش رہ گئی تھی۔ تاہم انہوں نے ان کے کاشتکارانہ حقوق کا کسی حد تک خیال رکھا۔ جہاں جہاں ان کے مالی مفادات سے ٹکراؤ ہوتا وہاں وہاں نہ وہ کسی کے حقوق کا خیال رکھتے نہ ہی کسی کی ملکیت کو تسلیم کرتے۔ جو سکھ نہیں تھا یعنی جو سپاہی نہیں تھا اس کا وجود صرف اسی صورت میں تسلیم کیا جاتا کہ کیا وہ مالیہ حکومت کو ادا کرتا ہے یعنی اس کی قدر و قیمت کا تعین اس کے مالیہ سے کیا جاتا تھا۔

تعلقے یہ تھے

پرگنہ یا تحصیل امرتسر، جنڈیالہ، بٹالہ، سٹھیالہ، بنڈالہ اور مہتاب کوٹ۔ یہ نصف جنوبی تحصیل میں واقع تھے ان پر اہلووالیہ سردار جسا سنگھ اور فتح سنگھ قابض تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سمبت 1882ء میں ان پر قبضہ کرلیا۔

منے والی، گورداسپور کی طرف اور رام گڑھیا سرداروں کے قبضے میں 1872ء سمبت میں مہاراجہ نے ہتھیا لیا۔

چونڈہ' کنہیا مسل کے قبضے میں تھا مہاراجہ نے مائی سدا کور سے چھین کر شہزادہ شیر سنگھ کو جاگیر کے طور پر دے دیا۔

مجیٹھہ' سردار دیال سنگھ گل کے قبضے میں۔

امرتسر' اصلاً سکھوں کی سبھی مسلوں' بھنگی' رام گڑھیہ' کنہیا اور سوریانوالہ کی مشترکہ ملکیت' مہاراجہ نے آہستہ آہستہ یہ علاقہ چھین لیا۔

گل والی' کنہیا سرداروں کی جاگیر تھا مائی سدا کور کے بھتیجے سردار گوردت سنگھ کے قبضہ میں۔

پرگنہ یا تحصیل ترن تارن جلال آباد ویروال اور کوٹ محمود خان تعلقہ جنڈیالہ کی طرح یہ بھی اہلووالیہ سرداروں کے قبضہ میں تھے۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں سردار لہنا سنگھ' مجیٹھہ اور مسر صاحب دیال کے زیر انتظام۔

سرہالی' مہاراجہ کے زمانے میں سردار لہنا سنگھ کے زیر انتظام

ترن تارن' پہلے بھنگیوں کے پاس پھر خان والا سرداروں دل سنگھ اور فتح سنگھ کے انتظام میں

کھپر کھیری' سنگھ پوریا سرداروں کا تھا' اب کچھ حصہ تحصیل امرتسر میں۔

پرگنہ سوریاں (اب تحصیل اجنالہ) سوریاں' جگ دیو' سوریاں کے سردار جودھ سنگھ کا تھا۔ 1891ء سمبت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لے لیا۔

چھینہ' چھینہ سردار کرم سنگھ کا' اس کے خاندان کی اسی علاقہ میں اب بھی جاگیر ہے۔

سنیسرا' سنیسرا سردار دیوان سنگھ کا تھا۔ بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سندھانوالیہ سرداروں کو جاگیر کے طور پر دے دیا۔

تھوبہ' کنہیا سرداروں کی ملکیت تھا پھر سندھانوالیہ سرداروں کے قبضے میں آ گیا۔

پنج گرائیں' یہ بھی کنہیا سرداروں کے ہاتھوں سے نکل کر سندھانوالیہ سرداروں کے قبضے میں آیا۔

چمیاری' چمیاری کے سردار نر سنگھ نے قبضہ کر لیا اب اسی کے جانشینوں کے قبضے میں ہے۔

گھونے والا' سردار جودھ سنگھ سوریاں والا کا تھا بعد میں چمیاری کے سردار نر سنگھ نے

MashalBooks.com

قبضہ کرلیا۔

کڑیال' سردار جودھ سنگھ سوریاں کے قبضے میں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں امرتسر شہر کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔سکھوں کا مذہبی مرکز بن گیا۔مہاراجہ اکثر یہاں آیا کرتا۔پہلی افغان جنگ سے پہلے یہیں مہاراجہ نے گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ سے ملاقات کی۔ دربار لاہور کی بہت سی اہم شخصیات کا تعلق اس ضلع سے تھا۔مثلاً سندھانوالیہ خاندان کے بزرگ (یہ مہاراجہ ہی کے خاندان سے متعلق ہے) لہنا سنگھ مجیٹھیہ اور سردار شام سنگھ اٹاری والا' شام سنگھ کی بیٹی 1837ء میں مہاراجہ کے پوتے سے بیاہی گئی۔ رنجیت سنگھ کی وفات 27 جون 1839ء کو ہوئی۔ جانشین بیٹا مہاراجہ کھڑک سنگھ ہوا جو اگلے سال مرگیا۔ پھر نونہال سنگھ کا مختصر عرصہ حکومت۔اس کا جانشین شیر سنگھ ہوا جو 1843ء میں قتل ہوگیا۔اس کی جگہ نوعمر شہزادہ دلیپ سنگھ نے لی اور مہاراجہ بن گیا۔سکھوں سے پہلی جنگ میں کوئی بھی اہم واقعہ ضلع امرتسر میں نہیں ہوا۔میدان جنگ دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر بنا رہا۔اس کے بعد انگریزوں نے دریائے ستلج عبور کیا اور لاہور شہر پر قبضہ جمالیا۔ جہاں سے وہ حکومت کے انتظامات اور معاہدوں پر دستخط کرنے کے بعد 1846ء میں لوٹے۔ طے پایا کہ برطانوی حکومت اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی حکومت میں دائمی امن وامان رہے گا۔

لاہور دربار نے جالندھر دوآب انگریزوں کے حوالے کردیا۔ باری دوآب سے تقریباً ساری انگریز فوج واپس بلا لی گئی۔ لاہور میں مقرر کیے گئے ریذیڈنٹ اور مہاراجہ کی حفاظت کے لیے کچھ دستے رکھ لیے گئے۔کونسل آف ریجنسی کے آٹھ رکن تھے ان میں سے امرتسر کے تین بڑے خاندان سندھانوالیہ' مجیٹھیہ اور اٹاری والا سے لیے گئے۔ چوتھا سردار عطر سنگھ تھا جو امرتسر شہر کے قریب ایک گاؤں کالا کا تھا۔1848ء تک امن قائم رہا۔اس سال اٹاری والے دوسرداروں نے بغاوت کردی نتیجہ یہ کہ گورنر جنرل پنجاب کے برطانوی حکومت سے الحاق پر مجبور ہوگیا۔

1849ء میں ضلع امرتسر کا چارج اپریل کے مہینے میں ڈپٹی کمشنر مسٹر ایل ساؤنڈرس نے سنبھال لیا۔شروع میں اس کی چار تحصیلیں تھیں امرتسر' ترن تارن' اجنالہ اور رعیہ (یا نارووال) موخرالذکر (رعیہ) دریائے راوی کے پار تھی' یعنی امرتسر سے الگ اس لیے 1867ء میں اسے سیالکوٹ کا حصہ بنا دیا گیا۔اس کے ساتھ ہی گورداسپور کی تحصیل بٹالہ امرتسر کا حصہ بنا دی گئی

مگر اس الحاق کا انتظام کچھ اچھا نہ تھا اس لیے لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا چنانچہ دو سال بعد 1869ء میں اسے پھر گورداسپور میں شامل کر دیا گیا۔

باقی تین تحصیلوں کی سرحدیں بھی وہ نہیں تھیں جواب ہیں ان میں ادلی بدلی ہوتی رہی۔ 1854ء تک اٹاری کے اردگرد کے دیہات ضلع لاہور کا حصہ تھے انہیں 1852ء کے پہلے سیٹلمنٹ (بندوبست) کے موقع پر امرتسر کا حصہ بنایا گیا اب جنوب میں تحصیل امرتسر کا حصہ کم وبیش تعلقہ ستھیالا اور بٹالہ اس وقت تحصیل ترن تارن کا حصہ تھے تحصیل کے شمال میں آخری مواضعات 1854ء تک امرتسر کا حصہ تھے اب اجنالہ اور ترن تارن کا حصہ ہیں۔ تحصیل امرتسر کی سرحدیں بڑی مڑی تڑی تھیں۔ سیدھا کرنے کے لیے اور جرنیلی سڑک کو امرتسر شہر سے گزارنے کے لیے کئی دیہات دوسری تحصیلوں میں منتقل کر دیئے گئے۔ یہ انتقال 1854ء سے پہلے کیا گیا۔ اس وقت سے اب تک ضلع کی تینوں تحصیلوں کی یہی سرحدیں چلی آتی ہیں۔

1849ء سے 1859ء تک ضلع امرتسر لاہور ڈویژن کا حصہ تھا اس سال امرتسر کو ہی ایک ڈویژن بنا دیا گیا جس میں امرتسر کے علاوہ ضلع گورداسپور اور ضلع سیالکوٹ شامل تھے۔ یہ سلسلہ نومبر 1884ء تک جاری رہا۔ اس برس پنجاب کمشن کی تنظیم نو کی گئی اور کمشنری میں اضلاع کی تعداد دس سے کم کر کے چھ کر دی گئی۔ اس کے بعد گورداسپور اور امرتسر لاہور کمشنری کا اور ضلع سیالکوٹ راولپنڈی کمشنری کا حصہ بنا۔ اس سال سے امرتسر کمشنر کا سرمائی ہیڈ کوارٹر بھی نہ رہا۔

ضلع امرتسر میں 1857ء کے مندرجہ ذیل واقعات پنجاب میوٹنی رپورٹ سے لیے گئے ہیں۔

امرتسر شہر کے نام پر ہی ضلع کا نام رکھا گیا ہے امرتسر شہر پنجاب کی ایک بڑی منڈی ہے۔ اس پر قلعہ گوبند گڑھ کا سایہ ہے یعنی قلعہ کی بڑی انتظامی اور فوجی اہمیت تھی۔ امرتسر کی سکھوں کے لیے وہی حیثیت ہے جو جولیس سیزر کے زمانے تک برٹن کے لیے مونا جزیرہ کی تھی۔ جو مکہ کی مسلمانوں کے لیے اور بنارس کی ہندوؤں کے لیے ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ امرتسر سکھوں کی وفاداری اور اطاعت کا مرکز ہے۔ اگر امرتسر پر ہم ناکام ہو جاتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ سکھوں نے بغاوت کر دی اگر اس پر ہمارا قبضہ مستحکم ہے تو پھر سکھوں کی انگریزوں سے وفاداری پکی تھی۔ امرتسر کے بارے میں سخت تشویش اس لیے ہوئی کہ اس میں نیٹو انفنٹری موجود تھی جس میں صرف 70 یورپی تو پچی تھے۔ 13 مئی کو یہاں پر (لاہور میں) جب فوج سے اسلحہ لے لیا گیا تب کیپٹن لارنس پولیس کے کپتان اور کمشنر مسٹر رابرٹ فوراً ہی

امرتسر کی طرف روانہ ہوئے۔ اگلے روز وہ لاہور واپس آئے تو انہوں نے بریگیڈیئر کوربٹ کو مشورہ دیا کہ فوری طور پر یورپی فوجی امرتسر بھیجے جانے چاہئیں۔ انہوں نے فوری طور پر تعمیل کی اور اس روز کے تشویش ناک واقعات (لاہور کے) کے باوجود 81 فٹ کی آدھی کمپنی اسی رات امرتسر بھیج دی گئی۔ یہ کمپنی بگیوں تانگوں وغیرہ کے ذریعے امرتسر گئی اور 15 مئی کو طلوع آفتاب کے وقت بخیر و عافیت قلعہ گوبند گڑھ میں داخل ہوگئی۔

59 ویں نیٹو قلعہ میں رہی پھر یورپی فوج نے پوزیشن سنبھال لی۔ 9 جولائی کو بریگیڈ جنرل نکلسن کی سرکردگی میں گشتی فوج نے 59 ویں سے ہتھیار لے لیے۔ جیسے ہی بغاوت ہوئی ڈپٹی کمشنر مسٹر کوپر نے پہلا کام یہ کیا کہ قلعے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس پر کنٹرول کیا گیا۔ یہ سارا کام بغیر کسی شور و غوغا کے مکمل کیا گیا اور اب قلعہ بہت ہی محفوظ ہاتھوں میں آگیا جبکہ پہلے حالت مشتبہ تھی۔ اسسٹنٹ کمشنر میکناٹن لاہور روڈ کی طرف چلا گیا تا کہ بھگوڑے فوجیوں کو پکڑا جائے۔ یہ کارروائی ماجھا کے علاقے میں ہوئی۔ دیہاتیوں کو بتایا گیا کہ جو کوئی بھگوڑے فوجی کو قابو کر کے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ ان لوگوں کے سپاہیانہ انداز نیم مردہ ہو چکے تھے چنگاریاں رہ گئی تھیں ان کو شعلے بنا دیا گیا چنانچہ یہ گاؤں بھگوڑے فوجی کے لیے موت کا جال بن گئے۔ اس کے لیے فرار ہونا بہت ہی مشکل ہوگیا۔ 1857ء میں بغاوت پر قابو پانے کے لیے امرتسر نے جس قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس میں انہی لوگوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

31 جولائی کو راوی کے بائیں کنارے پر بلگھاٹ کے قریب بہت سے غیر مسلح سپاہی پہنچے جو لوگوں سے یہ پوچھ رہے تھے کہ دریا کو کہاں سے عبور کرنا چاہئے اس سے لوگوں میں تجسس پیدا ہوا۔ انہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے سپاہیوں کو کئی گھنٹے مصروف رکھا جبکہ اسی دوران انہوں نے اجنالہ اور امرتسر میں حکام کو خبر کرنے کے لیے ہرکارے دوڑا دیئے۔ اجنالہ کا تحصیل دار پریم ناتھ تھا اس نے جہاں تہاں سے پولیس والے اکٹھے کیے پتہ چلا کہ یہ بھگوڑے 26 ویں نیٹو انفنٹری کے تھے۔ جنہوں نے ایک روز پہلے لاہور میں بغاوت کی چار قتل کرنے کے بعد معروف سڑکوں کی بجائے چھپتے چھپاتے انیس گھنٹے میں چالیس میل کا سفر کر کے یہاں پہنچے تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو پولیس اور مقامی لوگوں نے مل کر ڈیڑھ سو بھگوڑوں کو مار دیا۔ سہ پہر چار بجے 80 گھوڑ سواروں کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا اس کے ساتھ

MashalBooks.com

ایک سابق سکھ سردار جودھ سنگھ اسسٹنٹ کمشنر بھی تھا۔ باغی ایک کشتی کے ذریعے دریا کے اندر ایک جزیرے میں جا چھپے۔ انہیں پکڑ لیا گیا۔ ان میں پنتالیس تھکان اور خوف کے باعث رات کو مر گئے باقی کو پھانسی لگا دیا گیا۔ ہماری (انگریزوں کی) نازک صورتحال کے باعث ان 237 باغیوں کے لیے ایسی خوفناک سزا کا جواز موجود تھا۔ بعد میں بیالیس اور پکڑ لیے گئے انہیں لاہور بھجوا دیا گیا جہاں ان کا کورٹ مارشل ہوا اور پورے بریگیڈ کی موجودگی میں انہیں توپ دم کر دیا گیا۔

شمال مغربی علاقوں میں انگریز رجمنٹوں سے وابستہ بہت سے سکھوں نے اپنے آقاؤں اور اپنے ملک سے غداری کی تھی بہت سے لوگ گردش بغاوت میں آ گئے اور دہلی میں شکست کے بعد اپنے گھروں کو آنے لگے مگر ان کا پورا تعاقب کیا گیا جن باغیوں نے اپنے رجمنٹ کے افسروں کو قتل کیا تھا ان کو موت کی سزا دی گئی۔ یہ کارروائی تقریباً سارے پنجاب میں کی گئی مگر ایسے باغیوں کی اکثریت کا تعلق زیادہ تر اسی ضلع سے تھا۔ اس ضلع میں انگریزوں سے دشمنی زیادہ تر ہندوستانیوں میں پائی گئی تھی اس لیے ان کے خط پکڑنے انہیں کشتیوں سے محروم کرنے اور دہلی سے آنے والے پیغام رسانوں کو قابو کرنے کے لیے اس ضلع میں اسی قسم کے اقدامات کیے گئے جو دوسری جگہوں پر کیے گئے تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر مسٹر اپچی سن کو دریا پر پہرہ دینے اور اپنے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اندرون ضلع بھیجا گیا اور مسٹر کوپر خود کئی ہفتے راتوں کو ضلع میں گشت کرتا رہا عموماً آدھی رات تک یہ کارروائی جاری رہتی۔ اسسٹنٹ کمشنر مسٹر پارکنز نے نئی بھرتی کا کام کیا۔ مسٹر میکناٹن اسسٹنٹ کمشنر نے بڑی جرات کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بھائی نرائن سنگھ کو گرفتار کیا اور 14 مئی کو اپنے طور پر اٹاری کا چکر لگایا جہاں سردار کاہن سنگھ اٹاری والا کے ایجنٹ دیوان نرائن سنگھ نے اس کی رضا کارانہ طور پر مدد کی۔ 35 ویں نیٹو انفنٹری کے سپاہی اور ڈاکٹر کو باغیانہ زبان استعمال کرنے پر پھانسی دی گئی۔ ان سزاؤں کے باعث لوگوں کا رویہ بہت بہتر ہو گیا۔ پھر جنرل نکلسن کی گشتی فوج کی تقریباً ایک مہینے تک مختلف کارروائیاں مجموعی طور پر بہت ہی مددگار ثابت ہوئیں۔ توقع کی گئی تھی کہ امرتسر اور لاہور جیسے خوشحال شہروں سے چھ فی صد سود پر قرضہ اور چندہ بہت ملے گا مگر نتیجہ برعکس تھا۔ یہ رقم بہت ہی کم تھی پچاس لاکھ کی حیثیت کے مالک نے صرف ایک ہزار روپیہ دیا۔ اسی حساب سے باقی لوگوں کا حصہ رہا۔ گویا ان کنجوس لوگوں کو ہماری حکومت کے بارے میں اعتماد نہ تھا اور ان کی وفاداری نہ ہونے کے

برابر تھی اس کے برعکس دیہی آبادی نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ تعاون کیا۔

بغاوت کے بعد اس ضلع کی تاریخ میں کوئی بھی خاص بات نہیں ہوئی۔69-1868ء میں بارشیں نہیں ہوئیں اور 1872ء کے بعد کوکا تحریک چلی۔ خشک سالی کے ان سالوں میں بالائی حصہ سے لے کر نیچے جنوبی حصوں تک لوگوں خصوصاً نچلے غریب طبقوں کو مصائب برداشت کرنا پڑے۔ شہر کے باعث ضلع کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔ امرتسر خوشحال شہر مشہور تھا اسی شہرت کے باعث بدحال لوگوں نے برطانوی اور غیر برطانوی علاقوں سے امرتسر کی طرف نقل مکانی کی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شہر اور اس کے نواح میں ہزاروں مصیبت زدہ پناہ گیر آ گئے جن کی گزر بسر صرف خیرات پر تھی۔ چنانچہ ان کی امداد کے لیے ترن تارن سے جنڈیالہ‘ ویرووال اور ہر یکے گھاٹ تک اور امرتسر سے اجنالہ تک سڑکیں بچھانے کا کام شروع کیا گیا اور مزدوروں کو قحط کے زمانے کی مقررہ مزدوری دی جانے لگی۔ امرتسر شہر اور تحصیل میں ایک طرح کے لنگر کھولے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیواریں اور گھر بنانے کے لیے جہاں جہاں سے بے تحاشا مٹی اٹھائی گئی تھی اور جو بہت بڑے کھڈ بن گئے تھے اور جن کی وجہ سے بیماریاں پھیل رہی تھیں ان کو مزدوروں سے پر کروایا گیا۔ صرف اس کام پر روزانہ تین ہزار مزدور مصروف رہتے تھے۔ اپریل 1869ء میں بارشوں کے بعد قحط کا خطرہ ٹل گیا تو یہ کام بند کر دیئے گئے مگر اگست میں پھر بارش نہ ہونے کے باعث خطرہ پیدا ہوا تو شہر کے مرکز میں ایک بڑی دلدل اہلو والیہ ڈھاب کو پر کرنے کا کام شروع کر دیا گیا اور اسے پر کرنے کے عمل میں تقریباً ایک لاکھ مزدوروں کو روزگار فراہم کیا گیا۔ گندم کے نرخ میں ساڑھے نو سیر فی روپیہ تک اضافہ ہو گیا۔ اس وقت اس خطرے کا بھی اظہار کیا گیا کہ قیمتیں بڑھنے اور ریلوے کے ذریعے نقل وحمل کے باعث ضلع کے گندم کے سٹاک ختم نہ ہو جائیں اور قحط میں خود یہ زرخیز اور خود کفیل ضلع بدحالی کا شکار نہ ہو جائے۔ تاہم یہ بات فراموش کر دی گئی کہ یہی ریلوے ان علاقوں کو گندم بھیجنے میں کام آئے گی جنہیں امرتسر کے مقابلے میں گندم کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امرتسر میں یہی قلت محسوس کی جائے جس کا اثر مویشیوں پر پڑے جن پر بہت کچھ انحصار بھی ہے مگر اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے سوچا گیا کہ غالباً امرتسر قحط کا شکار نہیں ہوگا۔

☆☆☆

MashalBooks.com

ممتاز خاندان

سردار رگھبیر سنگھ سندھانوالیہ

پنجاب خاص کے دو بڑے خاندان جو سب سے اعلیٰ پایہ کے اور سب سے زیادہ بارسوخ ہیں اہلووالیہ وسندھانوالیہ ہیں۔ اہلووالیوں کی تقریباً تمام املاک دوآبہ جالندھر میں واقع ہیں اور مابین دریائے بیاس واٹک تمام سکھ خاندانوں کے مسلمہ سردار سندھانوالیے ہیں۔ مہاراجہ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ خود اس خاندان کا قریبی رشتہ دار تھا اور زیادہ تر مہاراجہ کے ساتھ ان کی رشتہ داری کی ہی وجہ تھی کہ سندھانوالیے سرداروں نے اقتدار ودولت کثیر حاصل کی۔

سندھانوالیے جاٹ راجپوت نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک بھٹی راجپوت بزرگ شال نامی نے اجین سے پنجاب میں آ کر سیالکوٹ آباد کیا۔ مگر بھٹی جتنی دور کہ اجین ہے اور شال جس کا یہ ذکر کرتے ہیں بلاشبہ راجہ گا جو والی جیسلمیر کا لڑکا راجہ شال یا سلواہن تھا۔ جو اپنے باپ کے شاہ خراسان کے ساتھ لڑ کر مارے جانے کے بعد پنجاب میں آ گیا۔ جہاں اس نے لاہور کو تباہ و برباد کر کے سیالکوٹ کا قصبہ از سر نو تعمیر کیا اور اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔

پٹیالہ' نابھہ' جنید' مالوہ' بھڈور' فرید کوٹ' کیتھل اور اٹاری کے گھرانے جودھار کے بڑے لڑکے کی اولاد ہیں جو راجہ سلوہن یا شال سے پانچویں پشت میں ہوا اور سندھانوالیوں کا یہ قول ہے کہ وہ اور بھٹی مسلمان دوسرے لڑکے کی اولاد ہیں۔

سندھانوالیوں کا موجودہ مسکن راجہ سانسی قریباً 1870ء میں راجہ کرتو نے آباد کیا تھا۔ کرتو کا پڑپوتا کھوکر ترنتارن کے جنگل میں آباد ہو گیا جہاں اس نے کئی گاؤں آباد کیے۔ اسی کھکر

کے پوتے ویگاہ کی اولاد سے ایک طرف سندھانوالیوں کا اور دوسری طرف لاڈوا خاندان چلا۔ ویگاہ کے پوتے تخت نامل نے شہنشاہ عالمگیر سے بذریعہ فرمان جواب تک اس خاندان کے قبضے میں ہے منصب چودھری حاصل کیا اور علاقۂ یوسف پور کا مالیہ جمع کرنے کے اختیارات پائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تخت نامل کا بیٹا بھارامل ساجھ دھاری فرقے کا جو سکھوں میں پکے سکھوں کا پنتھ نہیں ہے پیروکار تھا اور گو اس نے پوہل کبھی نہیں لی مگر دیہات میں سری گورو گوبند سنگھ جی کے مسائل کی تلقین کرتا پھرتا ہے۔ اس کا بیٹا بدھ سنگھ جو پکا سکھ تھا دلیر اور خوش نصیب ڈاکو مشہور تھا۔ وہ قریباً چالیس دفعہ نیزے، بندوق یا تلوار سے زخمی ہوا اور آخرکار 1718ء میں بھلے آدمی کی طرح اپنے بستر پر فوت ہوا۔ اس کے دو بیٹے چندا سنگھ اور نودھ سنگھ اپنے باپ کی طرح اولالعزم اور خوش نصیب تھے۔ 1730ء کے قریب انہوں نے موضع سکر چک جو کچھ عرصہ پہلے گل جاٹوں نے آباد کیا تھا مگر ویران ہو گیا تھا پھر آباد کیا اور پکے سوار سکھوں کی ایک جمیعت فراہم کر کے موضع کے گردونواح کے کئی مواضعات دبا لیے نیز راوی کے پار ہو کر ضلع گوجرانوالہ میں بھی دھاڑے مارتے رہے۔ نودھ سنگھ 1763ء میں افغانوں کے ساتھ ایک لڑائی میں مجیٹھے کے مقام پر جہاں یہ گلاب سنگھ گل کے خاندان میں اپنی شادی کرنے گیا تھا مارا گیا۔

نودھ سنگھ کا بیٹا چڑھت سنگھ کہ اپنے باپ کی وفات پر صرف 5 سال کا تھا بڑا زورآور سردار بن کر سکر چکیہ مسل کا حاکم ہو گیا۔ اس کے ماتحت اس کا چچیرا بھائی دیدار سنگھ گوجرانوالہ، پنڈ دادنخاں اور اور کئی مقامات پر لڑتا رہا۔ سردار مہاں سنگھ کے اپنے باپ چڑھت سنگھ کا جانشین ہونے اور برسول نگر اور گوجرانوالہ لے لینے کے بعد سردار دیدار سنگھ نے مال غنیمت میں سے اپنے حصے میں پنڈ سہا کھا، دلوٹ اور سندھانوالیہ لیا اور اس آخرالذکر مقام کے نام پر اس خاندان کا نام مشہور ہوا۔ وہ 1784ء میں چناب کے کنارے ایک لڑائی میں مارا گیا اور اس کی سمادھ ابھی تک موضع دولت نگر میں موجود ہے۔

سردار امیر سنگھ مع اپنے بھائیوں گوربخش سنگھ اور رتن سنگھ باپ کے ترکہ کا مالک ہوا اور اپنی جائیداد کے بڑھانے کی جلد تدابیر کرنی شروع کیں۔ وہ اپنے چچیرے بھائیوں یعنی رؤسائے سکر چکیہ کے نیک و بد میں شریک رہنے لگا اور چونکہ مہاں سنگھ اور رنجیت سنگھ طاقتور ہو گئے اس نے بھی بلاخوف پاداش بال سہ چندر اور راجہ سانسی کے گردونواح کے دوسرے

مواضعات دبا لیے مگر 1803ء میں امیر سنگھ دربار کی نظروں میں بہت حقیر ہو گیا۔ امیر سنگھ نے بابا صاحب سنگھ بیدی رئیس ادنہ کے پاس پناہ لی جس کی سفارش کے کچھ عرصہ بعد رنجیت سنگھ پھر اس پر مہربان ہو گیا اور اسے خاص طور پر سردار فتح سنگھ کی نگرانی میں فوج میں رکھوا دیا۔

امیر سنگھ قصور 1807ء کی لڑائی میں اور چناب اور دریائے سندھ کے درمیانی ملک کی مسلمان قوموں کی 1810ء کی لڑائی میں مہاراجہ کے ہمراہ گیا۔ آخرالذکر لڑائی میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا جیمل سنگھ قلعہ خیرآباد کے آگے ایک چھوٹی سی لڑائی میں مارا گیا۔ 1809ء میں جب راجہ جے سنگھ والی جموں کی وفات پر رنجیت سنگھ نے اس کا ملک دبا لیا تو اس نے امیر سنگھ کو ہرنیاں' نونار اور رتا اتال کے علاقے دیئے۔ دو سال بعد امیر سنگھ نے اپنے بیٹے بدھ سنگھ کو مہاراجہ کی ملازمت میں داخل کرا دیا جو تھوڑے ہی عرصے بعد سارے دربار میں ہر دلعزیز ہو گیا۔

بدھ سنگھ پہلے پہل فوج کا با اختیار افسر ہو کر بہاولپور اس غرض سے بھیجا گیا کہ وہاں بزور موعودہ خراج حاصل کرے۔ 1821ء میں اس نے اپنے باپ اور بھائی عطر سنگھ کے ساتھ موج گڑھ اور جام گڑھ کے قلعے لیے۔ ان خدمات کے صلے میں امیر سنگھ نے شکر گڑھ کی اور بدھ سنگھ نے کالرا اور نرالی کی جن کی آمدنی قریباً ایک لاکھ روپیہ تھی جاگیریں حاصل کیں۔

اس کے بعد سردار بدھ سنگھ ٹیری کی 1823ء کی لڑائی میں سکھوں کی فوج کے ایک حصے کا ایک افسر تھا۔ دراصل ٹیری کے مقام پر دو لڑائیاں ہوئیں۔ دریائے کابل کے بائیں کنارے پر تو مہاراجہ بذات خود فوج کی کمان لیے ہوئے تھا اور اگرچہ پھولا سنگھ اکالی وغیرہ چند چیدہ افسر مارے گئے تاہم اس نے جوشیلے یوسف زئیوں کو شکست دی۔ دریا کے داہنے کنارے پر فوج کی بڑی جمعیت تھی جس کی کمان ہری سنگھ نلوہ' جمعدار خوشحال سنگھ' سردار بدھ سنگھ اور دوسرے افسران کر رہے تھے اور ان کے مقابلے میں افغانوں کی فوج تھی ان کا افسر محمد عظیم خاں تھا جس نے نقصان اٹھا کر شکست کھائی اور اسی سال کے اندر غم سے مر گیا۔

1825ء میں مہاراجہ رام باغ میں بمقام امرتسر سخت بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس کی زیست کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی اور وہ بالکل بے سرت پڑا ہوا تھا۔ سردار بدھ سنگھ نے اپنے لیے بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ رات کے وقت ایک فوج کے ساتھ گوبند گڑھ کے قلعے میں گیا اور یہ ظاہر کر کے کہ مہاراجہ نے اسے حکم دیا ہے قلعے کے اندر داخل ہونا چاہا۔ صبح کو امام

MashalBooks.com

الدین قلعہ دار نے مہاراجہ سے جس کو کسی قدر آرام ہو گیا تھا سارا حال بیان کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ اسے پشاور کی فوج کا افسر بنا کر علاقہ یوسف زئی میں خلیفہ سید احمد کے ساتھ جو ایک بڑا پرجوش آدمی تھا اور سکھوں کے برخلاف جہاد کرنے کی تلقین کرتا تھا لڑنے کے لیے بھیج دیا۔

بدھ سنگھ نے فوج کی بڑی جمعیت پیچھے چھوڑی اور خود آگے بڑھ کر انہیں ایک سخت لڑائی کے بعد شکست دی۔ سید احمد نے یوسف زئی کی پہاڑیوں میں پناہ لی اور دو برس تک اس کو پھر میدان جنگ میں آ کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس فتح کے بعد سردار بدھ سنگھ لاہور واپس آ گیا جہاں 1827ء کے اخیر میں اس نے ہیضے سے انتقال کیا۔

امیر سنگھ اسی سال اپنے بیٹے سے پہلے فوت ہوا مگر تمام جاگیریں جو چھ لاکھ سے زیادہ آمدنی کی تھیں سرداران عطر سنگھ' لہنا سنگھ' بساوا سنگھ اور شمشیر سنگھ کے نام جاری رہیں۔ عطر سنگھ کو دربار میں اپنے بھائی کی جگہ ملی اور یہ اس قدر طاقتور اور دلیر تھا کہ 1837ء میں سردار ہری سنگھ نلوہ کی وفات کے بعد وہ خالصہ کا سب سے ممتاز سردار خیال کیا جاتا تھا۔

عطر سنگھ کو اجل دیدار زمل بدھ سردار باوقار کثیر الاقتدار سردار گروہ نامدار عالی طبع شجاع الدولہ سردار عطر سنگھ شمشیر جنگ بہادر کا طویل و معزز خطاب ملا اور سردار لہنا سنگھ کو خطاب اجل دیدار زمل بدھ سردار باوقار سردار لہنا سنگھ سندھانوالیہ بہادر عنایت ہوا۔

اس موقع پر عطر سنگھ اپنی شہرت اور قابلیت دونوں کی وجہ سے خاندان کا بزرگ تھا۔ لہنا سنگھ گو قابل آدمی تھا مگر ناخواندہ اور عیاش تھا۔ اس کا بھتیجا اجیت سنگھ کافی بہادر تھا مگر ضدی ہونے کے علاوہ مآل اندیش نہ تھا اور شمشیر سنگھ کہ امور سلطنت میں دخل دینے سے تنفر رکھتا تھا اپنی فوج کے ساتھ پشاور میں تھا۔

جب شہزادہ نونہال سنگھ اس روز کہ جس دن اس کا باپ مرا اتفاقیہ یا کسی تدبیر سے مارا گیا تو خالی تخت کے دو شخص دعویدار ہوئے۔ پہلی دعویدار مہاراجہ کھڑک سنگھ کی بیوہ رانی چاند کور تھی دوسرا دعویدار شہزادہ شیر سنگھ تھا۔ چاند کور کے دعویٰ کے حامی سندھانوالیے' بھائی رام سنگھ' سردار تیج سنگھ اور اس کا چچا جمعدار خوشحال سنگھ تھے۔ شیر سنگھ کے طرفدار ڈوگرے جن کا سرکردہ راجہ دھیان سنگھ تھا اور اس کے بھائی راجہ گلاب سنگھ اور راجہ سچیت سنگھ (بعد ازاں راجہ) لال سنگھ وغیرہ تھے۔ سندھانوالیوں اور ڈوگروں میں بڑا سخت عناد اور دشمنی تھی۔

شہزادہ نونہال سنگھ کی وفات پر عطر سنگھ ہردوار میں اور لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ کلو میں تھے۔

MashalBooks.com

جب ان کو یہ خبر پہنچی تو عطر سنگھ اور اجیت سنگھ جلدی سے لاہور آ گئے۔

شیر سنگھ تخت پر بیٹھ گیا اور رانی چاند کور اپنے دعاوی سے دستکش ہو گئی۔

سردار عطر سنگھ رانی چاند کور کا مختار بن کر ایجنٹ گورنر جنرل کے پاس کوشش کر کے اسے اپنی جماعت کا معاون بنانے کے لیے لدھیانے گیا مگر اس میں اس کو کامیابی نہ ہوئی پھر اجیت سنگھ نے حتی المقدور اسی معاملے میں کوشش کی مگر اسے بھی ویسے ہی ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد وہ کلکتے گیا مگر گورنر جنرل کے حضور باریاب نہ ہو سکا۔ عطر سنگھ اور اجیت سنگھ کی لاہور سے عدم موجودگی کی وجہ سے شیر سنگھ نے خاندان سندھانوالیوں کی ساری جاگیریں ضبط کر لیں۔ لہنا سنگھ اور اس کے بھتیجے کہار سنگھ کو لاہور لا کر قید کر دیا گیا۔ اس پر شمشیر سنگھ کے علاوہ خاندان کے دوسرے اراکین نے ستلج پار ہو کر سرکار انگریزی کے علاقہ تھانیسر میں پناہ لی مگر سندھانوالیوں کی اس تارک الوطنی پر بھی شیر سنگھ کو اتنی ہی تشویش تھی جتنی کہ ان کے موجود رہنے میں ہوتی۔ اکتوبر 1842ء میں سرداران اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ جاٹوں نے کچھ عرصہ پہلے قید سے رہائی حاصل کر لی تھی لاہور واپس آ گئے اور ان کی تمام جاگیریں بحال کر دی گئیں۔ انہوں نے یہ سن لیا تھا کہ رانی چاند کور جو ان کی جماعت کی سرکردہ تھی اور اجیت سنگھ کی آشنا مشہور تھی شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کے حکم سے قتل کر دی گئی اور یہ بھی سن لیا تھا کہ رانی صاحب کور کے ہاں ایک مردہ لڑکا پیدا ہوا اور دھیان سنگھ کی مطلب برآری زندہ بچہ پیدا ہونے سے نہ ہو سکتی تھی۔

ان کا منصوبہ یہ تھا کہ مہاراجہ شیر سنگھ اور اس کا وزیر دھیان سنگھ دونوں اکٹھے مارے جائیں اور اپنا بدلہ لے کر یہ نوعمر دلیپ سنگھ کے سرپرست بن کر ساری حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ادھر راجہ دھیان سنگھ نے بھی اپنا منصوبہ باندھ رکھا تھا جو سندھانوالیوں کے منصوبے سے کم ہمت اور جرأت کا نہ تھا اور وہ یہ تھا کہ شیر سنگھ اور سندھانوالیے مارے جائیں اور وہ خود نائب السلطنت بن جائے اور اگر اتفاقاً دلیپ سنگھ کو کوئی حادثہ پیش آئے تو تخت خود اس کے بیٹے ہیرا سنگھ کے پاس رہے۔

15 ستمبر 1743ء یعنی مہاراجہ کی فوج کے ملاحظہ کا دن آخرکار آ پہنچا۔ مہاراجہ یہ دن گزارنے کے لیے شاہ بلاول کی جو شالامار اور لاہور کے درمیان ہے بارہ دری میں گیا تھا اور وہیں سرداران اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ پہنچے یہ دونوں پوری طرح مسلح ہو کر جو غیر معمولی بات نہ تھی

شیر سنگھ کی خدمت میں گئے وہ صرف ایک یا دو مصاحبوں کے ساتھ بارہ دری کے چھوٹے کمرے میں تھا اور دیوان دینا ناتھ اسے سرکاری کاغذات با آواز بلند پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اجیت سنگھ نے سلام کیا اور آگے بڑھ کر مہاراجہ کے ملاحظہ کے لیے ایک دونالی بندوق پیش کر کے کہا کہ میں نے یہ ابھی خریدی ہے شیر سنگھ نے کہ ہتھیاروں کا بہت شوقین تھا اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت اجیت سنگھ نے جس نے بندوق کا منہ شہزادہ کی طرف رکھا ہوا تھا دونوں نالیاں جن میں دوہرا دوہرا مصالح بھرا ہوا تھا سر کر دیں جن کی زد مہاراجہ کی چھاتی پر پڑی۔

شاہ بلاول سے تھوڑے فاصلے پر سردار جوالا سنگھ پدھانیہ کا باغ تھا وہاں مہاراجہ کا سب سے بڑا بیٹا پرتاب سنگھ جو ایک خوبصورت اور ذہین لڑکا تھا پوجا اور برہمنوں کو خیرات تقسیم کر رہا تھا کیونکہ اس اوراسوج کے مہینے کی پہلی تاریخ تھی اور سنکرانت کا دن تھا۔ لہنا سنگھ کچھ فوج کے ساتھ بھاگا بھاگا دربار میں پہنچا۔ شہزادہ نے اسے تلوار کھینچے آتا ہوا دیکھا اور چلا کر کہا بابا جی میں تمہارا نوکر رہوں گا لہنا سنگھ نے جواب دیا تمہارا باپ مارا گیا اور لڑکے کے جسم میں تلوار بھونک دی۔

جب یہ حادثہ جانکاہ جوالا سنگھ کے باغ میں ہو رہا تھا اجیت سنگھ نے مہاراجہ کا سر کاٹ لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تین آدمیوں کو ہمراہ لے کر لاہور کی جانب روانہ ہوا۔ اس موقع پر جہاں اب بادامی باغ ہے اسے راجہ دھیان سنگھ مع فتح خاں ٹوانہ اور چند ہمراہیوں کے گھوڑے پر سوار آہستہ آہستہ شاہ بلاول کی طرف جاتے ہوئے ملے۔

اجیت سنگھ نے چلا کر کہا تم رانی صاحب کے قاتل ہو اور راجہ پر پستول سر کی پھر اس کے آدمیوں نے راجہ کو اپنی تلواروں سے کاٹ کر اس کی لاش کو قلعہ کے اندر ہی توپ ڈھالنے کے ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ احمد خاں گھیبہ بھی جو دھیان سنگھ کی مصاحبت میں تھا اس کے ساتھ مارا گیا۔ رات کو قلعے میں جنگ ہوئی مقتول دھیان سنگھ کا بھائی راجہ سچیت سنگھ اور بیٹے ہیرا سنگھ نے فتح پائی، اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ مارے گئے۔ اس کے بعد دلیپ سنگھ کے بادشاہ اور ہیرا سنگھ کے وزیر ہونے کا اعلان کیا گیا اور یوں یہ جانستاں قصہ ختم ہوا۔

ہیرا سنگھ نے حکومت پا کر سردار شمشیر سنگھ کی جاگیروں کے سوا خاندان سندھانوالیوں کی ساری جاگیریں ضبط کر لیں اور اس خاندان کے صدر مقام یعنی راجہ سانسی کو تباہ کر دیا جس جگہ سندھانوالیوں کا محل تھا اس جگہ اور اس کے سب دوستوں اور متوسلوں کو چن چن کر مارا۔ ان کے

بچے ہوئے اراکین مع سردار عطر سنگھ کے ستلج پار بھاگ گئے۔ ہیرا سنگھ کو یہی یقین تھا کہ ساری سازش کی جڑ عطر سنگھ ہے اور اس لیے وہ اس کو مار دینے پر آمادہ تھا۔ اسے بھی دھوکے سے ستلج واپس پار بلوا کر ایک بڑی لڑائی کے بعد مار دیا گیا۔ اس کی موت مئی 1844ء میں واقع ہوئی۔

سات مہینے بعد ہیرا سنگھ خود بھی قتل ہو گیا اور جواہر سنگھ رانی جنداں کے شرابی بھائی نے جو اس کی جگہ وزیر ہوا سدھانوالیوں کو جلا وطنی سے واپس بلا لیا اور ان کی تمام جاگیریں بحال کر دینے کا وعدہ کیا۔ مارچ 1845ء میں انہوں نے پرانی جاگیروں میں سے 176000 مالیت کی جاگیریں حاصل کیں۔ سردار شمشیر سنگھ کو پشاور سے واپس بلا کر فوج آئین کے بریگیڈ کا افسر بنا دیا گیا جس پر وہ ستلج کی 45,46ء کی لڑائی کے دوران میں کمان کرتا رہا۔ دسمبر 1846ء میں اسے کونسل آف ریجنسی کا ممبر بنایا گیا۔ فروری 1848ء میں ریذیڈنٹ لاہور نے شمشیر سنگھ کو سول اور فوجی عملوں کا افسر کر کے امرتسر کے پاس کے علاقے میں ماجھا کہلاتا ہے تعینات کیا۔ اس علاقے میں قزاقوں کا زور تھا جن میں سے زیادہ تعداد برطرف کردہ سپاہیوں کی تھی۔ سردار نے لیاقت سے کام کر کے وہاں کسی قدر امن قائم کیا۔

الحاق کے بعد سردار شمشیر سنگھ کی ذاتی جاگیریں جن کی آمدنی 40250 روپیہ سالانہ تھی حین حیات کے لیے واگزار کی گئیں جن میں ایک چوتھائی اولاد نرینہ کے لیے علے الدوام قرار پائی۔ اس کی وہ جاگیر جو خدمات کے عوض ملی ہوئی تھی اور 30250 روپیہ کی تھی ضبط ہو گئی۔ دوران غدر 1857ء میں اس کو اپنی جاگیر کا مجسٹریٹ بنایا گیا۔ سردار شمشیر کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی مگر اس نے اپنے چچیرے بھائی ٹھاکر سنگھ کے دوسرے بیٹے بخشیش سنگھ کو متبنٰے کر لیا تھا۔

سردار عطر سنگھ کی وفات پر اس کا بیٹا کہار سنگھ خاندان کا بزرگ ہوا مگر یہ سردار قابل آدمی نہ تھا۔ الحاق پر اس کی 26000 کی ذاتی جاگیر اس کے نام بحال رہی جس میں سے ایک چوتھائی اس کی اولاد نرینہ کو پہنچتی تھی۔ یہ جاگیر کہار سنگھ کی وفات پر جو فروری 1864ء کو واقع ہوئی ضبط ہو گئی۔

لہنا سنگھ کے دو بیٹوں پرتاب سنگھ اور ٹھاکر سنگھ کو بھی ان کی ذاتی جاگیریں مستقل طور پر دی گئیں۔ یہ اس قدر نو عمر تھے کہ ان کا 49-1848ء کی بغاوت میں کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ پرتاب سنگھ 1856ء میں لاولد فوت ہوا اور اس کی 10565 روپیہ کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ ٹھاکر سنگھ کے قبضے میں 5565 روپیہ کی جاگیر تھی جس میں سے ایک چوتھائی علے الدوام تھی۔ سردار بساوا

سنگھ کا بیٹا سردار رن جودھ سنگھ اچھے چال چلن کا آدمی نہ تھا۔ اس کے پاس 15840 روپیہ کی جا گیر تھی جس میں سے ایک تہائی یعنی 5280 روپیہ کی علے الدوام تھی۔ یہ جون 1864 میں ایک لڑکا اندھیر سنگھ چھوڑ کر فوت ہوا۔ سردار شمشیر سنگھ راجہ سانسی میں رہا کرتا تھا جو امرتسر سے 5 میل کے فاصلے پر شمال کی طرف ہے۔ اس کا انتقال 1871ء میں ہوا اور اس کا متبنٰے بیٹا سردار بخشیش سنگھ جانشین ہوا جو اس وقت نابالغ ہونے کی وجہ سے ڈسٹرکٹ کورٹ کا وارڈ بنایا گیا۔ اس کے باپ ٹھاکر سنگھ کو مینجر بنا کے راجہ سانسی کے حدود کے اندر اندر مجسٹریٹی اختیارات دیئے گئے۔ جو 1877ء میں واپس لے گئے۔

1884ء میں سردار بخشیش سنگھ بالغ ہوا۔ 1875ء میں اس کی شادی سردار پرتاب سنگھ مجیٹھئے کی جواب مر گیا ہے لڑکی سے ہوئی اور 1883ء میں راجہ فرید کوٹ کی چچا کی لڑکی سے دوسری شادی ہوئی۔ 1866ء میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے ان جاگیروں کا جو لارڈ کیننگ نے سرداران شمشیر سنگھ تیج سنگھ اور بھگوان سنگھ کو دی تھیں علی الدوام رہنا منظور فرمایا۔ شمشیر سنگھ کی جاگیر میں 29 مواضعات تھے۔ 1889ء میں سردار بخشیش سنگھ کو مجسٹریٹی اختیارات دیئے گئے۔ وہ اجنالہ لوکل بورڈ کا ممبر اور پراونشل درباری تھا۔ اس کا سردار کا خطاب نسلاً بعد نسل تھا۔

1907ء میں سردار بخشیش سنگھ کی وفات پر اس کا بیٹا آنریری لفٹیننٹ سردار رگھبیر سنگھ او بی ای خاندان کا سربراہ ہوا۔ یہ پراونشل درباری ہے اور خاندان کے خطاب سردار پر اس کے حقوق تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ جنگ عظیم کے دوران میں سردار مذکور نے بیش بہا خدمات سر انجام دیں۔ یعنی 300 رنگروٹ بھرتی کروائے۔ جن میں سے 75 اس کے اپنے خرچ پر بھرتی کیے گئے۔ پورا دو لاکھ روپیہ قرضہ جنگ میں دیا جس کے علاوہ 3000 روپیہ امپریل انڈین ریلیف فنڈ میں دیا اور برٹش ریڈ کراس سوسائٹی فنڈ میں 50 روپیہ ماہوار دنیا منظور کیا۔ جنگ کی خدمات کے صلہ میں اس کو تمغہ بھرتی او بی ای کا خطاب' قرضہ جنگ کے قرضہ جات کی ادائیگی کے عوض ایک خلعت اور ایک سند عطا ہوئی۔ ان تمغہ جات کے حاصل کرنے سے پہلے وہ دہلی دربار کا تمغہ بھی حاصل کر چکا ہوا تھا اور 1935ء میں اسے سلور جوبلی تمغہ عطا ہوا سردار گھبیر سنگھ درجہ اول کا آنریری مجسٹریٹ ہے اور اس کا خالصہ پنتھ میں بہت اثر رسوخ ہے اور اس امر واقعہ کا ثبوت یہ ہے کہ یہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل امرتسر ڈسٹرکٹ بورڈ اور امرتسر سنٹرل کو آپریٹو بنک کے انتخابات میں بلا مقابلہ منتخب ہوا۔ اس نے حال ہی میں دس لاکھ روپیہ خرچ کر کے

ایک کھانڈ کا کارخانہ جاری کیا ہے اس کے اکلوتے بیٹے کا سردار ہرندر سنگھ نے 1933ء میں ایچی سن کالج کا ڈپلومہ حاصل کیا اور اب خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس کی شادی ضلع گوجرانوالہ کے سردار منگل سنگھ مان کی لڑکی سے ہوئی ہے۔

لہنا سنگھ کا بیٹا سردار ٹھاکر سنگھ 1865ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا۔ 1877ء میں یہ پنجاب میں پھر داخل ہوا مگر ہمیشہ اسے روپیہ پیسہ کی تکلیف رہی۔ 1885ء میں وہ انگلستان گیا اور وہاں مہینہ تک مہاراجہ دلیپ سنگھ کا مہمان رہا۔ 1886ء میں واپس ہندوستان آنے کے تھوڑی مدت بعد وہ اپنے تین بیٹوں گوربچن سنگھ، نرندر سنگھ اور گوردت سنگھ کے ہمراہ پانڈیچری چلا گیا جہاں دسمبر 1887ء میں فوت ہو گیا۔ اس کے پنجاب چھوڑنے پر اس کی جاگیر ضبط ہو گئی اور اس کی اراضی واقع موضع راجہ سانسی اس کے قرضہ کی بے باقی کے لیے فروخت کر دی گئی۔ اس کے لڑکوں کو چند سال بعد برٹش انڈیا میں آنے کی اجازت ہو گئی اور انہیں تھوڑی تھوڑی پولیٹیکل پنشنیں عطا کی گئیں۔ سب سے بڑا لڑکا گوربچن سنگھ سٹیچوئری سولین مقرر کیا گیا اور پانڈیچری کو نقل مکان کرنے کے وقت پنجاب کا اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ 1899ء میں اس نے راجہ صاحب بہادر ناہن کے ہاں ملازمت کر لی اور 1911ء میں ریاست میں ڈسٹرکٹ جج تھا۔ اس کا بھائی نریندر سنگھ اپنے خسر کے ساتھ میرٹھ میں رہتا تھا اور دوسرا بھائی گوردت سنگھ مانانوالہ ضلع گوجرانوالہ میں۔

بسنت سنگھ کے بیٹے گوربچن سنگھ نے کیمبرج میں تعلیم پائی اور 1891ء بیرسٹر ہو کر آیا اور کچھ عرصہ کو لاہور میں وکالت کرتا رہا۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو تھا اور اس حیثیت سے ایک ڈویژنل درباری تھا۔ اس کے اور اس کے بھائی کے قبضہ میں اٹاری کے متصل موضع مادھوکی کا نصف حصہ تھا اور نیز شہر امرتسر میں کچھ جائیداد تھی۔ ان دونوں بھائیوں کی شادی امرتسر و گورداسپور اور لاہور کے بڑے اعلیٰ سکھ خاندانوں میں ہوئی ہے۔

راجہ سانسی میں سندھانوالیہ خاندان کے اکثر افراد کے پاس تھوڑی تھوڑی اراضی اور مکانات ہیں ان کا اب موضع سندھانوالہ سے جس سے کہ خاندان کا نام مشہور ہے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ موضع سیالکوٹ میں وزیرآباد سے قریباً 6 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

سردار گجندر سنگھ مجیٹھیہ

گجندر سنگھ مجیٹھیہ

موضع مجیٹھہ کے نام سے جو امرتسر سے دس میل شمال میں واقع ہے پنجاب کا ایک نہایت معزز و ممتاز خاندان موسوم ہوا ہے۔ مجیٹھیہ خاندان کی تین شاخیں ہیں جن کے بزرگ سرداران گجندر سنگھ، امراؤ سنگھ اور مہتاب سنگھ ہیں۔ ان سرداران میں دور کی رشتہ داری ہے۔ سردار گجندر سنگھ اور سردار مہتاب سنگھ پانچویں پشت میں بھائی تھے مگر امراؤ سنگھ بہت دور کا رشتہ دار ہے۔ اگر ان تینوں مجیٹھہ سرداروں کے شجرے ملائے جائیں تو گزشتہ 14 پشتوں کے بعد ان کا ایک ہی مورث اعلیٰ ہے۔

بحیثیت رتبہ اور رسوخ کے سردار گجندر سنگھ کا خاندان تینوں میں افضل ہے۔ اس کا پڑدادا نودھ سنگھ قوم جاٹ شیرگل کا ایک معزز زمیندار تھا۔ 1788ء میں دیسا سنگھ نامی ایک لڑکا جو اس وقت بیس سال کی عمر کا تھا چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اس نوجوان آدمی نے اپنے باپ کی جاگیر حاصل کی اور 1809ء تک سرداران بھاگا کی ملازمت میں رہا مگر بعد میں سردار دیسا سنگھ رنجیت سنگھ کے ہمراہ کانگڑے کی مہم پر گیا۔ رنجیت سنگھ نے گورکھوں کو نکالنے کے بعد قلعہ پر جو وادئ کانگڑہ کی گویا کنجی تھا خود تصرف کر لیا اور دیسا سنگھ کو اس کا حاکم مقرر کر دیا۔

اس کے بعد سردار دیسا سنگھ شہر امرتسر کا ناظم مقرر ہوا اور 1818ء میں شہزادہ کھڑک سنگھ کی فوج کے ساتھ شامل ہو کر ملتان کی لڑائی میں نمایاں خدمات بجا لایا۔ اس کے بعد وہ پھر پہاڑی ریاستوں کی نظامت پر واپس آ گیا اور حسب معمول مختلف ریاستوں سے ان کے ذمے کا مالیہ اور خراج وصول کیا۔

دیسا سنگھ کی بہت سی جاگیر تھی۔ رنجیت سنگھ کے زمانہ حکمرانی میں اس نے اور اس کے

بیٹے لہنا سنگھ نے 124250 روپیہ سالانہ مالیت کی جاگیریں حاصل کیں جن میں مجیٹھہ، تلوک ناتھ، بھاگووالہ، پرانی بھاگا جاگیر کا جس کا یہ ناظم بنایا گیا تھا بہت سا حصہ بھاؤوال، ہریکے، خودپور، نوشہرہ، تنگلی اور زمانا باد ضلع کانگڑہ شامل تھے۔

سردار دیسا سنگھ 1832ء میں فوت ہوا اور اس کی تمام جاگیروں کا وارث اس کا بڑا بیٹا سردار لہنا سنگھ ہوا اس نے بھی ویسی ہی عزت وتوقیر حاصل کی جیسی اس کے باپ کو حاصل تھی۔

سردار لہنا سنگھ نے 1818ء کی جنگ ملتان میں نمایاں خدمات کیں اور فوراً اپنی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ جب رنجیت سنگھ نے اپنی خوشدامن مائی سدا کور کے مقبوضات پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو لہنا سنگھ اس منحوس کام کو سرانجام دینے کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ فتنہ پرداز سردارنی پکڑلی گئی اور گرفتار کر کے امرتسر بھیج دی گئی۔

دیسا سنگھ کی وفات کے بعد اس کا لڑکا لہنا سنگھ برادی اور ستلج کے پہاڑی درمیانی علاقے کا حاکم مقرر ہوا اور 1844ء کے شروع تک اس عہدے پر ممتاز رہا۔ لہنا سنگھ پہاڑی علاقے میں نہیں رہتا تھا بلکہ امرتسر اور مجیٹھہ میں رہا کرتا تھا۔ اولالذکر جگہ میں وہ اپنے باپ کی طرح دربار صاحب کا مہتمم تھا۔ یہ منصب بڑی عظمت کا تھا۔ وہ حلیم الطبع اور فیاض آدمی تھا اور دیسا سنگھ کی طرح سکھوں کے عہد میں (جو سخت گیری غارت اور رشوت ستانی کے لیے مشہور تھا) بہترین ناظموں میں تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حضور میں لہنا سنگھ کو سب سے زیادہ رسوخ تھا اور اس کی صلاح مشورے کا مہاراجہ بڑا لحاظ کیا کرتا تھا اور اس کا خطاب حسام الدولہ تھا۔

1834ء میں لہنا سنگھ کے بھائی گوجر سنگھ مجیٹھیہ کو اس مشن کا افسر منتخب کیا گیا جو بادشاہ انگلستان کے لیے تحفے لے کر کلکتے جانے والا تھا اس کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اگر ممکن ہو تو شکار پور کی نسبت سرکار انگریزی کے منشا دریافت کرنے کی کوشش کرے مگر یہ انتخاب کچھ اچھا نہ ہوا۔ گوجر سنگھ ایک یورپین عورت پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا بڑی تکلیفیں پیش آئیں۔ رنجیت سنگھ اس قدر غصے ہوا کہ اس کے واپس آنے پر اس کو کچھ عرصے کے لیے دربار سے نکال دیا۔ آنے کے قریباً دو سال بعد ایک شام کو وہ امرتسر میں اپنے مکان کی منڈیر پر چڑھ گیا اور قریباً چالیس فٹ کی بلندی سے گرتے ہی مر گیا۔ اس کا بھائی لہنا سنگھ اس زمانے میں خوف کے باعث پنجاب چھوڑ کر تیرتھوں کو روانہ ہو گیا۔ وہ پہلے پہل

ہردوار گیا اور پھر بنارس' الہ آباد جگن ناتھ اور کلکتے پہنچا اور آخرالذکر جگہ میں مقیم تھا جب کہ نومبر 1845ء میں ستلج کی لڑائی شروع ہوئی۔ پنجاب سے روانہ ہونے سے پہلے اس نے اپنی جاگیروں کا انتظام اپنے سوتیلے بھائی رنجودھ سنگھ کے حوالے کر دیا تھا جو ایک پہاڑی عورت کے بطن سے دیسا سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔

سردار رنجودھ سنگھ اس موقع پر سکھ فوج کا ایک جرنیل تھا۔ اسے اس مہم سے جو وزیر جواہر سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ والی جموں کے خلاف روانہ کی تھی واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور وہ انگریزوں کے ساتھ جن سے اسے بہت محبت نہ تھی لڑنے کے لیے بالکل آمادہ تھا۔ اُس نے اپنے بریگیڈوں کو جس میں 10000 آدمیوں کی پلٹنیں 60 توپیں اور کچھ بے قاعدہ سوار تھے پھلور پر چڑھایا اور 7 جنوری 1846ء کو دریائے ستلج اس ارادے سے عبور کیا کہ اگر ممکن ہو تو لدھیانہ پر حملہ کرے اور محاصرے کی توپیں جو فوج انگریزی کے صدر مقام کو جاتی تھیں چھین لے۔ 21 جنوری کو اس نے نارووال پر سر ہیری سمتھ کی فوج کو جو لدھیانہ کی طرف جا رہی تھی روک لیا اور اپنی سپہ سالاری کی حکمت وقابلیت سے نہیں بلکہ انگریزی کے تھکا ماندہ ہونے کی وجہ سے فوج کا قریباً سارا اسباب چھین لیا۔ اس معاملے سے رنجودھ سنگھ کی فوج میں جس میں سردار جیت سنگھ والی لاڈوا بھی شامل ہو گیا تھا اس قدر جرأت پیدا ہوگئی کہ 28 جنوری کو علی وال کے مقام پر انہوں نے اپنے جرنیل کے حکم کے خلاف انگریزی فوج پر حملہ کرنے کے لیے ایک محفوظ ومضبوط مقام کو بھی چھوڑ دیا۔ رنجودھ سنگھ اگر کچھ تھا تو زیادہ سے زیادہ دوسرے سکھ سپہ سالاروں سے اچھا تھا (بشرطیکہ ایسے لوگ جو ہمیشہ مارتوں کے پیچھے اور بھاگتوں کے آگے ہونے والے سپہ سالار کہے جانے کے قابل ہوں) اس کی جرنیلی ایسی ہی ذلیل تھی جیسی راجہ لال سنگھ کی اور اس کی بزدلی ایسی نمایاں تھی جیسی کہ راجہ تیج سنگھ کی البتہ وہ دغا باز نہ تھا۔ راجہ لال سنگھ کی طرح اس کے معتمد سرکار انگریزی کے کیمپ میں نہ تھے اور نہ ہی وہ راجہ کی طرح انگریزوں کی فتح کی خیر مناتا یا اس کے لیے کوشش کرتا۔

اس لڑائی کے ختم ہونے کے فوراً بعد سردار لہنا سنگھ کونسل اور ریذیڈنٹ کے بلانے پر کلکتہ سے واپس آ گیا مگر اس نے باقاعدہ طور پر کونسل میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔

اگست 1844ء میں لہنا سنگھ کونسل میں شامل ہونے پر راضی ہو گیا۔ اس نے ماجھے میں

بہت اچھا انتظام کیا تھا۔ اگرچہ وہ سخت سزا دینے کے خلاف تھا۔ تاہم اس نے ملک کو راہزنوں اور ڈاکوؤں سے جو لڑائی کے ختم ہونے کے بعد لوٹ مار کیا کرتے تھے صاف کر دیا اور کوئی سردار بھی ایسا نہیں تھا جسے حکومت عام طور پر پسند ہو۔ مگر اس کی جہاندیدہ آنکھ نے دیکھ لیا کہ فساد برپا ہونے کے آثار ہیں اور پنجاب چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ جنوری 1848ء میں وہ بنارس چل دیا۔ اس کی 42000 روپیہ دھرم ارتھ جاگیریں اور پندرہ ہزار کی وہ جاگیر جو خدمات کے صلے میں ملتی تھی اس کے نام جاری رہیں۔

ستلج کی لڑائی کے ختم ہونے پر سردار رنجودھ سنگھ جو صلح کے بالکل خلاف تھا ایک انگریز افسر کے ہمراہ قلعہ دار کانگڑہ کی فہمائش کے واسطے بھیجا گیا۔ بعدازاں وہ لاہور کا جج مقرر ہو گیا مگر اس عہدے پر اس نے قابل اطمینان کام نہیں کیا۔ دوسرے سال یعنی 1848ء میں ملتان کے غدر کے شروع ہونے کے فوراً بعد اس کی مولراج کے ساتھ سازشی خط و کتابت پکڑی گئی جس پر اسے قید کر دیا گیا اور صرف اسی وقت چھوڑا گیا جب کہ لڑائی ختم ہو گئی۔

سردار لہنا سنگھ 1851ء میں پنجاب واپس آ گیا مگر دو سال بعد پھر بنارس چلا گیا جہاں 1854ء میں فوت ہوا۔ یہ بڑا قابل، ہنرمند، دستکار اور جدت طراز آدمی تھا۔ اس نے سکھ توپخانے کو بڑی ترقی دی اور اس کی لائی ہوئی بہت سی خوبصورت توپیں علی وال اور دوسری لڑائیوں میں گئیں۔ دوسری چیزوں کے علاوہ اس نے ایک گھنٹہ ایجاد کیا تھا جو ساعت، مہینے کا دن اور چاند کی تبدیلیاں ظاہر کرتا تھا۔ اس کو علم ہیئت اور ریاضی کا بہت شوق تھا اور کئی زبانیں بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ بہ حیثیت منتظم کے لہنا سنگھ بدرجہ غایت ہردلعزیز رہا۔ اس نے غریبوں پر کبھی جبر نہیں کیا۔

سردار لہنا سنگھ نے ایک لڑکا سردار دیال سنگھ چھوڑا جس نے اچھی تعلیم پائی تھی اور انگریزی، فارسی اور ہندی خوب جانتا تھا۔ یہ بڑا متمول آدمی تھا اور بہت سی زرعی اور سکنی جائیداد رکھتا تھا اسے 6000 روپیہ کی علی الدوام 5200 روپیہ کی دھرم ارتھ جاگیریں ملتی تھیں۔ آخرالذکر جاگیر میں سے 1200 روپیہ تلوک ناتھ ضلع کانگڑہ کے مندر میں گرنتھ پڑھنے والوں کو ملتا تھا۔ اس کے قبضے میں وہ جائیداد بھی تھی جو اس کے باپ نے اضلاع امرتسر، گورداسپور اور فیروزپور میں خریدی تھیں اور کچھ اراضیات ضلع شاہ آباد واقع بنگال کی تھیں۔ سردار دیال سنگھ ضلع امرتسر کی ساری جدی جائیداد اپنے چچیرے بھائی گجندر سنگھ کے نام کر کے 1898ء

میں لاولد فوت ہوا۔ باقی جائیداد جس میں وہ اراضیات اور مکانات شامل تھے جو اس کے باپ نے اور اس نے خود خرید کیے تھے مختلف رفاہ عام کے خیراتی کاموں میں لگانے کے لیے چھوڑ گیا۔ رفاہ عام کے کاموں میں بڑا کام لاہور میں ایک دستکاری سکھانے کا سکول اور ایک کالج کھولا اور ایک عام کتب خانہ دیال سنگھ لائبریری بنائی تھا۔ اس نے ایک معقول رقم اخبار ''ٹریبون'' چلانے کے لیے دی جس میں اس کو بڑی دلچسپی تھی۔

☆☆☆☆

MashalBooks.com

سردار امراؤ سنگھ مجیٹھیہ

امراؤ سنگھ مجیٹھیہ

خاندان مجیٹھیہ کے اور افراد کی طرح عزت سنگھ اور سہاج سنگھ دونوں بھائی سرداران سکر چکیہ کی قسمت سے وابستہ تھے۔ عزت سنگھ نے ایک ٹکڑہ علاقہ دھنی کا اپنے واسطے حاصل کیا جسے بہت مشکل سے اور ہمیشہ لڑ جھگڑ کر اپنی وفات یعنی 1772ء تک اپنے قبضے میں رکھا۔ اس کے بیٹے فتح سنگھ اور جیمل سنگھ اس وقت بالکل بچے تھے اس لیے اس کے بھائی سہاج سنگھ نے جاگیر مذکور دبالی۔ 1781ء میں سہاج سنگھ فوت ہوا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا اتم سنگھ تمام تر کے کا وارث بنا اور فتح سنگھ اور جیمل سنگھ چچیرے بھائی بالاتفاق رہتے رہے اور جب رنجیت سنگھ کو عروج حاصل ہوا تو یہ اس کے مطیع ہو گئے اور خراج ادا کرنے پر ان کا علاقہ ان کے نام مستقل ہو گیا مگر اس کے ذرا بعد 1802,04ء میں مہاراجہ نے راولپنڈی کی جانب کوچ کیا اور نیلہ اور روہتاس کے وسیع و مستحکم قلعے کو زیر فرمان کرنے کا خواہاں ہوا۔ یہ قلعہ جہلم سے 6 میل کے قریب فاصلے پر واقع ہے اور سردار چڑھت سنگھ نے افغانوں سے حاصل کیا تھا۔ پہلے تو حاکم قلعہ سردار اتم سنگھ نے مہاراجہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا مگر پھر پیشتر اس کے کہ لڑائی شروع ہو اس نے کچھ سوچ سمجھ کر قلعہ اور علاقہ نیلہ دونوں مہاراجہ کو دے دیئے جس نے قلعہ تو موہر سنگھ لمبا اور نور خاں کے تحت میں دے دیا اور آپ سارے دھنی ملک پر تصرف کر لیا جو اس زمانے میں گھوڑوں کی نسل کے واسطے مشہور تھا۔ اتم سنگھ کا متبنّٰی بیٹا عطر سنگھ 1809ء میں راولپنڈی کے قریب کے علاقے کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اتم سنگھ 1827ء میں فوت ہوا اور اس کی تمام جاگیریں ضبط ہو گئیں مگر ایسا نہیں ہوا کہ اس کے خاندان کو گزارہ بھی نہ ملے۔ عطر سنگھ نے تو سید کسراں کی 28000 کی جاگیر حاصل کی اور اس کے چچیرے بھائی کاہن سنگھ جس کا

MashalBooks.com

باپ سردار عطر سنگھ ہزارے میں مارا گیا تھا اسی مالیت کی کوٹ بھائی اور سید پور کی جاگیر ملی۔ امر سنگھ کا باپ کاہن سنگھ بڑا نامی گرامی تھا۔ یہ امر سنگھ کلاں مشہور تھا اور سردار مہتاب سنگھ مجیٹھہ کا باپ امر سنگھ خورد کہلاتا ہے۔

جب دیوان رام دیال ہزارے میں مارا گیا تو امر سنگھ کلاں اس علاقے کا ناظم مقرر ہوا۔ اول تو اس کی نظامت کے عہد میں کم و بیش امن رہا مگر آخر کار اس کا محمد خاں ترین سے جو ایک نامی رئیس تھا تنازع ہو گیا اور تاراگڑھ کے مقام پر اس نے اقوام ڈھنڈ، ترین، تنول اور کرول کو جنہوں نے محمد خاں کا ساتھ دیا تھا شکست فاش دی۔ لڑائی ختم ہونے اور دشمن کے بھاگ جانے کے بعد سکھ فوج میدان جنگ سے ہٹ آئی تو امر سنگھ جو بہت پیاسا اور تھکا ماندہ تھا سمندر نامی چھوٹے سے نالے پر نہانے اور پانی پینے گیا اس کے ساتھ صرف چند سوار تھے اور دشمن جو واپس آ رہے تھے ان کی کمزوری دیکھ کر ان پر پل پڑے اور امر سنگھ اور اس کے ہمراہیوں کو مار دیا۔

کچھ عرصہ بعد اس خاندان کے پرانے علاقے دھنی کا انتظام عطر سنگھ کے سپرد ہوا گو اس نے اس پر بطور جاگیر قبضہ نہیں کیا۔ 1843ء میں وہ ہزارے میں مارا گیا اور اس کا اکلوتا بیٹا صورت سنگھ جانشین ہوا۔ یہ نوجوان پشاور میں اپنے سواروں کے ساتھ مقیم رہا اور 1845,46ء کی پنجاب کی پہلی لڑائی کے دوران میں اسے نوشہرہ کے اردگرد کے علاقے میں جہاں بہت فساد مچا ہوا تھا امن قائم رکھنا پڑا۔ راجہ لال سنگھ نے اپنی وزارت کے زمانے میں صورت سنگھ کو بہت ترغیب دی کہ وہ اپنی جاگیر واقع جہلم کا باری دواب والی جاگیر سے تبادلہ کرا لے اور جب سردار نے نہ مانا تو راجہ نے اپنے بھائی امر چند کو جبراً جاگیر مذکور اور قلعہ اور سید کسراں پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سردار کی جاگیروں کا بہت سا حصہ ضبط ہو گیا مگر 1847ء میں اسے پھر واپس مل گیا۔ جب 1848ء کی بغاوت شروع ہوئی تو سردار کاہن سنگھ پشاور میں اردلی رجمنٹ کا کمیدان تھا۔ وہ جوش نمک حلالی سے زیادہ اپنی بزدلی کے باعث اپنی سرکار کا اخیر تک وفادار رہا اور جب پشاور کی فوجیں باغی ہو گئیں تو اس نے ان کو اپنے کام پر واپس آنے کی حتی المقدور ترغیب دی مگر جب سردار چتر سنگھ اٹاری والا پشاور پہنچا تو کاہن سنگھ اپنی مرضی کے خلاف اس کے ساتھ شامل ہو گیا اور باغی فوج کے ساتھ ہو کر لڑائی کے خاتمے تک لڑتا رہا۔

مگر سردار صورت سنگھ کسی طرح بھی اپنے چچازاد بھائی کے شک و شبہ یا خوف و ہراس

میں حصے دار نہ تھا۔ وہ پہلے ہی سے باغیوں کے ساتھ شامل تھا۔ اس معاملے کی نسبت شیخ امام الدین کا یہ بیان ہے کہ 14 ستمبر کی رات کو جب راجہ شیر سنگھ کے افسر ملتان پر اکٹھے ہوئے تو راجہ نے ان سے وفادار رہنے کی بابت بہت کچھ کہا مگر صورت سنگھ سپاہیوں کو بھڑکا تا رہا اور اس کے دلائل سے سپاہی ایسے بھڑک گئے کہ راجہ شیر سنگھ اپنی جان صرف اس طرح بچا سکا کہ سب کے ساتھ ہو کر مولراج کی طرف چلا جائے۔ جب شیر سنگھ ملتان سے روانہ ہوا تو صورت سنگھ فوج کے ایک حصے یعنی 2000 سپاہیوں اور دو توپوں پر کمیدان مقرر کیا گیا۔ صورت سنگھ نے بھی ملتان جاتے ہوئے گورنمنٹ کا دو لاکھ روپیہ لوٹ لیا مگر گجرات کی لڑائی کے بعد پاداش کا وقت آ گیا یعنی صورت سنگھ کی جاگیریں جو 22500 روپیہ کی مالیت کی تھیں ضبط کر لی گئیں اور اس کو بنارس جانے کا حکم ہوا جہاں وہ بحالت نظر بندی 720 روپیہ سالانہ پنشن پاتا رہا۔

کاہن سنگھ پر کچھ رحم کیا گیا۔ اس نے وفادار رہنے کی بہت کوشش کی مگر اس میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی اور ترغیب دینے سے باز رہ سکتا تاہم اس کا جرم اتنا نہ تھا جتنا کہ صورت سنگھ کا اس لیے اس کی 40000 مالیت کی جاگیریں ضبط ہو گئیں مگر 3600 روپیہ سالانہ کی پنشن ملی جو وہ اپنی وفات یعنی 1853ء تک پاتا رہا۔ جب کاہن سنگھ کی جاگیریں ضبط ہو گئیں تو اس کے پاس دو ہاتھی تھے جن پر وہ تکلف اور شان وغیرہ کے مواقع پر چڑھا کرتا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ اور اس کے ہاتھی دونوں بے کار رہ کر پنشن پر گزارہ نہیں کر سکتے اس لیے ہاتھیوں سے کام لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے ایک چوکھٹا بنایا اور اس چوکھٹے کے آگے اپنے ہاتھی جوتے۔ یہ زیرک حیوان مجیٹھہ کے کھیتوں میں اس طرح ہل چلاتے تھے کہ گویا پیدائش سے ہی اس کام کے لیے سدھے ہوئے ہیں اور اطراف سے لوگ عجیب نظارہ دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ اس نے ایک بہت بڑا کنواں اور چرخ چوب بنوایا اور ہاتھیوں سے ان کھیتوں کی جو انہوں نے جوتے تھے آبپاشی بھی کرائی۔

غدر 1857ء کے وقت سردار صورت سنگھ بہ عمل جلاوطنی بنارس میں ہی تھا۔ برگشتگی ایام نے اس کو عقل سکھا دی تھی اور اب وفاداری میں اتنا ہی سرگرم تھا جتنا کہ پہلے بغاوت کرنے میں تیز وطرار۔

1857ء کی خدمات کے صلے میں گورنمنٹ عالیہ نے سردار صورت سنگھ کو 4800 روپیہ سالانہ کی ایک پنشن عطا کی اور ڈمری ضلع گورکھپور واقع ممالک مغربی وشمالی میں ایک قیمتی علے

الدوام جاگیر دی اور اس کو پنجاب میں واپس آ جانے کی اجازت بھی مل گئی۔

1861ء میں مجیٹھہ واپس آنے سے اپنی وفات تک سردار صورت سنگھ نے اپنا بہت سا وقت اپنی جائیداد کی اصلاح میں صرف کیا۔ وہ محنتی اور کاروبار کا عادی تھا۔ 1875ء میں اسے آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور سول وجوڈیشنل اختیارات دیئے گئے۔ جو یہ مجیٹھہ میں اپنے خرچ سے ایک معقول کچہری گھر بنا کر عمل میں لاتا رہا۔ 1877ء کے شاہی دربار دہلی کے موقع پر اسے راجہ کا خطاب ملا اور اسی سال میں اسے سی ایس آئی بنا دیا گیا۔ 1881ء میں راجہ صورت سنگھ دولڑکے امراؤ سنگھ اور سندر سنگھ چھوڑ کر مجیٹھہ میں فوت ہوا۔ امراؤ سنگھ اس کی جگہ خاندان کا بزرگ اور پراونشل درباری ہوا ہے۔ امراؤ سنگھ اور سندر سنگھ دونوں اپنے باپ کی وفات پر نابالغ تھے۔ دونوں ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پاتے رہے۔ 1883ء میں سردار امراؤ سنگھ کی شادی کپتان گلاب سنگھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی۔ وہ اور اس کی اہلیہ سردارنی لاہور میں رہتے ہیں۔ دونوں دو دفعہ یورپ گئے ہیں۔ سردار اور سردارنی کے لڑکوں میں سب سے بڑا ہائی نس مہاراجہ کشمیر کا اے ڈی کانگ ہے اور دو چھوٹے ایچی سن کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔ 1887ء میں سندر سنگھ کی شادی سردار بشن سنگھ رئیس کنڈولہ ضلع لدھیانہ کی جو راجہ فرید کوٹ کا ماموں ہے لڑکی سے ہوئی مگر اسی سال یہ لڑکی مرگئی۔ بعدازاں سندر سنگھ کی سردار عطر سنگھ کے سی آئی ای والی بھدوڑ ضلع لدھیانہ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ سندر سنگھ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو خالصہ کالج امرتسر کی کمیٹی کا سکریٹری ہے اور امرتسر میں رہتا ہے۔

4800 روپیہ کی پنشن کے عوض راجہ صورت سنگھ کو 1874ء میں اسی مالیت کی ایک علی الدوام جاگیر مل گئی تھی جو نسلاً بعد نسل جاری رہے گی مگر جانشینوں کا انتخاب گورنمنٹ کیا کرے گی۔ جاگیر کی سالانہ آمدنی قریباً 50000 روپیہ ہے جس میں سے 40000 روپیہ علی الدوام اودم کی جاگیر سے جو ضلع گورکھپور میں ہے آتی ہے۔

1889ء میں سردار امراؤ سنگھ کی ایک بہن کی شادی آنجہانی سردار اجیت سنگھ علاولپوریہ (ضلع جالندھر) کے ایک لڑکے سے ہوئی۔

سردار گلزار سنگھ کالیانوالہ

سرار گلزار سنگھ پرانے خاندان کالیانوالہ میں سے نہیں مگر وہ بڑے سردار فتح سنگھ کا جس

کے ذریعے موجودہ خاندان نے ثروت اور عزت حاصل کی رشتے دار ہے۔ فتح سنگھ کے خاندان کے حالات مختصر طور پر یہ ہیں کہ سردار فتح سنگھ کا دادا جیمل سنگھ سندھو جاٹ اور موضع کالی لاکھو محاذی امرتسر کا باشندہ تھا اور اس نے اس خاندان میں سب سے پہلے سکھ مذہب اختیار کیا وہ چڑھت سنگھ اور مہاں سنگھ سکر چکیہ کا پیرو تھا اور ان کے ساتھ ہو کر مسلمان چٹھوں سے جو گوجرانوالہ کے شمالی حصے میں آباد ہیں ہمیشہ جنگ میں مصروف رہا کرتا تھا اور کچھ چٹھہ قزاقوں ہی کی ایک لڑائی میں اس کے دونوں بیٹے جے سنگھ اور جسا سنگھ بھی مارے گئے تھے۔ فتح سنگھ قریباً 1798ء میں رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوا اور بہت جلدی اپنے آقا کا منظور نظر ہو گیا۔ وہ بڑا بہادر اور ہنر مند سپاہی تھا۔ اس نے 1807ء تک مہاراجہ کی قریب قریب تمام مہموں میں داد سپہ گری دی۔ وہ غلام محمد چٹھہ' جودھ سنگھ وزیر آباد والا اور ندھان سنگھ آتو کے مقابلے میں لڑتا رہا۔ جب مہاراجہ نے شہر لاہور لیا اور جب سرداران اہلووالیہ اور کنھیا کی امداد سے بھنگیوں اور رام گڑھیوں سے امرتسر چھینا تو فتح سنگھ اس کے ساتھ تھا۔ فتح سنگھ جھنگ اور پنڈی بھٹیاں کی لڑائیوں میں بھی لڑا اور بہت کچھ اسی کی صلاح کی وجہ تھی کہ رنجیت سنگھ نے 1805ء میں جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ ہو کر انگریزوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ فتح سنگھ کی حسن خدمت کے باعث ہی انگریزوں اور ہلکر کے درمیان آخر کار صلح ہو گئی اور موخرالذکر نے سردار کو اس کی خدمات کے صلے میں بیش بہا انعامات دیئے۔ اس نے جسا سنگھ بھنگی سے چنیوٹ چھین لینے میں کارہائے نمایاں کیے اور جب 1806ء میں احمد خاں سیال سے جھنگ لیا گیا تو یہ ضلع فتح سنگھ کو 60000 روپیہ سالانہ پر بطور اجارہ دے دیا گیا مگر اس کے تھوڑے عرصے بعد احمد خاں نے فتح سنگھ سے صلح کر لی اور وہ لاہور واپس آ گیا۔

1806ء کے خاتمے کے قریب سردار فتح سنگھ قصور پر چڑھائی کرنے کے لیے جہاں قطب الدین خاں فساد برپا کر رہا تھا بھیجا گیا۔ اس پٹھان رئیس نے بہادری سے مقابلہ کیا مگر اس سکھ سردار کو ایک لاکھ روپیہ دے کر ٹالنا بھی بخوشی منظور کر لیا۔ 1807ء کے شروع میں خود رنجیت سنگھ کے ماتحت ایک سکھ فوج نے قصور پر پھر چڑھائی کی اور طویل جنگ کے بعد اسے فتح کیا۔ فتح سنگھ نے قطب الدین سے وعدہ کیا کہ اگر وہ قصور کا قلعہ دے دے گا تو اپنے ممدوٹ کے علاقے میں امن و امان سے رہا کرے گا اور اگرچہ رنجیت سنگھ نے اس اقرار کو منظور نہیں کیا تاہم اس کو خیال تھا کہ اس کا پورا کرنا اس پر فرض ہے۔

MashalBooks.com

بہت سے سکھ سردار فتح سنگھ کے جھنڈے کے نیچے لڑنے پر نازاں تھے۔ انہیں میں امیر سنگھ سندھانوالیہ دل سنگھ نہرنا' دھنا سنگھ ملوئی' فتح سنگھ اور اتم سنگھ چھاچھی بھی تھے۔

کہتے ہیں کہ اس نے مہاراجہ کو یہ نصیحت کی کہ وہ آئندہ کسی اور جاٹ کو ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے پر ممتاز نہ کرے۔ اس میں شبہ ہے کہ ایسی صلاح حقیقت میں دی گئی تھی یا نہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ ایسے ہی اصول پر کاربند رہا کیونکہ درآں حالیکہ اس کے بڑے بڑے بہادر افسر اور جرنیل جاٹ سکھ تھے مگر کونسل میں مہاراجہ برہمنوں' راجپوتوں بلکہ مسلمانوں تک پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔

فتح سنگھ لاولد فوت ہوا اور رنجیت سنگھ اس کی تمام جاگیریں ضبط کر لیتا مگر فتح سنگھ کی وفات سے اسے رنج ہوا اور اس نے امرتسر پہنچ کر مت سنگھ پدھانیہ کو سردار کی بیوی مائی سیواں کے لیے ایک بیش بہا خلعت دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ وہ بیوہ سے کہہ دے کہ جس کسی کو وہ اپنے شوہر کا وارث بنائے گی مہاراجہ اسے تسلیم کر لے گا۔

فتح سنگھ کی بیوہ مائی سیواں کی طرف نامزد جانشین دل سنگھ کی بنا پر بعض آدمی یہ کہنے والے بھی موجود تھے کہ رنجیت سنگھ نے یہ جاگیر دل سنگھ کو فتح سنگھ کی موت کی خوشی کے شکریہ میں دی ہیں کیونکہ رنجیت سنگھ فتح سنگھ سے بہت خائف رہتا تھا اور اس نے اس امید پر کہ یہ مارا جائے گا اسے نرائن گڑھ کے مستحکم قلعے پر جس میں کوئی راستہ یا شگاف تک نہ تھا حملہ کرنے کی جرأت دلائی تھی۔ ایک موقع پر وزیرآباد میں رنجیت سنگھ نے فتح سنگھ سے کہا کہ اپنی فوج ایک طرف کر لے تاکہ میں اس کا شمار کروں۔ اس حکم کے ملنے کی دیر تھی کہ ساری فوج کالیاں والا کے رئیس کی طرف چلی گئی اور رنجیت سنگھ نے جس کے غم و غصے کی حد نہ رہی تھی اپنے آپ بالکل تنہا پایا۔ اس نے اس موقع کو کبھی فراموش نہیں کیا اور نہ سردار کو جس کا فوج میں بڑا رسوخ تھا معاف کیا۔

دل سنگھ نہرنا کا خاندان ابتدا میں کڑیال علاقہ شیخوپورہ میں رہتا تھا اور قوم سے نہرنا یا حجام (یا زیادہ فصاحت سے ناخن تراش) ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا ایک بزرگ جو ورک جاٹ تھا دھنی چند قوم جھنڈی نہرنا کی دختر رامی نامی پر عاشق ہو گیا اور اس کو اڑا لے گیا اور یہ کہ اس خاندان کا نام ''نہرنا'' اسی زمانے سے مشہور چلا آتا ہے مگر یہ بات جھوٹ ہے اور اسی وقت سے اختراع کی گئی ہے جب سے کہ یہ خاندان مقتدر ہو گیا ہے۔ دل سنگھ جاٹ نسل کا

MashalBooks.com

نہ تھا۔ اس کا پڑدادا صاحب سنگھ نہرنا بھگوان سنگھ کا ساتھی تھا اور ایک بڑا بہادر اور صاحب نصیب لٹیرا مشہور تھا۔ جب چڑھت سنگھ کو فروغ ہوا تو صاحب سنگھ اور بھگوان سنگھ دونوں اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور جب چڑھت سنگھ نے پنڈ دادنخاں کے قریب کا علاقہ فتح کیا تو بھگوان سنگھ نے تیسرے حصے کا دعویٰ کیا۔ چڑھت سنگھ نے یہ حصہ دینا پسند نہ کیا اور یہ یقین کر کے کہ صاحب سنگھ قابل اعتماد آدمی ہے اس نے اپنے تکلیف دہ ساتھی سے پیچھا چھڑانے کا ارادہ کر لیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ تینوں شکار کھیلنے گئے اور اتفاقیہ ایک صحرائی خوک ان کے آگے بھاگا۔ چڑھت سنگھ نے پکار کر کہا ”یہ درندہ بھاگنے نہ پائے“ صاحب سنگھ نے جو ان الفاظ کے معنی خوب سمجھتا تھا بھگوان سنگھ کو گولی مار کر مار ڈالا۔ اسی خدمت کے صلے میں اس کو جاگیر ملی۔ اس کا بیٹا حکومت سنگھ اور پوتا کور سنگھ دونوں رئیس سکر چکیہ کی ملازمت میں تھے مگر مشہور آدمی نہ تھے۔ سردار دل سنگھ بہادر اور قابل آدمی تھا اور سردار فتح سنگھ کالیانوالہ کا جس کے ماتحت وہ لڑا کرتا تھا بڑا منظور نظر تھا۔ فتح سنگھ کی وفات کے وقت دل سنگھ کی تقریباً 68000 روپے کی جاگیر تھی مگر جب 70000 روپے کی جاگیر کے علاوہ ساری جاگیر کالیانوالہ مائی سیواں کے نام ہو گئی اور فتح سنگھ کی لڑکی کے بال بچے دل سنگھ کے سپرد ہوئے تو اس وقت اس کی جاگیر 350000 روپیہ مالیت کی تھی۔ بہت سے سرداران جو فتح سنگھ کے ماتحت لڑا کرتے تھے اب دل سنگھ کے ماتحت لڑائیوں پر جانے لگے اور اب یہ نہرنا بھی میدان جنگ میں ایسی ہی شجاعت دکھانے لگا جیسی کہ بڑے بڑے جاٹ سکھ سرداران دکھاتے تھے۔

1814ء میں جب کہ رنجیت سنگھ خود پونچھ کے راستے کشمیر گیا تو دل سنگھ کو دیوان محکم چند کے پوتے رام دیال کے ساتھ دس ہزار فوج کی کمان دے کر نندسر کے راستے بزور شمشیر وہاں پہنچنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس جمعیت کے مقابلے میں دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی جنہوں نے اسے گھیر لیا اور صرف اس وجہ سے کہ اعظم خاں دیوان محکم چند کا دوست تھا دل سنگھ اس موقع پر بغیر ضرر اٹھائے واپس آ گیا۔ 1815ء کے موسم بہار میں اس نے پھر رام دیال کے ساتھ ہو کر ملتان اور بہاولپور کے علاقوں کو تہ و بالا کیا ہر ایک شہر سے جرمانے اور چٹیاں وصول کیں بعد ازاں اسی سال وہ بھمبر اور راجوی کے رئیسوں سے لڑنے بھیجا گیا۔ اس نے ان دونوں رئیسوں کو زیر کر لیا اور شہر راجور کا بہت سا حصہ جلا دیا۔ دل سنگھ 1823ء میں فوت ہوا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے ہیضہ سے انتقال کیا مگر عام طور پر یہ مشہور ہے

MashalBooks.com

کہ مہاراجہ نے اس کی اس فوج کی جو یہ خدمات کے لیے دیا کرتا تھا ردی حالت دیکھ کر اسے بہت سی لعنت ملامت کی جس کی وجہ سے اس نے زہر کھا لیا۔ اس کی جاگیر اس کے بڑے بیٹے عطر سنگھ کو ملی۔

1834ء میں عطر سنگھ شہزادہ نونہال سنگھ کے ماتحت پشاور بھیجا گیا۔ عطر سنگھ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور مہاراجہ نے کی خاندانی جاگیر جو 3500 روپیہ مالیت کی تھی اور حمید پور کی جاگیر جو 750 روپیہ کی تھی چھوڑنے کے سوا باقی اس کی ساری جاگیریں ضبط کر لیں۔ رنجیت سنگھ کی وفات تک یہ جاگیریں ضبطی میں رہیں۔ مہاراجہ کے جانشین کھڑک سنگھ نے اس کی جاگیروں میں سے 12570 روپیہ کی جاگیر اس کے نام بلا معاوضہ خدمات بحال کر دیا اور مہاراجہ پر سنگھ نے اس کے گنگا سے جہاں وہ مہاراجہ کھڑک سنگھ اور شہزادہ نونہال سنگھ کی ہڈیاں لے کر گیا تھا واپس آنے پر اسے پنڈی گھیپ اور میر و وال میں 102000 روپیہ مالیت کی جاگیریں دیں۔ یہ آخر الذکر جاگیر 200 سوار خدماتی دینے کی شرط پر تھیں اور ان میں اس کے بیٹے لال سنگھ کی 2000 روپیہ مالیت کی جاگیر بھی شامل تھی۔ عطر سنگھ لاہور اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع کا عدالتی بنایا گیا۔ 19 ستمبر کو رانی جنداں نے عطر سنگھ کو دیوان دینا ناتھ اور فقیر نور الدین کے ہمراہ فوج کے کیمپ میں بھیجا کہ وہ باغی فوج کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے پر اکتفا کریں مگر دیوان اور عطر سنگھ کی بے عزتی کی انہیں گالیاں دیں اور ان کو کیمپ میں قید کر دیا یہاں تک کہ 22 ستمبر کو وزیر جواہر سنگھ رانی سے ان کی مصالحت کرانے کی کوشش کرنے گیا۔

سردار عطر سنگھ 46-1845ء کی ستلج کی لڑائی کے دوران میں لڑتا رہا اور فیروز شاہ کی لڑائی میں اس کا بھائی چتر سنگھ مارا گیا۔ وہ اس کونسل ریجنسی کا ممبر بنایا گیا جو دسمبر 1846ء کو مقرر ہوئی اور اس عہدے پر پنجاب کے الحاق تک مامور رہا۔ اپریل 1848ء میں ملتان کی بغاوت کی خبر پہلے ہی پہل پہنچنے پر اسے تمام غیر آئین فوج کی جو اس وقت فراہم ہو سکی افسری میں وہاں جانے کا حکم ملا مگر جب ریذیڈنٹ لاہور کو یہ معلوم ہوا کہ اس وقت ملتان میں ایک انگریز فوج جلدی روانہ کرنی چاہیے تو اسے مع اور سرداروں کے واپس بلا لیا گیا اور بعد ازاں عطر سنگھ رسالہ کا افسر ہو کر راجہ شیر سنگھ کے ہمراہ پھر ملتان گیا۔

وہ کمزور طبیعت اور ملعون مزاج آدمی تھا اور گو اس کی اپنی نیت اچھی تھی مگر اس قابل نہ تھا کہ اپنی ماتحت فوج کو ادائیگی فرائض پر قائم رکھ سکتا۔ چنانچہ وہ دن بدن زیادہ سرکش ہوتی

گئی اور جوق در جوق باغی دیوان مولراج کے ساتھ ملتان میں ملتی گئی آخر کار تین سکھ جرنیلوں یعنی راجہ شیر سنگھ، سردار شمشیر سنگھ اور سردار عطر سنگھ کو بالاتفاق میجر ایڈورڈ صاحب بہادر و بمنظوری انگریز جنرل صاحب بہادر سردار عطر سنگھ کی فوج کو اس بہانے سے کہ یہ سڑک کی حفاظت کریں تلمبہ بھیجنے کی تجویز ہوئی مگر پیشتر اس کے کہ اس تجویز پر عملدرآمد ہوتا تمام سکھ فوج باغی ہو گئی اور اس نے راجہ شیر سنگھ کے ساتھ شامل ہو کر ملتان کی جانب کوچ کر دیا۔ سردار عطر سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چند سواروں کے ساتھ میجر ایڈورڈز کے کیمپ میں بھاگ آیا۔ اس کے بیٹے لال سنگھ کو بھی سکھ فوج کے لوگ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے مگر اس نے بھاگنے کا انتظام کر لیا اور ایڈورڈز کے کیمپ میں آ گیا۔

جون 1847ء میں لال سنگھ کو پانچ سو سواروں کا کمیدان بنا کر حسن ابدال میں بھیجا گیا تھا اور وہاں وہ مئی 1848ء تک رہا۔ دیوان کشن کور بٹالے کا عدالتی جس وقت باغیوں کے ساتھ مل گیا تو اس کی جگہ سردار لال سنگھ مقرر ہوا اور اس عہدے پر قریباً تین مہینے یعنی سکھوں کے راج کے ختم ہونے تک مامور رہا۔

الحاق کے وقت سردار عطر سنگھ کی ساری ذاتی جاگیریں جو 27750 روپیہ مالیت کی تھیں اس کی حین حیات کے لیے بحال رہیں ان میں ایک چوتھائی اس کے بیٹے لال سنگھ اور نرینہ وارثوں کے لیے نسلاً بعد نسل جاری رہنی قرار پائیں۔

سردار عطر سنگھ دسمبر 1851ء میں فوت ہوا اور اس کی جاگیر کا 3/2 حصہ ضبط ہو گیا۔ اس کے بیٹے لال سنگھ کا حصہ فروری 1862ء میں بڑھا کے 15000 کر دیا گیا جو علی الدوام جاری ہے۔ لال سنگھ موضع کلہ ضلع امرتسر میں رہا کرتا تھا جہاں وہ 1888ء میں فوت ہوا۔ کئی سال تک اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ واقع لاہور کی کمیٹی کا ممبر ہونے کے علاوہ عوام الناس کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ وہ پرانے سکھ سرداروں کا ایک بڑا اچھا نمونہ تھا۔ اس نے چار شادیاں کیں۔ مگر اولاد نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے اس نے اپنے بھتیجے گلزار سنگھ کو "متنبیٰ" بنا لیا۔ جس کے نام پر چارلس ایچی سن کی خاص سفارش پر گورنمنٹ نے 15000 روپیہ کی علی الدوام جاگیر جاری رکھی سردار گلزار سنگھ نے گھر میں ہی تعلیم پائی اور اب کلہ میں رہتا ہے۔ وہ آنریری مجسٹریٹ اور پراونشل درباری ہے اور جاگیر کے علاوہ زرعی اور سکنی جائیداد کا بھی مالک ہے۔

سردار ترپوجن سنگھ رام گڑھیہ راجن سنگھ رام گڑھیہ مسل جس کے نام پر بشن سنگھ کے

MashalBooks.com

خاندان کا نام مشہور ہے سکھوں کی زبردست ترین مسلوں میں تھی اور اٹھارھویں صدی کے اختتام کے قریب اس کے اندازاً 18000 سپاہی میدان جنگ میں آیا کرتے تھے۔ اس کے سرگروہوں میں سب سے زیادہ مشہور سرگروہ جسا سنگھ تھا۔ یہ مسل خوشحال سنگھ اور نند سنگھ کے ماتحت ترتیب پا گئی تھی۔ اس کو زور اور شہرت اسی وقت حاصل ہوئے جب 1758ء میں جسا سنگھ اس کا سردار ہوا۔

جسا سنگھ کا دادا ہرداس ہندو نجار اور موضع سرسنگ ضلع لاہور کا باشندہ تھا۔ وہ اپنے گاؤں ہی میں اپنے ادنےٰ پیشے پر قانع تھا مگر اس کے بیٹے بھگوان نے جو زیادہ صاحب ہمت شخص تھا پوہل لے لی اور اپنے نام کے ساتھ "سنگھ" ایزاد کر کے ملک میں گشت لگاتا اور لوگوں کو اپنے نئے مذہب میں شامل کرتا پھرا۔ بالآخر وہ اچوگل میں آباد ہوا جہاں اس کے ہاں پانچ بیٹے جے سنگھ، جسا سنگھ، خوشحال سنگھ، مالی سنگھ اور تارا سنگھ پیدا ہوئے۔ ان میں سے آخری چار مشہور آدمی اور رام گڑھیہ مسل کے سرگروہ ہوئے۔ اس بھائیوں کی عمروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا اور 1752ء میں بالغ ہو کر وہ مشہور و معروف نواب ادینہ بیگ خاں کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ اس لائق نواب نے جو اس وقت بادشاہ کی طرف سے جالندھر دوآب کا ناظم تھا سکھوں کو احمد شاہ درانی کا مقابلہ کرنے میں جرأت اور رغبت اس امید سے دی کہ ان کی مدد سے اسے صوبے میں اختیارات کامل حاصل ہو جائیں گے اور غالباً یہ امید بر آتی اگر 1758ء میں اس کی پیش از وقت موت نہ واقع ہوتی۔ جب احمد شاہ کے بیٹے شہزادہ تیمور نے اس کی سرزنش کے واسطے اس پر فوج کشی کی تو ادینہ بیگ پہاڑی علاقے کی طرف ہٹ گیا اور جسا سنگھ اور اس کے بھائی اسے چھوڑ کر امرتسر آ گئے اور نند سنگھ سنگھوں کی فوج میں شامل ہو گئے۔ تقریباً اسی وقت جے سنگھ افغانوں کے ساتھ ایک لڑائی میں مجیٹھہ کے قریب مارا گیا۔

جب ادینہ بیگ پہاڑی علاقے سے واپس آیا تو اس نے یہ خیال کر کے کہ سکھ بہت زور پکڑتے جاتے ہیں مرزا عزیز بخش کو جسا سنگھ کے نئے قلعے رام رونی کے فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ رام رونی مسمار کر دیا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ادینہ بیگ فوت ہو گیا اور جسا سنگھ نے اپنی مسل کی سرداری اختیار کر کے اس قلعے کا نام جس میں اس نے ایسی بہادری سے مقابلہ کیا تھا رام گڑھ رکھ دیا اور اپنی مسل کا نام رام گڑھیہ رکھ لیا۔ اس اثنا میں اس نے کنھیا مسل کی امداد سے دینانگر، بٹالہ، کلانور، سری ہر بند پور، قادیان، گھماں، اور اضلاع امرتسر اور

MashalBooks.com

گورداسپور کے بہت سے اور قصبے جن کے مالیہ کا چھ لاکھ سے دس لاکھ روپیہ تک تخمینہ کیا جاتا تھا لے لی۔ علاوہ ازیں جسا سنگھ نے جو اس علاقے کا واحد مالک تھا دوآبہ جالندھر کے بہت سے مواضعات حاصل کیے۔ اپنے بھائیوں کو بھی اس نے اپنے ماتحت علیحدہ جاگیریں دیں۔ ان بھائیوں کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ایک مرتبہ جسا سنگھ اہلووالیہ کی بے ادبی ہوگئی تو اس نے گنڈا سنگھ اور جھنڈا سنگھ بھنگی' رام گڑھیوں کے پرانے دوست جے سنگھ اور حقیقت سنگھ کنھیا' چڑھت سنگھ سکر چکیہ' نار سنگھ چمیار یوالہ اور بہت سے دوسرے رئیس بھی اکٹھے کیے۔ ان سب نے چاروں طرف سے جسا سنگھ پر حملہ کر دیا اور ایک سخت لڑائی کے بعد رام گڑھیوں کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جسا سنگھ رام گڑھیہ کا بیٹا جے سنگھ کنھیا کے ساتھ لڑتا ہوا سخت زخمی ہوا۔ کلانور اس کا بھائی تارا سنگھ کے ہاتھ سے نکل گیا اور جسا سنگھ اپنے دو بیٹوں کو امر سنگھ والی پٹیالہ کے پاس مدد مانگنے کے لیے بھیج کر بے قاعدہ فوج کے بہت سے سپاہیوں کے ساتھ ستلج پار سرسہ کی طرف بھاگ گیا۔

سرسہ کے علاقے میں وہ 1783ء تک رہا اور اپنے رسالے کے ساتھ ملک کو تہہ و بالا کرتا رہا حتیٰ کہ دہلی کی فصیلوں تک لوٹ مار کی۔ بلکہ ایک موقع پر تو خاص دہلی میں داخل ہو گیا اور مغلوں کے مستقر سے چار توپیں لے بھاگا۔ نواب میرٹھ نے اپنا علاقہ لوٹ مار سے بچانے کے لیے اسے 10000 روپیہ سالانہ خراج ادا کیا۔

1783ء میں سرسہ ایک بڑے قحط کی وجہ سے ویران ہو گیا اور سردار پنجاب کی طرف واپس آ گیا۔ لدھیانہ کے مقام پر اسے سردار مہاں سنگھ سکر چکیہ اور راجہ سنسار چند والی کانگڑہ کے قاصد ملے جنھوں نے یہ ظاہر کیا کہ سردار اور راجہ اسے اس کے مقبوضات پھر دلا دینگے بشرطیکہ وہ سردار جے سنگھ کنھیا کے خلاف ان کے ساتھ مل جائے۔ جسا سنگھ بڑی خوشی سے راضی ہو گیا اور ان کی فوجوں کے ساتھ اپنی فوج شامل کر کے ان سب نے بٹالے کی طرف کوچ کیا۔ جسا سنگھ کا کنھیا لڑکا گوربخش سنگھ 8000 آدمیوں کے ساتھ ان کے مقابلے کو آیا مگر شکست کھا کر مارا گیا اور کنھیا رئیس نے مجبوراً املاک رام گڑھیہ ان کے پرانے مالک کو اور کانگڑے کا قلعہ جس پر اس نے چار سال سے قبضہ کر رکھا تھا سنسار چند کے حوالے کیے۔

1896ء میں اس کی کنھیوں کے ساتھ آخری اور سب سے زیادہ سخت لڑائی ہوئی۔ سردار گوربخش سنگھ کی بیوہ مائی سدا کور اس وقت کنھیا مسل کی سرکردہ تھی اور اس نے اپنی اور اپنے

نوجوان داماد رنجیت سنگھ کی فوجوں کے ساتھ جسا سنگھ کو میانی کے قلعے میں جو بیاس کے قریب ضلع ہوشیار پور میں ہے گھیر لیا۔ مگر سدا کورا اپنے خاوند کی موت کا بدلہ لیے بغیر کب ہٹتی تھی اور پھر اس وقت جب کہ دشمن اس کے قبضے میں آیا ہوا تھا۔ اسی رات دریائے بیاس میں سیلاب آ گیا اور کنھیا کیمپ کا بہت سا حصہ جس میں گھوڑے اور اونٹ شامل تھے بہا لے گیا نتیجہ یہ ہوا کہ سدا کورا اور رنجیت سنگھ بڑی مشکل سے بھاگ کر گوجرانوالہ کی طرف ہٹ گئے۔

جسا سنگھ 1803ء میں فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا جودھ سنگھ جانشین ہوا۔ یہ نیا سردار کسی قابلیت کا آدمی نہ تھا اور اس کے چچیرے بھائی دیوان سنگھ نے جاگیر کا بہت سا حصہ چھین لیا۔ آخر کار رنجیت سنگھ کے دل میں علاقہ رام گڑھیہ پر قبضہ کرنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ جودھ سنگھ بھی اس کا ایسا جاں نثار بن گیا تھا کہ رام گڑھیہ علاقے کے رنجیت سنگھ کے علاقے کے ساتھ ملحق ہو جانے پر اسے کوئی عذر نہ تھا۔

1816ء میں جودھ سنگھ کی وفات پر خاندان میں تنازعات شروع ہو گئے یعنی دیوان سنگھ ویر سنگھ اور بیوہ جودھ سنگھ تینوں جائیداد کے دعویدار ہوئے۔ ان تنازعات کی خبر سن کر مہاراجہ نے ویر سنگھ، مہتاب سنگھ اور دیوان سنگھ کو ندون بلا لیا۔ ملاقاتی خیمے سے جسے چاروں طرف سے فوج نے گھیر رکھا تھا خود باہر نکل گیا اور تینوں رام گڑھیے قیدی بنا لیے گئے۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ نے امرتسر پر چڑھائی کی اور کچھ سخت لڑائی کے بعد رام گڑھ کا قلعہ لے لیا۔ پھر اس نے شمال کی طرف کوچ کر کے رام گڑھیوں کی بڑی جاگیروں پر قبضہ کر لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کے تمام قلعے جو تعداد میں ایک سو سے زیادہ تھے فتح کر لیے۔

ویر سنگھ اور مہتاب سنگھ بعد میں جلدی ہی چھوڑ دیئے گئے وہ سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کے ماتحت رکھے گئے۔ دیوان سنگھ کچھ عرصے تک اپنا قصبہ دھرم کوٹ جو 6000 کی مالیت کا تھا لینے سے انکار کرتا رہا اور قیدی بنا رہا مگر آخر کار بہانے سے منظور کر لیا اور رہائی حاصل کرتے ہی پٹیالہ کی طرف بھاگ گیا۔ اپنی وفات یعنی 1834ء تک بارہ مولا کا جو سری نگر کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر ایک مشکل پہاڑی مقام ہے مہتمم رہا۔ ویر سنگھ چھ سال پہلے یعنی 1827ء میں فوت ہو گیا تھا اور اس وقت اس کی دو تہائی جاگیر ضبط ہو گئی تھی۔

سردار منگل سنگھ اپنی جوانی کی عمر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خاص اردل میں خدمات کرتا رہا۔ سردار منگل سنگھ اپنے باپ کی وفات کے بعد پرانے رام گڑھیہ فرقے کے چار سو پیادوں

اور ایک سو دس سواروں کا کمیدان بنا کر پشاور بھیجا گیا۔

مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں وہ زیادہ تر لہنا سنگھ کے ماتحت سکیت منڈی اور کلو میں کام کرتا رہا اور 1846ء میں ستلج کی لڑائی کے ختم ہونے تک وہیں رہا۔ راجپوت روٗسا جن کا سرکردہ راجہ بلبیر سین والیے منڈی تھا انگریزوں کے ساتھ لڑائی میں چپکے نہیں بیٹھے رہے تھے اور اس وجہ سے سردار کو بہت کچھ کام کرنا پڑا۔ مگر وہ اس وقت تک اپنے علاقے میں اڑا رہا جب تک کہ 9 مارچ 1846ء کو عہد نامہ نہیں ہو گیا اور جس کے بموجب وہ اپنے عہدہ سے عزت کی ساتھ کنارہ کش ہوا۔

سکھوں کی دوسری لڑائی کے دوران میں سردار منگل سنگھ وفادار رہا۔

1862ء میں سردار جودھ سنگھ مان کے علیحدہ ہونا ے پر سردار منگل سنگھ امرتسر کے سکھ گوردوارہ کا مینجر مقرر کیا گیا۔ وہ 1879ء میں فوت ہوا اور اس کی 3700 روپیہ کی خاص جاگیر جو سکھ دربار نے دی تھی ضبط ہو گئی۔

سردار منگل سنگھ اچھا پڑھا لکھا اور آزاد خیال آدمی تھا۔ یہ زیادہ تر اس کے رسوخ اور مثال قائم کرنے کی وجہ تھی کہ شہر امرتسر میں تعلیم نسواں عام اور باقاعدہ طور پھیلنے لگی۔

سردار منگل سنگھ کا سب سے بڑا لڑکا گوردت سنگھ فروری 1858ء میں کرنل ایبٹ سے ہوشیار پور میں اس وقت ملا جب کہ کرنل صاحب اودھ میں خدمات کے لیے ایک رسالدار بھرتی کر رہے تھے۔ گوردت سنگھ اس کا رسالدار بنایا گیا اور اودھ کی سوار پولیس میں اپنے افسروں کے حسب منشا اکتوبر 1859ء تک کام کرتا رہا۔ پھر جب اس وقت رسالہ مذکور تخفیف میں آ گیا تو وہ امرتسر واپس چلا آیا اور یہاں انسپکٹر پولیس بنایا گیا اور 1867ء میں 1200 روپیہ سالانہ پنشن پا کر اپنے عہدے سے سبکدوش ہوا۔ وہ میونسپل کمشنر آنریری مجسٹریٹ اور پراونشل درباری تھا۔ اس کے 1900ء میں فوت ہونے پر اس کا سب سے بڑا بھتیجا بشن سنگھ ولد سچیت سنگھ جانشین ہوا۔ سردار بشن سنگھ پولیس میں بھرتی ہوا اور ترقی پا کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گیا۔ اس کو بادشاہی پولیس میڈل امپیریل سروس آرڈر اور سردار صاحب کا خطاب ملے ہوئے تھے۔ اس نے 1923ء میں پنشن پائی اور 1926ء سے 1932ء تک آنریری مجسٹریٹ رہا۔ یہ پراونشل درباری اور ایکٹ اسلحہ کی بعض دفعات سے مستثنیٰ تھا۔ اسے 1916ء میں ضلع منٹگمری میں سات مستطیل اراضی عطا ہوئیں اور 1937ء میں اس کا انتقال ہو

گیا اس کے لڑکوں میں سے سب سے بڑا نرائن سنگھ 1920ء میں فوت ہو گیا اور دوسرے یعنی سردار ترلوچن سنگھ نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی اور اب وہ خاندان کا سرکردہ ہے۔ یہ سری درباری صاحب امرتسر کمیٹی کا پریذیڈنٹ ہے اور اپنے باپ کی جگہ پراونشل درباری بنایا گیا ہے۔ تیسرے بیٹے سردار پردمن سنگھ نے شاہی کمیشن کے لیے سنڈھرسٹ میں تعلیم حاصل کی۔ 1928ء میں واپس ہندوستان آیا۔ مگر دو سال بعد فوت ہو گیا۔ سردار صاحب سردار بشن سنگھ کا چچیرا بھائی سردار سندر سنگھ 1915ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوا اور 1926ء میں فوت ہو گیا۔ اس نے جنگ عظیم کے دوران میں رنگروٹ مہیا کیے جن کے صلے میں اسے ایک سنہری اور ایک سند عطا ہوئی۔ یہ رام گڑھیہ خاندان کی تاریخ اور سری دربار صاحب امرتسر کے گائڈ کا مصنف تھا۔ کچھ عرصہ کے لیے یہ سری دربار صاحب کا منیجر اور پنجاب یونیورسٹی کا فیلو بھی رہا۔ 1916ء میں اسے ضلع منٹگمری میں سات مستطیل اراضی عطا کی گئی اور اس نے دو لڑکے سرداران نرندر سنگھ و مہندر سنگھ چھوڑے۔ جو دونوں پنجاب یونیورسٹی کے گریجوایٹ ہیں۔ سردار جسا سنگھ کی اولاد کے اور بھی بہت سے افراد فوج اور پولیس میں ملازمت ہیں۔

بھائی گوربخش

بھائی گوربخش سنگھ کے بزرگ چنیوٹ ضلع جھنگ میں رہا کرتے تھے اور ان میں سے کئی مختلف اوقات میں ملتان کے مسلمان رؤسا کے ملازم رہے۔ رام سنگھ سکھ ہو کر سری گورو گوبند سنگھ جی کا چیلا بنا۔ وہ اپنے علاقے میں سکھ مذہب کی بڑی سرگرمی سے تلقین کیا کرتا تھا یہاں تک کہ ملتان کے حکام کے کان کھڑے ہوئے اور اس کو پکڑ لینے کا حکم دیا۔ مگر اس کو وقت پر خبر مل گئی اور بھاگ کر امرتسر آ گیا۔ ناظم ملتان نے رام سنگھ کے اکلوتے بیٹے صورت سنگھ کو اپنی ملازمت میں رکھ لیا۔ مگر وہ بھی کسی تدبیر سے اپنا بہت سا مال و اسباب لے کر امرتسر بھاگ گیا۔ امرتسر کے سکھ مندر یعنی دربار صاحب کا اسے مہتمم مقرر کیا گیا۔ دوآبہ جالندھر میں اس نے تھوڑی سی جاگیر حاصل کی جہاں ایک قلعہ بنوایا اور اس کے بعد امرتسر واپس آ کر مر گیا۔

1806ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دوآبہ جالندھر کا میدانی علاقہ فتح کر لیا مگر اس نے صورت سنگھ کے بیٹے سنت سنگھ کی جاگیر بحال رکھی اور اس کے باپ کی جگہ دربار صاحب کی شکست و ریخت و آراستگی کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ بھائی سنت سنگھ ادنیٰ درجے کا سپاہی نہ تھا

اور کئی موقع پر اس نے کارہائے نمایاں کیے۔ 1821ء کی لڑائی میں مہاراجہ ایک چھوٹے سے قلعہ کا جو منیکرا جاتے ہوئے سڑک پر واقع تھا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ یکا یک آسمان پر اندھیرا چھا گیا اور ایک سخت طوفان آیا۔ رنجیت سنگھ ہوا کے ایک تند جھونکے سے اس کھائی میں جا پڑا جہاں سے توپ خانہ جوڑنے کے لیے مٹی نکالی گئی تھی۔ سنت سنگھ نے مہاراجہ کو گرتے ہوئے دیکھا اور اپنے فائدے کی امید پر خندق میں کود پڑا اور مہاراجہ کو اٹھا کر بہادری سے اپنے خیمے میں لے گیا۔ اس خدمت کے عوض اس کو اضلاع امرتسر اور سیالکوٹ میں چھ ہزار آٹھ سو روپیہ مالیت کی جاگیریں ملیں۔ یہ قصہ سچا ہو یا جھوٹا اتنی بات یقینی ہے کہ سنت سنگھ کی جاگیریں بے شمار تھیں اور یہ کہ وہ مہاراجہ کا بڑا منظور نظر تھا۔

قریب قریب اسی زمانے میں اس کا بھائی گورداس سنگھ جو دربار صاحب میں گرنتھ خواں تھا فوت ہو گیا اور سنت سنگھ نے اس کی موت کے غم کے سبب دنیا کو ترک کر دینے اور سری گورو گرنتھ کے پڑھنے اور اس کے شلوکوں کی تفسیر کرنے میں مصروف ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی جگہ دربار میں اس کا بیٹا گورمکھ سنگھ داخل ہوا جو اپنے باپ کی طرح جلدی مورد الطاف شاہی ہو گیا۔ بھائی سنت سنگھ ''گیانی'' مشہور تھا۔

جب پرمن سنگھ تیرہ سال کی عمر کا تھا تو مہاراجہ نے اسے اپنی ملازمت میں لے لیا اور کالیوال کی 1100 روپیہ مالیت کی جاگیر دی۔ اس کا باپ بھائی گورمکھ سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حین حیات میں کچھ بہت رسوخ نہیں رہا کیونکہ اس کا دشمن بھائی رام سنگھ مہاراجہ کا خاص منہ لگا۔

شیر سنگھ کے دوران حکومت میں بھائی گورمکھ سنگھ راجہ دھیان سنگھ کے درپے رہا اور اس کی جان لینے کے لیے جو سازش کی گئی اس میں سندھانوالیوں کے ساتھ شریک رہا۔ جب مقتول وزیر کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کو عروج حاصل ہو تو اس نے بھائی رام سنگھ اور لال سنگھ کے ایما پر گورمکھ سنگھ اور اس کے دوست مسر بیلی رام توشہ خانئے کو پکڑ لیا اور شیخ امام الدین کی حراست میں دے دیا جس نے ان دونوں کو مار ڈالا۔

گورمکھ سنگھ کی وفات کے بعد خاندان کی تمام جاگیریں ضبط ہو گئیں اور ان کے تمام مکانات اور ذاتی جائیداد چھین لی گئی۔ بھائی پرمن سنگھ اور اس کے بھائیوں کو امرتسر میں قید کر کے بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ان کے ساتھ نہایت تشدد کیا گیا۔ شہر کی مذہبی انجمنوں نے ان

کو چھڑانے کی بہت سی کوششیں کیں اور آخر کار پرمن سنگھ نے بھاگنے کا انتظام کر لیا اور اپنے سب سے چھوٹے بھائی ارجن سنگھ کو ساتھ لے کر لدھیانہ کی طرف فرار ہو گیا جہاں سرکار انگریزی کی حفاظت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ ہیرا سنگھ کے قتل ہو جانے کی وجہ سے اسے لاہور واپس آنے کا موقع نہیں ملا چاروں بھائیوں کے نام ان کی ضلع امرتسر کی جاگیروں کا ایک حصہ جو 5488 روپیہ کی مالیت کا تھا واگزار ہوا۔

بھائی پرمن سنگھ 1853ء میں سردار لہنا سنگھ مجیٹھہ کے ہمراہ بنارس گیا۔ بعد ازاں امرتسر کے دربار صاب کی شکست و ریخت کا اسے منتظم بنا دیا گیا اور 4000 روپیہ سالانہ کی جاگیر جو دربار صاحب کے قیام کے لیے دواماً ملی ہوئی تھی اس کے زیر اہتمام رہی۔ بھائی پرمن سنگھ بڑا مستعد اور پبلک کا خیر خواہ تھا۔ وہ امرتسر میں آنریری مجسٹریٹ تھا اور 1875ء میں فوت ہوا۔

بھائی گوربخش سنگھ اپنے باپ پرمن سنگھ کا جانشین تسلیم کیا گیا اور اس کی جگہ پراونشل درباری ہوا۔ اس نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس پاس کیا اس کے باپ کی جاگیر کا تین چوتھائی حصہ جو 868 روپیہ سالانہ مالیت کا ہے اس کی حین حیات کے لیے جاری رکھا گیا اور 240 روپیہ سالانہ پنشن اس کی ماں کو عطا کی گئی۔

1897ء میں انگلستان گیا اور 1900ء میں بیرسٹر ہو کر آیا اس کے سب سے بڑے بیٹے صوبہ سنگھ کی شادی سردار جھنڈا سنگھ رئیس بوتالیہ ضلع گوجرانوالہ کی پوتی سے ہوئی۔

پرمن سنگھ کا بھائی ارجن سنگھ 1863ء میں فوت ہوا۔ اس کا دوسرا بھائی مدھوسودن 1857ء میں ان دس سواروں کا جو اس کے بھائی نے بھرتی کیے تھے جمعدار ہو کر ملازمت میں داخل ہوا۔ اسی سال وہ اجنالہ کے مقام پر باغیوں کو گرفتار کرنے کے وقت موجود تھا اور اس کو رسالدار بنا کر تھانیسر بھیجا گیا جہاں وہ 1864ء میں فوت ہو گیا۔

تیسرا بھائی لہنا سنگھ نائب تحصیلدار تھا مگر کنبے میں بہت سی موتیں ہو جانے کے باعث وہ ملازمت سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کا بیٹا جھنڈا سنگھ وکیل ہے اور اس کا انبالے میں اچھا کام چلتا ہے۔ اس کا پوتا دیال سنگھ ولد ہردیو سنگھ محکمہ کریمینل انویسٹی گیشن میں انسپکٹر کے عہدے تک ترقی پا گیا ہے اور خطاب سردار بہادر و تمغہ رائیل وکٹورین حاصل کیے ہیں۔

سردار اروڑ سنگھ نوشہریہ

رئیسان مجیٹھہ کی ایک شاخ سردار اروڑ سنگھ شیر گل جاٹ قوم کا ہے۔ چودھری سروانی نے جو شیر بانی قوم سے پندرھویں پشت میں تھا شہنشاہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں موضع نوشہرہ تعمیر کیا جس کا دوسرا نام رائے پور سروانی مشہور ہے اور گردونواح کے علاقے کا مالیہ جمع کرنے کے عوض اس کے پاس یہ موضع بطور معافی رہا۔ کئی پشتوں تک اس خاندان میں چودھری کا عہدہ رہا اور یہ مالیہ شاہی خزانے میں ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قریباً 1752ء میں مرزا سنگھ سردار جے سنگھ اور حقیقت سنگھ کنھیا کی مسل میں شامل ہو گیا اور مفتوح علاقے میں سے اپنے حصے میں مواضعات رتن گڑھ، اچک، پھوڑی، بھیکو چک، رام پور، سالووال، ملکانہ اور کئی اور مواضعات جو سب 15000 روپیہ سالانہ مالیت کے تھے حاصل کیے۔

مرزا سنگھ 1757ء میں فوت ہوا اور حقیقت سنگھ کے بیٹے سردار جیمل سنگھ نے متوفی کی جاگیر کا بڑا حصہ ضبط کر لیا پھر سردار فتح سنگھ کنھیا نے انہیں اور بھی گھٹا دیا مگر جب مرزا سنگھ کے لڑکے جوان ہوئے تو سردار ندھان سنگھ کنھیا نے انہیں مادھو پور اور اسلووال ضلع ہوشیار پور جو 1500 روپیہ مالیت کے تھے عطا کیے اور رنجیت سنگھ کی خوشدامن مائی سدا کور نے کاہن سنگھ کو مواضعات بھوگر، بڑیالہ اور کوہالہ کہ 2000 کی مالیت کے تھے دیئے۔ جب رنجیت سنگھ نے کنھیا مسل کے مقبوضات چھین لیے کاہن سنگھ اور اس کا بیٹا جسا سنگھ دونوں رئیسان مجیٹھہ کی ملازمت میں رہے۔

کاہن سنگھ کا بیٹا سردار جسا سنگھ دو سال تک سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کے ماتحت دربار صاحب امرتسر کا منتظم اور لہنا سنگھ کے بنارس چلے جانے کے بعد دربار لاہور کا ملازم رہا مگر پنجاب کے الحاق پر یہ ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کے قبضے میں 2800 روپیہ مالیت کی جاگیریں تھیں جو زیادہ تر ضلع گورداسپور میں مواضعات ملکانہ، حیاتی، سالووال، بہرام پور، ملکہ والا، رتن گڑھ اور شیر گڑھ میں تھیں۔

سردار جسا سنگھ کا اکلوتا بیٹا ہرنام سنگھ محکمہ پولیس میں ڈپٹی انسپکٹر تھا اور اس کا انتقال 1848ء میں ہوا۔ کاہن سنگھ کا بھائی رنجیت سنگھ 1844ء میں ایک لڑکا وساوا سنگھ نامی جو اس وقت چھ مہینے کی عمر کا تھا چھوڑ کر مارا گیا۔

MashalBooks.com

جسا سنگھ کے بیٹے ہرنام سنگھ نے ایک لڑکا اروڑ سنگھ نامی چھوڑا جو اپنے باپ کی وفات پر 4 سال کی عمر کا تھا۔ اس نے گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں تعلیم پائی اور 1885ء میں سن بلوغ کو پہنچا۔ 1888ء میں اسے تھانہ کتھونگل کے 133 مواضعات پر اختیارات دے کر نوشہرہ کا آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم بنایا گیا اور 1907ء میں اسی علاقے پر اسے مجسٹریٹ درجہ اول کے اختیارات دیئے گئے۔ یہ پراونشل درباری اور دربار صاحب کا مینجر ہے جو بڑے رسوخ اور ذمہ داری کا عہدہ ہے۔ 1903ء میں اپنے چچیرے بھائی وساوا سنگھ کی وفات پر اروڑ سنگھ نے اس کی تمام جائیداد ترکے میں حاصل کی۔ اس کے قبضے میں قریباً 1500 روپیہ مالیت کی زیادہ تر ضلع گورداسپور کی جاگیریں، نہر چناب کے 33 مربعے اور ضلع امرتسر میں قریباً 800 گھماؤں اراضی ہے۔

اس کی لڑکی سردار منگل سنگھ آنریری مجسٹریٹ رئیس کوٹ شیرا ضلع گوجرانوالہ سے بیاہی گئی ہے۔

سردار بہادر چھجی سہائے

سردار بہادر چھجی سہائے ایک معزز برہمن خاندان سے ہے جس کے بزرگ شہنشاہان دہلی کی ملازمت میں تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سوگھیا رام نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر محمد شاہ کی جان بچائی تھی کیونکہ ایک راجپوت قاتل ایک دن شاہی دربار میں آ کر شہنشاہ پر حملہ کرنے کو تھا کہ سوگھیا رام نے جھپٹ کر اسے قتل کر دیا گو ایسا کرنے میں وہ خود بھی سخت زخمی ہوا اور اس کا بیٹا کنول نین ترک وطن کر کے لاہور آ گیا جو ان دنوں نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں اور سکھوں کی یلغار کا نشانہ تھا۔ سوگھیا رام ایک لڑائی میں مارا گیا۔ افغانوں کے ساتھ ایک لڑائی میں اس کے پورے 26 رشتہ دار مارے گئے اور خود کنول نین بڑی مشکل سے بھاگا۔ وہ اپنا اکلوتا بیٹا چھجومل جو اس وقت قریباً دس سال کی عمر کا تھا چھوڑ کر جوانی میں فوت ہو گیا۔

چھجومل جوان ہو کر سردار جے سنگھ کنھیا کی ملازمت میں داخل ہوا جو سکھ مسلوں میں سب سے زیادہ طاقتور مسل کا سردار تھا۔ سردار کی فوج میں اسے کمان ملی اور گردونواح کے روساء کے ساتھ بہت سی مہمات میں شامل ہوا۔ وہ 1783ء میں اچل کی لڑائی میں موجود تھا جس میں سردار جے سنگھ کا لڑکا گوربخش سنگھ، جسا سنگھ ایک ہندو رام گڑھیہ اور مہاں سنگھ سکرچکیہ کے ساتھ

لڑتا ہوا مارا گیا۔ جے سنگھ کی وفات پر اس کی بہو مائی سدا کور کے ماتحت بھی چھجو مل امرتسر میں اپنے عہدے پر مامور رہا۔ نوجوان رنجیت سنگھ جو سدا کور کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد اپنے دشمنوں یعنی بھنگیوں کے خوف سے بکمال احتیاط امرتسر آیا کرتا تھا چھجو مل کے ہاں ہی ٹھہرا کرتا تھا اور چھجو مل نے 1803ء میں اس کو شہر کا قبضہ حاصل کرنے میں بڑی امداد دی۔

چھجو مل کے بڑے لڑکے رلیارام نے غیر معمولی طور پر اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسے سنسکرت، فارسی اور ہندی سے خوب واقفیت تھی اور یہ ریاضی و کیمیاء کا عالم بھی تھا۔ 1811ء میں امرتسر کے ضلع کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا اور اس نے ڈکیتی اور راہزنی کے فرو کرنے میں بڑی ہمت اور جرأت سے کام لیا۔

1821ء میں جب سکھ فوج لڑائی میں مشغول تھی سردار جے سنگھ اٹاری والا باغی ہو گیا اور مسر رلیارام کو دوسرے سرداروں کے ساتھ اس کی سرزنش کے واسطے بھیجا گیا۔ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اس نے باغی سردار کے قلعہ کلر کہار پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور جے سنگھ کو مجبوراً دوست محمد خاں والی کابل کے پاس پناہ لینے کے لیے بھاگ کر جانا پڑا۔ 1841ء میں اس نے ماجھا سنگھ ضلع راولپنڈی میں ایک گندھک کی کان دریافت کی جس سے مہاراجہ شیر سنگھ اس قدر خوش ہوا کہ علاقہ جنڈیالہ میں 11000 روپیہ مالیت کی جاگیر عطا کی اور فارسی میں ایک اعزازی خطاب دیا۔ مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ جالندھر کے محکمہ چنگی کا افسر بنایا گیا اور ستلج کی لڑائی کے ختم ہونے تک اسی عہدے پر مامور رہا۔ 1846ء میں جب جھنگ کا وسیع ضلع ملتان سے جس کے یہ تیسرے حصے کے برابر تھا علیحدہ کیا گیا تو اس کو کاردار بنا دیا گیا اور یہ مع صاحب دیال اس کے ضوابط محصولات کی نظر ثانی کرنے کے لیے مقرر رہا۔

سکھوں کی عملداری میں تقریباً ہر جنس پر محصول لیا جاتا تھا۔

میجر ایچ لارنس ریذیڈنٹ اور ان کے بھائی جان لارنس کی زیر نگرانی جن کے قابل صلاح کار مسر رلیارام اور صاحب دیال تھے کل انتظام بدل گیا۔ چونگی خاص محصول وزارت اور محاصل شہر موقوف ہو گئے۔

نومبر 1847ء میں مسر صاحب دیال نے محسن الدولہ بیر بر کا خطاب حاصل کیا۔ جون 1848ء میں ملتان میں بغاوت ہو جانے کے تین مہینے بعد مشہور و معروف باوا بیر سنگھ کا ایک چیلا بھائی مہاراجہ سنگھ اس قسم کے آدمیوں کی کثیر تعداد جمع کر کے جو سرکار سے ناخوش تھے ماجھا

سے باغی مولراج کے ساتھ ملتان میں شامل ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ سکھ فوج میں سے کوئی بھی بھائی مہاراج سنگھ کے گرفتار کر لینے کی جرأت نہ کرتا تھا مگر مسر صاحب دیال نے جو اس وقت جھنگ کا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے کاردار تھا اقرار کیا کہ اگر مہاراج سنگھ جھنگ کی طرف نکال دیا جائے تو وہ اس کے آگے نہ بڑھنے کا ذمہ دار ہوگا۔ خوش قسمتی سے ایسا ہی ہوا کچھ غیر آئین فوج اور نمبر 14 ڈریگون نے بھائی کی فوج کا تعاقب کیا لنگر خاں ساہیوال' ملک صاحب خاں ٹوانہ اور دوسرے مسلمان رؤسا اس کے عقب میں پھرتے رہے اور اس وقت جب کہ بھائی مذکور جھنگ کے نواح میں پہنچا تو اس کی سپاہ گھٹتے گھٹتے 1200 تھکے ماندے آدمی رہ گئے تھے جن پر بابا مالی سنگھ تحصیلدار نے مسر صاحب دیال کی فوج سے بڑی سختی سے حملہ کیا اور ان کو چڑھے ہوئے دریائے چناب میں دھکیل دیا جس میں آدھے سے زیادہ آدمی ڈوب گئے اور جو دریا سے بچ گئے قیدی بنا کر لاہور لائے گئے۔

جب باغی شیر سنگھ ملتان سے کوچ کر رہا تھا تو صاحب دیال نے اس کے دو ہزار سے زیادہ خچر' اونٹ اور بیل چھین لیے اور گو اس سے شیر سنگھ نے اپنے کوچ کی سمت نہ بدلی مگر پھر بھی یہ ضرور ہوا کہ اس کی فوج آگے بڑھنے سے رک گئی۔

الحاق کے موقع پر رلیارام کی 1100 کی جاگیر 6900 روپیہ نقد بھتیجے کے تاحین حیات کے لیے اس کی 5180 روپیہ کی جاگیر مع 2800 نقد مواجب کے ملے۔ جاگیر میں سے 985 روپیہ کی جاگیر تین پشتوں تک کے واسطے تھی اور 1200 روپیہ دوامی تھے۔ رلیارام اور صاحب دیال دونوں مشہور آدمی تھے۔

1849ء میں رلیارام اور صاحب دیال دونوں پنجاب سے روانہ ہو کر تیرتھ یاترا کے لیے گئے۔ رلیارام کو 1851ء میں راجہ بنایا گیا اور صاحب دیال نے بھی یہی خطاب حاصل کیا۔ راجہ رلیارام پنجاب میں پھر واپس نہیں آیا اور اپریل 1864ء میں بنارس میں فوت ہو گیا۔ راجہ صاحب دیال 1851ء میں واپس آیا اور کشن کوٹ ضلع گورداسپور میں اقامت اختیار کی۔ اس قصبے کا اسے بانی سمجھنا چاہیے۔ وہاں اس نے ایک سرائے' تالاب' تین شوالے اور پانچ کنوئیں بنائے۔ دوران غدر 57 میں راجہ صاحب دیال نے اپنی صلاح اور کارگزاری سے سرکار کی وفاداری ظاہر کی اور 1000 روپیہ کا خلعت پایا۔ 1860ء میں اس کو 2000 روپیہ کی جاگیر علی الدوام علاوہ جاگیر سابق کے عطا ہوئی۔ فروری 1864ء میں ہندوستان کی کونسل برائے آئین و

قوانین کاممبر مقرر کیا گیا اور کلکتہ برائے آئین وقوانین کاممبر مقرر کیا گیا اور کلکتہ میں کونسل مذکور میں شریک ہوا اجلاس کونسل کے برخاست ہونے کے بعد پنجاب واپس آیا تو 1866ء میں اسے کے اسی ایس آئی کا خطاب دیا گیا۔ 1885ء میں امرتسر میں اس کا انتقال ہوا جس کا ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو افسوس ہوا اور پنجاب گورنمنٹ نے مفصلہ نوٹیفکیشن شائع کی۔

صاحب دیال کے دولڑکے اس کی حین حیات میں فوت ہو گئے اور خاندانی جاگیر اس کے پوتے ٹھاکر ہر کشن سنگھ ولد بنسی لال کو ملی جو پراونشل درباری اور خاندان کی اس شاخ کا بزرگ ہے۔ ٹھاکر کشن کوٹ میں رہتا ہے جہاں کا وہ آنریری مجسٹریٹ ہے۔ اس کا بھائی ٹھاکر مہاں چند ایچی سن کالج میں تعلیم پانے کے بعد 1892ء میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا۔ 1902ء میں آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور 1906ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کاممبر ہوا۔ وہ پراونشل درباری ہے۔ راجہ سر صاحب دیال کے دوسرے بیٹے بکرم کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اس نے اپنے چچیرے بھائی پرتاب چند والد دینا ناتھ کو متبنٰی بنایا۔ پرتاب چند 1902 ء میں فوت ہوا اور اس کے بیٹے پریم چند نے بکرم کی جائیداد حاصل کی جس میں ضلع امرتسر کی قریباً 800 بیگھ زمین اور دوسری جائیداد ہے۔

راجہ رلیا رام کے دوسرے بیٹوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑا جودھیا پرشاد گوشہ نشین آدمی تھا۔ اس کا بیٹا جے گوپال محکمۂ چنگی میں رلیا رام کے ماتحت ملازم تھا۔ جے گوپال 1883ء میں فوت ہوا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا دینا ناتھ 1910ء میں تحصیلداری کے عہدے سے پنشن پا کر 1913ء میں فوت ہوا۔ دینا ناتھ کا اکلوتا بیٹا رام ناتھ امرتسر میں حکیم ہے۔ جے گوپال کے دوسرے بیٹوں میں بشن ناتھ اور بسنت ناتھ بنارس میں جا آباد ہوئے اور بنواری ناتھ کو سن بلوغ تک پہنچنے تک 120 روپیہ سالانہ پنشن ملتی رہی۔

رلیا رام کا بیٹا گیان چند پنڈ دادنخاں میں راجہ گلاب سنگھ کے ماتحت محصول نمک کے دفتر کا افسر تھا۔ سرکار انگریزی کے عہد میں وہ پنڈ دادنخاں کا تحصیلدار مقرر کیا گیا مگر 1854ء میں اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو کر امرتسر میں مقیم ہو گیا جہاں اسے 1862ء میں آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا اور 1864ء میں اس نے رائے کا خطاب حاصل کیا۔ 1878ء میں دولڑکے پچھی سہائے اور بھگت رام چھوڑ کر فوت ہوا۔ بڑے یعنی پچھی سہائے کو جو پنشنر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا خاندان کا سرکردہ اور سربرآوردہ رکن شمار کیا جاتا تھا۔ یہ ایک پراونشل درباری تھا اور 1894ء

میں اسے سردار بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ خاندانی جائیداد اس کے اور اس کے بھائی بھگت رام کے درمیان تقسیم ہوئی مگر تحصیل پنڈ دادنخاں کی 100 بیگھ کی معافی سردار بہادر پچھمی سہائے ہی کے حصے میں رہی۔ اس نے ضلع لائکپور میں چھ مربعے اراضی حاصل کی اور یہ چک نمبر 63 کا نمبردار تھا جس کا نام اسی کے نام پر گڑھ پچھمی سہائے رکھا ہے۔ یہ 1911ء والے دہلی دربار میں بطور سرکاری مہمان مدعو کیا گیا اور اسے تمغہ دربار عطا ہوا۔ اس کا انتقال 1903ء میں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا سردار دیوی سہائے ریاست کشمیر میں کچھ عرصہ تک ملازم رہا اور ڈویژنل درباری تھا۔ 1921ء میں اس کی وفات پر اس کا بیٹا دیا سہائے جانشین ہوا جو تحصیلدار ہے اور آج کل شاہدرہ ضلع شیخوپورہ میں تعینات ہے۔ دیا سہائے کا سب سے بڑا بیٹا کملیشور سہائے پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہے۔

پچھمی سہائے کا چھوٹا بیٹا جوالا سہائے کئی سال تک ڈسٹرکٹ اور سیشن جج رہا اور دو ضلعوں کا قائم مقام ڈپٹی کمشنر بھی رہا۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے دس ہزار روپیہ قرضہ جنگ میں دیا اور 1918ء میں اسے رائے بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ 1921ء میں یہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوا اور اس کے ایک سال بعد پراونشل درباری بنا دیا گیا۔ 1923ء سے لے کر 1929ء تک یہ نابھہ اور جودھ پور کی ریاستوں میں بطور چیف جج اور ایگزیکٹو کونسلر تعینات رہا اس کا انتقال 1938ء میں ہوا۔ اس کے بیٹوں میں سے سب سے بڑا شو سہائے 1913ء سے پولیس میں ملازم رہا۔ 1910ء سے 1921ء تک یہ جزائر انڈایان میں بطور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کام کرتا رہا اور وہیں اسے رائے صاحب کا خطاب عطا ہوا۔ یہ ابھی ملازمت میں ہی تھا کہ 1932ء میں ایک لڑکا جگندر سہائے چھوڑ کر اس کا انتقال ہو گیا۔ جو اب دفتر پنجاب سول سیکرٹری ایٹ میں کلرک ہے۔ رائے بہادر جوالا سہائے کا دوسرا بیٹا دیوندر سہائے امرتسر میں وکیل ہے۔

رائے گیان چند کا دوسرا بیٹا بھگت رام ریاست کشمیر میں ملازم تھا۔

رلیارام سے شنکر ناتھ نے پہلے پہل ٹکسال امرتسر میں ایک عہدہ حاصل کیا اور بعدازاں ضلع ہزارہ میں نائب بنا دیا گیا۔ 59-1858ء کی بغاوت کے دوران میں اس نے اپنے بھائیوں کی طرح اچھی خدمت کی۔ رلیارام کا سب سے چھوٹا بیٹا سردار ہرچند اس پہلے پہل چونگی میں نائب مقرر ہوا۔ مگر ہیرا سنگھ کے وزارت میں راجیہ ڈیرے میں 700 سواروں کا

MashalBooks.com

کمیدان بنا دیا گیا۔ 1848ء میں دربار نے اسے لاہور کا عدالتی مقرر کیا اور عدالتی عہدہ کی بجائے اسے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا۔ سردار نے 1852ء میں استعفیٰ دے دیا اور اس کی جاگیر گھٹ کر 3998 روپیہ کی رہ گئی۔ وہ امرتسر میں رہا کرتا تھا اور اپنے خرچ سے ایک خوبصورت سرائے لاہور اور امرتسر کے درمیان بنوائی۔ یہ خاندان ہمیشہ خیر خواہی اور فیاضی کی وجہ سے مشہور رہا جس کا ثبوت رفاہ عام کے بہت سے کاموں سے ملتا ہے جو اس کے اراکین نے اپنے خرچ سے پنجاب کے بہت سے حصوں میں کئے چنانچہ علاوہ ان کے جن کا ذکر کر دیا گیا ہے امرتسر کے رام باغ دروازہ کے قریب کی سرائے راجہ رلیارام نے بنوائی نیز ایک سرائے اور مندر دریائے بیاس پر نگھڑاوال کے گھاٹ کے پاس بنوائے اور امرتسر کے شہر میں ایک تالاب اپنی یادگار چھوڑا۔

سردار ہرچنداس 1882ء میں فوت ہوا اور اضلاع امرتسر گورداسپور میں اس کی 3998 روپیہ کی جاگیریں اس کی وفات پر ضبط ہو گئیں۔ اسے 1200 روپیہ سالانہ وظیفہ ریاست کپورتھلہ سے بھی ملا کرتا تھا۔ سردار موصوف امرتسر کے ممتاز اشخاص میں سے تھا اور شہر کا آنریری مجسٹریٹ بھی تھا۔ اس کے بیٹوں میں سے محکم چند نے ریاست کپورتھلہ کی ملازمت مختلف عہدوں پر کی اور 1912ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو یہ امرت سر میں 1200 روپیہ سالانہ مشاہرہ پر ریاست مذکور کا وکیل تھا۔ اس کے دو بیٹے ہری چند اور مہاراج چند جو اس کی وفات پر نابالغ تھے اب سن بلوغ کو پہنچ چکے ہیں اور دونوں ریاست کپورتھلہ کے درباری ہیں سردار مہاراج چند امرتسر کا ڈسٹرکٹ درباری بھی ہے اور اس نے حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کو کنگ جارج ششم کارونیشن چیمپین شپ شیلڈ پیش کی ہے۔ سردار ہرچنداس کا چھوٹا بیٹا ریاست اودھے پور کی سرکاری چھاؤنی خیرہوالا میں بطور وکیل ملازم تھا اور ملازمت کے دوران ہی 1925ء میں فوت ہوا۔

سردار آتما سنگھ مان

سردار آتما سنگھ مان اسی نسل سے ہے جس سے کہ مغل چک ضلع گوجرانوالہ کے مان سردار ہیں۔ جس کا میں آتما سنگھ ایک رکن ہے کئی پشتوں سے مانانوالہ ضلع امرتسر میں مقیم ہے۔ جب یہ گاؤں قریباً 1720ء میں لوٹ کر مسمار کر دیا گیا آتما سنگھ کا بیٹا تارا سنگھ نارلی میں

جا آباد ہوا۔ تارا سنگھ نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ ضلع امرتسر کے کئی گاؤں چھین لیے اور انہیں اپنی وفات تک قبضے میں رکھا۔ اس کا بیٹا کرم سنگھ الوالعزم آدمی تھا۔ وہ بھنگی مسل میں شامل ہو گیا اور اضلاع لاہور، سیالکوٹ اور امرتسر میں جاگیریں حاصل کیں از سرنو موضع مانا والا آباد کیا اور وہیں بود و باش اختیار کی۔

کرم سنگھ کے بعد اس کے دو بیٹے رام سنگھ اور شام سنگھ جانشین ہوئے۔ 1780ء کے قریب یہ نوجوان بھنگی مسل چھوڑ کر سردار مہاں سنگھ سکر چکیہ کے پاس چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رام سنگھ کو اپنے پرانے شرکاء (بھنگیوں) سے کچھ دشمنی نہ تھی کیونکہ اس نے اپنی اکلوتی لڑکی بی بی سدا کور کی شادی ایک بھنگی رئیس سردار صوبہ سنگھ ہالووالیہ کے ساتھ جو ضلع سیالکوٹ کے قلعہ سوھا سنگھ کا بانی اور سردار بھاگ سنگھ ہالووالیہ کا بیٹا تھا کر دی۔ رام سنگھ 1788ء میں فوت ہوا اور اس کے چھوٹے بھائی شام سنگھ نے ساری جائیداد حاصل کی مگر 1790ء میں سردار مہاں سنگھ نے مانا نوالا اور رلیا بھادو کے علاوہ تمام جاگیر ضبط کر لی جو 20000 روپیہ سالانہ مالیت کی تھی اور جو کہ شام سنگھ اپنی وفات تک وصول کرتا رہا اور اس کے معاوضے میں مہاں سنگھ کی زندگی تک اس نے خدمت کے لیے کوئی فوج نہیں دی مگر رنجیت سنگھ کے عہد میں سوار دیتا رہا۔

سردار فتح سنگھ کا اس کے باپ شام سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں تعارف کرایا اور جب شہزادہ کھڑک سنگھ چند سال کی عمر کا تھا تو فتح سنگھ کو خاص کر اس کی خدمت گزاری کے لیے مامور کیا گیا۔ سردار کانگڑے کی 1809ء کی لڑائی میں لڑا۔ ڈسکہ کی لڑائی پر گیا جہاں اس کا شانہ مجروح ہوا۔ چونیاں کی لڑائیوں میں شامل ہوا جہاں اس کے سر میں زخم لگا اور ساہیوال کی لڑائی میں بھی تھا جہاں اس کو کمیدان مقرر کیا گیا اور وہاں وہ ایک سال تک رہا۔ 1814ء کی نحس مہم کشمیر میں بھی دیوان جیون مل کے ساتھ رام دیال کی فوج کے ہمراہ شہزادہ کھڑک سنگھ کی طرف سے گیا۔ 1818ء میں ملتان کے مقام پر کوٹ بیجے خاں کے قلعے کی فتح سردار فتح سنگھ کے سپرد ہوئی جس میں وہ کامیاب ہو گیا۔ وہ کشمیر کی 1819ء کی مہم کے ساتھ بھی گیا اور دوسرے سال ستلج عبور کر کے اپنی جاگیر واقع مالاں میں آیا۔ مہاراجہ نے جو راولپنڈی کی طرف کوچ کر رہا تھا اسے بلا بھیجا مگر اس نے کنٹنجنٹ کے ہمراہ صرف اپنے بیٹے سردول سنگھ کو بھیجا۔ اس کارروائی سے رنجیت سنگھ سخت غصے ہوا اور یہ شبہ کر کے کہ فتح سنگھ انگریزوں سے سازشیں کر رہا ہے مانا نوالا کے علاوہ اس کی ساری جاگیریں ضبط کر لیں۔

MashalBooks.com

دسمبر 1821ء میں منکیرہ کے فتح ہونے تک یہی حالت رہی مگر اس وقت فتح سنگھ نے ایسے بہادرانہ کام کیے کہ مہاراجہ پھر اس پر مہربان ہو گیا۔ اسے نئی جاگیریں ہوئیں اور مفتوح قلعہ منکیرہ کا کمیدان بنادیا گیا۔

1829ء میں سردار فتح سنگھ پھر شہزادہ کھڑک سنگھ کے درباریوں میں داخل ہوا۔ 1831ء میں یہ شہزادہ شیر سنگھ اور جنرل ونچورا کے ہمراہ اس لڑائی میں گیا جو انہوں نے مشہور و معروف سید احمد سے کی جس کا افغانوں اور این روئے سندھ کے علاقے میں اثر نہ رہا تھا۔ اور جس نے اس بھروسہ پر کہ اقوام دھموڑ اور پکھلی اور اس کے ہندوستانی ہمراہی اس کی امداد کریں گے بالاکوٹ واقع ہزارہ کو اپنا صدر مقام بنا لیا تھا۔ یہاں سکھوں نے اس پر حملہ کر کے بالاکوٹ کا قلعہ لے لیا اور سید موصوف بمع اپنے بہت سے ہمراہیوں کے قتل کر دیا گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے وقت فتح سنگھ ٹونک میں تھا۔ نئے مہاراجہ سے سردار نے 30000 روپے مالیت کی مزید جاگیریں کوٹ بارے خاں گوجرانوالہ میں حاصل کیں جن کے معاوضے میں سردول سنگھ نے جنرل ونچورا کے ماتحت 1820-21ء میں منڈی کی لڑائی میں اور کملا گڑھ کے محاصرے اور فتح میں خدمات کیں۔ فروری 1845ء میں راجہ لال سنگھ نے اپنے حریف سردار جواہر سنگھ کے ساتھ اس فوج کی افسری منظور کی جو راجہ گلاب سنگھ کے خلاف جا رہی تھی۔ ان افسروں میں جنہیں لال سنگھ نے اپنے ہمراہ لے جانے پر اصرار کیا فتح سنگھ بھی تھا۔ پھر فوج میں آتے ہی لال سنگھ نے دوسرے سرداروں کے ساتھ فتح سنگھ کو بھی عہد و پیمان کرنے کے لیے بھیجا۔ آخر کار 28 فروری کو وزیر بچنا اور راجہ میں سخت تکرار ہونے کے بعد آخر الذکر نے رقم مدعیہ میں سے 400000 روپے بطور پیشگی دے دیا اور ڈیپوٹیشن رخصت ہوا۔ ایک کانٹوں کی باڑ سے گزرتے ہوئے جو شہر جموں کے گرد لگادی گئی تھی راجہ جموں کی فوج نے سفیروں پر گولیاں بھی چلائیں سردار فتح سنگھ اور وزیر بچنا تو وہیں ہلاک ہو گئے اور دیوان گنپت رائے کو جو ان دونوں کے ساتھ ایک ہی ہاتھی پر سوار تھا ایسا مہلک زخم پہنچا کہ وہ دوسرے دن مر گیا۔ راجہ گلاب سنگھ نے اپنی بے گناہی اور افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ یہ معاملہ اس کی خواہش اور حکم کے خلاف ہوا۔

سردار فتح سنگھ کی موت کا سرداروں کو بہت غم ہوا اور گو اس سردار کی موت سے گلاب سنگھ کے خلاف بہانہ بنا لینا آسان تھا تاہم فوج نے اس وقت سرداروں کی کچھ پرواہ نہ کی بلا

MashalBooks.com

شک وہ ایسے پرانے سردار کو جیسا کہ فتح سنگھ تھا سچ سمجھتی تھی کیونکہ سردار موصوف باقاعدہ فوج کو ایک نہایت خوفناک جماعت سمجھتا تھا اور اس کے خیالات اور سب باتیں بڑے مہاراجہ کے زمانے کی سی تھیں۔

سردول سنگھ اس موقع پر حسن ابدال میں تھا اور اسی سال کے اگست مہینے میں اس نے اٹاری والے اور دوسرے سرداروں کے ساتھ شہزادہ پشاورا سنگھ سے اٹک کا قلعہ واپس لیا۔ سردول سنگھ ستلج کی لڑائی میں بھی لڑا اور اگست 1846ء میں وزیر راجہ لال سنگھ نے بغیر کسی ظاہر سبب کے مانا نوالے کی جاگیر کے علاوہ جو 3000 روپے کی تھی باقی تمام جاگیریں ضبط کر لیں۔ سردول سنگھ میجر لارنس کے پاس اپیل کرنے کے لیے شملہ گیا اور ان ہی کے ساتھ واپس لاہور آیا۔ لال سنگھ کی معزولی اور جلاوطنی کے بعد سردار فتح سنگھ کے قرض خواہوں نے سردول سنگھ سے اس کے باپ کے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے قرضے کا تقاضا شروع کیا اور میجر لارنس نے دربار میں یہ سن کر اس کے نام 30 سوار خدمتی دینے کے عوض 2100 روپے کی جاگیریں دلا دیں۔ الحاق کے موقع پر اس خاندان کی ذاتی جاگیریں جو 10500 روپے کی مالیت کی تھیں تاحین حیات اور 3000 روپے کی علی الدوام واگذار ہوئیں۔ ان میں 2147 روپے کی جوالا سنگھ کی نرینہ اولاد کے لیے

سردار جوالا سنگھ جس کی اپنے بھائی سردول سنگھ کے ساتھ نہ بنتی تھی 1860ء میں فوت ہوا ان کی بہن بیبی کا جو سردار جیت سنگھ سندھانوالیے کے ساتھ بیاہی تھی ستمبر 1843ء میں اپنے خاوند کی وفات کی خبر سن کر جو قلعہ لاہور میں ہوئی نورنگ آباد میں اس کے کپڑوں کے ساتھ ستی ہوگئی۔ بغاوت 1848ء کے دوران میں سردار سردول سنگھ سرکار کا خیر خواہ رہا اور 1857ء میں اپنی حیثیت اور پریشان حالی کے لحاظ سے اس نے حتی المقدور ہندوستان میں خدمت کرنے کے لیے سوار بھرتی کیے۔

سردار سردول سنگھ مان 1881ء میں فوت ہوا۔ اس کی وفات پر 7500 روپے کی جاگیر میں سے 2147 روپے کی جاگیر اس کے دو پسماندہ بیٹوں پرتاپ سنگھ اور جیون سنگھ کے نام جاری رہی اور باقی ماندہ ضبط ہوگئی۔

سردار سردول سنگھ کی وفات کے بعد سردار جیون سنگھ خاندان کا سرکردہ تسلیم کیا گیا۔ یہ موضع مانا والا کا نمبردار، ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر، آنریری مجسٹریٹ اور ڈویژنل درباری تھا۔

MashalBooks.com

1911ء میں سردار جیون سنگھ کی وفات پر اس کا اکلوتا بیٹا سردار آتما سنگھ مان اپنے باپ کی جگہ خاندان کا سرکردہ تسلیم کیا گیا یہ 1914ء سے آنریری مجسٹریٹ ڈویژنل درباری اور موضع مانا نوالہ ضلع امرتسر اور چک نمبر 92-15 ضلع ملتان کا نمبردار ہے۔ یہ 9سال سے ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر منتخب ہوتا چلا آیا ہے اور ایکٹ اصلاح کی بعض دفعات سے مستثنیٰ ہے۔

سردار جیون سنگھ کے بڑے بھائی پرتاب سنگھ کے قبضہ میں تقریباً 1450 کنال اراضی تھی مگر وہ سخت مقروض تھا اور 1906ء میں فوت ہوا۔ اس کے بیٹے مہتاب سنگھ کی شادی ضلع لدھیانہ کے ارجن سنگھ رئیس رائے پور کی بیٹی سے ہوی۔ جوالا سنگھ کے بیٹوں راجہ سنگھ اور ہیرا سنگھ نے اپنے آبائی مواضعات یعنی مانا نوالہ اور میہوکا میں اپنے باپ کی وفات پر اس کی 853 روپیہ کی مالیت کی جاگیر حاصل کی۔ راجہ سنگھ کا انتقال 1883ء میں ہوا اور اس کا ایک ہی زندہ بیٹا گوربخش سنگھ المعروف فتح محمد اس کا جانشین ہوا۔ ہیرا سنگھ ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر اور امرتسر لوکل بورڈ کا پریذیڈنٹ تھا۔ اس نے اس وقت جب کہ جنگ کابل کے لیے باربرداری کے حیوانات خریدے جا رہے تھے اور نیز دوسرے مواقع پر سرکار کی اچھی خدمات انجام دیں۔ یہ ڈویژنل درباری تھا اور 1898ء میں تین لڑکے چھوڑ کر فوت ہوا جن میں اس کی جائیداد کا حصہ تقسیم ہو گیا۔ سب سے بڑا لڑکا سنت سنگھ 1921ء میں مانا نوالا کا نمبردار تھا۔ دوسرا لڑکا جھنڈا سنگھ جو سندھ میں رہا کرتا تھا 1923ء میں فوت ہوا۔ ہیرا سنگھ کا تیسرا لڑکا بلونت سنگھ اب مانا نوالا میں رہتا ہے اور اپنی اراضیات کا انتظام کرتا ہے۔

☆☆☆

سردار ہرنام سنگھ ایمہ والہ

قریباً1738ء میں ایک اپال کھتری نتھا سنگھ نامی اپنے وطن لسکاری ضلع گورداسپور سے نقل مکان کر کے امرتسر آ گیا اور ایک ویران گاؤں پھر آباد کیا جس کا نام پہلے باشندوں کے حقوق کو زائل کرنے کے لیے اس نے ایمہ رکھا جس کے معنی گاؤں پر حقوق مالکانہ رکھنے کے تھے اس کے لڑکے سورجن سنگھ نے نہ صرف یہ گاؤں ورثہ میں پایا بلکہ اپنے چچا دل سنگھ کی جاگیریں بھی جو سردار سیوا سنگھ اولکھ والا کے ساتھ ایک جھگڑے میں مارا گیا تھا حاصل کیں۔ یہ جاگیریں بہت بڑی تھیں جن میں بہت سے پرگنہ جات ڈسکہ پسرور اور اجنالہ کے گاؤں شامل تھے۔

1738ء کی قحط سالی میں سورجن سنگھ نے چہار باجوا ضلع سیالکوٹ راجہ رنجیت دیو کے بیٹے برج راج دیو سے چھین کر قبضے میں کر لیا۔ وہ بھنگی مسل سے تعلق رکھتا تھا اور سردار کرم سنگھ کے ماتحت لڑتا رہا اور 1799ء میں مر گیا۔ اس کا بڑا بیٹا نار سنگھ سردار گلاب سنگھ بھنگی کے ساتھ شامل ہوا جو اس مسل کا سردار تھا جو رنجیت سنگھ کے لاہور پر قابض ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت میں تیار کی گئی تھی۔ چنانچہ جب ایک مہم رنجیت سنگھ پر بھیجی گئی تو نراین سنگھ بھی اس میں شریک تھا مگر سردار گلاب سنگھ اپنی بدکاری کی بدولت کوٹھانی میں مارا گیا اور یہ مہم ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد جلدی ہی 1803ء میں نار سنگھ رنجیت سنگھ سے جا ملا اور پنڈی بھٹیاں کی لڑائی اور بعد ازاں بھنگیوں کے ساتھ قلعہ کالر کی لڑائی میں وہ مہاراجہ کے ہمراہ تھا۔ 1804ء میں نار سنگھ پھر رنجیت سنگھ کے ہمراہ راجہ سنسار چند کٹوچ سے لڑنے گیا۔ اس کے بعد کی لڑائی جس میں نر سنگھ نے حصہ لیا حافظ احمد خاں رئیس جھنگ کے ساتھ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس مذکور قید ہو گیا اور اس کا علاقہ لے لیا گیا۔

جب جواہر سنگھ وزیر ہوا تو نارسنگھ پر عنایتوں کی جھڑی لگ گئی کیونکہ اس نے دوسری شادی جواہر سنگھ کی بہن مہارانی جنداں کی چچی سے کی۔ اس کو تحفے کے طور پر ایک ہاتھی بمعہ طلائی ہودے کے ملا۔ مولراجیہ رجمنٹ کا سردار بنایا گیا۔

ستلج کی لڑائی کے دوران میں نارسنگھ نے سردار رنجودھ سنگھ مجیٹھیہ کے ماتحت خدمات کیں۔ ملتان کی بغاوت کے دوران میں یہ اور اس کے سواروں کا کنٹنجنٹ اپنی سرکار کے وفادار رہے اور کانہائے نمک کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر لیارام کے ماتحت اسے پنڈ دادنخاں بھیجا گیا۔ جہاں سے وہ راجہ دینا ناتھ کے ساتھ لاہور آیا۔ 1849ء میں اس کی جاگیریں اس کے نام مستقل طور پر واگذار ہوئیں اور 1866ھیہ کے ساتھ ہوئی مگر وہ شادی ہونے کے چھ مہینے کے بعد مر گیا۔ تیسرا بھائی سرمکھ سنگھ نوجوان فوت ہوا۔ سردار سنت سنگھ اپنے باپ نارسنگھ کی جگہ خاندان کا بزرگ ہوا مگر نارسنگھ کی وفات پر جاگیریں ضبط ہوگئی تھیں۔ سنت سنگھ کی شادی ہوجانے کی وجہ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خاندان کے ساتھ اس کی رشتہ داری تھی۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ہرنام سنگھ اس کا جانشین ہوا۔ وہ ڈویژنل درباری لوکل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کا ممبر اور ترنتارن کا سب رجسٹرار ہے۔ ایمہ کلاں ضلع امرتسر کی قریباً 1000 بیگہ اراضی اس کے قبضے میں ہے۔

سردار بہادر سردار ارجن سنگھ چاہل سی آئی ای

ایک چاہل جاٹ کتھا سنگھ نامی نے بمعہ اپنے بھائیوں کے بھنگی سرداران لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ کی جنہوں نے 1764ء میں لاہور پر قبضہ کیا ملازمت اختیار کی۔ کتھا سنگھ بہاولپور کی سرحد پر ایک معمولی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بیٹا کرم سنگھ اس کی جاگیروں کا جو 5000 روپے کی مالیت کی تھیں وارث ہوا۔ چند سال کرم سنگھ بھنگی مسل کے ہمراہ لڑتا رہا اور اپنی بہادری اور قابلیت کی وجہ سے مشہور ہوگیا تھا کہ اتنے میں رنجیت سنگھ نے 1799ء میں سردار لہنا سنگھ کے بیٹے چیت سنگھ سے لاہور لے لیا۔ کرم نے مہاراجہ کی ملازمت اختیار کرلی جس نے اجنالہ کے علاقے میں اسے کئی مواضعات دیئے۔ کرم سنگھ پر مہاراجہ کی نگاہ عاطفت روز بروز زیادہ ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ ایک بڑا طاقتور سردار بن گیا۔ سردار کرم سنگھ 1823ء کی ٹیٹری کی لڑائی میں توپ کے گولے سے مہلک زخم کھا کر گرا۔ اور دوسرے دن مر گیا۔ اس کا اکلوتا لڑکا گورمکھ سنگھ

تمام جاگیر کا مالک ہوا۔ یہ نوجوان پہلے کچھ سال اپنے باپ کے ماتحت نوکری کرتا رہا تھا اور ٹیری کی لڑائی میں بھی لڑا تھا۔1836ء میں اسے کوہاٹ جانے کا حکم ہوا جہاں اس نے اچھی اور بہادرانہ خدمات کیں مگر اسی سال ستمبر مہینے میں بعارضہ ہیضہ فوت ہو گیا۔اس کا بیٹا جوالا سنگھ اپنے باپ کی وفات پر 14 سال کی عمر کا تھا اور مہاراجہ نے علاوہ ایک جاگیر کے جو 3000 روپے کی مالیت کی تھی اور جو راجہ ہیرا سنگھ کے زیر اہتمام رکھی گئی باقی تمام جاگیریں ضبط کر لیں۔1846ء میں جوالا سنگھ بھی 24 سال کی عمر میں 7 سال کا ایک لڑکا ارجن سنگھ نامی چھوڑ کر فوت ہو گیا۔اس کے گزارے

کے لیے اور اس کے خاندان کے لحاظ سے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے گھاڑی اور لاہیاں دو مواضعات جو دونوں 1000 روپے کی مالیت کے تھے واگذار کر دیئے اور پھر الحاق پنجاب کے وقت بھی چاہل کے دو چاہات سمیت جین حیات کے لیے بحال رہے اور بعد ازاں علی الدوام کر دیئے گئے۔ یہ خاندان اب چاہل پرگنہ ترنتارن ضلع امرتسر ہی میں بستا ہے۔

نیز ارجن سنگھ کے قبضے میں تحصیل ترنتارن کی قریباً 2500 کنال اراضی اور ضلع لائلپور کے دس مربعے بھی تھے وہ بڑے اچھے چال چلن کا اور بڑا دانا آدمی تھا۔ اور علاوہ آنریری مجسٹریٹ اور سول جج درجہ اول رہنے کے اپنے ضلع کا اسسٹنٹ کلکٹر اور سب رجسٹرار لوکل بورڈ ترنتارن کا پریذیڈنٹ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو ایچی سن کالج کی کونسل کا ممبر اور پراونشل درباری تھا۔1894ء میں اسے سردار بہادر کا اور 1906ء میں سی آئی ای کا خطاب ملا۔سردار موصوف 69 سال کی عمر میں دو نابالغ لڑکے چھوڑ کر جنوری 1908ء میں فوت ہوا۔اس کی جائیداد کا انتظام کورٹ آف وارڈز کے سپرد ہے۔

سردار سر جوگندر سنگھ رسول پوریہ

سردار سر جوگندر سنگھ کے جد اعلیٰ سبحان سنگھ سکھ جاٹ نے 1760ء میں سکر چکیہ مسل میں شامل ہو کر مانجھے کو چھوڑا اور پہلے انبالہ اور بعد ازاں دوابہ جالندھر میں بڑی جاگیریں حاصل کیں۔اس کا وطن رسول پور تحصیل ترنتار ضلع امرتسر تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے معمولی فوجی خدمات کی شرائط پر جودھ سنگھ کو 10000 کی ایک جاگیر دی اور جب 1849ء میں لاہور کا علاقہ سرکار انگریزی کے علاقے کے ساتھ ملحق ہو گیا تو یہ جاگیر گھٹا کر 2000 کر دی گئی۔

MashalBooks.com

1857ء میں جودھ سنگھ کی وفات پر یہ عطیہ بھی ضبط ہو گیا اور جودھ سنگھ کا پوتا پنجاب سنگھ ایک ممتاز سپاہی تھا جو اپنی فوجی ملازمت کے دوران میں 32 لڑائیوں میں جانفشانی سے لڑا اور اپنی خدمات کے عوض سردار کا خطاب حاصل کی سکھوں کی قوت ٹوٹ جانے سے پہلے اس نے مہاراجہ کے گھوڑ چڑھوں میں 15 سال ملازمت کی تھی اور ملک کے سرکار انگریزی کے علاقہ کے ساتھ ملحق ہو جانے کے تھوڑے عرصہ بعد پنجاب کا دوسرا غیر آئینی رسالہ بننے پر اسے اس کا رسالدار بنا دیا گیا تھا اس عہدے پر وہ 1858ء تک مامور رہا پھر کمیدان بنا کر اودم کی سوار پولیس کی پانچویں رجمنٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔ 1860ء میں لفٹیننٹ جنرل سر سام براؤن نے اس کی نسبت مفصلہ ذیل تحریر کی۔ ''کسی شخص نے بھی ایسے بہادری کے کام نہیں کیے جیسے کہ پنجاب سنگھ نے کیے ہیں۔ اس کی قوت ممیزہ و دور اندیشی اس کی بہادری کے برابر ہیں۔ وہ دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا اور اس نے آخری حملہ میں حصہ لیا نیز بلند شہر و علی گڑھ کی لڑائیوں میں کرنیل گریٹ ہیڈ کی فوج کے ساتھ شامل تھا۔ آگرہ اور کانپور کے گردونواح کی بہت سی لڑائیوں میں بھی شریک رہا اور اس نے لکھنؤ چھڑانے میں بھی مدد دی۔ اس کی خدمات کے صلہ میں اس کو آرڈر آف میرٹ اور آرڈر آف برٹش انڈیا اور کھیری ضلع اودھ میں اراضی دی گئی جس کی آمدنی اب 4000 روپیہ سالانہ ہے۔ پنجاب میں رکھ سکر چکیہ تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر کی 1700 ایکڑ اراضی اسے عطا کی جس کی قیمت 554 روپیہ سالانہ اقساط سے لی جانی قرار پائی وہ 1869ء میں مرا اور اس کا بڑا لڑکا جوالا سنگھ اس کی جگہ خاندان کا بزرگ ہوا۔ یہ ذیلدار ڈسٹرکٹ کمیٹی کا ممبر اور ڈویژنل درباری ہونے کی وجہ سے اپنے علاوہ اپنے علاقے میں بہت ممتاز شخص تھا۔ جوالا سنگھ 1897ء میں فوت ہوا اور خاندانی جائیداد اس کے دو بیٹوں سردار سنت سنگھ اور جگندر سنگھ میں تقسیم ہوئی اور اولالذکر خاندان کا سرکردہ تسلیم کیا گیا۔ سنت سنگھ 15 سال تک سنٹرل انڈیا رسالہ میں ملازمت کی اور رسالدار کے عہدہ سے پنشن پائی۔ اودھ میں اس کی اپنی جائیداد کے اپنے حصہ کے علاوہ اس کے قبضہ میں ضلع گوجرانوالہ میں 20 مربعہ اراضی اور ضلع امرتسر کی 275 بیگھ اراضی تھی۔ یہ ڈویژنل درباری تھا اور شادی کی وجہ سے اس کی رشتہ داری گھنولی اور نکئی خاندانوں کے ساتھ تھی۔ سنت سنگھ کا انتقال 1913ء میں ہوا اور اس نے دو لڑکے پرم پال سنگھ اور پرتھی پال سنگھ چھوڑے دونوں نے ایچی سن کالج میں تعلیم پائی۔

MashalBooks.com

سردار سنت سنگھ کا بھائی سر جگندر سنگھ اب خاندان کا سرکردہ ہے۔ بوجہ شادی اس کی رشتہ داری سرداران اٹاری سے ہے۔ اس نے بہت سے کام کیے۔ شروع میں یہ ہندوستان اور انگلستان دونوں کے اخباروں میں مضامین دیا کرتا تھا اور اخبار ایسٹ اینڈ ویسٹ کا ایڈیٹر تھا۔ اس نے سکھ ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی کونسل آف سٹیٹ میں خالصہ پنتھ کا نمائندہ رہا اور 1910ء میں ریاست پٹیالہ میں ہوم منسٹر ہوا۔ ریاست کے اس عہدہ سے سبکدوش ہونے پر اس نے زراعت اور اخبار نویسی کی طرف توجہ کی اور اس کے علاوہ بہت سی کمیٹیوں مثلاً شوگر کمیٹی' انڈین سینڈ ہرسٹ کمیٹی اور انڈین امیگریشن انکوائری کمیٹی کا ممبر ہے۔ 1926ء سے 1937ء تک یہ پنجاب میں وزیر زراعت رہا اور 1929ء میں اسے ''سر'' کا خطاب ملا۔ سر جگندر سنگھ اودھ کا تعلقدار ہے۔ اس کے دو بیٹوں میں سے بڑے بیٹے سردار جتندر سنگھ نے میکڈانلڈ کالج کیمبرج میں تعلیم پائی اور چھوٹے بیٹے اقبال سنگھ نے پہلے ایچی سن کالج میں اور اس کے بعد مکلیگن انجینئرنگ کالج مغلپورہ میں تعلیم پائی اور پھر اس نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم کو لاف برو (انگلینڈ) میں پایۂ تکمیل پہنچایا۔

سردار ہرنام سنگھ بھنگی رئیس پنج وڑ

قصور کا ایک باشندہ بھاما سنگھ نامی طاقتور بھنگی مسل کا بانی مبانی خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس کی جگہ اس کا بھتیجا ہری سنگھ جانشین ہوا جو بھوپ سنگھ کا لڑکا موضع ٹہوہ متصل وڈنی کا زمیندار اور بڑا قابل آدمی تھا۔ اس نے قزاقوں کے گروہ کو فوج کی صورت میں متشکل کر دیا اور پنجاب کے ایک بڑے حصے کو روند ڈالا۔ چونکہ اس کو بھنگ پینے کی عادت تھی اس وجہ سے مسل کا نام بھنگی پڑ گیا۔

ہری سنگھ نے 1862ء میں موضع خواجہ سعید کے کوٹ پر جو لاہور سے دو میل کے فاصلے پر ہے اور جہاں خواجہ آباد افغان ناظم کا اسلحہ خانہ تھا حملہ کیا اور بہت سا لوٹ کا مال' ہتھیار اور سامان جنگ لے گیا۔ 1763ء میں کنھیا اور رام گڑھیوں کے ساتھ ان کے قصور پر حملے میں شریک ہوا اور دوسرے سال راجہ امر سنگھ والیے پٹیالہ کے ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا۔ پھر جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ دو بھائیوں نے جو اس کے ماتحت نوکر تھے اس کی جگہ بھنگی مسل کے ایک حصے کی کمان لی۔ ان کے ساتھ بہت سے مشہور رؤسا مثلاً بھاگ سنگھ اہلوالیہ' تارا سنگھ'

شیر سنگھ اور رائے سنگھ بوڑیہ والا سدھ سنگھ ڈوڈیہ' صاحب سنگھ سیالکوٹیہ ندھان سنگھ اتو ملے ہوئے تھے اور ان رؤسا کے ساتھ (گو درجے میں ان سے کم نہ تھے) دو بھنگی رؤسا گوجر سنگھ اور لہنا سنگھ بھی تھے۔

1766ء میں جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ ملتان پر حملہ کیا وہاں کے ناظم شجاع خاں اور مبارک خاں والیے بہاولپور سے ستلج کے کناروں پر ان کی لڑائی ہوئی۔ مگر جانبین میں سے فتح کسی کی بھی نہیں ہوئی البتہ ایک عہد نامہ ہو گیا جس کی رو سے سکھ اور افغان ریاستوں (ملتان کے پٹھانوں کی) میں پاک پٹن سرحد قرار پایا بعد ازاں جھنڈا سنگھ امرتسر واپس آ گیا۔ رئیس ملتان کے ساتھ جنڈا سنگھ نے شرائط کو توڑ دیا اور 1771ء میں حملہ کیا۔

دوسرے سال 1772ء میں اسے پہلے سال کی نسبت زیادہ کامیابی ہوئی۔ شجاع خاں' شریف خاں سدوزئی اور شریف بیگ تکلو کا جو یکے بعد دیگر ملتان کے ناظم ہوئے آپس میں جھگڑا ہو گیا اور شریف بیگ تکلو نے جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ یہ دونوں سردار اس دعوت کے قبول کرنے کے لیے بالکل تیار تھے اور انہوں نے ایک بڑی فوج کے ساتھ جنوب کی جانب کوچ کر کے شجاع خاں اور اس کے مددگار بہاولپور کے داد پوتوں کو شکست دی اور ملتان پر اپنا قبضہ کر لیا۔

جھنڈا سنگھ کی جگہ گنڈا سنگھ مسل کا سردار بنا اور یہ دیکھ کر کہ اب جموں میں کچھ کامیابی نہیں ہو سکتی امرتسر کی طرف ہٹ گیا جہاں یہ بھنگیوں کے کٹرے کو بڑھانے اور سرداران کنھیا کے خلاف جنہوں نے اس کے بھائی کو مروا ڈالا تھا منصوبے باندھنے میں مشغول ہوا۔ گنڈا سنگھ نے بہت سی فوج جمع کر کے بھنگیوں والی توپ اور بہت سے رؤسائے رام گڑھیہ کو بطور مددگار ساتھ لے کر پٹھان کوٹ پر چڑھائی کی۔ حقیقت سنگھ' تارا سنگھ اور گوربخش سنگھ کنھیا اور امر سنگھ بھا گیا سے ایک لڑائی ہوئی جس میں کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ مگر گنڈا سنگھ ابھی دینا نگر میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا کہ بیمار پڑ گیا اور دس دن کے بعد فوت ہو گیا۔ اس کی فوج نے اس کے بھتیجے چڑھت سنگھ کو اس کا جانشین ہونے کے لیے منتخب کیا مگر کنھیوں کے ساتھ پہلی لڑائی میں چڑھت سنگھ مارا گیا اور بھنگی مسل کوئی سرکردہ نہ رہنے کی وجہ سے امرتسر واپس آ گئی۔

دیسا سنگھ اب بھنگی مسل کا سرکردہ ہوا اور ایک شخص گوجر سنگھ نامی اس کا وزیر بنا مگر بھنگیوں

کی مقتدر مسل کے دن اب ختم ہونے کو تھے۔

سردار جھنڈا سنگھ نے دیوان سنگھ کو ملتان کا ناظم بنایا تھا۔ کئی سال تک تو دیوان سنگھ سنبھلا رہا اور 1777ء میں رئیس بہاول پور اور شجاع خاں کے بیٹے مظفر خاں کو پسپا کیا گو خود بھی اس نے بہت نقصان اٹھایا مگر 1779ء میں احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ نے ایک بڑی فوج کے ساتھ ملتان پر چڑھائی کی اور دیوان سنگھ کو ایک مہینے سے زیادہ اس سے لڑ کر مجبوراً شکست ماننی پڑی۔ سکر چکیہ مسل کا سرکردہ بھی جو اب بہت طاقتور ہوتا جا رہا تھا دیوان سنگھ کا دشمن تھا اور 1782ء میں وہ 8 سال تک بھنگی مسل کا سرکردہ رہنے کے بعد لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا گلاب سنگھ جانشین ہوا۔ یہ شخص ہمت کا پست اور عیاش تھا۔

1800ء میں رنجیت سنگھ کے خلاف جس نے سال گذشتہ کے جولائی مہینے میں لاہور لے لیا تھا اور جس کی کامیابیوں سے پنجاب کے تمام رؤسا کے دل میں کھٹکا ہونا شروع ہو گیا تھا ایک جتھا قائم ہوا۔ اس کے بڑے رکن سرداران جسا سنگھ رام گڑھیہ، صاحب سنگھ اور گلاب سنگھ بھنگی اور نظام الدین خاں والیے قصور تھے اور یہ قرار پایا تھا کہ رنجیت سنگھ کو ایک کمیٹی میں دوستانہ طور پر بلا کر قتل کر دیا جائے مگر یہ نوجوان رنجیت سنگھ اس قدر ہوشیار تھا کہ اتنی جمعیت کہ جو اس کی جان کی حفاظت کر سکے اپنے ہمراہ لئے بغیر نہ گیا اور لاہور واپس آ گیا۔ اگرچہ رنجیت سنگھ سلامت لے کر بچ آیا مگر گلاب سنگھ کا نصیب۔ ایک رات گلاب سنگھ نے اتنی شراب پی کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ گلاب سنگھ نے دس سال کی عمر کا ایک لڑکا گوردت سنگھ نامی چھوڑا۔ 1802ء میں بھنگیوں کے ساتھ تنازع پیدا کرنے کے ارادے سے رنجیت سنگھ نے مشہور و معروف زم زمہ توپ گوردت سنگھ اور اس بیٹا راضی نہ ہوئے۔ رنجیت سنگھ اہلوو الیہ کے ساتھ امرتسر پر چڑھائی کی۔ بھنگی قلعے پر حملہ کیا اور اسے 5 گھنٹے میں فتح کر لیا۔ مسمات سکھاں اور اس کے بیٹے نے سردار جودھ سنگھ رام گڑھیہ کے پاس جا کر پناہ لی اور رنجیت سنگھ نے تمام بھنگی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔

یہاں بھنگی مسل کے دو اور مقتدر سرداروں یعنی لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ کا ذکر بھی کر دینا چاہیے جو جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کی بعض لڑائیوں میں شامل ہوئے تھے مگر ان کے اپنے حالات بہت کچھ علیحدہ ہیں۔ لہنا سنگھ کا دادا کاہلوں جاٹ قوم کا ایک زمیندار تھا جو قحط سالی کے زمانے میں اپنا گاؤں سداوالہ ضلع امرتسر کو چھوڑ کر مستاپور نزد کرتار پور واقع دوآبہ جالندھر میں

جارہایہاں ایک شخص نے جو بڑھئی پیشہ ہونے کے ساتھ گاؤں کا محصل بھی تھا اس کو اپنا متبنّٰی بنا لیا اور یہیں اس کا بیٹا درگاہا پیدا ہو۔ درگاہا کا بیٹا لہنا سنگھ ایک اولالعزم لڑکا تھا اور ایک موقع پر اپنے باپ سے اس وجہ سے مار کھا کر کہ اس کے مویشی کھیت میں آوارہ ہو گئے تھے گھر سے بھاگ گیا اور کچھ عرصے تک آوارہ پھرنے کے بعد آخر کار موضع روڑاں والا میں پہنچا جو اٹاری سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جہاں گوربخش سنگھ بھنگی رہا کرتا تھا۔ نوجوان لہنا سنگھ کو اس نے پسند کیا اور اپنے دستے میں داخل کر لیا بعد ازاں خود لاولد ہونے کی وجہ سے اسے متبنّٰی بھی بنا لیا۔ گوربخش سنگھ 1763ء میں فوت ہوا جس کے بعد اس کے متبنّٰی بیٹے لہنا سنگھ اور نواسے گوجر سنگھ میں جو دونوں جائیداد کے دعویدار ہوئے جھگڑے شروع ہو گئے۔ آخر کار آپس میں قرارداد ہو گئی اور لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ نے جائیداد آپس میں تقسیم کر لی۔

پھر دونوں سرداروں نے لاہور لینے کی تجویز کی اس پر احمد شاہ کی طرف سے کابلی مل ناظم تھا۔ ناظم مذکور ڈرپوک اور ساتھ ہی ظالم بھی تھا۔

ایک اندھیری رات کو لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ نے دو سو آدمی ساتھ لے کر لاہور پر اچانک قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ شہر کے تمام دروازے تو بند تھے مگر ایک شخص دیال سنگھ نے ایک بدرورد کا پتہ بتایا جس کی راہ سے سمٹ سمٹا کر اندر پہنچ جانا ممکن تھا۔ گوجر سنگھ اس راستے میں آگے ہوا اور لہنا سنگھ اور دوسرے سکھ اس کے پیچھے۔ انہوں نے قلعہ کو یکا یک جا لیا۔ امیر سنگھ نائب ناظم کو جو اس وقت ناچ دیکھ رہا تھا پکڑ کے پابہ زنجیر کر دیا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنا تسلط جما لیا۔ دوسرے دن علی الصبح جے سنگھ کا بھتیجا صوبا سنگھ کنھیا آیا۔ یہ افغانوں کی گزشتہ یورش کے وقت سے اپنے گاؤں کاہنا میں چھپا ہوا تھا۔ گوجر سنگھ اور لہنا سنگھ کی سازش میں یہ بھی شریک تھا اور گو شہر لینے میں اس نے کوئی امداد نہ کی تھی تاہم اس فتح میں اس کو حصہ دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے بھنگی اور کنھیا سرداران آئے اور سب سے اخیر چڑھت سنگھ سکر چکیہ پہنچا جس کو خوش کرنا نہایت مشکل تھا اور جو اس وقت تک نہ ٹلا جب تک کہ بھنگیوں نے اسے زم زمہ توپ نہ دے دی جسے وہ گوجرانوالہ لے گیا۔ اس کے بعد تین سرداروں نے لاہور کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ لہنا سنگھ نے تو قلعہ مع مستی، خضری، کشمیری اور روشنی دروازوں کے لی۔ گوجر سنگھ نے شہر کی دیواروں کے باہر اپنے لیے نیا قلعہ بنایا جس کا نام قلعہ گوجر سنگھ رکھا اور 1765ء میں اور علاقہ فتح کرنے کے لیے شمال کی طرف روانہ ہوا۔

MashalBooks.com

لہنا سنگھ اور صوبا سنگھ لاہور میں سلوک سے رہے یہاں تک کہ احمد شاہ نے 1767ء میں پنجاب پر آخری دفعہ یورش کی یہ دونوں سرداران پانجوڑ کی طرف ہٹ گئے مگر درانی بادشاہ معمر ہو گیا تھا۔ اس نے سکھوں کے ساتھ آشتی کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ لہنا سنگھ کو اس نے کچھ میوے تحفے کے طور پر بھیجے مگر اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ اس (لہنا سنگھ) جیسے گنواروں کی خوراک گندم ہے نہ کہ میوہ جات جو کہ بادشاہوں کو ہی مرغوب ہیں۔ اس انکسار کے جواب سے احمد شاہ نے خوش ہو کر لہنا سنگھ کو لاہور کا قبضہ دے دیا اور کابل واپس چلا گیا جہاں 1773ء میں مر گیا۔ اس کے بعد بیس سال تک سرداران لاہور امن و امان سے سلطنت کرتے رہے یہاں تک کہ 1797ء میں شاہ زمان نے جو کابل کے تخت پر بیٹھا تھا پنجاب پر یورش کی۔

1798ء میں شاہ زمان پھر آیا مگر لاہور میں صرف چند مہینے ٹھہرا کیونکہ ایران سے ایسی خبریں آئی تھیں کہ اس کا واپس جانا ضروری تھا سردار رنجیت سنگھ سکر چکیہ نے ان خدمات کے عوض جو اس نے کیں اور جن میں سے بڑی خدمات یہ تھیں کہ سردار نے شاہ کی 8 توپیں جو دریائے راوی (چناب یا جہلم میں ڈوبی تھیں: مرتب) میں ڈوب گئی تھیں بھیج دیں لاہور حاصل کیا مگر یہ عطیہ برائے نام تھا کیونکہ رنجیت سنگھ کو شہر کا قبضہ خود حاصل کرنا پڑا۔ یہ کچھ مشکل بات بھی نہ تھی۔ لاہور کے مشترک حکمرانوں میں سے قابل آدمی صرف گوجر سنگھ کا بیٹا صاحب سنگھ تھا وہ تو اس وقت گجرات میں تھا۔ رہا چیت سنگھ سو وہ ایک بزدل آدمی تھا اور موہر سنگھ کا نہ چال چلن اچھا تھا اور نہ وہ صاحب اثر تھا۔ رعایا کو ان کی حکومت سے نفرت تھی اور ان کے اپنے متوسل بھائی گوربخش سنگھ حاکم رائے اور میاں عاشق محمد رنجیت سنگھ کے طرفدار تھے اور انہوں نے اس کو یہ لکھ کر بھیج رکھا تھا کہ تم آسانی سے شہر لے سکتے ہو۔ رنجیت سنگھ ایک بڑی فوج کے ساتھ انارکلی میں داخل ہوا اور چیت سنگھ کو جس نے اس کے مقابلے کے واسطے کوچ کرنے کا خیال کیا تھا اس کے مختار محکم الدین کوٹ نو کے چودھری نے کو لوہاری دروازے کا منتظم تھا سمجھایا کہ ایسا نہ کرو اور دروازہ مذکور دشمن کے لیے کھول دیا۔ اس طرح رنجیت سنگھ نے بغیر کسی تکلیف کے شہر پر قبضہ کر لیا اور چیت سنگھ اور موہر سنگھ بھاگ گئے۔

کچھ عرصہ بعد رنجیت سنگھ نے چیت سنگھ کو ونیکے میں 60000 روپے کی ایک جاگیر دے دی۔

سردار گوجر سنگھ کی مہم میں جو وہ لاہور کے شمالی ملک فتح کرنے کے لیے لے گیا تھا کافی کامیابی ہوئی اور وہ بہت جلدی لہنا سنگھ یا صوبا سنگھ سے زیادہ طاقتور رئیس ہو گیا۔ پہلے پہل

اس نے گجرات پر جو اس وقت ایک گکھڑ رئیس سلطان مبارک نامی کے قبضے میں تھا حملہ کیا اور رئیس مذکور کو ایک لڑائی میں جو شہر کی دیواروں کے اندر ہی ہوئی شکست دے کر شہر اور گردونواح کے ملک دونوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے گجرات کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور دوسرے سال یعنی 1766ء میں جموں کی طرف کوچ کر کے اسے تہ و بالا کیا اور جھنڈا سنگھ بھنگی کی شرکت میں اسے اپنا باجگذار بنا لیا بعد ازاں پونچھ اسلام گڑھ اور دیوا بٹالہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ فتح کر لیا 1767ء میں احمد شاہ نے ہندوستان پر اپنا آخری حملہ کیا اور تمام نئے سکھ رئیسوں کو اپنے آگے آگے بھگاتا ہوا چلا آیا کیونکہ سکھوں کو ان دنوں میں افغانوں کی فوج کا ایسا خوف تھا کہ میدان جنگ میں ان کا مقابلہ کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں گزرتا تھا چنانچہ احمد شاہ کے جانے کے بعد پنجاب میں یہ مثل مشہور تھی کہ کھادا پیتا لاہے دا رہندا احمد شاہے دا یعنی جو کچھ کہ کھا پی چکے وہ تو ہمارا باقی احمد شاہ کا۔

جب درانی پنجاب سے واپس ہوا تو گوجر سنگھ نے شہر لاہور میں اپنا حصہ پھر حاصل کر لیا۔ اس کے بعد وہ امرتسر گیا اور اس مقدس شہر کے بچاؤ کے لیے قلعہ گوجر سنگھ کی اس جگہ بنیاد رکھی جہاں اب گوبند گڑھ کا نیا قلعہ موجود ہے۔ چڑھت سنگھ سکر چکیہ نے بھی دربار صاحب کے شمال کی جانب ایک قلعہ بنایا پھر مشرق میں جسا سنگھ رام گڑھیہ کا اور جنوب میں بھنگیوں کا قلعہ بنایا گیا۔ بعد ازاں اپنی تمام فوج کے ساتھ گجرات کی طرف روانہ ہوا اور اپنا تمام پرانا فتح کیا ہوا ملک واپس لیا۔ اس کے بعد اس نے سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ کے ساتھ مل کر رہتاس کے مشہور قلعے کا جو گکھڑوں کے قبضے میں تھا محاصرہ کیا چند ماہ محاصرے کے بعد یہ قلعہ اور راولپنڈی تک تمام گردونواح کا علاقہ مع وہاں کی شاندار جنگجو قوموں یعنی جنجوعا، گکھڑ ان دونوں سرداروں کے تابع فرمان ہو گئے بعد ازاں اس نے اپنے دوسرے لڑکے صاحب سنگھ کی شادی پہلے سردار چڑھت سنگھ کی لڑکی سے اور تھوڑا عرصہ بعد ہمیر سنگھ والیے جیندھ کی لڑکی سے کی۔

گوجر سنگھ نے اپنے علاقہ جات اپنے دو بڑے لڑکوں سکھا سنگھ اور صاحب سنگھ میں تقسیم کر دیئے۔ ان دونوں بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ سکھا سنگھ لڑائی میں مارا گیا۔ گوجر سنگھ یہ سن کر سخت طیش میں آیا اور اس نے صاحب سنگھ کی تمام املاک چھین لیں۔ پھر اسے معاف کر دیا اور اس کے پرانے مقبوضات دے دیئے۔ سکھا سنگھ کا علاقہ اس نے اپنے چھوٹے

MashalBooks.com

لڑکے فتح سنگھ کو دیا مگر نا اتفاقی کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا۔ سردار مہان سنگھ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ گوجر سنگھ اپنے بیٹے کی اس نافرمانبرداری پر نہایت ناراض ہوا اور لعنت ملامت کر کے بد دعا کی کہ جیسا اس نے اپنے باپ کی بے عزتی اور بے حرمتی کی ہے ویسا ہی اس کا لڑکا اس کی بے عزتی اور بے حرمتی کرے اور اپنے تمام مقبوضات اپنے چھوٹے بیٹے فتح سنگھ کو دے کر لاہور چلا آیا جہاں 1788ء میں قضا کر گیا۔ اس کی سمادھ سمن برج کے پاس واقع ہے۔

صاحب سنگھ نے اپنے باپ کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا اور فتح سنگھ نے جو مہاں سنگھ کے پاس رہنے کے لیے گوجرانوالہ چلا گیا تھا کچھ بھی مزاحمت نہ کی۔ کچھ عرصے تک تو سالے بہنوئی یعنی صاحب سنگھ اور مہان سنگھ میں صلح رہی مگر 1789ء میں ان کا علانیہ جھگڑا ہو گیا۔ 1797ء میں شاہ زمان نے پنجاب پر یورش کی اور صاحب سنگھ پہاڑی علاقے کی طرف ہٹ گیا۔ شاہ مذکور لاہور میں صرف چند دن رہ کر افغانستان واپس چلا گیا۔ صاحب سنگھ نے نہال سنگھ اور وزیر سنگھ اٹاری والا' جودھ سنگھ وزیر آبادیہ اور کرم سنگھ دھلوں کو ساتھ لے کر سہانچی سے لڑائی کی اور اس کو شکست دی۔ یہ واقعہ 1798ء میں ہوا اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ سکھوں نے افغانوں کو میدان جنگ میں پوری شکست دی۔ سہانچی کے اس شکست کھانے کے چند مہینے بعد شاہ زمان نے پھر پنجاب پر یورش کی مگر اس نے تھوڑے عرصہ قیام کیا اور رنجیت سنگھ کو لاہور عطا کر کے واپس چلا گیا الا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے رنجیت سنگھ کو شہر مذکور اپنے زور بازو سے پھر لینا پڑا۔ فتح سنگھ بھنگی اب رنجیت سنگھ کے ساتھ شامل ہو گیا۔

1810ء میں رنجیت سنگھ نے صاحب سنگھ کے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس مطلب کے لیے حکم سنگھ اٹاری والے اور سیوا سنگھ کو بھیجا۔ صاحب سنگھ مقابلہ کرنا بالکل بے سود سمجھ کر 50 سوار لے کر گجرات سے بھاگ گیا اور قلعہ دیوا بٹالہ میں پناہ لی۔ 1810ء میں جب کہ مہاراجہ ملتان کے محاصرے میں مشغول تھا تو صاحب سنگھ کی ماں مائی چھمی وہاں گئی اور اپنے بیٹے کی طرف سے منت سماجت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک لاکھ کی مالیت کا علاقہ بجوات اس کے نام بحال ہو گیا۔ یہ جاگیر صاحب سنگھ نے اپنی وفات یعنی دوسرے سال تک لیتا رہا۔ اس پر رنجیت سنگھ نے اس کی دو بیوگان دیا کور اور رتن کور سے چادر ڈالنے کی رسم ادا کر کے شادی کر لی۔ دیا کور دیوان درک کی بیٹی تھی۔ یہ پشاورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ کی مشہور و معروف ماں تھی اور رتن کور ملتانا سنگھ کی۔

فتح سنگھ کا اکلوتا بیٹا جیمل سنگھ کچھ عرصے تک سردار شام سنگھ کی فوج میں رہا اور سرحد اور پشاور پر خدمات کیں مگر اس کے آقا سے اس کا جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے جیمل سنگھ پر اتنی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ ان کے بیان کی اس جگہ گنجائش نہیں۔ جیمل سنگھ 1871ء میں ایک لڑکا جوالا سنگھ چھوڑ کر فوت ہوا جو رن گڑھ ہی میں رہا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بدر سنگھ موضع مذکور کا نمبردار تھا اور اب اس کی جگہ اس کا بھتیجا جیمل سنگھ جانشین ہوا جو نمبردار اور کرسی نشین ہے۔

جوالا سنگھ کے ایک اور بیٹے ہیرا سنگھ کی جگہ اس کا بیٹا موتا سنگھ جانشین ہوا جو ڈویژنل درباری ہے اس نے جنگ عظیم کے دور میں بہت سے رنگروٹ بھرتی کرائے جس کے صلہ میں اسے ایک سنہری سند اور ایک پستول عطا ہوئے۔ جنگ عظیم کی مختلف مدات میں اس نے چندے بھی دیئے اور اپنی جائیداد کو بہت کچھ ترقی دی جس کی وجہ سے اس کو بہت کچھ مقامی رسوخ حاصل ہے۔

چین سنگھ رئیس ہیرا پور

سردار چین سنگھ کا چچا راجہ ہیرا سنگھ گوندر سود کھتری سکھ ساکن موضع ہیرا پور تھا۔ یہ موضع اس نے خود چھبل تحصیل ترنتارن کے نزدیک آباد کیا تھا۔ اس کا باپ سردار جے سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فرانسیسی رجمنٹ میں جمعدار بھرتی ہوا۔

جب 1848ء میں پشاور کے مقام پر لارنس صاب بہادر پر باغی سکھ فوج نے حملہ کیا تو جے سنگھ نے دلیری کا ایک نمایاں کام کیا۔ یعنی دہلی کے محاصرے سے لکھنؤ کے فتح ہونے تک اس نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ لڑائی کے اختتام پر سردار جے سنگھ اودھ کی سوار پولیس کی چوتھی رجمنٹ کا کمیدان بنا دیا گیا۔ اس کو علاوہ آرڈر آف میرٹ اور آرڈر آف برٹش انڈیا اور معمولی فوجی پنشن کے علاقہ جمدان ضلع لہرائچ کے 26 مواضعات عطا کیے گئے۔ اس کی وفات 1867ء میں واقع ہوئی۔

اس کا بیٹا ہیرا سنگھ ملکہ معظمہ کی وفاداری میں انے باپ سے کم نہ نکلا۔ اور جب غدر ختم ہوا تو اسے رسالداری کا عہدہ ملا۔ اس نے بہت سی مشہور لڑائیوں میں حصہ لیا اور دہلی اور لکھنؤ کی فتح کے موقع پر موجود تھا جس کی وجہ سے آرڈر آف میرٹ حاصل کیا۔ پھر یہ چین میں خدمات کرنے کے لیے تیار ہوا ا اور فین کے رسالے میں رسالدار ہو کر اچھی خدمات انجام

دیں۔ اپنے باپ کی وفات پر وہ ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ اس نے ہیرا پور تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر کی جائیداد بھی خریدی۔ وہ پنجاب اور اودھ دونوں جگہ غریبوں کا فیاض دوست اور تمام قابل اعانت خیراتی کاموں میں فراخ دلی سے چندہ دینے والا مشہور ہوا۔ اس نے بہت سی رقم خاص اس لیے علیحدہ کی کہ اس کے پیسے سے اس کی جاگیروں میں بخار کے مریضوں کے لیے کونین خریدی جایا کرے اس نے اپنے آبائی گاؤں چھبل کے باشندوں کے لیے **20000** روپے خرچ کر کے ایک خوبصورت تالاب بنوایا۔

سر آ کلینڈ کولون کی سفارش سے مارکوئیس آف ڈفرن گورنر جنرل نے دسمبر **1888**ء میں سردار ہیرا سنگھ کو خطاب راجگی عطا کیا۔ ہیرا سنگھ کا انتقال **1893** میں ہوا اور اس کی لڑکی کا پوتا کرم سنگھ جسے لاولد ہونے کی وجہ سے اس نے متبنّیٰ کر لیا تھا وارث ہوا۔ کرم سنگھ اودھ کا تعلق دار ہے اور زیادہ تر اپنی جاگیر واقع بہڑائچ صوبہ اودھ میں رہتا ہے۔

راجہ ہیرا سنگھ کی بہن کا ایک لڑکا سردار چین سنگھ ضلع امرتسر میں اس خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ اودھ کا ڈویژنل درباری ہے مگر ہیرا پور میں رہتا ہے۔ نہر چناب پر اسے **10** مربعے زمین عطا ہوئی ہے۔

راجہ ہیرا سنگھ کا دوسرا چچیرا بھائی سردار گنڈا سنگھ بنگال کے انیسویں رسالے میں کئی سال رسالدار رہا۔ گنڈا سنگھ کا بڑا بیٹا امین چند ریاست جموں میں افسر ضلع تھا اور اس کے دو اور بیٹے کپورتھلہ میں ملازم تھے۔

جمعیت رائے کا پڑپوتا شیورام گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ہے۔

سردار بلونت سنگھ اٹاری والہ

اٹاری والہ خاندان سندھانوالیہ کی طرح اصل میں راجپوت ہے اور جیسلمیر کے نواح سے نقل مکانی کر کے پنجاب میں آیا۔ اگرچہ یہ دونوں خاندان بھٹی راجپوتوں کی ہی قوم سے ہیں مگر فی زمانہ ایک ہی درجے کے نہیں ہیں۔ ان کی راجپوتی خصوصیات مٹے مدت ہوئی اور اب تو دونوں جاٹ ہیں۔ سندھانوالیے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے نزدیکی رشتہ داری اور اپنی بہت سی املاک کے باعث نہایت زبردست تھے اور دربار میں اٹاری والوں کی نسبت زیادہ رسوخ رکھتے تھے مگر ان کی قومیت سانسی جاٹ ہے جو اٹاری والوں سے بدرجہا کمتر ہے۔ اٹاری

MashalBooks.com

والے سدھو جاٹوں کے سردار جن کی نسل ماجھے بھر میں سب سے اعلیٰ ہے۔اس خاندان کو اپنے حسب ونسب پر اس بلا کا غرور تھا کہ سردار شام سنگھ اٹاری والے نے بدرجۂ غایت تامل و توقف کرنے کے بعد اپنی بیٹی نانکی کی منگنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ کے ساتھ کی تھی اور اس رشتہ داری کو سردار موصوف اپنی ہتک سمجھتا تھا۔

جگ کا بیٹا دھیرا خاندان میں سے پہلا شخص تھا جو 1580ء کے قریب جیسلمیر چھوڑ کر معراج پھول واقع ریاست پٹیالہ میں آیا۔ ہیرا علم موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور ہندوستان کے ماہران فن میں اس کا نام اب تک بہت مشہور ہے۔1735ء کے قریب اس خاندان کے آدمی منتشر ہو گئے۔ گورسنگھ اور کورسنگھ دو بھائی 25 سوار ہمراہ لے کر قسمت آزمائی کے لیے ماجھے میں آئے۔تھوڑے عرصے بعد یہ دونوں بھائی امرتسر آئے۔ پوہل لے کر سنگھ بنے گوربخش سنگھ روڑاں والا کی جو اس وقت بھنگی مسل کا سردار تھا ملازمت میں داخل ہو گئے۔اس خاندان کی دونوں شاخوں میں جلدی تنازع پیدا ہو گیا اور ان کے بعد ازاں کے واقعات ایسے الگ الگ ہو گئے کہ ان کا بیان جداگانہ کرنا انسب ہے۔

گورسنگھ باوا مول داس کا جو ایک بڑا متقی فقیر تھا چیلا بن گیا اور اس نے اسے ہدایت کی کہ ٹبلیہ یا کریوا میں جا کر آباد ہو۔ چنانچہ گورسنگھ نے وہاں ایک اٹاری یعنی خس پوش مکان بنایا جس کے نام پر خاندان کا اور اس گاؤں کا جو اس اٹاری کے گرد بنا نام مشہور ہوا۔ گوربخش سنگھ بھنگی کی وفات کے بعد گورسنگھ سردار گوجر سنگھ اور لہنا سنگھ کے ماتحت ملازمت کرتا رہا۔1737ء میں اس نے اٹاری کے گرد 7000 روپے کی مالیت کے مواضعات پر قبضہ کر لیا اور دو سال بعد سردار گوجر سنگھ سے 18600 روپے مالیت کی ایک جاگیر حاصل کی۔ گوربخش سنگھ 1763ء میں فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا نہال سنگھ جاگیر مذکور پر سردار گوجر سنگھ کے بیٹے سردار صاحب سنگھ بھنگی کے ماتحت قابض رہا۔

صاحب سنگھ گجرات کا رئیس تھا اور یہاں نہال سنگھ اپنی سپاہ اور اپنے کئی چچازاد بھائیوں یعنی کورسنگھ کے بیٹوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوا۔

اس ترقی سے نہال سنگھ کے چچیرے بھائیوں ٹیک سنگھ جودھ سنگھ اور وزیر سنگھ کے دلوں میں بہت حسد پیدا ہوا یہ تمام بھنگی رئیس کی ملازمت میں تھے اور ان ہی کے کہنے سننے پر صاحب سنگھ نے جو کمزور اور متلون مزاج آدمی تھا نہال سنگھ کی 1500 روپے کی جاگیر ضبط کر

MashalBooks.com

لی۔نہال سنگھ کواس سے نفرت ہوگئی اور وہ بھنگیوں کی ملازمت چھوڑ کر اٹاری میں آ گیا جہاں اس نے مویشی کی چوری اور ڈاکہ کو اپنے گزارے کی صورت بنالیا۔ایک دن اس نے رنجیت سنگھ کے کچھ اونٹ چھین لیے اور ان کے واپس طلب کرنے کے واسطے رنجیت سنگھ کے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے ان میں سے کئی اونٹ بیچ بھی ڈالے۔ جو اونٹ باقی رہ گئے ان کے واپس دینے کے لیے کچھ عرصہ کے بعد نہال سنگھ راضی ہو گیا اور رنجیت سنگھ اس رعایت سے ایسا خوش ہوا کہ اس نے سردار سے پھر اپنی ملازمت میں داخل ہونے کے لیے کہا جس پر کچھ تامل کے بعد نہال سنگھ راضی ہو گیا۔

1803ء میں اس کو 54500 روپے جمع کی جاگیر واقع سکھو عطا کی گئی اور تین سال بعد قصور کا علاقہ ملا۔جس کی جمع 100000 روپے تھی 1807ء میں نہال سنگھ قصور کی لڑائی پر مہاراجہ کے ہمراہ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قطب الدین خاں قصور میں پر شکست کھا کر علاقے سے بیدخل کیا گیا اور نہال سنگھ کو قصور کا سارا علاقہ جس کی جمع 170000 روپے تھی عطا کیا گیا۔

وہ علاقہ جس پر نہال سنگھ نے ستلج کے جنوب میں قبضہ کیا 18000 روپے کی سالانہ جمع کا تھا۔ پھر جلدی ہی اٹاری کے گردونواح میں اس کو 3000 روپے کی جمع کے مواضعات بھی مل گئے۔

سندھانوالیوں کے سوا کوئی سردار بھی نہال سنگھ سے زیادہ مہاراجہ کا مورد الطاف نہیں تھا اس کی خدمات بے شمار اور بہت وقیع تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ 1801ء سے 1807ء تک کوئی لڑائی بھی ایسی نہیں ہوئی جس میں اس نے نمایاں کام نہ کیے ہوں۔

1817ء میں رنجیت سنگھ دیکھے میں بیمار ہو گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ نہال سنگھ نے مہاراجہ کے عوض اپنی جان دے دی یعنی کچھ رسومات سے یہ مہاراجہ کے پلنگ کے گرد پھرا اور اس طواف کی وجہ سے مہاراجہ کی بیماری نہال سنگھ پر آ گئی۔

نہال سنگھ اٹاری چلا گیا اور چند مہینے بیمار رہنے کے بعد مر گیا اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے نہال سنگھ نے اپنے بیٹے شام سنگھ کو مہاراجہ کی ملازمت میں داخل کیا تھا اور وہ ملتان پر 1818ء میں لڑا۔آخر کار ملتان سر ہو گیا جو شگاف دیواروں میں ہوا اس پر سردار شام سنگھ چند آدمیوں کے ساتھ سب سے پہلے پہنچا اور یہاں شانے پر تلوار کا زخم بھی کھایا۔

اس کے بعد اس نے بہت سی لڑائیوں میں خدمات کیں اور اپنے باپ کی طرح بہادری

میں نام پایا۔ 1819ء کی کشمیر کی لڑائی میں جس میں مہاراجہ کی فتح ہوئی یہ بھی شامل تھا اور گند گڑھ، ٹیری، ناری دوتھیر، جہانگیرہ اور یوسف زئی کی لڑائیوں میں لڑتا رہا۔

اس کی لڑکی نانکی کی شادی جو 1831ء میں شہزادہ نونہال سے منسوب کی گئی تھی 7 مارچ 1837ء کو امرتسر میں قرار پائی۔ سر ہنری فین کمانڈر ان چیف بھی اس شادی میں شریک تھے جو بڑی شان شوکت سے منعقد ہوئی۔ عروس کے جہیز میں ایک ہاتھی 100 گھوڑے 100 اونٹ زر کثیر نقد اور بہت سا زیور دیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس شادی میں سردار اٹاری کا 1500000 روپے خرچ ہوا۔ دو مہینے بعد سردار ہری سنگھ نلوہ کی شکست اور موت کی خبر پہنچی اور شام سنگھ کو اپنی فوج لے کر پشاور جانا پڑا جہاں وہ دو سال یعنی رنجیت سنگھ کی وفات تک رہا۔ مہاراجہ کی وفات کے بعد اگرچہ شام سنگھ فوج میں بہت سے فوجی کام کرتا رہا مگر ملکی امور میں اس نے بالکل دخل نہیں دیا۔ کھڑک سنگھ اور شیر سنگھ کے دوران حکومت میں شام سنگھ اپنی کل جاگیر پر برابر قابض رہا۔ جواہر سنگھ کے قتل ہو جانے کے بعد یہ اپنے بیٹے کاہن سنگھ کی شادی کرنے کے بہانے ستلج عبور کر کے چلا گیا۔ مگر جب فوج خالصہ نے آنروے ستلج کے علاقے پر یورش کی تو شام سنگھ پنجاب سے باہر رہنا خلاف وضعداری سمجھ کر اٹاری میں واپس آ گیا جہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کو یہ بات دیکھ کر کہ فوج خالصہ ایک ایسی لڑائی پر آمادہ ہے جس کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا اور لڑائی سے علیحدہ رہنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا مگر 25 دسمبر کو لال سنگھ کی فیروشاہ پر شکست کھانے کی خبر لاہور میں پہنچنے کے فوراً بعد مہارانی نے یہ سن کر کہ شام سنگھ اٹاری میں ہے دس سوار بھیجے جن کو حکم تھا کہ جب تک شام سنگھ فوج میں شامل نہ ہو جائے اسی پر تعینات رہیں۔ شام سنگھ نے مہارانی سے بار بار کہلا کے بھجوایا کہ وہ اس لڑائی سے باز آ جائے اور یہ کہ اس کی پالیسی ملک کو تباہ کر دے گی مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور آخرکار جب شام سنگھ کو یہ کہا گیا کہ وہ بزدل ہے اور مرنے سے ڈرتا ہے تو اس نے کیمپ میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا مگر قسم کھا لی کہ شکست ہونے پر جو اس کے خیال میں یقینی تھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سبراؤں کی لڑائی سے پہلی شب کو جب کہ فوج انگریزی نے پہلا ہی حملہ کیا تو تیج سنگھ نے شام سنگھ کو اس کے ساتھ بھاگ نکلنے کی صلاح دی مگر شام سنگھ نے ایسا کرنے سے بکمال حقارت انکار کر دیا جس پر تیج سنگھ نے غصہ سے کہا کہ:

اگر تم ایسے ہی بہادر ہو تو بہتر ہے کہ نہ بھاگنے کی قسم کھا لو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم آخر

کار میرے ساتھ ہی چلو گے۔ سردار شام سنگھ نے گرنتھ صاحب منگوایا اور سچے دل سے قسم کھائی کہ اگر سکھوں کو شکست ہوگی تو وہ کبھی مورچوں پر سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ لڑائی کے دن یعنی 10 فروری کی صبح کے وقت اس نے سفید پوشاک پہنی اور اپنی نقرہ گھوڑی پر سوار ہو کر اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم جو خالصہ کے سچے پوت ہو دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا اور وہیں مر جانا۔ لڑائی کے شروع میں سردار ہر ایک جگہ موجود تھا اور سکھوں کو بہادری سے لڑنے کی دلیری دیتا تھا۔ شام سنگھ سات گولیوں سے چھدا ہوا اپنی گھوڑی پر سے مر کر گرا۔ لڑائی کے بعد اس کے نوکر تیر کر دریا کے پار گئے اور سردار کی لاش ڈھونڈنے کی اجازت طلب کی۔ یہ اجازت عطا کر دی گئی اور بڈھے سردار کی لاش جو سفید پوشاک اور سفید لمبی ڈاڑھی سے نمایاں تھی اس جگہ پڑی ہوئی پائی گئی جہاں لاشوں کے ڈھیر تھے۔ اس کے نوکروں نے لاش کو تختے پر رکھ لیا اور دریا عبور کر آئے لیکن تین دن سے پہلے لاش مذکور اٹاری نہیں پہنچ سکی اور اس کی بیوہ جو جانتی تھی کہ سردار کا ارادہ شکست کے بعد زندہ رہنے کا نہ تھا ان کپڑوں کو لے کر جو سردار نے اپنی شادی کے دن پہنے تھے لاش پہنچنے سے پہلے ہی ستی ہو گئی۔ پنجاب میں یہ آخری ستی تھی اور ایک ستون اس موقع پر جہاں یہ ستی ہوئی ظاہر کرتا ہے اور ابھی تک اٹاری کی دیواروں کے باہر موجود ہے۔

جو بہادری' سادگی اور سربلندی میں شام سنگھ کے پایے کا آدمی دربار کے متغنی سرداروں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ اگر شام سنگھ کے ہم، پایہ اور بھی سردار ہوتے تو ستلج کی لڑائی کبھی نہ ہوتی اور قوم سکھ کی آزادی جس کو اس نے دیوانگی سے کھو دیا برابر قائم رہتی۔ سردار شام سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا ٹھاکر سنگھ اپنے باپ سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے جن کے واسطے جاگیر شکوراں جس کی جمع 7500 روپے تھی مقرر ہوئی تھی اور قرار یہ پایا تھا کہ یہ جاگیران کی اولاد کے پاس برابر حصوں میں علی الدوام رہے گی۔ یہ تین سرداران جیون سنگھ' ہری سنگھ اور اجیت سنگھ اٹاری میں رہا کرتے تھے۔ 1848ء میں ملتان کے مقام پر شام سنگھ کے دوسرے بیٹے کاہن سنگھ کی کنٹنجنٹ فوج راجہ شیر سنگھ کی فوج میں شامل تھی۔ شیر سنگھ کے باغی ہو جانے کے بعد 25 سوار تو راجہ کے پاس رہے اور باقی ماندہ شمشیر سنگھ سندھانوالیہ کے ساتھ چلے آئے۔ کاہن سنگھ کے دیوان نرائن سنگھ نے بھی گنڈا سنگھ والا اور قصور دونوں مقامات پر فوج انگریزی کے واسطے رسد رسانی یا بار برداری بہم پہنچانے میں بہت کوشش کی۔

MashalBooks.com

اس کی وفاداری کے سبب سے کاہن سنگھ کی ذاتی جاگیر الحاق کے موقع پر واگذار رہی۔

اپنی وفات سے جو 1873ء میں واقع ہوئی پہلے چند سال پہلے تک برابر بیمار رہا کاہن سنگھ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اور اپنے بھتیجوں کے ساتھ اٹاری میں رہا کرتا تھا۔ ان بھتیجوں میں سے ایک یعنی سردار اجیت سنگھ کے نام کاہن سنگھ کی 35500 روپے کی جاگیروں میں سے 7500 روپے وظیفہ کے طور پر منظور ہو گیا تھا اور باقی ماندہ جاگیر ضبط ہو گئی اس طرح پر سردار اجیت سنگھ خاندان کا بزرگ تسلیم کیا گیا۔ یہ پنجاب کے جدید سکھوں میں اچھا اردو پڑھا ہوا اور انگریزی میں بھی کچھ علیت رکھنے کی وجہ سے نہایت قابل آدمی تھا۔ 1865ء میں اسے اٹاری کا سب رجسٹرار مقرر کیا گیا اور دوسرے سال مجسٹریٹی اختیارات دیئے گئے۔ پھر تین سال تک امرتسر میں کام کرتا رہا جس میں اچھا تجربہ حاصل کر کے اٹاری کے علاقے کا تنہا منتظم ہونے کے قابل ہو گیا اور علاقہ مذکور اس کے سپرد کر دیا گیا۔ 1872ء میں اس نے اسسٹنٹ کمشنری کے محکمۂ (ڈیپارٹمنٹل) امتحان تعریف کے ساتھ پاس کیا اور اس کو اٹاری کے گرد کے دوسو مواضعات پر پورے اختیارات عمل میں لانے کی اجازت دی گئی۔ تین سال بعد محکمہ مال کی طرف سے کلکٹر کے اختیارات دیئے گئے اور گزٹ میں شائع کیا گیا 1870ء میں اس نے اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ حاصل کیا اور 1885ء میں اس کی طویل اور قیمتی خدمات کے صلے میں اور صوبہ کے ممتاز افراد میں ہونے کی وجہ سے اسے آئی سی ای کا خطاب دیا گیا۔

لوکل سلف گورنمنٹ کی تجویز کے مطابق جو 1885ء میں سردار اجیت سنگھ امرتسر ڈسٹرکٹ بورڈ کا پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا اور اسی عہدے پر وہ اپنی باقی زندگی بھر مامور رہا۔ زراعتی ترقیوں میں اس کو بہت دلچسپی تھی۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو اور ایچی سن کالج کی کونسل کا ممبر تھا۔ وہ 5 لڑکے 4 لڑکیاں اور 6 بیوگان چھوڑ کر 49 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اب اس کا سب سے بڑا لڑکا سردار بلونت سنگھ خاندان اٹاری کا بزرگ ہے۔

اس کی پہلی بیوی سردار بشن سنگھ صاحب بہادر والی ریاست کلسیہ کی بیٹی اور ہز لیٹ ہائی نس راجہ صاحب بہادر والی ریاست جنید کی نواسی تھی جس کے بطن سے ایک بیٹا راجونت سنگھ تھا جس نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی اور 1923ء میں فوت ہو گیا۔ سردار اجیت سنگھ کا دوسرا بیٹا کلونت سنگھ 1906ء میں فوت ہوا۔ تیسرے بیٹے ہربنس سنگھ نے ایچی سن کالج میں تعلیم پائی اور اس کا بیٹا اب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں تعلیم پا رہا ہے۔ یہ دولڑکے

جگبیر سنگھ اور بلبیر سنگھ چھوڑ کر 1930ء میں فوت ہوا۔ جگبیر سنگھ نے اپچی سن کالج میں تعلیم پائی۔ سردار کرپال کو 1922ء میں آنریری لفٹیننٹ بنایا گیا۔ بلبیر سنگھ خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ سردار اجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے لڑکے بسنت سنگھ نے اپچی سن کالج میں تعلیم پائی اور سردار سر جگندر سنگھ کی اکلوتی بہن سے اس کی شادی ہوئی۔ یہ امپیریل کیڈٹ کور میں تھا اور ڈائریکٹ کمیشن حاصل کر کے رسالہ 29 دکھن ہارس میں رسالدار رہا۔

سردار اجیت سنگھ کا بھائی جیون سنگھ درباری اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر تھا۔

سردار اجیت سنگھ کا دوسرا بھائی ہری سنگھ پراونشل درباری تھا اور اس کا انتقال 1875ء میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا جوند سنگھ 1901ء میں لاولد فوت ہوا۔ اس طرح ہری سنگھ کا دوسرا بیٹا چندا سنگھ ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر، ذیلدار اور سردار صاحب کا خطاب یافتہ تھا۔ چندا سنگھ کے سب سے بڑے لڑکے صورت سنگھ نے اپچی سن کالج میں تعلیم پائی تھی۔ چندا سنگھ کا دوسرا بیٹا رگبھیر سنگھ چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہرندر پال سنگھ جو ابھی نابالغ ہے چھوڑ کر فوت ہوا۔ چندا سنگھ کا تیسرا بیٹا اوتار سنگھ ایک بہت بڑی جائیداد کا مالک اور اپنی والدہ کی زیرسرپرستی ہے۔

اب خاندان کی چھوٹی شاخ کا حال بیان کرتے ہیں۔

کور سنگھ کے بیٹوں میں سے ٹیک سنگھ اور جودھ سنگھ سب سے زیادہ نامور تھے اور سردار صاحب سنگھ کی ملازمت میں بڑا اقتدار اور عزت رکھتے تھے۔ ان ہی کے رسوخ کی وجہ تھی کہ نہال سنگھ کو مجبوراً بھنگیوں کی ملازمت چھوڑنی پڑی اور اسی سبب سے عداوت شروع ہوئی جو آج کے دن تک اٹاری والوں میں برابر چلی جاتی ہے۔ وزیر سنگھ اور چڑھت سنگھ فرزندان کور سنگھ نامی آدمی نہ تھے۔ سردار ٹیک سنگھ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے صاحب سنگھ کی ملازمت ترک کر دی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں جو اس وقت کوٹ بارے خاں پر لڑ رہا تھا آ گئے اور بغیر مہاراجہ کے حضور میں آداب بجا لانے کے میاں غوث خاں کے توپ خانہ میں شامل ہو گئے اور جب تک محاصرہ رہا برابر کام کرتے رہے جس میں حاکم سنگھ کی پیشانی پر زخم بھی لگ گیا۔ قلعہ کے فتح ہو جانے کے بعد رنجیت سنگھ نے ان کی اس بہادرانہ کاروائی سے خوش ہو کر ان دونوں نوجوانوں کو اوان میانی اور باہو چینا میں جاگیریں عطا کیں۔

سردار وزیر سنگھ کا بیٹا جے سنگھ 1821ء میں مہاراجہ سے باغی ہو گیا اس بغاوت کا حال یوں ہے کہ اس نے اپنے چچیرے بھائی جگت سنگھ اور سردار بدھ سنگھ سندھانوالیہ کے ساتھ مل

MashalBooks.com

کر مہاراجہ کی جان لینے کی سازش کی مگر ناکام ہوگیا جے سنگھ دریائے سندھ کے پار ہو کر دوست محمد خاں کے پاس جو اس زمانے میں فروغ پاتا جاتا تھا پناہ گزین ہوگیا۔

1823ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اٹک پر تصرف کر لیا اور پشاور پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا تو دوست محمد خاں اور محمد عظیم خاں رئیسان بارک زئی اس کے مقابلہ کے ارادہ سے آئے اس وقت جے سنگھ ان کے ہمراہ تھا۔ ایک روز دونوں فوجوں میں لڑائی ہونے کے بعد تیس سکھوں کے سر جے سنگھ کے مکان پر رکھ دیئے گئے جس نے بہت سے افغانوں کے ساتھ عداوت پیدا کر لی تھی۔ جے سنگھ اس اشارہ کو سمجھ گیا اور ٹیری کی لڑائی کے بعد پشاور چھوڑ کر اکوڑا کے مقام پر رنجیت سنگھ سے آملا۔ جے سنگھ ان ایجنٹوں میں سے تھا جو محمد عظیم خاں کے ڈھاکے کی طرف ہٹ جانے کے بعد یار محمد خاں اور دوست محمد خاں سے مہاراجہ کی ملاقات کرانے پر مامور کیے گئے تھے۔ اسی ملاقات کے وقت مہاراجہ نے ان دونوں رئیسوں پر اپنے بھائی کے ساتھ دغا کرنے کے انعام میں صوبہ پشاور جس پر مہاراجہ خود تصرف نہ رکھ سکتا تھا جے کر دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد جلدی ہی جکے سنگھ مر گیا۔ اس کا چچیرا بھائی جے سنگھ پسر حاکم سنگھ 1834ء میں بمقام دلاسہ ضلع بنوں میں اس وقت مارا گیا تھا جب کہ دیوان تارا چند نے رئیس دلاسہ سے شکست فاش کھائی اور اس کے بھائی نے امر سنگھ نے 70 سوار خدمات میں دینے کی شرط پر ہٹنا اور ادان کی جاگیریں حاصل کیں۔ ملتان کی بغاوت کے موقع پر نار سنگھ کے قبضہ میں 26550 روپے کی جاگیر تھی۔ 17 ستمبر 1849ء کو راجہ شیر سنگھ کے باغیوں کے ساتھ مل جانے کے بعد نار سنگھ قلعہ لاہور میں مقید کر دیا گیا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا باغیوں کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق تھا یا نہیں؟ البتہ اس کے ستر سواروں میں سے آٹھ یا دس سواروں کے علاوہ باقی سب سوار دشمن کے ساتھ جا ملے جس کی وجہ سے اس کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔ لڑائی کے ختم ہو جانے کے بعد اسے 3000 روپے سالانہ کا وظیفہ عطا کر دیا گیا۔

سردار جودھ سنگھ نے اپنے آقا سردار صاحب سنگھ بھنگی کی طرف داری میں بڑی دلیری سے کوشش کی اور 1805ء میں مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ مہاراجہ اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور پوٹھوار کے علاقے میں اسے 200000 روپے کی مالیت کا ایک بڑا علاقہ جس میں پٹہ ہائے برسالی، بشنور، سعید پور وغیرہ شامل تھے دو سو سوار خدمتی دینے کی شرط

پر عطا کیا۔ جودھ سنگھ اس کے بعد فوراً فوت ہو گیا اور اس کے دو بیٹے پرتاب سنگھ اور چتر سنگھ اس کے وارث ہوئے۔ پرتاب سنگھ 1823ء کی ٹیری کی لڑائی میں لڑا جس میں اس کے ہاتھ پر زخم آ گیا۔ بالاکوٹ کی لڑائی میں جہاں خلیفہ سید احمد شکست کھا کر قتل ہوا پرتاب سنگھ سخت زخمی ہو گیا تھا اور اپنی جاگیروں پر واپس آ کر چند مہینے بعد اسی زخم کی وجہ سے فوت ہوا۔ اس کا بیٹا کرم سنگھ اس کے بعد فوراً اوائل عمر میں ہی فوت ہو گیا اور اس کی جاگیر کا حصہ اس کے چچیرے بھائی شیر سنگھ کو مل گیا۔ سردار چتر سنگھ بہت اچھا کاشتکار تھا۔ اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں امور سلطنت میں زیادہ دخل نہیں دیا مگر دربار میں اس خاندان کا بڑا رسوخ تھا۔ 1843ء میں چتر سنگھ کی بیٹی تیج کور نوجوان مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ منسوب ہوئی۔ مگر سردار چتر سنگھ دل و جان سے راجہ گلاب سنگھ والیے جموں کا طرفدار تھا اور جب دسمبر 1844ء میں پنڈت جلا کی اشتعال انگیزی کی بدولت گلاب سنگھ اور اس کے بھتیجے ہیرا سنگھ وزیر لاہور کے مابین نزاع ہوا تو چتر سنگھ نے ہتھیار اٹھا لیے اور اپنے علاقے میں راجہ کے نام سے تصرف رکھا۔ چھ مہینے بعد راجہ گلاب سنگھ نے جس کو شہزادہ پشاورا سنگھ کی قوت اور خصوصیت کا خوف تھا جواہر سنگھ کو جو لاہور میں زور پکڑ گیا تھا ترغیب دی کہ سردار چتر سنگھ اور فتح خاں ٹوانے کو شہزادہ کے مقابلے پر بھیجے مگر شہزادہ کے مقابلہ میں جانا چتر سنگھ کو بالکل پسند نہیں تھا۔ اس نے ٹوانہ رئیس کے ہمراہ اٹک پر جہاں پشاورا سنگھ تھوڑی فوج لے کر چلا گیا تھا چڑھائی کی۔ چند روز کی گفت و شنید کے بعد شہزادہ نے اطاعت قبول کر لی۔ مگر اسے اسی رات قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کو دریائے اٹک میں پھینک دیا جو اٹک کے قریب سے زیادہ تیزی کے ساتھ گزرتا ہے۔ فوج خالصہ شہزادے کے یوں ظلم اور دغا بازی سے قتل کیے جانے پر چتر سنگھ سے سخت برانگیختہ ہو گئی مگر چتر سنگھ نے یہ استادی کی کہ لاہور میں اس وقت تک نہ آیا جب تک کہ فوج نے جواہر سنگھ کو قتل کر کے اپنے غصے کو ٹھنڈا نہ کر لیا۔ چتر سنگھ کا بڑا بیٹا سردار شیر سنگھ 1844ء میں سردار تیج سنگھ کی جگہ جس کو لاہور بلا لیا تھا پشاور کا ناظم مقرر کیا گیا۔ راجہ لال سنگھ وزیر لاہور کو اس سے سخت عداوت تھی اور اگست 1846ء میں چتر سنگھ اپنے بیٹے شیر سنگھ کی جگہ پشاور میں مقرر کیا گیا۔ اس رشوت ستانی کے باپ بیٹے دونوں عادی تھے۔ یہ خاندان ایسا طاقتور تھا کہ ان کا ناراض کرنا بھی آسان نہ تھا اور مہاراجہ کے ساتھ رشتہ داری ایسی قریب تھی کہ ان کو خارج از امور سلطنت کرنا بھی ناممکن تھا۔ چنانچہ سنگھ کو جہلم اور سندھ کے درمیانی

MashalBooks.com

علاقے کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ شیر سنگھ کونسل میں داخل کر لیا گیا۔ اس کے بھائیوں گلاب سنگھ اور عطر سنگھ کو بھی ہزارہ اور لاہور میں خدمت مل گئی اس لیے اس کو وزارت کے نہ ملنے کا رنج فراموش ہو گیا۔

7 اگست 1847ء کو سردار چتر سنگھ نے ریذیڈنٹ کی سفارش پر اس وقت اعزازی خطاب حاصل کیا جس وقت کہ سردار تیج سنگھ کو راجہ کا خطاب ملا۔ اسی سال کے ماہ نومبر کی 26 تاریخ کو شیر سنگھ نے راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ اسی خطاب کی چتر سنگھ کے لیے سفارش کی گئی تھی مگر آخر وقت میں سردار مذکور نے درخواست کی یہ خطاب اس کی بجائے اس کے بیٹے شیر سنگھ کو دیا جائے اور یہ درخواست منظور ہو گئی۔

18 اپریل 1848ء کو ملتان میں فساد برپا ہوا۔ ریذیڈنٹ کو ملتان پر راجہ شیر سنگھ سردار شمشیر سنگھ اور عطر سنگھ کالیانوالے کے ماتحت ایک سکھ فوج بھیجنی پڑی۔

12 جون کو یہ فوج چیچہ وطنی میں پہنچ گئی اور آگے بڑھنے کو تیار تھی مگر اس وقت تک اس کا جلدی آگے بڑھانا مصلحت نہ سمجھا گیا جب تک کہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز اور فوج بہاولپور مولراج پر کوئی نمایاں کامیابی نہ حاصل کر لے۔ شیر سنگھ اور اس کے ہمراہی سرداروں کو دغا یا فریب کا کچھ خیال نہ تھا مگر ان کی فوجیں باغیوں سے ہمدردی کرتی تھیں اور ان کے ساتھ مل جانے میں نہایت خوش تھیں۔

اگر چہ سکھ فوج سرکشی پر آمادہ تھی مگر بڑے بڑے سرداروں کو اس پر اس قدر اقتدار حاصل تھا کہ گو بہت سے آدمی ان کو چھوڑ کر مولراج سے جا ملے تھے پھر بھی باقی ماندہ فوج کو یہ تھوڑا بہت آمادہ رکھ سکتے تھے اور 20 جولائی کو شیر سنگھ ہوشیاری سے اور حسب مراد اس فوج کے ساتھ آملا جو انگریز افسروں کے ماتحت تھی یہ صورت 18 اگست یعنی اس وقت تک رہی جب تک کہ جنرل وش گورہ فوج کو لے کر ملتان کے سامنے نہیں پہنچ گئے۔

سردار چتر سنگھ اس وقت ہزارہ کا ناظم تھا۔ 16 اگست کو یہاں تک نوبت پہنچی کہ کرنیل کنوراجو سکھوں کی ملازمت میں توپخانے کا امریکی کمیدان تھا قتل کر دیا گیا۔ اس کو چتر سنگھ نے ہری پور کے قلعہ سے توپیں باہر لانے اور شہر کے باہر کھلے میدانوں میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا تھا مگر کرنیل نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک جمعیت سکھ سپاہیوں کی اس کی پشت کی طرف چپکے چپکے گئی اور اس کو گولی سے مار دیا۔ جب اس قتل کی خبر لاہور پہنچی

MashalBooks.com

رزیڈنٹ نے سردار جھنڈا سنگھ بٹالیہ کو بھیجا مگر جھنڈا سنگھ کا جانا رائیگاں گیا۔ راجہ دینا ناتھ بھی جو اسی مطلب کے لیے ہزارہ بھیجا گیا تھا ناکامیاب واپس آیا۔ چتر سنگھ کی بغاوت کے وقت اس کی فوج میں دو ہزار آدمیوں سے زیادہ نہ تھے مگر یہ تعداد بہت جلد بڑھ گئی۔ اس نے امداد کے لیے اپنے بیٹے کو ملتان اور مہاراجہ گلاب سنگھ اور دوست محمد خاں کو لکھا اپنے علاقہ پوٹھوار میں فوج بھرتی کی اور حتیٰ المقدور اپنی بغاوت کو مضبوط و مستقل بنانے کی کوشش کی۔

19 اگست کو ہزارہ میں بغاوت ہو جانے کی خبر راجہ شیر سنگھ کے کیمپ میں جو ملتان کے آگے تھا پہنچی۔ ستمبر میں ہزارہ سے بہت تاکیدی خط اس مضمون کے پہنچے کہ سردار چتر سنگھ معافی کی بالکل پروانہ کر کے باغی ہو گیا ہے اور یہ کہ شیر سنگھ اور تمام سچے سکھوں کو اس کے ساتھ شامل ہونا چاہیے۔ ہزارہ سے پیامبروں نے آکر جن میں سب سے بڑا آدمی صورت سنگھ مجیٹھیہ تھا سپاہ کو یہ کہہ کر ورغلایا کہ اب فرنگیوں کو ملک سے نکال دینے کا وقت ہے اور جو سردار چتر سنگھ کی اس بغاوت کے برخلاف ہو گا وہ خالصہ کا دشمن ہو گا۔ یہ قرار پایا کہ اٹاری گوالہ کالیانوالہ اور سندھانوالیہ سرداروں کی فوجیں مختلف جوانب کو کوچ کریں اور شیر سنگھ کی فوج بظاہر پل کی حفاظت کرنے کے لیے راج گھاٹ پر جائے۔ 14 تاریخ کی صبح کوچ کے لیے مقرر کی گئی مگر سپاہی کب ہلتے تھے۔ تمام کیمپ صورت سنگھ اور دوسروں کے بھڑکانے سے باغی ہو گیا۔

شیر سنگھ کی فوج کی علیحدگی کے سبب سے جرنیل وش کو لاچار ملتان کا محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ حتی المقدور کوشش شروع کی گئی کہ سرکشی پھیل کر ساری قوم باغی ہو جائے اور تمام ملک میں فتنہ انگیز خطوط جاری کر کے سکھ قوم کو سرکشی اور اشتعال کی آگ بھڑکائی گئی مگر مولراج کو ابھی تک یہی گمان تھا کہ یہ یا تو انگریزوں کا طرفدار ہے یا اگر ان کے خلاف ہے تو قلعہ ملتان سکھوں کے لیے حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ اس موقع پر مولراج نے شیر سنگھ سے مع اس کے افسروں کے سری گورو گرنتھ صاحب پر قسم لی کہ ان کا کوئی ارادہ برا نہیں ہے مگر باوجود اس قسم کھانے کے بھی ان میں کسی ایک کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوئی۔

آخر کار شیر سنگھ نے ہزارہ میں اپنے باپ کے ساتھ شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ 9 اکتوبر کو راجہ شیر سنگھ بمعہ اپنے 5300 آدمیوں کی فوج کے ملتان چھوڑ کر ہزارہ کی جانب روانہ ہوا۔ 11 تاریخ کو اس نے تمام فوج کے ساتھ دریائے راوی عبور کیا اور جھنگ کی جانب روانہ

MashalBooks.com

ہوئے۔ اسی مقام پر شیر سنگھ کے ساتھ بنوں کی وہ فوج بھی جو دلیپ گڑھ کا قلعہ لے کر اور بہادر فتح خاں ٹوانہ کو قتل کر کے باغی ہوگئی تھی شامل ہوگئی اور شیر سنگھ نے چناب کے ساتھ ساتھ وزیر آباد کی طرف کوچ کیا جو لال سنگھ مرالیہ دوآبہ سندھ ساگر کے اعلیٰ جج کے قبضے میں تھا جو فوج لے کر باغی ہوگیا تھا۔

سردار چتر سنگھ اکتوبر مہینے میں ہر طرف فتنہ برپا کرتا رہا۔ فوج 20 اگست کو سرکش ہوگئی اور اس نے چتر سنگھ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کوچ کر دیا۔ پھر اٹک کے فتح ہو جانے کے بعد چتر سنگھ اپنے بیٹے شیر سنگھ کے ساتھ مل جانے کے لیے آگے بڑھا۔

راجہ شیر سنگھ کی ماتحت فوج نے 10 نومبر کو رام نگر کے مقام پر لارڈ گف کے ماتحت انگریزی فوج سے شکست کھائی۔ 3 دسمبر کی رات کو شیر سنگھ نے جہلم، جلال پور اور پنڈ دادنخان کے رستوں سے واپس کوچ کر کے چیلیانوالے میں جا مقام کیا جہاں 13 جنوری کو انگریزی فوج اس پر حملہ کرنے کے لیے بڑھی۔ اس لڑائی کے حالات جس میں انگریزی فوج کا پلہ بھاری رہا اکثر بیان کیا گیا ہے۔ اس کو فتح کہا جاتا ہے مگر نہ تو سکھ جرنیل اور نہ سکھ فوج سمجھتی تھی کہ ان کو شکست ہوئی ہے۔ تمام آدمی اچھی طرح لڑے مگر اس دن کی خاص جوانمردی ہری سنگھ بڑے سکھ جرنیل کے بیٹے جواہر سنگھ نلوہ کے نام رہی جس نے سواروں کے ساتھ ایسا حملہ کیا کہ لڑائی کے نتیجے پر اس کا بہت کچھ اثر پڑا۔

اس لڑائی کے دو یا تین دن بعد سردار چتر سنگھ اپنے بیٹے کے لشکر میں شامل ہوا اور یہ اپنے ہمراہ میجر جارج لارنس اور لیفٹیننٹ ہربرٹ اور لیفٹیننٹ بوئی کو قید کر کے لایا۔ چتر سنگھ نے امیر دوست محمد خاں کو اس کی مدد کے عوض میں 30000 روپے نقد اور 1500 روپے کی مثالیں دے کر اور 15000 روپے راولپنڈی میں ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

21 فروری کو گجرات کی لڑائی ہوئی جس میں افغانوں اور سکھوں کی مشترکہ فوج کو شکست فاش ہوئی اور ان کی 35 توپیں لے لی گئیں۔ اصل میں تو لڑائی یہیں ختم ہوگئی مگر اس فتح کے بعد دشمن کا تعاقب کیا گیا اور 14 مارچ کو راولپنڈی کے مقام پر چتر سنگھ اور شیر سنگھ نے بمعہ 16000 آدمی کے جو سکھ فوج میں رہ گئے تھے ہتھیار ڈال دیئے۔

سردار چتر سنگھ، راجہ شیر سنگھ اور سردار عطر سنگھ جو باغیوں کے ساتھ مل گئے تھے اٹاری میں نظر بند رکھے گئے مگر یہ معلوم کر کے کہ وہ مفسدانہ خط و کتابت کر رہے ہیں ان کو جنوری 1850ء

MashalBooks.com

میں قیدی بنا کر پہلے الہ آباد اور پھر کلکتہ بھیج دیا گیا۔ان کی تمام جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔

گلاب سنگھ چونکہ لاہور میں نظر بند تھا اس لیے باغیوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔گلاب سنگھ اور اس کے بھائی شیر سنگھ کو خورد سال مہاراجہ کی سرپرستی اور قلعے کے خانگی امور کا اہتمام سپرد تھا اور گلاب سنگھ ظاہراً اپنے باپ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے لاہور سے چلے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ 17 ستمبر کو پکڑا گیا اور لڑائی کے ختم ہونے تک زیر نگرانی رہا۔مگر اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوا اس کی پنشن بھی 3000 روپے ہوئی اور یہ اس رقم کے برابر تھی جو اسے لڑائی کے پہلے ملا کرتی تھی۔

بی بی تیج کور کی مہاراجہ دلیپ سنگھ سے شادی نہیں ہوئی۔لڑائی کے بعد یہ نسبت ٹوٹ گئی اور آخر کار بی بی مذکور کی شادی سردار ایشر سنگھ گل ماڑی والا کے بیٹے جمیجا سنگھ سے ہوگئی جس سے اس کے دو لڑکے ہوئے۔بی بی تیج کور کا انتقال 1863ء میں ہوا چتر سنگھ، شیر سنگھ اور عطر سنگھ کو جن کا رویہ الحاق کے زمانے سے لے کر نا قابل اعتراض رہا تھا جنوری 1854ء میں قید سے رہا کر دیا گیا اور اجازت دی گئی کہ یہ خاص حدود کے اندر اپنی بود و باش کے لیے جگہ پسند کر لیں۔ان کے وظیفے بھی بڑھا دیئے گئے۔برہما ایران اور سنتھال کی لڑائی میں راجہ شیر سنگھ نے سرکار کی خدمات کرنے کی درخواست کی اور چین کی لڑائی میں جانے کے لیے بھی اپنے آپ کو آمادہ ظاہر کیا۔جب غدر ہوا تو سردار گلاب سنگھ نے کمان حاصل کی اور لڑائی کے دوران میں نمایاں بہادری سے خدمات کیں۔اس نے کپتان کا خطاب پایا اور اس کے بھائیوں یعنی تیجا سنگھ نے اودھ میں 28800 روپے سالانہ کی زمینداری حاصل کی۔

اس کا باپ سردار چتر سنگھ اسی سال کے شروع میں بہ مقام کلکتہ فوت ہو گیا تھا۔سردار چتر سنگھ کے چار بیٹوں میں سے عطر سنگھ نے رائے بریلی واقع ممالک مغربی وشمالی میں رہنا پسند کیا اور آہستہ آہستہ پنجاب سے بالکل قطع تعلق کر لیا۔یہ 1897ء میں فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا پریم سنگھ جانشین ہوا۔

کپتان گلاب سنگھ کا معاملہ اس کے پرانے دوست اور لڑائی کے ساتھی لارڈ نپیئز آف مکڈالہ نے اس وقت بڑے زور سے اٹھایا جب کہ لارڈ موصوف ہندوستان کے کمانڈر ان چیف تھے سر ہنری ڈیوس کو سردار کے معاملے میں بڑی دلچسپی تھی اور انہوں نے 1872ء میں اس حکم کو منسوخ کیا جس کے رو سے اسے پنجاب میں رہنے کی ممانعت تھی۔اس وقت سے

MashalBooks.com

سردار مذکور خاندان اٹاری کی چھوٹی شاخ کا سرکردہ خیال کیا جاتا تھا۔ وہ 1878ء میں امرتسر آ رہا 1884ء میں اسے مجسٹریٹ بنا کر اس کا نام گزٹ میں شائع کیا گیا اور اسی سال مارکوئیس آف رپن کی لاہور میں تشریف آوری پر بحیثیت ایڈیکانگ وائسرائے کے سٹاف میں شامل کیا گیا۔ یہ پراونشل درباری تھا اور 1887ء میں صرف ایک ہی لڑکا نہال سنگھ نامی چھوڑ کر فوت ہوا جو اس وقت چار سال کی عمر کا تھا۔ متوفی گلاب سنگھ مہذب آدمی تھا اور اس نے اپنی فیاضی' فراخ حوصلگی اور مہربانیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو ہر دلعزیز بنا لیا تھا۔ پنجاب کی اعلیٰ قوموں کے بڑے بڑے آدمی اور ہر ایک انگریز افسر جو اسے جانتے تھے اس کے مداح اور اس کی عزت کرتے تھے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی اچانک موت سے جو دل کی بیماری سے قبل از وقت واقع ہوئی سکھوں کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔

سردار بلبیر سنگھ مجیٹھیہ

سردار بلبیر سنگھ مجیٹھیہ کا بزرگ مانا سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دادا سردار چڑھت سنگھ سکرچکیہ کا مقلد تھا۔ یہ اپنے آقا کے ساتھ چٹھوں کے خلاف لڑا۔ سردار مہاں سنگھ کے ماتحت بھی اس نے خدمات سرانجام دیں اور ضلع جہلم میں جادا کی جاگیر حاصل کی۔ جب رنجیت سنگھ نے 1799ء میں لاہور لیا تو مانا سنگھ بڈھا ہو گیا تھا۔ اسی سال چنیوٹ کے قلعے کے آگے جب رنجیت سنگھ جسا سنگھ بھنگی سے چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا مانا سنگھ مارا گیا۔ اس کا بڑا بیٹا دسوندھا سنگھ اپنے باپ کی حین حیات میں ہی فوت ہو گیا تھا اس لیے تمام جاگیر ضبط ہو گئی۔

جوں ہی امر سنگھ (مانا سنگھ کا تیسرا بیٹا) اتنی عمر کا ہوا کہ ہتھیار اٹھا سکے مہاراجہ نے اسے 1500 روپے کی مالیت کے مواضعات تلال وال اور شیخو پور دے کر ڈیرہ خاص میں رکھ لیا۔ 1818ء میں ملتان کے محاصرے کے وقت نوجوان امر سنگھ نے بہادری دکھائی۔ 1834ء میں یہ شہزادہ نونہال سنگھ اور سردار ہری سنگھ نلوہ کی ماتحت فوج کے ہمراہ پشاور گیا جب کہ وہ صوبہ باقاعدہ طور پر سکھ سلطنت سے ملحق کر لیا گیا۔ شب قدر کے مقام پر جب افغانوں نے ایک بھاری شب خون مارا تو امر سنگھ گولی سے زخمی ہو گیا گو اس پر اچانک حملہ ہوا تھا پھر بھی اس نے اپنے آدمیوں کو جمع کر کے دشمن کو بھگا دیا۔

وہ ستلج کی لڑائی میں نہیں لڑا۔ اور اس کے ختم ہو جانے پر چونکہ بڑا مشہور نشانچی تھا اس

لیے نوجوان مہاراجہ دلیپ سنگھ کو شکار سکھانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ دوسرے سال یہ پنجاب چھوڑ کر یاترا کے لیے ہردوار چلا گیا جہاں فوراً بعد مر گیا۔

اس کا بیٹا مہتاب سنگھ 1811ء میں پیدا ہوا اور ابھی بچہ ہی تھا کہ اسے صوبیدار بھرتی کیا گیا۔ 1831ء میں مہاراجہ کے روپڑ جانے سے ذرا پہلے اسے جرنیل بنا دیا گیا اور دو رجمنٹوں کا افسر بنا کر امرتسر میں تعینات کیا گیا۔ 1834ء میں اس کا دوسرا بھائی گوردت سنگھ مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ 1839ء میں مہتاب سنگھ نے سردار تیج سنگھ کے ماتحت آفریدیوں کی لڑائی میں خدمات کیں۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے 1841ء میں اسے جرنیل بنا دیا اور ایک اکال رجمنٹ کی افسری پر پشاور میں تعینات ہوا۔

سکھ قوم کی طرح یہ بھی مغرور اور عیش پرست راجہ ہیرا سنگھ کی حکومت سے جس میں ڈوگروں کے تمام بدخصائل تو موجود تھے اور ان جیسی قابلیت طاقت اور حوصلہ نام کو بھی نہ تھے تنگ آ گیا تھا۔

دوم یہ کہ سکھوں کے بڑے گورو بابا بیر سنگھ کے معاملہ میں ہیرا سنگھ نے خود مہتاب سنگھ سے چال کھیلی یعنی ملائم الفاظ سے انعامات سے اور وعدے وعید سے مہتاب سنگھ کو ورغلا کر سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ پر فوج کشی کرا دی جس میں ایسا فریب ہوا کہ اسے فوج کشی کرنے کے بعد مجبوراً لڑائی کرنی پڑ گئی اختتام جنگ پر یہ معلوم ہوا کہ یہ فوج کشی فریب سے مقدس بابا بیر سنگھ کے لیے کرائی گئی تھی جو زمین پر دم توڑتا ہوا ملا۔

مہتاب سنگھ ستلج کی لڑائی میں برابر خدمت کرتا رہا۔ اسے بھی دوسرے سکھ سرداروں کی طرح گمان تھا کہ فتح سکھوں کی ہوگی۔ ستلج کی لڑائی کے بعد راجہ لال سنگھ نے اسے سردار بنا دیا اور یہ اور اس کا بھائی گوردت سنگھ جو ترقی پا کر جرنیل کے عہدے پر پہنچ گیا تھا دونوں پشاور میں تعینات ہوئے۔ 1849ء میں جب پنجاب کے شمالی حصہ میں بغاوت ہوئی تو سردار مہتاب سنگھ میجر نکلسن کے ماتحت راولپنڈی میں تعینات تھا۔ اس کی فوج اور اس کا بھائی مت سنگھ لڑائی کے دوران میں سرکار لاہور کے ساتھ وفادار رہے اور گجرات کی لڑائی میں انگریزوں کی طرف سے لڑے۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر سردار مہتاب سنگھ کی 9458 روپے کی مالیت کی سب ذاتی جاگیریں دو پشتوں کے واسطے واگذار ہوئیں۔

1857ء میں سردار مہتاب سنگھ نے ہندوستان میں خدمات کرنے کے لیے کچھ سوار

MashalBooks.com

بھرتی کیے جو وہاں اس کے بھتیجے بچتر سنگھ کے ماتحت بھیج دیئے گئے۔ اس جمعیت نے اودھ میں قابل تعریف خدمات کیں اور اس کی باغیوں سے کئی دفعہ مٹھ بھیڑ ہوئی۔ 1858ء میں کانپور کے مقام پر بچتر سنگھ کا ہیضہ سے انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی بیجا سنگھ جمعدار مقرر کیا گیا۔

مت سنگھ جو 1844ء میں فوج سکھ میں کرنیل تھا 1857ء میں فوت ہوا۔ کاہن سنگھ اپنے باپ (سردار امر سنگھ) کی جگہ 1843ء میں کنٹنجنٹ کا افسر مقرر ہوا اور ہردت سنگھ (امر سنگھ کا چھوٹا بیٹا) مہاراجہ دلیپ سنگھ کی نوخیز فوج کا جرنیل تھا۔

سردار مہتاب سنگھ اپنی وفات یعنی 1865ء تک مجیٹھ میں زندگی بسر کرتا رہا۔ امرتسر کا آنریری مجسٹریٹ بھی مقرر رہا۔ یہ بڑا شکاری تھا اور بے تکلف دوست کی طرح گذارہ کرتا تھا۔ اس کی ایک ہی لڑکی تھی جس کی شادی سردار بخشیش سنگھ سندھانوالیہ سے ہوئی۔

سرداران چھینہ

اس خاندان کے ایک بزرگ میرو نامی نے جو قوم گل کا جاٹ تھا موضع چھینہ راجہ سانسی ضلع امرتسر سے پانچ میل کے فاصلہ پر قریباً 1600 میں آباد اس کے بڑے بیٹے دادو نے اسی نام کا ایک اور موضع جستر وال کے قریب بسایا اور یہاں اس کی اولاد آج کے دن تک رہتی ہے۔ ملکھی کے وقت تک جو تارا سنگھ شہید کی مسل میں شامل ہوا ملکھی کی اولاد میں سب سے زیادہ نامی کرم سنگھ تھا جس کو لاوالد تارا سنگھ نے متبنّیٰ کر لیا تھا۔ تارا سنگھ کی وفات کے بعد کرم سنگھ بھنگی مسل میں شامل ہوگیا اور چھینہ اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر قبضہ رکھنے کے علاوہ اس نے مواضعات فیروزکی، کالاکی، رڑکی اور باجرا ضلع سیالکوٹ پر تصرف کر لیا۔ جب تمام بھنگی سرداران رنجیت سنگھ کے مقابلے میں ایک ایک کر کے مفقود ہو گئے تو کرم سنگھ کا بھی یہی حال ہوا اور اس کی تمام جاگیرات ہاتھ سے نکل گئیں۔ مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس نے 70 سوار خدمت میں دینے کی شرط پر چھینہ ناگراں اور فیروزکی کی 50000 روپے کی مالیت کی جاگیریں پھر لے لیں۔ اپنے دو بیٹوں سدھ سنگھ اور بدھ سنگھ سمیت اس نے بہت سی لڑئیوں یعنی ملتان، کشمیر اور پشاور میں خدمات کیں اور اس کی وفات پر اس کی جاگیر اس کے بیٹوں نے بحصہ مساوی تقسیم کر لی۔

MashalBooks.com

دوسال بعد اس خاندان کے بہت سے اراکین شیر سنگھ کے ماتحت باغیوں سے مل گئے اور ان کے ساتھ لڑائی میں لڑے۔ بایں سبب الحاق کے موقع پر جے سنگھ، مہر سنگھ، ہری سنگھ، ہردت سنگھ، امر سنگھ، عطر سنگھ اور فتح سنگھ کے حصے ضبط کر لیے گئے۔ صرف بدن سنگھ اور مہان سنگھ کے نام جو خیر خواہ ثابت ہوئے تھے ان کے حصے کی جاگیر جس کی مالیت 5875 روپے کی تھی واگذار رہی۔ ایام غدر میں جے سنگھ، ہردت سنگھ اور امر سنگھ ہڈسن کے رسالے میں داخل ہو گئے۔ جے سنگھ کو رسالداری ملی اور ہردت سنگھ کو جمعداری۔ یہ فروری 1859ء تک اسی نامی رسالے میں رہے۔

ہردت سنگھ بنگال کے رسالہ نمبر 9 میں رسالدار رہا اور اس کو سردار بہادر کا خطاب ملا۔ 1876ء میں اپنے بھائی سردار جے سنگھ کی وفات پر یہ اس کی جگہ پراونشل درباری بنایا گیا۔ اس کا انتقال 1892ء میں ہوا۔ اس کا لڑکا مہتاب سنگھ بنگال کے رسالہ نمبر 6 میں رسالدار میجر تھا۔ 1882ء کی مصر کی لڑائی میں خدمات کرنے کے صلے میں مہتاب سنگھ کو سردار بہادر کا خطاب ملا۔ سردار جے سنگھ کی پنشن اور جاگیر 1876ء میں اس کی وفات پر ضبط ہوگئی۔

سردار بہادر مہتاب سنگھ کا لڑکا میجر سردار ہربنس سنگھ آج کل خاندان کا سب سے زیادہ مقتدر رکن ہے۔ یہ ایچی سن کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاست پٹیالہ میں ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر کا ایڈی کانگ (کپتان کے عہدہ پر مامور کیا گیا) مقرر ہوا۔ اب اس کا فوجی عہدہ میجر ہے اور یہ ریاست مذکور میں کمشنر آبکاری ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں گورنمنٹ عالیہ نے اسے فوج میں کمیشن دیا مگر ریاست اسے اپنی ملازمت سے علیحدہ نہ کر سکی کیونکہ ان دنوں میں یہ وہاں رنگروٹوں کی بھرتی کے کام میں بے حد مشغول تھا۔ 1920ء میں گورنمنٹ نے اسے ڈویژنل درباری بنا دیا۔ اس کا بیٹا ایچی سن کالج میں تعلیم پا رہا ہے اور اس کا بھائی دلیپ سنگھ ریاست پٹیالہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہے۔ سردار بہادر مہتاب سنگھ کی اولاد کے قبضہ میں ضلع شیخوپورہ کے وہ 6 مربعہ جات اراضی ہیں جو گورنمنٹ عالیہ نے در حقیقت سردار بہادر ہردت سنگھ کو عطا کیے تھے۔

☆☆☆

بھگوان سنگھ چمیاری رندھاوا

بھگوان سنگھ چمیاری

بانی مبانی اس خاندان کا اصلی مورث اعلیٰ نارسنگھ نہ تھا بلکہ ایک دور کا رشتہ دار ساول سنگھ نامی تھا جس نے قریباً 1750ء میں سکھ مذہب اختیار کیا اور بھنگی مسل میں شامل ہو گیا۔ یہ اپنے سردار ہری سنگھ کی طرف ہو کر بہت سی لڑائیوں میں لڑا۔ چند سال ہی بعد راوی کے بائیں کنارے پر اس کے قبضے میں بڑا علاقہ تھا جس میں اجنالہ اور چمیاری یا چمبیاری جس جگہ کے نام پر اس خاندان کا نام مشہور ہوا ہے شامل تھے۔ ساول سنگھ ایک لڑائی میں لاولد مارا گیا مگر اس کی بیوہ مائی مالکیاں نے جائیداد اپنے مرحوم خاوند کے ایک چچا زاد بھائی اور جاں نثار ہمراہی نارسنگھ نامی کو دے دی۔ نارسنگھ ساول سنگھ کے کل علاقے کا مسلمہ وارث بن کر فتوحات پر آمادہ ہو گا۔ دریا کے اس طرف جدھر کہ امرتسر تھا علاقہ فتح کرنے پر اس نے قناعت نہ کر کے ضلع سیالکوٹ پر یورش کی اور پسرور اور اس کے گردونواح کے بہت سے مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں یہ کنھیا مسل میں جسے اس وقت عروج ہو رہا تھا آ گیا اور ضلع سیالکوٹ کے مقام پر اپنے پرانے رفیقوں سے لڑا۔ نوجوان سکر چکیہ رئیس مہان سنگھ اس کی طرف تھا اور جھنڈا سنگھ اور تمام بہادر بھنگی رئیس اس کے مقابلے میں۔ نارسنگھ کے سکر چکیہ دوست اس بات سے ناراض ہو گئے کہ اس نے سردار جھنڈا سنگھ کے بھتیجے امر سنگھ کے ساتھ اپنی بیٹی کرم کور کی شادی کر دی مگر اس نے سکر چکیوں سے ظاہر طور پر قطع تعلق نہیں کیا اور 1799ء میں لاہور کے لینے میں رنجیت سنگھ کی مدد کی۔

نارسنگھ 1804ء میں فوت ہوا۔ اس کا بڑا بیٹا رام سنگھ اس سے کچھ مہینے پہلے مرہٹہ رئیس جسونت راؤ ہلکر کے کیمپ میں ہیضے سے مر گیا تھا۔ نارسنگھ کی وفات پر قصبہ چمیاری اس

خاندان کے قبضے میں رہ گیا جس پر اس کے اب تک حقوق مالکانہ ہیں۔

قصبہ چمیاری کی بنا کی نسبت جو بلا شبہ پرانا قصبہ ہے ایسی ایسی روایتیں ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ ہوا کہ یہ قصبہ پنجاب کے پانچوں دریاؤں کے مل جانے پر ایک بڑے طوفان کے آنے پر بالکل تباہ ہو گیا مگر شاہان اسلام کے زمانے میں از سر نو بنایا گیا۔ 1722ء میں اسے سکھوں نے جلا دیا اور ابھی ویران ہی پڑا تھا کہ نار سنگھ کے ہاتھ آیا جس نے اسے پھر آباد کیا اور ترقی دی۔

نار سنگھ کی بیوہ اور اس کے چھوٹے بیٹے ہری سنگھ کی وفات پر خاندان کی جو تھوڑی سی جاگیر تھی وہ بھی گھٹا دی گئی اور 1841ء میں جے سنگھ کی وفات پر مہاراجہ شیر سنگھ نے سب ضبط کر لی۔

☆☆☆

MashalBooks.com

جوگندر سنگھ ہرنام سنگھ وگیلیہ

1760ء میں کنھیا مسل میں شامل ہوا اور جے سنگھ اور حقیقت سنگھ دونوں کے ماتحت لڑتا رہا اس نے تارا گڑھ پرگنہ پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور پر قبضہ کر لیا۔ 1812ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تارا گڑھ پر چڑھائی کی اور تھوڑے سے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کر کے جاگیر کا بہت سا حصہ دبا لیا۔ ضبطی کے بعد دس سال کے عرصہ میں چاروں بھائی مر گئے اور جاگیر پر جواہر سنگھ بمع اپنے چچیرے بھائیوں جمیعت سنگھ، سنت سنگھ اور رن سنگھ قابض ہوا۔ گو یہ جاگیر گزارہ کے لیے تھی اور اس پر نوکری دینے کی کوئی شرط نہ تھی تاہم یہ تمام مہاراجہ کی بہت سی لڑائیوں میں لڑتے رہے۔

خاندان وگیلیہ کی جاگیروں کے ساتھ 1846ء تک کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی اور اس وقت راجہ لال سنگھ نے جو اس خاندان کے مربی سردار دیسا سنگھ سے کچھ محبت نہ رکھتا تھا۔ سردار کے بنارس چلے جانے کا موقع دیکھ کر اس خاندان کی کل جاگیر ضبط کر لی مگر ایک سال بعد دربار نے ریذیڈنٹ کی منظوری پر یہ جاگیر بحال کر دی۔ 49-1848ء کے فسادات کے دوران میں خاندان وگیلیہ سرکار کا خیر خواہ رہا۔ دیدار سنگھ اپنے کنٹنجنٹ سمیت کپتان ہڈسن صاحب کے ساتھ شامل ہو گیا اور رنگڑ ننگل، پرمانند اور دوسرے مقامات پر اچھی خدمات کیں۔ اس کا انتقال 1869ء میں ہوا۔

رن سنگھ کا بیٹا سنت سنگھ محافظ رسالے کے ساتھ خدمات کرنے کے لیے اس رسالے کا جمعدار کر کے دہلی بھیجا گیا جو جولائی 1897ء میں میجر لارنس نے بھرتی کیا تھا۔ اس رسالے کا ایک حصہ مستقل طور پر گائیڈ کور میں تبدیل کر دیا گیا باقی ماندہ دہلی کی سوار پولیس میں شامل ہو گیا۔ اس نے 80-1879ء کی کابل کی لڑائی میں خدمات کیں اور کئی موقع پر دشمن سے خوب

MashalBooks.com

مقابلہ کیا۔ 32 سال کی اعلیٰ خدمات کے بعد 360 روپے سالانہ پنشن پا کر نوکری سے علیحدہ ہوا اور 1891ء میں فوت ہوگیا۔ اس کا بڑا بیٹا ہرنام سنگھ اب خاندان کا بزرگ مانا جاتا ہے۔ دوسرا بیٹا ہرچرن سنگھ محکمہ ٹرانسپورٹ اور دفتر ضلع امرتسر میں نوکری کرنے کے بعد اب ضلع گورکھپور کی ریاست ڈومری کا منیجر ہے ہرچرن سنگھ کا بیٹا سدرشن سنگھ ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پاتا ہے اور اس کی شادی ضلع لاہور کے خاندان پڑہانیہ میں اور ہرنام سنگھ کے بیٹے گردیال سنگھ کی شادی راجہ سانسی کے خاندان سندھانوالیہ میں ہوئی ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

بلونت سنگھ سدھو رئیس بہیلو وال

سدھو خاندان کی بہیلو وال والی شاخ اور سدھو خاندان ڈیرہ سوریاں ایک ہی نسل سے ہیں۔ بدھ سنگھ نے ضلع امرتسر میں کئی دیہات پر تصرف کرلیا تھا اور احمد شاہ کے حملوں میں سے ایک حملے میں مارا گیا۔ اس کا بھائی رام سنگھ اس کے بعد جانشین ہوا۔ چنانچہ رام سنگھ بھی چند سال بعد ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا جے سنگھ بالکل بچہ تھا اس کے چچا ماہی سنگھ نے جاگیر پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اپنے چچیرے بھائی ماہی سنگھ سے بہیلو وال اور چوچک وال دو مواضعات لے کر قناعت کر لی اور اس انتظام کے دو سال بعد ایک نابالغ لڑکا دسوندھا سنگھ چھوڑ کر فوت ہوا۔ مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بغیر کسی رعایت کے ان دونوں کے مقبوضات پر تصرف کرلیا۔ دسوندھا سنگھ کو ڈیرہ سوریاں میں جو پہلے شاہزادہ شیر سنگھ کے اور بعد ازاں جمعدار خوشحال سنگھ کے ماتحت تھا 5 سوار مہیا کرنے کے شرط پر 3000 روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کر دی گئی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کشن سنگھ رجمنٹ میں اس کا جانشین ہوا مگر اس کے رجمنٹ کے سوار 5 سے بڑھا کر 9 کر دیئے گئے جو الحاق پنجاب کے وقت تک اس کے ذمے تھے مگر الحاق کے بعد جاگیر ضبط ہوگئی کیونکہ وہ راجہ شیر سنگھ کے ساتھ مل گیا تھا۔ کشن سنگھ 1867ء میں فوت ہوا اس کا بیٹا آسا سنگھ جو کچھ زیادہ مقتدر نہ تھا اس خاندان کا سرکردہ تسلیم ہوا اور یہ اب فوت ہو چکا ہے۔ اس خاندان کے قبضہ میں کوئی جاگیر نہیں اور تقریباً 260 کنال پر ہی اس کی مالکی ہے۔

کشن سنگھ کا بیٹا آسا سنگھ سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کے خاندان میں بیاہا ہوا تھا اور اس کا بھتیجا بلونت سنگھ محکمہ پولیس میں ڈپٹی انسپکٹر تھا اور اب اسے ہی خاندان کا سرکردہ سمجھنا چاہیے۔ اس نے جنگ عظیم کے دوران میں معقول خدمات سرانجام دیں۔

MashalBooks.com

ضلع گورداسپور

کاہنواں کی دلدلوں میں بڑا شکار ملتا تھا قصبے کا نام بھی انہی دلدلوں کے سرکنڈوں کے نام پر پڑا ہے۔ شکار کی کشش شہنشاہ جہانگیر کو کھینچ لائی اور وہ یہاں کئی بار آیا۔ ایسے ہی ایک بار اس نے معروف فقیر بیراگی بھگوان جی کی شہرت سنی چنانچہ اس سے آشنائی کرنا چاہی۔ مگر جب بیراگی نے بادشاہ کے آنے کا سنا تو وہ دھرتی کو چیر کر معجزانہ طریقے سے پنڈوری میں پہنچ گیا جو دس میل دور شمال میں واقع ہے۔ بادشاہ اس کے پیچھے گیا مگر وہ پھر دھرتی کو چیر کر کانگڑہ میں نالہ چکی کے پار دھمتال میں جا پہنچا اس قصے کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے کاہنواں اور پنڈری میں زمین میں پڑے کھڈے اور غار دکھائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد جہانگیر پھر آیا وہ بھگوان جی کے مرید نرائن کے پاس پنڈوری پہنچا مگر فقیر نے روزہ رکھا تھا یا چلہ کاٹ رہا تھا کہ اسے بولنے کی اجازت نہ تھی اس لیے شہنشاہ کے کسی سوال کا اس نے جواب نہیں دیا جہانگیر اسے لاہور لے گیا جہاں اسے زہر کے سات پیالے پلائے گئے کہا جاتا ہے کہ ان میں اس قدر زہر تھا کہ اگر ہاتھی اسے صرف چکھ لیتا تو موقع پر ہی مر جاتا مگر نرائن پر زہر کا ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا پھر بھگوان جی خود آ گیا جس نے بادشاہ کے سوالوں کے جواب دیئے جوان باتوں سے اس قدر متاثر تھا کہ ہوا کہ اس نے پنڈوری جی کا ایسا مندر بنایا جس میں گنبد مسلمانوں کے طرز تعمیر کے مطابق ہے یہ مندر یا مقبرہ اب بھی موجود ہے اس کا نام اب بھی بیس ہزار روپے کی جاگیر ہے کہا جاتا ہے کہ یہ فرمان شاہی اب بھی دھمتال کے مندر میں محفوظ ہے بلاشبہ یہ مندر یا مقبرہ اور جاگیر بادشاہ کی دریا دلی کا ثبوت ہے۔

1639ء میں شہنشاہ شاہجہان کے حکم پر معروف انجینئر علی مردان خان نے باغ شالامار کے لئے اور دریائے راوی سے پانی فراہم کرنے کی خاطر شاہ نہر کی تعمیر شروع کی علاء الملک

افضل خان نے نہر کی تعمیر کا کام مکمل کیا اور اس کے نقشے میں تعمیر کی صورت ایسی زبردست ہے کہ سکھوں کے زمانے میں پہلی نہر اور ہمارے عہد میں ہمارے اپنے انجینئروں نے بھی نہر باری دوآب کی تعمیر وغیرہ اسی ڈھب پر کی۔

مغلوں کی بالا دستی کے خاتمے اور سکھوں کے عروج میں یہاں بڑے ہنگامہ خیز واقعات ہوئے بہت سے سکھ گوروں کی اس ضلع سے بڑی قریبی وابستگی رہی بابا نانک 1469ء میں ضلع لاہور میں پیدا ہوئے بٹالہ تحصیل کے پکھوکی کے کھتری مولا کی بیٹی سلکھنی سے 1485ء میں شادی کی جس سے دو بیٹے سری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے دونوں کے علی الترتیب دو روحانی سلسلے اداسی اور بیدی چلے۔

تحصیل گورداسپور میں تریمو گھاٹ کو جانے والی سڑک کے کنارے گلمری نام کے گاؤں کے پاس شیشم کے درختوں کا پرانا جھنڈ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے یہاں سری چند نے اپنی داتن (مسواک) گاڑ دی تھی اور یہ درخت اس سے اگے ہیں یہاں بیساکھی میں ایک میلہ بھی ہوتا ہے اس زمانے کا درخت تو ختم ہو گیا مگر اس کے تنوں سے نئی شاخیں پھوٹ پڑیں لگتا ہے کہ نانک بہت عرصہ پکھوکی میں رہے اور پھر 1538ء میں دریائے راوی کے دوسرے کنارے (مغربی کنارے) میں واقع کرتار پور میں مر گئے جو چار میل کے فاصلے پر ہے جہاں اب بھی ایک مندر یا خانقاہ موجود ہے دراصل اسی کرآ تار پور میں بابا نانک کے مسلم اور ہندو پیروکاروں میں اس بات پر تنازعہ ہوا کہ آیا بابا کی لاش کو دفن کیا جائے یا جلا دیا جائے اور مسئلہ ایسے حل ہوا کہ لاش ہی غائب ہو گئی شیشم کے جس درخت کے نیچے بابا نانک بیٹھا کرتے تھے وہ کچھ عرصہ پہلے تک موجود تھا اور وہاں ٹاہلی صاحب نام کا گوردوارہ بنا دیا گیا تھا مگر چالیس برس پیشتر سیلاب میں بہہ گیا اس کی جگہ اب پکھوکی میں اسی قسم کی ایک نئی عمارت بنائی گئی ہے مگر اسے اتنا زیادہ مقدس نہیں سمجھا جاتا اس لئے کہ موجودہ عمارت سے پہلے اسی ٹاہلی صاحب کے نام پر کئی عمارتیں کھڑی کی جاتی رہیں مگر دریائے راوی کا سیلاب اگر تین نہیں تو دو بار ضرور انہیں بہا لے گیا اب پکھوکی کا نام ڈیرہ بابا نانک پڑ گیا ہے اور یہ بیدیوں کا صدر مقام ہے یہاں ایک مذہبی مقام یا دربار اداسیوں کا ہے اسے امرتسر دربار کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔

تیسرا گورو امر داس زیادہ تر سری گوبند پورہ میں رہا اس کی اولاد بھلا بو اس اب بھی بڑی

تعداد میں یہاں رہتی ہے چھوٹا گرو ہر گوبند سکھوں کو عسکریت کی طرف لایا اس نے ہر گوبند پورہ کا نام دے کر اسے پھر آباد کیا اس سے پہلے اس کا نام راہیلہ مشہور تھا درصل سکھوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ صبح کے وقت اگر راہیلہ کا نام لیا جائے تو وہ منحوس ثابت ہوتا ہے اس طرح ایک نعرہ بن گیا جو کہے راہیلہ اس دا ٹبرا ہوے نہ قبیلہ ہر گوبند آج بھی دیہی علاقوں میں بہت بڑا جنگ جو اور تیر انداز سمجھا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ سری گوبند پور سے جو تیر چلاتا تھا وہ نصف میل دور دمدمہ تک مار کرتا دمدمہ مغرب میں امرتسر روڈ پر واقع ہے۔

ساتویں گورو ہر رائے کا بھی اس ضلع سے تعلق تھا اور کہا جاتا ہے کہ گھکڑ کوٹ میں اس نے جو نیزہ زمین میں گاڑا تھا اس سے شیشم کا بہت بڑا درخت پیدا ہوا یہ موضع تحصیل شکر گڑھ میں ہے درخت تو گر پڑا ہے مگر اس کے تنے کی موٹائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ یقیناً بہت ہی پرانا درخت ہے۔ اور گورو کے وقت کا جس کا دھیانت 1661ء میں ہوا تھا۔

مذہبی جنونی بندہ بیراگی 1706ء میں گورگوبند سنگھ کا جانشین ہوا اس نے ضلع کو مرکز بنا کر لاہور تک حملے شروع کر دیئے شہنشاہ بہادر شاہ نے اس کے خلاف خود 1711 میں لشکر کشی کی مگر بالکل وقتی کامیابی ہوئی بہر حال 1716 میں بندہ کو شکست ہوئی گورنر عبدالصمد خان عرف دلیر جنگ نے لوہ گڑھ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اتنی دیر تک کہ قلعہ میں خوراک تک نہ رہی سکھوں نے ہتھیار ڈال دیئے جن میں سے بہت سوں کو تہ تیغ کر دیا گیا مگر بندہ بیراگی سمیت بہت سے سرکشوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا گیا جہاں انہیں اذیتیں دے دے کر مار دیا گیا کچھ لوگ گورداسپور کو ہی بندہ بیراگی کا لوہ گڑھ کہتے ہیں کچھ لوگ دینا نگر کے قریب ایک گاؤں کو لوہ گڑھ کہتے ہیں روپڑ کے بھائی رام کشن سنگھ کا اصرار ہے کہ لوہ گڑھ کھنڈر اور ٹیلے کی صورت میں گورداسپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر موجود ہے یہ ٹیلہ گاؤں باٹھ والا کے نزدیک ہے اس کا کہنا ہے کہ اب بھی بارش کے بعد اس ٹیلے میں سے سکے آہنی پنجے اور چھوٹے چاقو برآمد ہوتے ہیں۔

1738ء میں نادر شاہ کے حملوں کے بعد مغل حکومت کا کس بل ختم ہو گیا اور سکھوں کی جارحیت میں اضافہ ہوا اس زمانے میں آدینہ بیگ اہمیت حاصل کرنے لگا آدینہ بیگ شرق پور (ضلع گوجرانوالہ) کے ارائیں چنوی کا بیٹا تھا وہ کچھ عرصہ ہوشیار پور میں رہا آلہ آباد میں سپاہی کی صورت رہا پھر لدھیانہ میں مالیئے کا افسر یہاں سے اس کا عروج شروع ہوا

ذکریاخان نے اسے بہرام پور کا گورنر مقرر کر دیا بعد میں جالندھر دوآب کا علاقہ بھی اسے دے دیا1730ء میں اس نے نہر ہنسلی یا شاہ نہر کے کنارے دنیا نگر آباد کیا جہاں اس کی رہائش بھی تھی اور فوجی چھاؤنی بھی یہ تاریخ حروف ابجد کے حساب سے نجستہ بنا سے نکلتی ہے اس نے زیادہ تر اسی شہر سے حکمرانی کی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے نواح میں اس نے مرغی خانہ قائم کیا تھا اس موضع کا نام مغرالا پڑ گیا آدینہ بیگ ذکریا خان کے بیٹوں یحیی خان اور شاہ نواز خان اور بادشاہ محمد شاہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے زمانوں میں یہاں گورنری کرتا رہا اور 1747ء میں جب شاہ نواز خان کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس وقت تک وہ گورنر تھا۔احمد شاہ کو اگلے سال سرہند میں شکست دے کر دریائے سندھ تک بھگا دیا گیا نادر شاہ کے حملے کے بعد جو زوال آیا وہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد اور بڑھ گیا تو سکھوں نے غالباً آدینہ بیگ کے اشارے اور مدد سے ضلع گورداسپور کے موجودہ سارے علاقے پر قبضہ کرلیا صرف بڑے بڑے شہر چھوڑ دیئے جن پر شاہی گورنر مقرر تھے آخر کار سکھ اس قدر مضبوط ہو گئے کہ اب ان کے محافظ (آدینہ بیگ) نے بھی محسوس کیا کہ انہیں روکنے کی ضرورت ہے گورنر لاہور نے آدینہ بیگ کو جب سکھوں کی سرکوبی کا حکم دیا تو آدینہ بیگ نے 1752ء میں دریائے ستلج کے کنارے ماکھوال میں انہیں شکست فاش دی مگر اس وقت حکمت عملی یہ تھی کہ کبھی ایک فریق کا اور کبھی دوسرے فریق کا ساتھ دو چنانچہ اس نے رام گڑھیا مسل کے جسا سنگھ کو اپنی ملازمت میں لے لیا عالمگیر ثانی کے زمانے میں جب وزیر غازی الدین نے لاہور پر قبضہ جمالیا تو اس نے آدینہ بیگ کو بھی وہاں کا گورنر بنا دیا مگر کچھ عرصہ بعد ہی احمد شاہ ابدالی نے56-1755 میں پھر حملہ کیا تو آدینہ بیگ پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گیا ابدالی 1757 میں واپس گیا تو اگلے سال آدینہ بیگ سکھوں کی مدد سے پھر جالندھر دوآب کا گورنر بن گیا اسے یہاں سے نکالنے کے لیے لاہور سے فوج بھیجی گئی اس نے فوج کو تو شکست دے دی مگر جب وزیر جہان خان نے خود چڑھائی کی تو پھر مجبور ہو کر پسپا ہو گیا آدینہ بیگ کے خلاف پہلی کارروائی کے ذمہ دار مراد خان کو اس کی نااہلی کی بنا پر بٹالہ میں پھانسی دے دی گئی اور سکھ جسا سنگھ کلال کی قیادت میں اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ افغانوں کو لاہور سے نکال باہر کریں انہوں نے آدینہ بیگ سے بھی نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آدینہ بیگ نے مرہٹوں سے مدد طلب کر لی اور انہیں فی پڑاؤ ڈیڑھ لاکھ روپے کی پیش کش بھی کر دی جو انہوں نے فورا

MashalBooks.com

قبول کر لی اور آدینہ بیگ کی مدد سے انہوں نے تیمور شاہ کو لاہور سے نکال دیا اور آدینہ بیگ کو پنجاب کا گورنر بنا دیا آدینہ بیگ نے بٹالہ کو صدر مقام بنایا اور ملتان اور کانگڑے تک اپنے اقتدار کو توسیع دے دی اب ماجھے کے سکھ آدینہ بیگ کے مخالف ہو گئے تو بیگ کی فوج نے انہیں پھر زبردست شکست دی مگر اسی سال یعنی 1758ء میں جب اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی تھی اسے قولنج کا درد اٹھا اور بٹالہ میں فوت ہو گیا اسکی نعش ہوشیار پور کے نزدیک ایک گاؤں خان پور میں لے جا کر دفن کر دی گئی ایک دوسرے بیان کے مطابق اس کا انتقال ہی خان پور میں ہوا تھا

آدینہ بیگ کی وفات سے سکھوں کی طاقت کے آگے بنا ایک بڑا بند ٹوٹ گیا اور وہ جلد ہی سارے علاقے میں پھیل گئے۔

اب دوآبہ کے اس حصے میں دونوں مسلوں رام گڑھیا اور کنہیا یا کاہنیہ میں بالا دستی کے لئے کشاکش شروع ہو گئی رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کا زور 1808 میں اور کاہنیا کا زور 1811 میں توڑ کر رکھ دیا اور پورے ضلع پر اس کا اقتدار حاوی ہو گیا یہ دینا نگر میں آموں کے باغات بھی تھے اور قریبی نہر نے بھی اس کے حسن میں اضافہ کر رکھا تھا چنانچہ شیر پنجاب یہاں گرمیوں میں قیام کیا کرتا جب اسے کوئی اور مصروفیت نہ ہوتی۔ یہاں گرمیوں کے دو مہینے مئی اور جون میں قیام کے دوران وہ فوجی مشقیں بھی کرایا کرتا اس مقام پر مئی 1838 میں میکناٹن مشن آیا اور دونوں میں کابل میں شاہ شجاع کو تخت نشین کرانے کی تجویز کا معاہدہ ہوا بدقسمتی سے اسی معاہدہ نے بعد میں بہت سی مصیبتیں کھڑی کیں دینا نگر میں مہاراجہ عموماً خیموں میں رہا کرتا اس نے کوئی بڑی عمارت رہائش کے لئے تعمیر نہیں کرائی تاہم اس نے سرکاری طور پر آموں کے بڑے بڑے باغات لگائے جو اب بھی موجود ہیں۔ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یہاں سے ہی بڑی سیاسی تقویت ملی تھی اس نے بٹالہ میں کاہنیا مثل کے گوربخش سنگھ کی بیٹی مہتاب کور سے شادی کی تھی اور اس کے بیٹے کھڑک سنگھ کی شادی فتح گڑھ کے جیمل سنگھ کاہنیا کی بیٹی چندکور (یا چاندکور) سے ہوئی تھی مہاراجہ نے اسی نام کی ایک اور لڑکی مہتاب کور سے بھی شادی کی تھی جس کے حسن کا بڑا چرچا تھا وہ شکر گڑھ تحصیل کے بھا بھڑا جاٹ کی بیٹی تھی کانگڑہ پر ایک چڑھائی کے دوران اس نے دنیرا کے پٹھانیہ راجپوت مہر پدم کی بیٹی راج دیوی سے شادی کی اور ایک گاؤں کی جاگیر مہر کو دی اس کی وفات کے بعد جاگیر تو لے لی گئی تاہم یہ خاندان اب

بھی یہاں موجود ہے تحصیل شکرگڑھ میں اس نے مزید تین شادیاں کیں پنڈتوں نے اسے مشورہ دیا کہ سلہریا راجپوتوں کی لڑکی اس کے لئے بڑی بھاگوان ثابت ہوگی ان میں سے ایک رانی اتو والی کی تھی جس نے اس گاؤں میں ٹھاکر دوارہ تعمیر کرایا تھا دوسری مسماۃ سیدانو کا انتقال کوئی 25 برس پہلے ہوا اور تیسری چندوال کی ہر دیوی مہاراجہ کے ساتھ ستی ہو گئی تھی یہ رشتے ناطے دراصل صرف تجارتی سودے تھے چنانچہ لڑکیوں کے خاندانوں کو کچھ روپیہ دیا گیا وگرنہ نہ انہیں جاگیر ملی نہ اس رشتے کے حوالے سے عزت واحترام۔

اس کے بعد اس ضلع میں حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تا آنکہ 1848 میں پنجاب کا الحاق نہیں ہو گیا1852ء اور1862ء میں کانگڑہ کا علاقہ شاہ پور کنڈی ضلع گورداسپور میں شامل کرلیا گیا اور اس ضمن میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں بجز اس کے کہ نور پور کے آخری راجہ بیر سنگھ کے بیٹے رام سنگھ نے49-1848 تک اس کو حاصل کرنے کی ناکام کوششیں کیں اگست 1848 میں اس نے جموں کے راستے بڑی تیزی سے حملہ کیا اور شاہ پور قلعہ پر قبضہ کرلیا تاہم فوراً ہی یہ قبضہ ختم کرلیا گیا اور وہ بھاگ کر بسوہلی میں سکھوں کے پاس پہنچ گیا 1849 میں اس نے راجہ شیر سنگھ سے دو سکھ رجمنٹیں لے کر پہاڑی سلسلہ ڈلا دھار میں ڈلاٹکہ کے پاس مضبوط پوزیشن لے لی جان لارنس کی سرکردگی میں فوج نے اسے شکست دی آخر گرفتار کرلیا گیا اس لڑائی میں دو انگریز افسر مارے گئے تھے ان کی یاد میں دلا ڈھار میں ایک پہاڑی چوٹی پر لاٹ بنائی گئی جس پر یہ تحریر درج ہے۔

لیفٹیننٹ جان پیل کی یاد میں

جس نے رام سنگھ کی بغاوت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ 16 فروری کو ڈلا کے قریب زخمی ہوا اور 17 فروری 1849 کو زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہوا

منجانب: 51 ویں سکھ ایف ایف کے افسران

یہاں 1857 کے واقعات کے بارے میں پنجاب میوٹنی رپورٹ سے مندرجہ ذیل اقتباس لیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر مسز نیسمتھ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ سات لاکھ روپے کا خزانہ امرتسر کے قلعہ گوبند گڑھ میں بھجوا دیا خزانہ کچی گھوڑ سوار فوج کی نگرانی میں بیل گاڑیوں وغیرہ پر

20-ئی کی رات کو بھجوایا گیا جس نے 44 میل کا سفر طے کیا 3 جون کو بے یقینی میں اس طرح مزید کمی آئی کہ 59 ویں نیٹو انفنٹری کے ایک حصے کو امرتسر میں اپنے ہیڈ کوارٹر جانے کا حکم دے دیا گیا خزانے کی حفاظت کے لیے اس کی جگہ پولیس کی بٹالین نے لے لی اور پولیس سے ہی پہریدار لے کر انہیں 59ء ویں کی روانگی تک سارے یورپی باشندوں کے گھروں پر تعینات کیا گیا جیل کی کڑی نگرانی کی گئی قیدیوں کی ان کے دوستوں کے ساتھ ملاقات بالکل بند کر دی گئی تا کہ یہ کہیں مل کر جیل نہ توڑ دیں اس ضلع میں ہندوستانی ملازموں کی تعداد غیر معمولی حد تک زیادہ تھی کیونکہ ان دنوں نہر باری دو آب پر کام ہو رہا تھے اس کا ہیڈ کوارٹر مادھو پور میں تھا اس منصوبے میں ابھی تک پنجابیوں کو کوئی کام نہیں دیا گیا تھا نہ انہوں نے رغبت کا اظہار کیا تھا بہت سے کلرک۔ ٹھیکیدار اور مستری وغیرہ ہندوستانی باشندے تھے چنانچہ ضروری تھا کہ کسی قسم کی تخریبی کاروائی سے بچنے کے لیے ان پر کڑی نگاہ رکھی جائے دو ہندوستانی سول افسروں پر گہرے شبے کا اظہار کیا گیا تو انہیں باقی ماندہ باغیوں نے ساتھ لے کر ایک جزیرے میں پناہ لی جہاں وہ توپوں کو حرکت میں لے آئے پھر اپنی عورتوں اور لوٹے مال کے ساتھ وہیں موجود رہے 16 جولائی کو دن کی روشنی میں ان کی مضبوط پوزیشن پر حملہ کیا گیا کئی لوگ دریا میں ڈوب گئے کئی ایک پانی میں تھے کہ گولیوں کا نشانہ بنے کئی بھاگتے ہوئے مارے گئے جو پکڑے گئے ان کو مارشل لاء کے تحت سزائے موت دے دی گئی 18 جولائی کو یہ کالم واپس گورداسپور پہنچ گیا۔

اس معرکے کی کچھ مزید دلچسپ تفصیل ہمیں سرجن جنرل انٹر آف چارموتھ ڈور سے نے کمال مہربانی سے فراہم کی ہے سرجن جنرل اس وقت 52 ویں دستے کے ساتھ تھے۔

جب بغاوت ہوئی تب 46 ویں اور 35 ویں نیٹو انفنٹری رجمنٹس کے 9 نویں لائٹ کیولری کے ساتھ ہماری ہمراہی میں سیالکوٹ میں مقیم تھیں موخرالذکر کے دونوں دستوں کو جلال آباد رجمنٹ کا نام بھی دیا گیا یہ 43-1842 میں سر رابرٹ سیل کی سرکردگی میں کابل میں لڑی تھیں اور تب بڑی خرابی ہوئی تھی 35 ویں اور 9 ویں لائٹ کیولری کا ایک حصہ سر نیول چیمبرلین کی سرکردگی میں ہمارے متحرک کالم کا حصہ تھا 46 ویں رجمنٹ اور 9 ویں لائٹ کیولری کا دوسرا حصہ ہم نے سیالکوٹ میں چھوڑا تھا اور بریگیڈیئر کے حکم کے مطابق ہم نے ذاتی اور میس کٹ 46 ویں رجمنٹ کے کوارٹر گارڈز کو دے دی تھی جب ہمیں امرتسر میں

MashalBooks.com

بذریعہ تار اطلاع ملی کہ 46ویں رجمنٹ اور 9ویں لائٹ کیولری نے بغاوت کردی ہے اور وہ گورداسپور کے راستے دہلی کی طرف چل پڑے ہیں تب متحرک کالم کی کمانڈ جنرل نکلسن کررہا تھا (اس وقت سر نیول چیمبرلن کو دہلی میں ایڈ جوئنٹ جنرل بنا دیا گیا تھا) نکلسن نے 9ویں کیولری سے گھوڑے لے لئے تھے اسے پیدل بنا دیا تھا ان گھوڑوں کو بیل گاڑیوں اور ٹٹوؤں وغیرہ کے ذریعے رات کو گورداسپور کی طرف کوچ کرایا گیا تھا دو کمپنیوں کو گوبند گڑھ قلعہ کے سامنے راوی کے گھاٹ کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا رجمنٹ کے بیمار لوگوں کو مقامی ہسپتال میں داخل کرایا گیا فوجیوں کی سفید سوتی وردی کو بارود اور پانی ملا کر اس میں رنگ دیا گیا اور غالبا فوجی تاریخ میں وردی کو خاکی رنگ دینے کی یہ پہلی کوشش تھی اور مدعا یہ تھا کہ 46ویں رجمنٹ باغی (46ویں رجمنٹ) کو انگریز فوجی نہ سمجھیں بلکہ انہیں مقابلے پر آنے والے دیسی سپاہی ہی سمجھیں 46ویں رجمنٹ کے دونون بازوؤں پر 9ویں لائٹ انفنٹری کے دستے تھے اور کمان صوبیدار میجر کررہا تھا ہماری طرف ایک کالم کے ساتھ نئے رنگروٹ تیس کے قریب سوار تھے اور یہ لوگ بعد میں معروف ہڈسن ہارس میں مرکزی حیثیت حاص کر گئے۔

پورے دریا پر پہرہ لگانا مشکل تھا کیونکہ ایک تو یہ کہ دریا کو پیدل عبور کیا جا سکتا تھا دوسرا اس کے نواح میں پہاڑی علاقہ تھا اس لئے یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ دریا ایک رکاوٹ بن سکتا ہے تاہم تمام ایسا سامان ہٹا لیا گیا جو تیرنے وغیرہ کے کام آ سکتا تھا دو کو چھوڑ کر باقی ساری کشتیاں ہٹا لی گئیں تھیں جب سات جولائی کو جہلم میں ہونے والی بغاوت کی خبر ملی تو یہ دو کشتیاں بھی ڈبو دی گئیں چنانچہ وقتی طور پر دریا کو ناقابل عبور بنا لیا گیا اس کے دو دن بعد باغیوں کی وہ لہر اٹھی جو سیالکوٹ سے گورداسپور کی طرف بڑھی یہ نیٹو انفنٹری اور نوویں لائٹ کیولری کے باغیوں پر مشتمل تھی تار کے زریعے یہ خبر بریگیڈیئر جنرل نکلسن کو امرتسر میں پہنچائی گئی جو اپنے متحرک کالم کے ساتھ وہاں پہنچا تھا سگنیلر شراب میں دھت تھا اس نے یہ تار وہاں نہیں پہنچائی تاہم میل کارٹ کے ذریعے یہ اطلاع علی الصبح وہاں پہنچا دی گئی نکلسن کو کہا گیا کہ وہ باغیوں کو روکے نکلسن نے اپنے مخصوص انداز میں اسی شام کارروائی شروع کردی کیپٹن بورچر کی سرکردگی میں چھ توپیں ہر مجسٹی کی 52ویں فٹ کے چھ سو سیاسی کچھ سکھ لیویز اور کچھ نیم تربیت یافتہ سکھ سوار بھیجے گئے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیان میں ریلوے لائن نہ ہونے کے باعث تجارت پیشہ لوگوں کو

MashalBooks.com

سینکڑوں اکے یا تانگے فراہم کر دیئے گئے جو دونوں شہروں میں مسلسل رابطہ بنے رہے اس روز دونوں مقامات کے ضلعی افسروں سے کہا گیا کہ جہاں کہیں بہلی یا گھوڑا دیکھیں اس کو فوراً اپنی تحویل میں لے کر پولیس کی نگرانی میں امرتسر میں جنرل نکلسن کے پاس بھیج دیں یہ سامان سفر جب امرتسر پہنچا ان پر فوراً انگریز سپاہی سوار کرائے گئے اور شام کے وقت یہ فوجی پولیس والے چوالیس میل دور گورداسپور کی طرف روانہ ہو گئے جو 11 جولائی کی صبح تین بجے وہاں پہنچے اس فوج کے ساتھ کمشنر مسٹر رابرٹس اور امرتسر کا اسسٹنٹ کمشنر کیپٹن پرکنز جا ملے اگلے روز جنرل نکلسن کو بتایا گیا کہ باغیوں نے تریمو کے پاس دریا عبور کر لیا ہے نکلسن نکل پڑا اور دریا کے ساتھ باغیوں کو جا لیا نویں لائٹ کیولری نے توپ خانے کے دونوں بازوؤں پر دلیری سے حملہ کیا اور بعض توپچیوں کو مار دیا 6 ویں نیٹو انفنٹری توپوں پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھی تاہم اسے کچھ نقصان اٹھانا پڑا تب 52 ویں فوج نے سنگینوں کے ساتھ ان حملہ کر دیا تب وہ واپس مڑے اور بھاگنے لگے۔ انہیں دیہاتی پکڑ کے لے آئے اسسٹنٹ کمشنر کیپٹن آمز اور کمشن کے دوسرے رکن نیسمتھ نے انہیں سزائے موت دی جو لوگ جموں کی طرف بھاگ گئے تھے انہیں مہاراجہ کے افسر پکڑ لائے ان پر لیفٹیننٹ میکموہن اور کیپٹن آمز نے بھیکو چک میں مقدمہ چلایا تاہم ان میں سے بعض ہمالہ پہاڑ کے نامعلوم راستوں سے ہوتے ہوئے سپتی پہنچ گئے مگر لوگوں نے انہیں بھی گھیر لیا تھا پھر کلو کا اسسٹنٹ کمشنر مسٹر ناکس وہاں پہنچا جس نے انہیں گرفتار کیا اکثر کو موت کی سزا دی گئی اگست کے پہلے ہفتے میں 26 ویں نیٹو انفنٹری کے 25 سپاہی لاہور سے نکلے اور اس ضلع کے دلدلی علاقے میں پھنس گئے ان سب کو محکمہ انہار کے مسٹر گاربیٹ اور حنا کی سرکردگی میں ایک نئی لیوی کے دستے اور میجر جیکسن کی سرکردگی میں دوسری ایگولر کیولری نے مار دیا۔ میجر جیکیسن یہاں شدید زخمی ہوا ضلع کے افسروں کا اہم کام نئی لیوی کا قیام تھا یہ کام کیپٹن آمز کو سونپا گیا اور اس لیوی کو پنجاب میں حال ہی میں بنائے جانے والے دستوں کی بہترین لیوی قرار دیا گیا اس معاملہ میں مسز نیسمتھ نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

”عوامی سطح پر بھرتی کا یہ سرکاری اقدام بڑا مؤثر ثابت ہوا اس کے حوالے سے اس علاقے میں لوگوں کے دلوں میں برطانوی مقاصد کے لیے بڑی ہمدردی پیدا ہوئی دونوں فریقوں کو باہمی مفاد اور یک جہتی کی بنا پر ان مقاصد کے لیے ایک دوسرے کی گہری حمایت

حاصل ہوئی اور حکومت سے ہمدردی ہر گھر کے ہر فرد کے دل میں دھڑکن بن گئی فوج کے عسکری جذبے کی بھی تشفی ہوئی اور اس کے ذریعے یہ یقین بھی حاصل ہوا کہ اس کے بہادر بیٹوں پر جو اعتماد کیا گیا وہ اس پر پورا اترنے سے منہ نہیں موڑیں گے۔''

آہستہ آہستہ ہر ضلع اپنی موجودہ وضع پر آنے لگا سبراؤں کی لڑائی کے بعد 8 مارچ 1848 کے معاہدہ لاہور کے مطابق ضلع کانگڑہ سمیت جالندھر دوآب حکومت لاہور نے تاوان کے طور پر برطانیہ کو دے دیا ضلع کانگڑہ کی حد بندی ایک کمیشن نے کی یہ سرحد نہر باری دوآب کے ہیڈ ورکس کے نیچے سے سیدھی ڈھانگو کے قریب چکی نالہ کی پرانی گزرگاہ تک جاتی ہے پھر یہ چکی کی مشرقی شاخ کے ساتھ ساتھ دریائے بیاس تک جاتی ہے اپریل 1849 میں پنجاب کے الحاق کے بعد مسٹر سی بی سانڈرس سے کہا گیا کہ وہ دینا نگر کا نیا ضلع بنائے جس میں امرتسر کے شمال میں واقع باری دوآب کا دو تہائی حصہ شامل ہونا چاہیے بٹالہ کے بارے میں خیال تھا کہ وہ انتہائی جنوب میں واقع ہے اس لئے دینا نگر کو ضلع کا صدر مقام بنایا جائے ضلع کا انتظام صوبہ سرحد میں رائج قوانین کے مطابق کیا جائے۔ لڑائی کے قریب واقع پڑاؤ کے نواحی دو دیہات ٹھکر پورہ اور وزیر پورہ میں ہوئی۔ باغیوں کے پاس کشتیاں نہ تھیں اس لئے وہ کچھ دیر دریا کے دوسرے کنارے پر رکے رہے مگر عجب اتفاق ہوا کہ دریا کا پانی ایک دم کم ہو گیا جسے انہوں نے پیدل عبور کر لیا مگر جیسے ہی بہت سے باغیوں نے دریا عبور کیا پانی کی سطح معمول پر آ گئی اور کچھ باغی دریا کی دو شاخوں کے درمیان جزیرے کے اندر ہی رہ گئے تحصیل شکر گڑھ کے جھن مان سنگھ کے سردار مان سنگھ نے اس لڑائی میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں مگر جنگ کے اختتام کے قریب وہ مسٹر نیسمتھ کے پاس میدان کی دوسری طرف جا رہا تھا کہ گولی لگ گئی اسے ٹھکر پورہ میں لے جایا گیا جہاں چند گھنٹوں بعد وہ مر گیا اور اس کی لاش کو گاؤں کے قریب باغ میں جلا دیا گیا اب یہ گاؤں اس کے خاندان کے پاس ہے اس جگہ ایک پکا کتبہ لگایا گیا تھا لمبی سمادھ بنائی گئی تھی مگر اب وہ جگہ کھنڈر بنتی جا رہی ہے اس کی بیوہ تاحیات دو سو روپے پنشن لیتی رہی اس کے بیٹے لہنا سنگھ اور وزیر سنگھ ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ کیش لیتے رہے جہاں جنگ ہوئی تھی اس جگہ اب بھی ہل چلاتے وقت انسانوں اور گھوڑوں کی ہڈیاں زمین سے باہر نکل آتی ہیں یہ ہڈیاں قریب واقع ایک بڑے نالہ کالا پانی میں زیادہ پائی جاتی ہیں اس لئے کہ جب باغی سینکڑوں کی تعداد میں مڑے ہیں تو اس نالے میں جا پڑے جہاں یا تو وہ ڈوب

MashalBooks.com

گئے یا انہیں گولی ماردی گئی' جو یورپی مارے گئے انہیں گورداسپور میں پڑاؤ کے قریب دفن کیا گیا مگر موقع پر جنگ کے بارے میں کوئی یادگار نہیں کھڑی کی گئی باغی اپنے ساتھ سیالکوٹ سے وہ توپ لائے تھے جس سے صبح کے وقت گولے داغے جاتے یہ توپ دریائے راوی کے جزیرے میں بھی لے آئے تھے مگر یہ وہاں پھنس گئی اور اس سے ایک بھی گولا نہ داغا گیا بعد میں اس پر ہمارا قبضہ ہوا اور اسے واپس سیالکوٹ لے جایا گیا 52 ویں رجمنٹ اپنے ساتھ مس کی پلیٹیں وغیرہ بھی لے آئے تھے جنہیں بعد میں بوجھ کم کرنے کی خاطر دریا میں پھینک دیا گیا اور پھر انہیں کسی دریا سے نہیں نکالا گیا۔

وزیر سنگھ اب جھن مان سنگھ میں رہتا ہے اس کا ایک بیٹا ٹھاکر سنگھ سفید پوش ہے اس کے چھ پوتے ہیں لہنا سنگھ 1902ء میں مرگیا اس کا پوتا سردار بھگوان سنگھ 19 ویں کیولری میں وردی میجر ہے ایک بیٹا سیوہ سنگھ اسی پولیس سے ریٹائر ہوا ہے اور درباری ہے اس کا بیٹا اوتار سنگھ پولیس میں سب انسپکٹر ہے۔ اپریل 1867 کو بٹالہ تحصیل امرتسر میں شامل کی گئی لیکن یکم اپریل 1869 کو دوبارہ گورداسپور میں شامل کی گئی کیونکہ امرتسر سے الحاق کے بعد انتظامی مشکلات پیدا ہوگئیں۔

ضلع میں بہت سی عمارتیں بھی ہیں اور آثار قدیمہ کے آثار بھی مگر ان میں سے چند ایک اہم ہیں۔

شاہ پور سے پانچ میل کے فاصلے پر راوی کے کنارے مکیشور میں چٹانوں میں مندر تراشے گئے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت پرانے مندر ہیں اور صنمیاتی یا داستانوی پانڈوؤں کے زمانے میں بنائے گئے تھے دھوپ کی وجہ سے ستون سیاہ ہوگئے ہیں تاہم لگتا یہی ہے کہ کندہ کاری اور تراش خراش بہت پرانی ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں ارجن اور پاربتی بھی آئے تھے دریا سے کچھ اوپر چٹانوں پر ایک گڑھے کو ارجن چولہا کا نام دیا گیا ہے یہ جگہ ڈلا دھار چکر دار سڑک سے تقریباً ایک ہزار فٹ بلندی پر دیکھی جاسکتی ہے اس کا موجودہ مجاور یا مہنت بزرگ سنیاسی کنہیا گیر جموں کا رہنے والا ہے سب سے بڑی غار کے دروازے کے ماتھے پر جو عبارت ہے کہا جاتا ہے کہ وہ دکنی رسم الخط میں ہے مگر لگتا ہے کہ کبھی کسی نے اس کا ترجمہ نہیں کیا کچھ سال پہلے بردوسارن کے نیچے کرنال نالہ میں چٹان میں تراشے مندر سے ایک سادھو آیا تھا مگر دریا میں پانی کی سطح غیر معمولی طور پر اونچی ہوگئی اور وہ مکیشور میں گھر گیا سیلاب کی مسلسل نو دن

MashalBooks.com

یہی کیفیت رہی اور سادھو بھوکا پیاسا پھنسا رہا پھر معجزہ سا ہوا سیلابی پانی میں کسی گدی کی آٹے سے بھری مشک بہتی آ گئی۔

کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم کی واپسی کا سفر بیاس کے کنارے سے شروع ہوا تھا اور وہ مقام اس ضلع میں ہے مگر روایت ہے کہ وہ واپسی پر یہاں قربانی کے لئے بنائے گئے بڑے بڑے بارہ ستون چھوڑ گیا تھا جواب نہیں ملتے اور خطرہ یہ ہے کہ وہ کبھی نہ مل سکیں گے۔

1556ء میں اکبر کی تاج پوشی کلانور میں ہوئی تھی بہت بڑا پلیٹ فارم اب بھی ہے اس کے گرد جنگلہ بھی لگا ہے اور ان دنوں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کی تحویل میں ہے اس کے قریب ہی اکبر کے ایک جرنیل جمیل بیگ کا عمدہ مقبرہ بنا ہوا ہے ان دنوں پہاڑی راجوں سرمور باسو کانگڑہ نگرکوٹ کے بدھ سنگھ اور جموں کے پرس رام نے دہلی کی حکومت کے خلاف اتحاد بنالیا تھا لاہور سے زین خان کوکا کی کمان میں فوج بھیجی گئی مگر وہ باغی پہاڑی راجوں کو زیر نہ کرسکی پھر راجہ باسو کے خلاف تاج خان کے بیٹے جمیل بیگ کی سرکردگی میں مزید کارروائی ہوئی۔

چنانچہ ان صاحب نے دینا نگر کا ضلع بنا دیا اس کے بعد مسٹر ایچ ڈیویز نے ضلع میں تقریباً ساری تحصیل گورداسپور بٹالہ تحصیل کا زیادہ علاقہ اور پٹھانکوٹ کے 181 گاؤں شامل کر لئے جو1846 کی مقررہ کردہ سرحد سے جنوب کی طرف واقع تھے جولائی1849ء میں دینا نگر کی آب و ہوا کو مضر صحت سمجھتے ہوئے افسروں اور فوجیوں کو بٹالہ منتقل کر دیا گیا اور مہاراجہ شیر سنگھ کے گھر انارکلی میں دفاتر بنا دیئے گئے موسم خزاں میں یہ بات سامنے آئی کہ بٹالہ تو اکثر سیلاب کی زد میں رہتا ہے چنانچہ صدر مقام کے طور پر گورداسپور کو موزوں قرار دیا گیا کچھ عرصہ مزید آب و ہوا کا جائزہ لیا گیا اور یکم مئی 1852ء کو خزانہ دینا نگر سے گورداسپور منتقل کیا گیا اور ضلع کا نام گورداسپور رکھا گیا۔

دریں اثناء باری دوآب نہر پر 1850ء میں کام شروع کیا گیا تھا اور خیال تھا کہ یہ سارے کا سارا کام صرف ایک ضلع کے اندر ہی محدود رکھا جائے چنانچہ کم مارچ 1852 کو شاہ پور کے قریب راوی سے لے کر چکی کے جنوب میں پٹھانکوٹ کے اوپر واقع 83 دیہات بھی گورداسپور میں شامل کر دیئے گئے اس وقت مالیہ (بندوبست) کا کام خاصا ہو رہا تھا پھر 1853ء میں اضلاع اور تحصیلوں کی سرحدوں پر نظر ثانی کے موقع پر شکر گڑھ تحصیل کو سیالکوٹ سے لے کر گورداسپور میں شامل کیا گیا گورداسپور اور بٹالہ تحصیل کی سرحدیں تقریباً وہی تھیں

جواب ہیں اس وقت ضلع امرتسر کے جنوب مشرق کے 105 دیہات بٹالہ میں شامل کیے گئے دریائے راوی اور اجھ کے درمیان علاقے کے 99 دیہات شکر گڑھ سے اور 181 دیہات گورداسپور تحصیل اور کانگڑہ سے لے کر پٹھانکوٹ کی تحصیل بنائی گئی صدر مقام پٹھانکوٹ بنا اب ضلع کی صورت یہ ہے۔

شمال مشرقی میں تحصیل پٹھانکوٹ

چک رندھیر کو چھوڑ کر راوی پار تحصیل شکر گڑھ

باری دوآب کا مرکزی علاقہ تحصیل گورداسپور

باری دوآب کا جنوبی حصہ تحصیل بٹالہ

1853ء میں ریاست چمبہ سے ڈلہوزی سینی ٹوریم والا پہاڑی علاقہ حاصل کر کے اسے کانگڑہ ضلع میں شامل کیا گیا تھا پھر اسے اگست 1860ء میں گورداسپور میں شامل کیا گیا اور اپریل 1862ء میں راوی اور چکی کے درمیان سارا پہاڑی علاقہ جو ڈلہوزی اور میدانی علاقے کے درمیان پڑتا ہے گورداسپور میں شامل کر لیا گیا 1861ء میں راجہ تیجا سنگھ کی ساری جاگیر کا اشتمال بٹالہ تحصیل کے جنوب مغرب میں کر دیا گیا اس کا صدر مقام بٹالہ قرار دیا گیا اس طرح اس جاگیر میں بہت سے دیہات شامل تھے اور تیجا سنگھ کو راجہ آف بٹالہ کا خطاب دیا گیا اب نئی تحصیل قادیاں میں بلور کا مربع شکل کا ایک ٹکڑا ابھی موجود ہے اس پر کوئی تحریر بھی موجود ہے کہا جاتا ہے کہ اس ٹکڑے کی کچھ طلسماتی صفات بھی ہیں اور یہ چوتھے گوردسری رام جی کے زمانے کا ہے کہا جاتا ہے کہ اس مندر کی پورے ہندوستان میں کوئی ساٹھ شاخیں بھی ہیں۔

☆☆☆

شہراوراہم مقامات

بٹالہ شہر کی بنیاد کپورتھلہ کے بھٹی راجپوت رائے کرم دیو نے بہلول خان لودھی کے زمانے (1472ء) میں رکھی تھی ان دنوں راوی اور چناب کے درمیانی علاقہ میں بڑی ویرانی پھیلی ہوئی تھی ایک تو بار بار کے خوفناک سیلاب کی وجہ سے دوسرے جسرت گکھڑ (کھوکھر) کی غارت گری کے سبب وائسرائے تاتار خان نے نو لاکھ تنکے کے عوض صوبے کے مالیہ کا ٹھیکہ رائے کرم دیو کو دے رکھا تھا رائے رام دیو لاہور کے شیخ محمد قادری کے زیر اثر مسلمان ہو گیا اس شہر کے لیے جو جگہیں پہلے تجویز ہوئی اسے نحس خیال کیا گیا نجومیوں کے کہنے پر اس جگہ کا تبادلہ موجودہ رقبہ سے کیا گیا جگہ کا تبادلہ وٹہ یا بٹہ کہلایا اس طرح اس کا نام بٹالہ وٹالہ ہو گیا شہر کے جنوب مشرق میں رام دیو کا مقبرہ اب بھی موجود ہے عمارت پکی اینٹوں کی ہے اس پر ڈھلوان دار گنبد بھی ہے جس کو سہارا ایک بہت ہی چوڑی پکی دیوار کا ہے چنائی گارے کی ہے اس کے طرز تعمیر کی بنا پر مسٹر روجرز نے اس کا عہد تعمیر پٹھانوں یا لودھیوں کا زمانہ قرار دیا ہے اکبر کے زمانے میں شمشیر خان نامی خواجہ سرا نے جو بٹالے کا کروڑی بھی تھا قصبے کے شمال مشرق میں ایک خوبصورت تالاب بنوایا تھا (925ھ) اور نواح میں ایک باغ لگوایا جس کا نام انار کلی تھا باغ کے اندر اور تالاب کے قریب شمشیر خان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے اور اس پر اس کا نام لکھا ہوا ہے اورنگ زیب کے زمانے میں مرزا محمد خان نے جسے وزیر خان کا خطاب دیا گیا تھا یہاں بازار اور دوکانیں بنا کر شہر کو بارونق بنا دیا تھا قاضی عبدالحق نے جامع مسجد بنائی امر سنگھ قانونگو نے تین تختوں پر مشتمل ایک عمدہ باغ لگوایا اس زمانے میں بٹالے کی بڑی شہرت اس کے علم وعرفان کے سبب تھی یہاں شہاب الدین بخاری شاہ اسماعیل شاہ نعمت اللہ اور شیخ اللہ داد جیسے بزرگ گزرے ہیں شہاب الدین بخاری کا مزار بھی موجود ہے اور یہاں پر ان کی

MashalBooks.com

آل اولاد یعنی بخاری سید آباد ہیں ان کے ایک اور نامور عزیز سرخ دریا کا مزار بٹالہ سے پانچ میل دور فتح خان نامی گاؤں کلانور میں ہے تاہم شبے کی بات ہے کہ کہ کیا سرخ دریا یہاں دفن ہیں یا لاہور میں مدفون۔

فرخ سیر کے زمانے میں سید محمد فاضل گیلانی نے یہاں ایک کمک بھیجی لڑائی مین جمیل بیگ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا اس کی لاش کلانور میں لا کر دفن کی گئی یہ مقبرہ اس کے سوگوار باپ تاج خان نے بنایا تاج خان نے فارسی میں ایک مرثیہ بھی لکھا تھا جس کے کچھ مقبرے پر لکھے ہوئے ہیں اقلیدسی شکل کی بہت خوبصورت آرائش کی گئی ہے اور شاہدرہ میں آصف جاہ کے مقبرے سے بڑی ملتی جلتی ہے بلاشبہ گزرے پرانے زمانوں میں کلانور بڑا مشہور شہر تھا ایک پرانی ضرب المثل بھی ہے کہ اگر لاہور نہیں دیکھا تو کلانور ہی دیکھ لو کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ہندو راجوں نے رکھی تھی اس کے نواح میں موجود بے شمار کھنڈر اس کی قدامت کے گواہ ہیں قصبے کے قریب نالہ کاہنواں پر شو کا مندر ہے جہاں شیوا تری کے میلہ کے موقع پر بہت لوگ آتے ہیں۔

کاہنواں کا نام سرکنڈوں اور دلدل کی وجہ سے پڑ گیا اس میں بھی بہت سی پرانی عمارتیں ہیں ان میں سے سب سے بڑا شاہ برہان کا مقبرہ ہے جو جہانگیر کے زمانے میں یہاں آتے بیراگی بھگوان جی کی گپھا ہے سنیاسیوں کا مٹھ اور ایک خاصا بڑا جوگی مندر ہے بلندی کی طرف ایک بہت بڑی باؤلی ہے جسے استعمال نہیں کیا جاتا اس کے بارے میں ایک کہانی زبان زد عام ہے کہا جاتا ہے کہ ایک راجپوت سردار کی دو بیویاں تھیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما رہتیں سردار ناراض ہو گیا اس نے ایک باؤلی تعمیر کرائی اور ستونوں کے نیچے پانی کی سطح سے اوپر پہلی سیڑھی کے نیچے ان دونوں کو دفن کر دیا اور کہا کہ مستقبل میں یہ دونوں پہلو بہ پہلو بڑے آرام اور سکون سے رہیں گی۔

ہندوؤں کا ذکر پہلے آ چکا ہے اس کا کاہنواں سے بڑا قریبی تعلق ہے یہاں شہنشاہ جہانگیر نے جو مندر تعمیر کرایا تھا اب بھی موجود ہے تاہم اس کے مقابلے میں ایک اور بہت بڑا مندر تعمیر کر دیا گیا ہے جس سے پہلے والے مندر کی آب و تاب ماند پڑ گئی ہے اس صحت افزا مقام پر کانگڑے کے راجے اور کشمیر کے حاکم اکثر آ کر رہا کرتے تھے یہاں پر اٹھارہ سمادھیں ہیں اور گوروئی کی تیرہ گدیاں ہیں زیادہ معروف بھگوان جی اور اس کے دو چیلوں نرائن جی اور

بابا مہیش داس جی کی گدیاں ہیں بابا ہری کرم جی دھمتال سے آیا تھا ایک گدی اس کی ہے بابا مہیش داس جی کی سمادھی کے ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی سمادھ ہے جو بابا کے کتے کی ہے بابا نے اپنی روحانی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کتے کو سوا من افیون کھلا دی تھی شہنشاہ جہانگیر نے مندر کے لئے جو چراگاہیں دی تھیں ان کے بارے میں تانبے کی پلیٹ پر پورا فرمان اب بھی موجود ہے۔ درس گاہ قائم کی جس میں قرب و دور سے طالبان علم آیا کرتے بندہ بیراگی نے اس مدرسے کو تباہ کر دیا اور علم و دانش کے حوالے سے بٹالے کی شہرت گہنا گئی حالانکہ اسی وجہ سے اس کا نام بٹالہ شریف پڑ گیا تھا تاہم اب شریف کے معنی بدل گئے ہیں کیونکہ یہاں کے باشندوں کی اکثریت بے کردار اور فریبی ہے۔

بٹالہ سکھوں کی رام گڑھیہ اور کنہیایا کا ہیئہ مسلوں کے درمیان جنگ و جدل کا مرکز بنا رہا 1798 سے 1811 تک رام گڑھیہ مسل کی سرداری گور بخش سنگھ کی بیوہ سدا کور نے کی بٹالے والے اس ہمہ صفت موصوف خاتون کو اب بھی یاد کرتے ہیں اس نے کمال حسن انتظام اور راواداری سے اس شہر پر حکومت کی۔ اس کے قلعے کے آثار شہر کے جنوب میں فصیل کے قریب اب بھی موجود ہیں یہ بہت بڑا قلعہ ہے اس کے علاوہ شہر کے مغرب اور شمال میں اس کے کئی دروازے اب بھی موجود ہیں لگتا ہے کہ اس نے اپنی آدھی جاگیر دونواسوں شیر سنگھ اور تارا سنگھ کے نام کر دی پہلے تو سدا کور نے باقی جاگیر اور جائداد رنجیت سنگھ کو دینے سے انکار کر دیا پھر رنجیت سنگھ نے حسب عادت اسے دھوکے سے بلوایا پھر فوج بھیج کر اس کی ساری جاگیر پر قبضہ کر لیا اس کے بعد 1832ء میں اپنی موت تک وہ مہاراجہ کی قید میں رہی پھر بٹالہ اور کونتر پور کا علاقہ شیر سنگھ کو دے دیا گیا یہ شہزادہ 1841ء میں اپنی تخت نشینی تک یہاں ہی رہا اور بٹالہ اور کاہنواں کے لوگوں میں اس کے شکار اور نشانہ بازی کے بڑے قصے مشہور تھے بٹالہ کے قریب اس کا محل انار کلی اطالوی طرز تعمیر کا نمونہ ہے بلند و بالا ہے اور اس پر سے ارد گرد تمام علاقہ نظر آتا ہے اب یہ محل لیز پر چرچ مشنیری سوسائٹی کو دے دیا گیا ہے شیر سنگھ نے شمشیر خان کی مسجد کو محل انار کلی میں شامل کر کے تالاب کے پاس چبوترہ بنا دیا تھا

سکھ گوروں کے نام سے وابستہ قدیم آثار کا ذکر اوپر ہو گیا ہے تاہم ڈیرہ نانک کی تفصیل دینے کی ضرورت ہے۔

یہاں بابا نانک کے نام ڈیرہ بابا نانک سے بصورت سنہری مندر یا گوردوارے 1744ء

اور1754ء کے درمیان بنائے گئے بابا نانک کی آل اولاد نے یہاں اراضی خریدی اور ڈیڑھ بابا نانک کی بنیاد رکھی جہاں بابا نانک عبارت کیا کرتے اس جگہ انہوں نے کچا گوردوارہ بنایا نواب حیدر آباد رکن اور پر وزیر دیوان نانک بخش نے یہاں پر پختہ عمارت تعمیر کرنے کیلیے پچاس ہزار روپیہ پیش کیا اس کے بعد راجہ چندر لال نے مزید تعمیرات کے لیے خاصی ساری رقم دی1765ء میں تعمیر شروع ہوئی کام 1787ء میں مکمل ہوا جب رانی چندکور تخت نشین ہوئی یعنی اپنی نسل کی سرداری سنبھالی تو اس نے گوردوارے کے ایک حصے پر سونے کا کام کروایا۔

دوسرا گوردوارہ ٹاہلی صاحب کے نام سے ہے اس کے قریب ہی ٹاہلی یا شیشم کا بہت بڑا درخت ہے یہ گوردوارہ بابا نانک کے بیٹے بابا سری چند نے تعمیر کرایا تھا1898ء میں ایک اور گوردوارہ تعمیر کر دیا یہ گوردوارہ فتح گڑھ روڈ پر واقع موضع ملووالی میں بنایا گیا مگر اسے پھر شہر کے قریب شمال کی جانب منتقل کر دیا گیا ڈیرہ بابا نانک میں بابا نانک کا ایک نادر چولا سی بھی رکھا ہے جو وہ پہنا کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ جب بابا نانک مکے گئے تھے تو انہیں یہ چولا پیش کیا گیا تھا اس پر عربی کے ہزاروں الفاظ اور نشانات وغیرہ ہیں اس چولے کو عقیدت مندوں کی طرف سے پیش کئے گئے کئی ایک کپڑوں وغیرہ میں ملفوف رکھا گیا ہے چنانچہ اصل چولے کو دیکھنے کے لیے غلاف ہٹانے پر کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

سترھویں صدی کے وسط میں دینا نگر کے قریب برابر پور کا شہر بڑا نمایاں ہوا اسے حاجی بہرام خان نے آباد کیا جو کبھی جموں اور کانگڑے کا چکلہ دار یا گورنر تھا یہ دونوں علاقے بہرام پور ضلع کے ماتحت رہے حاجی بہرام خان نے اپنے بڑے بھائی حاجی رجب علی کی فرمائش پر 1684ء میں ایک عمدہ مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب خستہ حالت میں ہے یہ مسجد اور ایک عید گاہ بہرام پور کے اچھے دنوں کی باقیات رہ گئی ہیں دینا نگر ریلوے سٹیشن بنا تو بہرام پور کی تجارتی سرگرمیاں ختم ہوگئیں ہاں اینٹوں کے بڑے بڑے ڈھیر رہ گئے ہیں شاہ جہاں کے زمانے میں بہرام پور میں شاہ مراد کی سرکردگی میں سرکاری فوج نور پور کے راجہ جگت چندر کی سرکوبی کے لئے اکٹھی ہوئی تھی نور پور مان اور تارا گڑھ پر حملہ آور ہونے سے پہلے پٹھانکوٹ کی طرف بڑھی تھی۔

بہرام پور کا تذکرہ یوں بھی ہے کہ معروف آدینہ بیگ کو پہلی اہم ذمہ داری بہرام پور میں ہی ملی تھی اور محمد شاہ کے عہد میں لاہور کے وائسرائے ذکریا خان نے بیگ کو یہاں کا گورنر

مقرر کیا تھا۔

دینا نگر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بنائی عمارتیں اب معمولی مصرف میں ہیں اس کی بیویوں کی رہائش گاہوں میں میونسپل کمیٹی کے دفاتر ہیں اور جنرل ونچورا والے گھر کو ریسٹ ہاؤس بنا دیا گیا ہے۔

بٹالہ سے ڈیرہ بابا نانک جانے والی سڑک کی بائیں سمت دھیان پور میں رام نند فرقہ کے بیراگیوں کا معروف مندر ہے اس کا بانی بابا لال جی تھا جو شاہ جہان کے عہد میں گزرا ہے شاہ جہان کا بیٹا دارا شکوہ لال جی سے مذہبی مسائل خصوصا وحدانیت کے بارے میں مکالمہ کیا کرتا اور کہا جاتا ہے کہ دارا شکوہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ لال جی وغیرہ کے اعتقادات کا قائل ہو گیا اور مسلمانوں نے اسے بدعتی یا ملحد کہنا شروع کر دیا اس عمارت کی دیواروں پر لال جی اور دارا شکوہ کی تصویریں بنائی گئی ہیں اور انہیں مذہبی موضوعات پر گفتگو میں مصروف دکھایا گیا ہے۔

دھاریوال کے قریب لیہ میں پنڈوری کی گدی کی اہم شاخ ہے اور بے اولاد عورتیں اولاد کی تمنا میں یہاں کی زیارت کرتی اور چڑھاوے چڑھاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ مہنت جنتر منتر کے ذریعے ان کی مرادیں پوری کرتا ہے۔

گورداسپور کے مہنتوں کی لرزاں دیواریں ایک تعمیری عجوبہ ہیں۔

رتڑ چھتڑ ڈیرہ نانک مسیاں اور بٹالے کے قریب سید پیروں کی گدی ہے یہاں ایک بہت بڑا مزار ہے اور اس کے اردگرد علماء کے مقبرے ہیں جبکہ بہت اونچے میناروں والی عمدہ مسجد ہے۔

بٹالہ سے چند میل کے فاصلے پر اچل میں شویا اچلیشور مہاراجہ کا مندر ہے جو ایک بڑے تالاب کے درمیان میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ مندر کورو اور پانڈو کے زمانے کا ہے۔

بٹالہ تحصیل کے موضع گھمن بنڈوری میں بابا نام دیو کا مندر ہے یہ بابا مسلمانوں کی آمد کے شروع زمانے میں معجزے دکھانے میں بڑا مشہور ہوا تھا۔

پٹھانکوٹ تحصیل میں نروٹ مہرا کے قریب جکھبر میں جوگیوں کا مندر ہے شہنشاہ اکبر نے اس گدی کے لئے معافی دی تانبے کی پلیٹ پر لکھا اس کا فرمان بھی موجود ہے یہ تحریر اور پلیٹ اب بھی محفوظ ہے تاہم اس مقام کی اہمیت اور چرچا کم ہو رہا ہے۔

MashalBooks.com

خاندان

ضلع میں کل 19 درباری ہیں ان میں سے سات صوبائی درباری ہیں مندرجہ ذیل گیارہ بڑے خاندانوں کی تاریخ چیفس اینڈ فیملز آف نوٹ ان دی پنجاب کے 46-1 پر دی گئی ان کے اس وقت سربراہوں کا نام یہ ہیں۔

راجہ سنت سنگھ آف اخروٹہ
سردار گوپال سنگھ آف بھاگووالا
سردار ہری سنگھ آف رنگھڑ ننگل
رائے شیو سنگھ بھنڈاری
سردار ہری سنگھ آف تلونڈی لال سنگھ
سردار سروپ سنگھ آف فتح گڑھ
سردار بھگوان سنگھ آف پنج ہتہ
سردار موتی سنگھ آف چشمہ
سردار ہرنام سنگھ بھاگا
مرزا سلطان احمد آف قادیاں
سردار امریک سنگھ آف کھنڈا

ان خاندانوں اور افراد کے علاوہ اور بھی بہت سے معروف لوگ ہیں جن کے خاندانوں یا افراد کی ایسی خدمات ہیں کہ انہیں ریکارڈ پر لانا بنتا ہے بٹالہ میں ٹھاکر ہرکشن سنگھ آف کشن کوٹ اور ٹھاکر مہاں چند یہ لیفٹیننٹ گورنر کی لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے یہ راجہ سر صاحب دیال کے سی ایس آئی کے پوتے ہیں بھم کے ذیلدار کشن سنگھ نے نہ صرف آنریری مجسٹریٹ

کی حیثیت سے اعلی خدمات انجام دیں بلکہ اس نے انتظامیہ کا خاصا ہاتھ بٹایا اب اسے سکینڈ کلاس مجسٹریٹ کا اختیار حاصل ہے اور ابھی ابھی سردار صاحب کا خطاب بھی ملا ہے سردار بہادر دیال سنگھ مان آف علی وال مان محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔ کالا افغاناں کے میاں علیم خان نے کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹیز کی تحریک میں اعلیٰ خدمات انجام دیں ہیں بٹالہ کے میاں غلام فرید نے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے اچھا کام کیا اب ریٹائر ہو چکا ہے اسے خان بہادر کا خطاب بھی ملا ہوا ہے میاں نذر محی الدین سید ہے اور بٹالہ کی ایک دینی درس گاہ کا سربراہ ہے سنگھ پورہ کا سردار نرائن سنگھ گورداسپور سے چند میل کے فاصلے پر نواں پنڈ میں اراضی اور جائیداد خرید کر رہ رہا ہے اسے سردار صاحب کا خطاب بھی ملا ہوا ہے اس کا بیٹا کشن سنگھ زیلدار ہے اور خاصا با اثر چھچھریالہ کا چودھری عالم خان بھی با اثر آدمی ہے ڈیرہ نانک میں بیدی شوبخش سنگھ رئیس ہے گورداسپور میں مہر امیر اللہ آف کلانور لالہ دیوی دیال آف کاہنواں اور مہنت بشمبر ناتھ آنریری مجسٹریٹ ہیں مہنت بشمبر ناتھ مہنت گوریا جی کی اولاد میں سے ہے اور اس مہنت کے نام پر شہر کا نام گورداسپور پڑا کلانور کے قریب حکیم پور کے مغل خاندان کا سربراہ مرزا نیاز بیگ ہے جو محکمہ انہار میں ملازم تھا تحصیل شکر گڑھ میں کنجروڑ کے دت برہمنوں کا سر برآوردہ دیوان صفا چند ہے سکھو چک کا وردی میجر کہروڑ سنگھ اب سب رجسٹرار ہے سکھو چک سے فوج میں بڑی بھرتی ہوئی تھی چجوال کا چودھری حشمت علی اور سنگووال کا چودھری کیسر سنگھ آنریری مجسٹریٹ اول الذکر کو سکینڈ کلاس مجسٹریٹ کا اختیار ہے دونوں بہت قابل قدر افراد ہیں مہاراجہ دلیب سنگھ کے دیرینہ خادم سردار جمیت رائے کے بیٹے موضع ملاح میں رہتے ہیں مگر خاندان کے دن اچھے نہیں رہے اور افلاس کا شکار ہے جھون مان سنگھ کے سردار وزیر سنگھ اور سیوا سنگھ سردار مان سنگھ کے بیٹے ہیں سردار مان سنگھ کا ذکر 1857 کی بغاوت کے سلسلے میں تریمو کی لڑائی کے حوالے سے ہو چکا ہے پٹھانکوٹ میں کتھلور کے ٹنگران راجپوت چودھریوں کا بڑا خاندان ہے ان کے اپنے پندرہ گاؤں ہیں زیادہ چک رندھر میں ہیں ایک کھڑک سنگھ سکینڈ کلاس آنریری مجسٹریٹ ہے چودھری مہر سنگھ سچیتا کا بیٹا اور پہاڑی علاقے کے معروف کوتوال پھینو کا پوتا ہے وہ بھی آنریری مجسٹریٹ ہے۔

بہت سے سپاہیوں نے دیسی رجمنٹوں میں کمشن حاصل کیا تاہم فہرست بہت ہی لمبی ہے ان سب میں سے شائد سب سے سینئر ڈیرہ نانک کا سابق صوبیدار میراں بخش ہے

MashalBooks.com

(گزٹ چھاپہ خانہ میں تھا تو پتہ چلا کہ میراں بخش کا انتقال ہو گیا۔)

احمدیہ فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیان میں پیدا ہوئے اگر چہ فرقہ کے بانی ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے مگر ان کے زیادہ تر پیروکاروں کا تعلق دوسرے اضلاع سے ہے وہ یہاں آ کر آباد ہو گئے ہیں 1911ء کی مردم شماری کا یہ حصہ احمدیہ /فرقے کے بارے میں ہے اور خاص توجہ کا مستحق ہے۔

احمدیہ فرقہ کی بنیاد قادیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور کے مرزا غلام احمد نے رکھی مرزا غلام احمد 1839 میں پیدا ہوئے اور 1880ء میں اپنی معرکتہ الآ راء کتاب براہان احمدیہ لکھی اس میں انہوں نے دعوی کیا ہے کہ ان پر وحی اتری

مسٹر روز نے اس فرقہ کے بارے میں لکھا ہے .... آغاز مولوی کی حیثیت سے کیا مدعا خاکروبوں کی فلاح و بہبود تھا۔ یہ بات صحیح نہیں۔ یہ واقعہ مرزا غلام احمد کے بھائی سے منسوب ہے جو خاکروبوں کا پیر تھا لیکن یہ تحریک اس کی موت کے ساتھ ختم ہو گئی۔

پھر مرزا صاحب نے مہدی ہونے کا دعوی کر دیا مسلمان اور عیسائی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ ایک پیغمبر مہدی نام کا آئے گا احمدیہ فرقہ اب اس سے انکاری ہے کہ مسلمانوں کا مہدی بڑا جنگجو ہو گا احادیث کی مستند کتاب صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ مہدی کوئی جنگ نہیں چھیڑے گا بلکہ مذہب کی خاطر جنگ کو ترک کر دے گا مرزا نے اپنی ضخیم کتاب میں جہاد کے اس تصور کی نفی کی ہے اس طرح یہ فرقہ انتہا پسند اہل حدیث کا سخت مخالف ہے۔

امپیریئل گزٹ کے مندرجہ ذیل مندرجات سے اس تحریک کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔

اسلام میں حالیہ فرقہ ورایت کا آغاز احمدیہ فرقہ نے کیا اس فرقہ کے سربراہ کے نقطہ نظر سے قرآن تمام علوم کا منبع ہے قیامت قریب ہے انہوں نے مذہبی جنگ جہاد کی مخالفت کی عیسائیت ہندومت اور شیعت کے خلاف زبردست تبلیغ کی اور انگریزی تعلیم کی تحریک کی بھی مخالفت کی مگر آخری بات صحیح نہیں اور ثبوت یہ ہے کہ بعض معروف احمدی گریجوایٹ ہیں اور اپنے بیٹوں کو کالجوں میں پڑھاتے ہیں۔

فرقہ کے بانی کا دعوی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مہدی عیسائیوں کے مسیح موعود اور ہندوؤں کے اوتار ہیں ان کا ایک پیروکار ایم محمد علی ایم اے ایل ایل بی ان تین دعوؤں کے حوالے سے احمدیہ تحریک کی آفاقیت ثابت کرتے ہیں ریورنڈ ڈاکٹر گرسولڈ کے پمفلٹ میں

مسیحی نکتہ نظر سے مرزا غلام احمد کے ان دعووں پر بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں میں سے صرف ان کے پیروکار ہی یہ بات مانتے ہیں۔ ہندوان کے اوتار ہونے کے دعوے کو لغو قرار دیتے ہیں۔ اگر چہ براہان احمد یہ کی پہلی جلد 1880ء میں چھپی تھی اور پوری کتاب 1884ء میں مکمل ہوئی مگر مولویوں کی شدید مخالفت کے باعث 1889 تک احمدیہ تحریک قائم نہ ہوسکی مرزا غلام احمد نے تین کتابیں فتح اسلام توضیع مریم اورازالہ اوہام اپنی پوزیشن کی وضاحت کے لئے لکھیں مگر کامیابی نہیں ہوئی تحریک کے ماننے والوں کا اعتقاد اس وقت بڑھا جب مرزا غلام احمد کی کچھ پیش گوئیاں ان کے کہنے کے مطابق صحیح ثابت ہوئیں پیش گوئی کے مطابق کٹڑ مخالف آریہ سماجی لیکھ رام کی پر تشدد موت واقع ہوئی پھر عیسائی عبداللہ عاصم کی موت کہا جاتا ہے اس کی موت میں تاخیر اس لئے ہوئی کہ اس نے موت سے بچنے کے لیے اپنا مذہبی عقیدہ تبدیل کرلیا تھا مگر جیسے ہی وہ دوبارہ عیسائی ہوا اسے موت آ گئی ان پیش گوئیوں کے سبب مرزا غلام احمد کو تقویت ملی انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر نہیں مرے تھے بلکہ وہ بھاگ کر ہندوستان آ گئے تھے اور کشمیر میں انتقال کیا قادیان کے پیغمبر نے سری نگر میں بوس آصف کے مقبرہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ قرار دیا۔

مرزا غلام احمد کا انتقال 26 مئی 1908 کو ہوا اور ان کا جانشین ان کے ایک قریبی ساتھی اور مشیر حکیم نورالدین کو بنایا گیا۔

☆☆☆